بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰه ﷺ:

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْراً يُّفَقِّهْهُ فِيْ الدِّيْنِ.

(صحيح البخاري ١٦/١ رقم: ٧١، صحيح مسلم ٣٣٣/١ رقم: ١٠٣٧)

کتابُ النوازل

منتخب فتاویٰ: مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

نائب مفتی واستاذ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

(جلدِ ثالث)

کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ

ترتیب وتحقیق:

(مفتی) محمد ابراہیم قاسمی غازی آبادی

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

- نام کتاب : کتاب النوازل (جلد ثالث)
- منتخب فتاویٰ : مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- ترتیب وتحقیق : مفتی محمد ابراہیم قاسمی غازی آبادی
- کمپیوٹر کتابت : محمد اسجد قاسمی مظفرنگری
- ناشر : **المرکز العلمی للنشر والتحقیق، لال باغ مرادآباد**

09412635154 - 09058602750

- تقسیم کار : فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ دریا گنج دہلی

011-23289786 - 23289159

- اشاعتِ اول : ربیع الاول ۱۴۳۶ھ مطابق جنوری ۲۰۱۵ء
- صفحات : ۶۴۸
- قیمت : ۴۰۰/روپئے

ملنے کے پتے:

- مرکز نشر وتحقیق لال باغ مرادآباد
- کتب خانہ یحیوی محلّہ مفتی سہارن پور
- کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسائل کی پوچھ تاچھ

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ:

فَسْئَلُوْآ أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○

[الأنبيآء: ۷]

ترجمہ: پس پوچھ لو جانکار لوگوں سے اگر تم نہ جانتے ہو۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

إِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّوَالُ.

(سنن أبي داؤد ۱/۴۹ رقم: ۳۳۶، سنن ابن ماجة ۱/۴۳ قم: ۵۷۲)

ترجمہ: عاجز (ناواقف) شخص کے لئے اطمینانِ قلب کا ذریعہ (معتبر اور جانکار لوگوں سے مسئلہ کے بارے میں) سوال کر لینا ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

حوصلہ افزاء کلمات وتأثرات

از: مخدوم محترم، نمونۂ سلف، حضرت اقدس

مولانا مفتی احمد صاحب خان پوری مدظلہ العالی

مفتی اعظم گجرات وشیخ الحدیث جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل

وخلیفۂ اجل فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ ورکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین. والصلوٰۃ والسلام علی من أنزل علیہ کتاب المبین. فیہ أحکام النوازل إلی یوم الدین.

زیرنظر ''کتاب النوازل'' از قلم محترم ومکرم مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری زید مجدہم کے مضامین وفتاوی پر سرسری نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بڑی کاوش اور ذمہ داری کے ساتھ لکھے گئے ہیں، عرصۂ دراز سے موصوف کے ایسے مضامین اور تحقیقی فتاویٰ سے ایک عالم مستفید ہورہا ہے، عصرِ حاضر کے سلگتے مسائل میں موصوف کی اہم تصانیف ہیں ان کی تحریر میں چاشنی بھی ہے اور ارتکاز بھی، فکری گہرائی اور عمیق نظر نے ان کے فتاویٰ کو اعتبار واعتماد کا مقام عطا کیا ہے۔

اور کیوں نہ ہوتا! جب کہ موصوف کی شخصیت کی تعمیر اور تربیت میں اکابر علماء کا ہاتھ رہا ہے، ان ہی انفاسِ قدسیہ میں سیدی وسندی فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کی ذاتِ بابرکت بھی ہے۔

موصوف گاہے گاہے اپنے والد ماجد حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم کی معیت میں حضرت فقیہ الامتؒ کی خدمت بابرکت میں حاضری کی سعادت

حاصل کرتے، کبھی ساتھ نہ ہوتے تو حضرتؒ از راہِ شفقت وعنایت خود دریافت فرماتے: ''ہمارے دوست کا کیا حال ہے''؟ کبھی امتحان کے لئے حضرت زبانی سوالات بھی فرماتے رہتے، ایک مرتبہ حضرتؒ نے مفتی محمد سلمان صاحب سے پوچھا کہ:

''فقہاء لکھتے ہیں کہ جمعہ وعیدین کی نماز میں اگر امام سے سہو ہو جائے تو سجدۂ سہو واجب نہیں، تو کیا جمعہ وعیدین کے علاوہ اگر کثیر مجمع ہو تو بھی یہی حکم ہوگا؟ موصوف نے جواب دیا: کہ اس حکم کی علت یہ لکھی ہے کہ لوگ فتنہ میں نہ پڑ جائیں۔ اس تعلیل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جہاں بھی فتنہ کا خطرہ ہو وہاں یہی حکم رہنا چاہئے، اور یہ حکم جمعہ وعیدین تک محدود نہ ہونا چاہئے''۔ حضرت یہ جواب سن کر خوش ہوئے اور فرمایا کہ ''ہاں! جب کسی مسئلہ کے متعلق صریح جزئیہ نہ ملے تو اسی طرح جواب دینا چاہئے''۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ موصوف ابھی طالب علم تھے، مفتی کا کورس بھی پورا نہیں کیا تھا۔ لیجئے! حضرت فقیہ الامت نے مفتی بننے سے قبل ہی ان کے جواب پر ''صاد'' کی نشانی لگادی۔

بالائے سرش ز ہوش مندی
می تافت ستارۂ بلندی

''کتاب النوازل'' میں فتاویٰ نویسی کے اصول کا خاص طور پر لحاظ کیا گیا ہے، احقر کو سرسری نظر سے اس کی چند خوبیاں نظر آئیں:

(ا) فتویٰ لکھنے میں اس بات کا خاص لحاظ کرنا پڑتا ہے کہ اصول وکلیات سے جواب نہ لکھا جائے؛ بلکہ کتبِ فقہ سے صریح جزئیہ لکھا جائے، صریح جزئیہ ہوتے ہوئے کلیات سے استدلال کرنا اصولِ افتاء کے خلاف ہے، خود صاحبِ ''کتاب النوازل'' کو ایک موقع پر حضرت فقیہ الامتؒ نے نصیحت فرمائی تھی کہ: ''ہمیشہ جزئیہ فقہی کتابوں سے تلاش کرنا چاہئے''۔

موصوف نے اس نصیحت پر پورے طور پر عمل کیا، جگہ جگہ سوال کے جواب میں صریح جزئیات نقل کئے ہیں، کتاب میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں، بعض جگہ استفتاء کے مطابق ایسا جزئیہ لکھا کہ خیال ہوتا ہے کہ مصنف نے خاص اسی سوال کے جواب کے لئے یہ جزئیہ لکھا ہوگا، اسی

کو نگینہ کی طرح جڑنا کہتے ہیں۔

(۲) اس پر آشوب دور میں ایک گروہ ایسا پیدا ہوا ہے کہ ان کی نظر میں فقہ اور کتب فقہ کی عبارتیں مستدل ومستند نہیں، وہ ہر مسئلہ کی دلیل صریح نص سے چاہتے ہیں۔

''کتاب النوازل'' میں فقہی عبارات وجزئیات کے علاوہ احادیث وآثار کا بڑا ذخیرہ ہے، جن سے مسائل کا مستخرج یکجا ہوگیا ہے، یہ طریقہ سلفیت کا دم بھرنے والوں اور احادیث ہی پر چلنے والوں کے لئے علماء دیوبند کی احادیث وآثار سے واقفیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

(۳) موجودہ دور کے مفتیانِ کرام کی حیثیت ناقلِ فتاویٰ کی سی ہے، فارسی کی مثل ''چوں گفتی دلیلش بیار'' کی تعبیریوں کی جاسکتی ہے ''چوں مفتی دلیلش بیار''۔

''کتاب النوازل'' حوالہ جات سے پُر ہے، فقہ وفتاویٰ کی معروف ومتداول کتب کے علاوہ، تفاسیر، شروحِ احادیث، تواریخ اور دیگر مذاہب کی بیسیوں کتابوں کے حوالوں سے مرصع ہے، حوالہ جات میں بھی اکثر جگہ کتاب، باب، فصل، حدیث نمبر اور مطبع کا لحاظ کیا ہے، اس سے قاری؛ مجیب کی وسعتِ معلومات اور امانت داری کی داد دئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

(۴) موصوف ماہر مفتی ہونے کے ساتھ ہی اچھے خطیب اور شستہ قلم کے مالک ہیں، ایک تجربہ کار قلم کار کی روانی اور ہوتی ہے، اور خطیب کی زبان اور؛ جب کہ فتاویٰ نویسی کے لئے مسائل کی زبان اور قانون کی بولی اختیار کرنی پڑتی ہے، ذرا سے فرق سے مسئلہ بدل جاتا ہے، مذکورہ تینوں صفتوں کے حامل شخص کے لئے ان کی سرحدوں اور حدود کی رعایت بڑی مشکل ہوتی ہے۔

کمال ہے کہ زیرِ نظر فتاویٰ میں اندازِ خطابت اور صاحبِ قلم کی نزاکت کی بو تک محسوس نہیں ہوتی، جو کچھ لکھا ہے فتوے کی زبان میں لکھا ہے۔

الحاصل موصوف نے اپنے منتخب فتاویٰ کا نام عام روش سے ہٹ کر ''کتاب النوازل'' رکھا، یہ اسم با مسمیٰ ہے، ''نوازل'' نازلة کی جمع ہے، جس کے معنی ''جدید اور قابلِ توجہ'' کے ہیں، واقعہ یہی ہے کہ متداول فتاویٰ میں ''کتاب النوازل'' خود قابلِ توجہ اور در خورِ اعتناء ہے۔

امید ہے کہ تیرہ چودہ جلدوں میں یہ کام پائے تکمیل کو پہنچے گا، یہ ذخیرہ اگر اسی آن وشان سے

مدلّل ہوکر منصۂ شہود پرآ گیااورانشاءاللہ ضرورآئے گا،تواُردوفتاویٰ میں اس کی انفرادیت ثابت ہوگی۔

عربی میں فقیہ ابواللیث السمر قندی،حنفی (م:۳۷۳ھ) کی ''کتاب النوازل'' کواولیت کا مقام حاصل ہے: ''وأوّلُ كتاب جُمِعَ في فتواهم فيما بلغنا "كتاب النوازل" للفقيه أبي اللّيث السّمرقندي''.

اردو میں فتاویٰ کا یہ شاہکاراَولیت وانفرادیت کا مقام پائے گا،انشاءاللہ۔

دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ صاحبِ فتاویٰ کی عمر میں برکت نصیب فرمائے،اوراُن کا یہ عظیم الشان کارنامہ جلدازجلد منظرعام پرآجائے،خداوندِکریم اس کوقبولِ عام فرماکرعوام وخواص کےحق میں مفیدتربنائے۔آمین بحرمة سيد المرسلين ﷺ۔

املاہ:العبداحمدخان پوری عفی عنہ

ا/ربیع الاول۱۴۳۶ھ

اِجمالی فہرست

کتاب الطہارت

کتاب الصلوٰۃ

تفصیلی فہرست

کتاب الطہارۃ

پاکی اور ناپاکی کے مسائل ۳۸

وضو کے مسائل

مسح علی الخفین کے مسائل ۱۲۷

غسل سے متعلق مسائل ۱۴۰

تیمّم کے مسائل ۱۵۶

معذورین کے احکام ۱۶۵

حیض ونفاس کے مسائل ۱۶۹

کتاب الصلوٰۃ

اَوقاتِ نماز

اَذان سے متعلق مسائل ۲۷۲

اَذان اور اِقامت میں غلطی کرنا

مکروہاتِ اَذان و اِقامت ۳۲۵

اِقامت سے متعلق مسائل ۳۴۵

اَذان واِقامت کا جواب دینا ۳۷۸

شرائطِ نماز ۳۹۵

ستر کے اَحکام ۴۰۹

نیت سے متعلق مسائل

قرأت کے مسائل ۵۰۹

قرأت میں غلطی

نماز کے واجبات ۵۹۱

سجدۂ سہو کے مسائل ۶۰۵

کتابُ الطہارۃ

پاکی اور ناپاکی کے مسائل

نیا کپڑا دھوئے بغیر پہننا

سوال (۱): -کیافرماتے ہیں علماءدین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیانیاسلا ہوابغیردھلا کپڑا پہن کرعبادت کی جاسکتی ہے؟ جب کہ وہ نیا سلا ہوالباس ظاہری طور پرصاف ستھرااور گندگی وغلاظت سے پاک وصاف ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نئے کپڑے کے بارے میں کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نیاسلا ہوا کپڑا جب کہ اس پرکوئی ظاہری نجاست نہ لگی ہوئی ہوبغیر دھوئے ہوئے پہننا بلا شبہ درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱؍۳۴۴)

من شک في إنائه أو ثوبه أو بدنه أصابته نجاسة أو لا، فهو طاهر ما لم يستيقن. (شامي ۱/۲۸۳ زکریا)

اور نیالباس پہنتے وقت پیغمبرعلیہ الصلوٰۃ السلام کی سنت یہ ہے کہ اللہ کا شکرادا کرتے ہوئے یہ دعاء پڑھی جائے: **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَسَانِيْ مَا أُوَارِيْ بِهٖ عَوْرَتِيْ، وَأَتَجَمَّلُ بِهٖ فِيْ حَيَاتِيْ.** (سنن الترمذي عن عمر بن الخطاب رقم: ۳۵٦۰، مسند أحمد ۱/٤٤) (یعنی ہرطرح کا شکر اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے مجھے ایسا لباس پہنایا جس سے میں اپنا ستر چھپا سکوں اور اپنی زندگی میں خوبصورتی پیدا کرسکوں) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۹؍۱؍۱۴۲٦ھ
الجواب صحیح: شبیراحمد عفا اللہ عنہ

واشنگ مشین سے کپڑے دھونا؟

سوال (۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کپڑے دھونے والی مشین کا تین مرتبہ سے کم دھلا کپڑا پاک اور قابلِ نماز سمجھا جائے گا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: واشنگ مشین میں کپڑا دھونے سے اگر نجاست زائل ہوگئی اور کپڑے سے صاف پانی نکلنے لگا تو کپڑا شرعاً پاک ہوجائے گا، اگر چہ اسے تین بار نچوڑا نہ گیا ہو۔ پھر بھی بہتر ہے کہ اطمینانِ قلب کے لئے تین مرتبہ مشین میں نچوڑ لیا جائے۔

ويجوز دفع نجاسة حقيقية عن محلها ولو إناءً أو مأكولاً علم محلها أولا بماء ولو مستعملاً، به يفتى. (درمختار مع الشامي ۳۰۹ کراچی، ۵۰۹/۱ زکریا)

ويطهر غيرها أي غير مرئية بغلبة ظن غاسل طهارة محلها بلا عدد به يفتى. (درمختار مع الشامي، كتاب الطهارة / باب الأنجاس، مطلب في حكم الوشم ۵۳۹/۱ زكريا)

فعلم بهذا أن المذهب اعتبار غلبة الظن وإنها مقدرة بالثلاث لحصولها به في الغالب وقطعًا للوسواس. (شامي، كتاب الطهارة / باب الأنجاس ۵٤۰/۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۹/۱۰/۱۴۱۳ھ

ڈرائی کلین میں دھلائی

سوال (۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کے ترقی پذیر اور مسابقتی دور میں چونکہ ہر شخص مصروف ہوتا جارہا ہے نیز زمانہ کی نئی ایجادات اور سہولیات سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے اسی سہولیات میں سے ایک ڈرائی کلین کے ذریعہ دھلائی ہے ڈرائی کلین مشین میں ہر طرح کے پاک ناپاک کپڑے ایک ساتھ پٹرول سے دھوئے

جاتے ہیں،تو اس طرح دھلے ہوئے کپڑے پاک ہوجاتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ڈرائی کلین یعنی مشین میں پٹرول ڈال کر دھونے کا عمل ایسا طریقۂ تطہیر ہے جس کا تصور پہلے زمانہ میں نہ تھا، جب یہ طریقہ سامنے آیا اور اکابر مفتیانِ کرام نے اس پر غور کیا،تو دو رائیں سامنے آئیں:

(۱) ڈرائی کلین مشین میں جو پاک کپڑے دھلوائے جائیں وہ پاک رہتے ہیں، اور جو ناپاک کپڑے دھلوائے جاتے ہیں وہ ناپاک ہی رہتے ہیں،اس لئے جن کپڑوں میں ناپاکی لگی ہوان کو گھر میں پاک کر کے ڈرائی کلین میں دینا چاہئے ،یا واپسی کے بعد ان کو دھونا چاہئے۔

اس رائے کے قائلین نے درج ذیل اصول کو بنیاد بنایا ہے: **الیقین لا یرتفع إلا بیقین.**

اور: **ما ثبت بیقین لا یرتفع إلا بیقین.** (الأشباہ والنظائر ۱۰۶، أحسن الفتاویٰ ۸۳/۲)

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی صاحبؒ وغیرہ حضرات نے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔(دیکھئے:احسن الفتاویٰ ۸۳/۲)

(۲) اس بارے میں دوسری رائے یہ ہے کہ پٹرول پانی سے زیادہ قالع نجاست ہے،اور وہ نہ صرف یہ کہ کپڑے کو صاف کرتا ہے؛ بلکہ داغ دھبوں کو بھی زائل کر کے خود اُڑ جاتا ہے، اور اس سے ازالۂ نجاست یقینی طور پر ہوجاتا ہے،اس لئے ڈرائی کلین میں اگرچہ ناپاک کپڑا ہی کیوں نہ دیا گیا ہو؟ اگر پٹرول سے اس کی نجاست زائل ہوجائے ،تو از روئے فتویٰ اس کپڑے پر ناپاکی کا حکم نہیں لگے گا، باقی اگر کوئی شخص احتیاطاً پاک کرلے تو الگ بات ہے۔

حضرت الاستاذ مولانا مفتی نظام الدین صاحبؒ سابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند کا رجحان اسی رائے کی جانب ہے، حضرت کے الفاظ یہ ہیں:

’’یہیں سے یہ بات بھی نکل آئی کہ جب پٹرول میں کپڑوں کی گردش کرانے اور جھنجھوڑنے سے کپڑوں کے داغ دھبے (خواہ وہ ناپاکی ہی کے داغ دھبے ہوں) زائل ہوجاتے ہیں، اور کپڑا صاف ستھرا ہوجاتا ہے،تو جب کپڑوں میں پٹرول جذب نہ ہوکر اُڑ جاتا ہے، اور اس کے اُڑ جانے

کے بعد بھی اثر نجاست (رنگ، بو، مزہ وغیرہ) باقی نہیں رہتا ہے، تو کہنا پڑے گا کہ پٹرول ہی سے ازالہ ہوا ہے، اور تطہیر نام ہے اسی ازالۂ نجاست کا، خواہ قلبِ ماہیت کی وجہ سے ہو، جیسے شراب کا سرکہ بن جانا، اور سرکہ کا پاک شمار کیا جانا، یا محض اڑ جانے سے ہو، جیسے ناپاک روئی کے دھننے سے روئی کا پاک ہو جانا، یا غسل بالماء کے ذریعہ سے، یا کسی بھی سیال طاہر شئ سے غسل کے ذریعہ سے، اور یہ صورت یہاں بھی حاصل ہے؛ لہٰذا اس بنا پر بھی دوبارہ تطہیر کا حکم دینے کی ضرورت نہ ہوگی الخ"۔ (منتخباتِ نظام الفتاویٰ ۱۲۰/۱-۱۲۱)

حضرت موصوف کے مذکورہ بالا فتویٰ پر فقیہ الامت حضرت الاستاذ مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کے تائیدی دستخط بھی ہیں، نیز "فتاویٰ محمودیہ" میں بھی کئی فتوؤں سے اسی موقف کی تائید ہوتی ہے، چناں چہ یقیناً ناپاک کپڑے کے پٹرول سے دھلائی کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں حضرت فرماتے ہیں:

"ناپاکی کا اثر اس میں باقی نہیں رہا، تو اس کو پاک کہا جائے گا؛ کیوں کہ پٹرول زیادہ قاطع ہے پانی سے"۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲۸۹/۸ میرٹھ)

موجودہ دور میں چوں کہ اونی کپڑوں کی حفاظت کے لئے ڈرائی کلین کئے بغیر چارہ نہیں، اور ایسے کپڑوں کو پانی سے دھونے میں سخت نقصان کا اندیشہ ہے، اور ہر ایک کے لئے اس پر عمل بھی مشکل ہے؛ اس لئے اس معاملہ میں فتویٰ دینے کے اندر توسع کی ضرورت ہے: لہٰذا از روئے فتویٰ ڈرائی کلین میں دھلے ہوئے کپڑوں کو ناپاک نہیں کہنا چاہئے، بشرطیکہ ان میں نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۷/۸/۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ٹنکی کے نل سے وضو کرتے ہوئے زمین کی چھینٹوں کا کپڑوں پر اُڑنا

سوال (۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: عام طور پر لوگ ٹنکی کے نل سے وضو کرتے ہیں، مسجد کے علاوہ اپنے گھر پر اگر کوئی وضو کرتا ہے تو دورانِ وضو زمین کی چھینٹیں اس کے کپڑوں پر آ جاتی ہیں، وہ جگہ ایسی ہے کہ سب اہل خانہ جوتے پہن کر اس پر چلتے ہیں اور اس جگہ پر گندگی کا امکان بھی رہتا ہے، اس طرح کی چھینٹوں سے کپڑے پاک رہتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح کی چھینٹوں سے کپڑے کی نجاست کا حکم نہیں دیا جائے گا؛ البتہ اگر نجاست بالکل واضح ہو تو اس کی چھینٹیں ناپاک ہوں گی۔

شک في وجود النجس فالأصل بقاء الطهارة، ولذا قال محمدؒ: حوض تملأ منه الصغار والعبيد بالأيدي الدنسة والجرار الوسخة يجوز الوضوء منه ما لم يعلم به نجاسة. (الأشباه ١٠٣/١)

أما غسالة النجاسة الحكميه: وهي الماء المستعمل فهو في ظاهر الرواية طاهر غير مطهر، أي لايجوز التوضوء به، لكن في الراجح يجوز إزالة النجاسة الحقيقية به. (الفقه الاسلامي وأدلته ٣٤١/١، شامي، كتاب الطهارة/ بحث الماء المستعمل ٢٠١/١ كراچی، كذا في الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطهارة / الفصل الثاني فيما لا يجوز به التوضوء ٢٢/١ كوئٹه) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۸/۵ھ

جس حصہ میں منی لگی ہو صرف اس حصہ کو دھونے سے کپڑا پاک ہو جائے گا

سوال (۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی کپڑے میں منی لگ جائے تو صرف وہ حصہ دھو لینے سے جہاں منی لگی ہوئی ہے کپڑا

پاک ہوجائے گا اور پھراس کپڑے میں نماز ادا ہوجائے گی یانہیں؟ ایک صاحب نے بتایا ہے کہ حالتِ جنابت میں جو کپڑے بدن سے لگے ہوئے ہوں گے سب کی تبدیلی لازمی ہے، تو کیاان صاحب کی بات درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صرف جس حصہ میں منی لگی ہے اس حصہ کو دھونے سے کپڑا پاک ہوجائے گا اوراس میں نماز درست ہوجائے گی، یہ بات غلط ہے کہ حالتِ جنابت کا پہنا ہوا پورا کپڑا ناپاک ہوتا ہے؛ البتہ اگر نجاست لگنے کا یقین ہو؛ لیکن نجاست کی جگہ متعین کرنے میں دشواری ہورہی ہوتو پھر پورا کپڑا دھونا ضروری ہوگا؛ تاکہ کوئی شبہ نہ رہے۔

مستفاد: عن همام بن الحارث قال: ضاف عائشة رضي الله عنها ضيف فأمرت له بملحفة صفراء فنام فيها فاحتلم فاستحيى أن يرسل إليها وبها أثر الإحتلام فغمسها في الماء ثم أرسل بها فقالت عائشة رضي الله عنها: لم أفسد علينا ثوبنا إنما كان يكفيه أن يفركه بأصابعه، وربما فركته من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم بأصابعي. (سنن الترمذي ۱/ ۳۱)

عن جابر بن سمرة رضي الله عنه قال: سأل رجل النبي ﷺ أصلي في الثوب الذي أتى فيه أهلي: قال نعم! إلا أن ترى فيه شيئا فتغسله. (موارد الظمآن ۱/ ۸۲)

عن عائشة رضي الله عنها أنها كانت تغسل المنى من ثوب رسول الله ﷺ، قالت: ثم أراه فيه بقعة أوبقعاً. (سنن أبي داؤد ۱/ ۵۳، صحیح مسلم ۱/ ۱۴۰)

ولو أن ثوبا أصابته النجاسة وهي كثيرة فجفت وذهب أثرها وخفى مكانها، غسل جميع الثوب. (بدائع الصنائع ۱/ ۲۳۶ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۶/۱۱/۲۲ھ

مقدار درہم سے زیادہ نجاست کپڑے پر لگ گئی

سوال (٦): - کیافر ماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص موٹر سائیکل سے ایک جگہ جارہا ہے، گاڑی کے نجاست کے اوپر سے گذرتے وقت چھینٹیں اڑیں اور روپئے سے زیادہ مقدار میں نجاست لگ گئی؛ لیکن چلتے چلتے نجاست خشک ہوکر مقدار میں روپئے سے کم ہوگئی تو کیا اس کپڑے میں بغیر دھوئے نماز پڑھی جاسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں چونکہ ابتداء میں مقدار درہم سے زیادہ نجاست لگی ہے؛ اس لئے اسے پاک کئے بغیر اس میں نماز درست نہیں ہے، اگرچہ خشک ہونے کے بعد اس کی مقدار کم رہ گئی ہو۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى عليه وسلم قال: تعاد الصلاة من قدر الدرهم من الدم. (سنن الدارقطني ١/٣٨٥ رقم: ١٤٧٩)

وإن كانت أكثر من قدر الدرهم منعت جواز الصلاة. (الفتاوى التاتارخانية ١/٤٤٠ زكريا، درمختار مع الشامي ١/٥٢٠ زكريا)

لو كانت أزيد من الدرهم وقت الإصابة ثم جفت فخفت فصارت أقل منعت. (شامي ١/٥٢١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۶/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ناپاک مہندی لگالی تو پاکی کیسے ہو؟

سوال (۷): - کیافر ماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مٹی کے تیل میں چھپکلی گرگئی تھی تو ہم نے وہ تیل مہندی میں ملالیا، اور پھر وہ مہندی ہاتھوں میں رچالی، تو کیا اب مہندی کے رنگ کو ہاتھوں سے ختم کئے بغیر نماز پڑھی جائے، تو کیا نماز ہوجائے گی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مسئولہ صورت میں جب اصل مہندی ہاتھ سے چھٹالی جائے اور ہاتھ کو اچھی طرح پاک کرلیا جائے تو نماز پڑھنا درست ہوجائے گا، مہندی کا رنگ مٹانا ضروری نہیں ہے۔

والمعنى في ذٰلک الحرج، بيانه: أن المرأة إذا اختضبت يدها أو رأسها بحناء نجسة لو شرطنا زوال الأثر لثبوت الطهارة لتقاعدت عن الصلاة زماناً كثيراً وفيه من الحرج ما لا يخفى. (الفتاویٰ التاتارخانية ۱/ ٤٤٩ رقم: ۱۱۷۱ زكريا)

ويطهر متنجس بنجاسة مرئية بزوال عينها ولو بمرة على الصحيح ولا يضر بقاء أثر كلون أوريح. (طحطاوي على المراقي ۱٦۰، نورالإيضاح ٥٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۵/۶/۲۲ھ

لیکوریا اگر کپڑے پر لگ جائے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

سوال (۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: لیکوریا اگر کپڑے لگ جائے تو نماز ہوگی یا نہیں؟ اگر لیکوریا کی بیماری بہت زیادہ ہو جس کی وجہ سے بار بار کپڑے کو دھونے میں پریشانی ہو تو اس کپڑے کے ساتھ نماز جائز ہوگی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اتفاقاً اگر کپڑے پر لیکوریا لگ جائے اور اس کی مقدار درہم سے زیادہ ہو، تو اس کے کپڑے پر لگے رہنے کی حالت میں نماز نہیں ہوگی؛ لیکن اگر کسی عورت کو لیکوریا کی بیماری اتنی بڑھ گئی ہو کہ وہ معذور کے درجہ میں آگئی ہو، یعنی مسلسل لیکوریا جاری ہو تو اس کے حق میں یہ لیکوریا ناپاک نہیں سمجھا جائے گا اور وہ انہی کپڑوں میں نماز ادا کرسکتی ہے۔

وإن كانت أكثر من قدر الدرهم منعت جواز الصلاة. (الفتاویٰ التاتارخانية ۱/ ٤٤۰، شامي ۱/ ٥۳۰ زكريا)

مـريـض تـحته ثياب نجسة و كلما بسط شيئا تنجس من ساعته صلى على حالـه و كـذا لو لم يتنجس إلا أنه يلحقه مشقة بتحريكه. (البحرالرائق ٢/ ١١٤، كتاب المسائل ٢١٠/٢١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۳ /۱۴۳۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس برتن میں کتے نے منہ ڈال دیا ہو اس کی پا کی کیسے ہو؟

سوال (۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جس برتن میں کتا منہ ڈال دے اس برتن کو مٹی سے یا پانی سے پاک کرنا چاہئے، کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس برتن میں کتا منہ ڈال دے وہ تین مرتبہ اچھی طرح دھونے سے شرعاً پاک ہوجاتا ہے۔

عن أبي هريره ﷺ قال: إذا ولغ االكلب في الإناء فأهرقه، ثم اغسله ثلاث مرات. (سنن دارقطني ٦٦/١ رقم: ١٩٣، نصب الراية ١/ ١٣١ عمدة القاري ٤/١ ٨٧، معارف السنن ٣٢٥/١، درس ترمذي ٣٢٢/١) **قال النيموى: إسناده صحيح.** (آثار السنن ١١)

ويغسل الإناء بعد ولوغه ثلاثاً. (هداية ٤٥/١)

و كذلک سور الكلب نجس. (الفتاوى التاتارخانية ٣٥٣/١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/ ۲/ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پسے ہوئے آٹے بیسن، سوجی وغیرہ میں چھپکلی کی بیٹ نکل آئی؟

سوال (۱۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بازار کے پسے ہوئے آٹے، شکر، سوجی، بیسن یا چائے کی پتیلی میں چوہے کی یا چھپکلی کی بیٹ نکل آئے، تو کیا آٹا بیسن اور شکر وغیرہ یہ سب استعمال میں لا سکتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چوہے اور چھپکلی کی مینگنی نکال کر مذکورہ چیزوں کے استعمال میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

بعرة الفأرة وقعت في وقر حنطة فطبخت والبقرة فيها أو وقعت فی وقر دهن لم يفسد الدقيق والدهن ما لم يتغير طعمها. قال الفقيه أبو الليث: وبه نأخذ. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الطهارة / الفصل الثاني في الأعيان النجسة ۱/٤٦)

خبز وجد في خلاله خرء فارةٍ فإن كان الخرء صلباً رمى به وأكل الخبز، ولا يفسد خرء الفارةِ الدهن والماء والحنطة للضرورة إلا إذا ظهر طعمه أو لونه في الدهن ونحوه لفحشه وإمكان التحرز منه حينئذٍ. (الدرالمختار مع رد المحتار ٧٣٢/٦ كراچی، ٤٣٥/١٠ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۵/۹/۵ھ

سڑکوں پر بہنے والی کیچڑ کا حکم

سوال (۱۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سڑکوں پر جب نجاست دیکھنے میں آئے، یا بارش کے وقت نالیوں کا گندہ پانی سڑکوں پر چلتا ہے، یا سڑکوں پر بعد میں گندگی چھوڑ جاتا ہے، اس وقت بارش کی چھینٹیں جو کپڑوں پر آئیں وہ پاک ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ نجاست آمیز کیچڑ ناپاک ہے، اگر یہ کپڑوں پر لگ جائے تو اسے دھونا لازم ہے، اس کے بغیر نماز درست نہ ہوگی؛ البتہ جس شخص کو کثرت سے ایسی حالت میں سڑکوں پر آنے جانے کی ضرورت درپیش ہو اور اس کے لئے بار بار چھینٹوں کا دھونا باعث حرج ہو، تو ایسے شخص کے لئے یہ چھینٹیں معاف قرار دی جائیں گی۔

وطيـن الشـوارع عـفـو وإن مـلأ الثوب للضرورة، ولو مختلطاً بالعذرات وتجوز الصلوٰة معـه ...... بـل الأشبـه الـمنع بالقدر الفاحش منه إلا لمن ابتلي به بـحيـث يـجيء ويذهب في أيام الأوحال في بلادنا الشامية لعدم انفكاك طرقها مـن النجاسة غالباً مع عسر الاحتراز، بخلاف من لا يمر بها أصلاً في هٰذه الحالة فـلا يـعفى في حقه، حتى أن هٰذا لا يصلي في ثوب ذاك ...... والحاصل أن الذي يـنبغي أنه حيث كان العفو للضرورة وعدم إمكان الاحتراز، أن يقال بالعفو وإن غـلبت النجاسة مالم ير عينها، لو أصابه بلا قصد، وكان ممن يذهب ويجيئ وإلا فلا ضرورة. (شـامـي، كتـاب الـطهـارة / باب الأنجاس، مطلب في العفو عن طين الشارع ۱/ ۵۳۱ زكريا، ۱/ ۳۲٤ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۲۵/۷/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا انڈے کی تری پاک ہے؟

سوال (۱۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مرغی جب انڈا دیتی ہے گیلا ہوتا ہے، پھر موسم کے لحاظ سے کچھ وقت میں سوکھتا ہے۔ بعض وقت بیٹ بھی لگی ہوتی ہے، بعض وقت خون بھی لگتا ہے، اگر بیٹ اور خون نہ لگا ہوا ور اس انڈے کو ایسے ہی کسی پانی کے برتن میں ڈال دیا جائے تو وہ برتن اور پانی پاک رہے گا یا نہیں؟ اگر ایسے ہی اس انڈے کو ابالا جائے اور وہ پھٹ جائے، پھٹنے پر وہ پانی بھی اندر جائے گا تو انڈا پاک رہے گا یا ناپاک؟ انڈے کو جب توڑتے ہیں تو اس کے چھلکے انڈے کی زردی اور سفیدی میں لگتے ہیں تو وہ زردی وسفیدی پاک رہے گی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرغی کے انڈا دیتے وقت اس کے چھلکے پر جو تری ہوتی

ہے وہ حنفیہ کے نزدیک پاک ہے؛ لہٰذا اگر انڈا اسی وقت کسی پانی کے برتن میں ڈال دیا جائے تو وہ برتن اور پانی ناپاک نہیں ہوگا، اور یہ انڈا اگر ابالتے ہوئے پھٹ جائے اور پانی اندر چلا جائے تو بھی انڈا ناپاک نہیں ہوگا۔ اسی طرح ان انڈوں کو ملا جلا کر توڑنا سب جائز ہے اور زردی وسفیدی سب پاک ہے، تاہم فقہاء نے احتیاطاً اس پانی سے وضو اور غسل کرنے کو مکروہ کہا ہے۔

البتہ اگر انڈے کے چھلکے پر خون یا بیٹ لگی ہو تو ظاہر ہے کہ وہ ناپاک ہوگا اگر اسے پانی میں ڈالا جائے تو وہ ناپاک ہو جائے گا۔

وكذا البيضة فلا يتنجس بها الثوب ولا الماء إذا وقعت فيه، لكن يكره التوضؤ به للاختلاف. (شامي ١/ ٥٦٤ زكريا)

البيضة إذا وقعت من الدجاجة في الماء أو في المرقة لا تفسده. (حلبي كبير ١٥٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۷/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

انڈے کو بغیر دھوئے استعمال کرنا؟

سوال (۱۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بیکری والے بغیر دھوئے بغیر پاک کئے انڈے توڑتے ہیں اور کیک وغیرہ میں ڈالتے ہیں تو ان کا کھانا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ انڈے سے بنے ہوئے کیک کا کھانا درست ہے۔

البيضة إذا وقعت من الدجاجة في الماء أو في المرقة لا تفسده. (حلبي كبير ١٥٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۷/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

استنجاء میں استعمال شدہ ڈھیلہ خشک ہوجانے سے پاک ہو جاتا ہے یا نہیں؟

سوال (۱۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: استنجاء میں استعمال کردہ مٹی کا ڈھیلہ خشک ہوجانے سے پاک ہوجاتا ہے یا نہیں؟ اس کو اٹھا کر رکھ دیا جائے تو خشک ہوجانے کے بعد دوبارہ استعمال کرنا بلاکراہت درست ہوگا یا نہیں؟ درمختار اور شامی کی مندرجہ ذیل عبارت کی وجہ سے ہم اس کو پاک اور بلاکراہت جائز سمجھتے تھے، مگر ایک مفتی صاحب نے فتاویٰ محمودیہ کا فتویٰ دکھایا جس میں اس کو ممنوع کہا گیا ہے۔ عبارت یہ ہے:

وتطهر أرض بيبسها أي جفافها ولو بريح ...... فالمنفصل يغسل لا غير إلا حجراً خشنا كرحىٰ فكأرض. (درمختار) في الخانية ما نصه: الحجر إذا أصابته النجاسة إن كان حجرا يتشرب النجاسة كحجر الرحىٰ يكون يبسه طهارة، وإن كان لا يتشرب لا يطهر إلا بالغسل ...... ومثله في البحر، فالأولىٰ حمله على المنفصل كما هو المفهوم المتبادر من عبارة الخانية والبحر. (شامي ١/٥١٢-٥١٤ زكريا) اس کے متعلق آپ حضرات کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس ڈھیلے کو ایک مرتبہ استنجاء میں استعمال کرلیا وہ ناپاک ہوگیا، اس کو دوبارہ استعمال کرنا درست نہیں ہے؛ البتہ اگر ڈھیلہ بڑا ہو تو اس کی دوسری جانب کو استعمال کیا جاسکتا ہے، اور **طهر الأرض يبسها** کا تعلق زمین یا غیر منفصل ڈھیلے اور پتھر سے ہے اور جو ڈھیلا اور پتھر زمین سے الگ ہو وہ محض سوکھنے سے پاک نہیں ہوتا؛ بلکہ اس کا دھونا ضروری ہے جیسا کہ آپ کی ذکر کردہ عبارت سے واضح ہے۔

عن أنس بن مالك ﷺ يقول قال رسول الله ﷺ الاستنجاء بثلاثة أحجار ...... ولا يستنجى بشيء قد استنجي به مرة. (السنن الكبرىٰ ١/١٨٠ رقم: ٥٤١ بيروت)

ولا يستنجي بالأشياء النجسة، وكذا لا يستنجي بحجر استنجى به مرة هو أو غيره إلا إذا كان حجراً له أحرف، له أن يستنجي كل مرة بطرف لم يستنج به فيجوز من غير كراهة. (الفتاوىٰ الهندية ۱/ ۵۰)

وكره تحريماً ...... وحجر استنجى به إلا بحرف أخر أي لم تصبه النجاسة. (الدر المختار مع الشامي ۱/ ۳٤۰ كراچی، كذا في الفتاوى التاتارخانية ۱/ ۲۱۲ رقم: ٦٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۲/۱۱/۲۸ھ

اینٹ کے ڈھیلے پر پانی بہا کر پاک کر کے دوبارہ استنجاء کرنا

سوال (۱۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: پیشاب کے بعد طہارت کے وقت اینٹ کے ڈھیلے کا استعمال ایک بار کرکے اس ڈھیلہ پر خوب پانی ڈال کر دوسرے وقت استعمال کرنا کیسا ہے؟ جب کہ ڈھیلے پر حد سے زیادہ پانی بہہ گیا، کیا شرع میں اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی یاد رہے کہ جیسے کپڑا دھویا جاتا ہے، ایسے ہی ڈھیلہ پانی سے صاف کیا جائے تو دوبارہ سہ بارہ اس کا استعمال کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس اینٹ کے ڈھیلے کو استنجاء کیلئے استعمال کیا گیا ہو اسے اگر پاک پانی سے اچھی طرح دھودیا جائے تو اس سے دوبارہ استنجاء کرنا درست ہے۔

إن كانت الحجر تشربت النجاسة تطهر بالجفاف، وإن كانت ماتشربت لا تطهر إلا بالغسل. (حلبي كبير/ ۱۸۸، البحر الرائق، كتاب الطهارة/ باب الأنجاس ۱/ ۲۲٦ كوئٹه)

وفي شرح الطحاوي: إنه لا توقيت في إزالة النجاسة إذا أصابت الحجر أو الآجر ...... بل يغسله مقدار ما يقع في أكبر رأيه أنه قد طهر. (الفتاوى التاتارخانية

فقط واللہ تعالیٰ اعلم (زکریا ۱۱۶۲ رقم: ٤٥٥/١

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۶/۱۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سیمنٹیڈ فرش کی پاکی

سوال (۱۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں اس مسئلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہورہا ہے کہ سیمنٹیڈ ناپاک فرش خشک ہونے کے بعد پاک ہوجاتا ہے یا نہیں؟ جو لوگ پاک ہونے کے قائل ہیں، ان کی دلیل فقہ کا اصولی مسئلہ ہے کہ جو اشیاء زمین میں پائیدار طور پر متصل ہوں، جیسا کہ درخت وغیرہ، وہ بھی جب خشک ہونے سے پاک ہوجاتی ہے، تو سیمنٹیڈ فرش تو بطریق اولیٰ پاک ہوگا۔

اور جو لوگ پاک نہ ہونے کے قائل ہیں، ان کی دلیل ''معارف السنن شرح ترمذی'' کی یہ عبارت ہے:

وإذا كانت مجصصة وما شاكلها فيصب عليها الماء ويدلک، ثم ينشف بالخرقة، وغيرها حتى لايبقى أثرها، هذا ملخص ما في البحر الرائق. (البحر الرائق ٢٢٦/١، معارف السنن ٤٩٨/١)

ہم نے ''البحر الرائق'' کے ساتھ اس کو ملایا ہے، اس میں اسی طرح ہے، علامہ شامی نے ''البحر الرائق'' پر ''منحۃ الخالق'' کے نام سے جو حاشیہ لکھا ہے، اس میں اس مسئلہ پر کوئی اعتراض نہیں کیا ہے، یعنی مان لیا ہے؟ اس مسئلہ میں آپ حضرات کا فیصلہ مطلوب ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سیمنٹیڈ فرش کے بارے میں ذرا تفصیل ہے، اگر وہ ایسا ہے جس میں پانی جذب ہوجاتا ہے، یعنی وہ زیادہ چکنا نہیں ہے، تو ایسی صورت میں سوکھنے سے اس کی طہارت ہوجائے گی؛ لیکن اگر فرش بالکل چکنا ہے کہ اس میں پانی جذب نہیں ہوتا، یا مثلاً

ٹائل یا چکنا پتھر فرش پر لگا ہوا ہے، تو ایسی صورت میں محض سوکھنے سے وہ پاک نہ ہوگا؛ بلکہ اسے پانی سے اچھی طرح دھونا پڑے گا۔

وأما الحجر فذكر الخجندي: أنه لايطهر بالجفاف، وقال الصيرفي: إن كان الحجر أملس فلابد من الغسل، وإن كان تشرب النجاسة كجحر الرحى فهو كالأرض. وإن كانت الأرض مجصصة قال في الواقعات: يصب عليها الماء، ثم يدلكها وينشفها بخرقة، أو صوف ثلاثا فتطهر. (البحر الرائق ۲۲٦/۱ کراچی)

قال الشامي بحثاً: إذا كان خشنا فهو في حكم الأرض؛ لأنه يتشرب النجاسة، وإن كان أملس فهو في حكم غيره؛ لأنه لايتشرب النجاسة ...... وحكم اٰجرٍ ونحوه كلبن وفروشٍ الخ كذٰلک أي كأرضٍ فيطهر بجفافٍ.

(درمختار مع الشامي ۵۱۳/۱-۵۱٤ زکریا)

البول إذا أصاب الأرض واحتيج إلى الغسل يصب الماء عليه ثم يدلک وينشف ذٰلک بصوف أو خرقةٍ فإذا فعل ذٰلک ثلاثاً طهر، وإن لم يفعل ذٰلک ولٰكن صب عليه ماء كثير حتى عرف أنه زالت النجاسة ولا يوجد في ذٰلک لون ولا ريح، ثم ترک حتى نشفته الأرض كان طاهراً. (المحيط البرهاني ۳۸۲/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۵/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

منی، مذی اور ودی کی تعریف

سوال (۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: منی، مذی اور بدلیج (ودی) میں کیا فرق ہے؟ اور اس کی کیا شکل ہے اور کب اور کیسے نکلتی ہے؟ کس سے غسل فرض ہے؟ کس سے صرف وضوٹوٹ جاتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: منی اس رطوبت کو کہتے ہیں جو شہوت سے آسودگی کے

وقت شرم گاہ سے خارج ہوتی ہے۔ (معجم لغۃ الفقہاء ۴۶۶)

مذی اس رطوبت کا نام ہے جو بیوی سے بوس وکنار کے وقت نکلتی ہے۔ (معجم لغۃ الفقہاء ۴۱۹)

اور ودی پیشاب کے بعد ٹپکنے والے سفید پانی کو کہتے ہیں۔ (معجم لغۃ الفقہاء ۵۰۱)

المني حاثر أبيض ينكسر منه الذكر. (هداية ۱/۳۳، المحيط البرهاني ۱/۲۲۹)

والودي الغليظ من البول يتعقب الرقيق. والمذي: رقيق يضرب إلى البياض يخرج عند ملاعبة الرجل أهله. (هداية ۱/۳۳، الفتاوىٰ التاتارخانية ۱/۲۸٤ رقم: ٤١٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۱۰/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کتنی مقدار ’’مذی‘‘ معاف ہے؟

سوال (۱۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مذی اگر کپڑے پر لگ جائے تو کتنی مقدار پر معاف ہے؟ اور کتنی مقدار کی زیادتی پر کپڑا دھونا ضروری ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذی ناپاک ہے، اگر وہ کپڑے یا بدن پر لگ جائے تو اس کا دھونا ضروری ہے؛ البتہ اگر وہ مقدار میں ایک درہم سے کم ہو اور کپڑے یا بدن پر لگی رہ جائے تو اس حالت میں نماز پڑھنا صحیح ہو جائے گا۔

عن سهل بن حنيف رضي اللّٰه عنه قال: كنت القى من المذي شدة وعناء فكنت أكثر منه الغسل فذكرت ذٰلک لرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وسألته عنه، فقال: إنما يجزئک من ذٰلک الوضوء، قلت: يا رسول اللّٰه! كيف بما يصيب ثوبي منه قال يكفيک أن تاخذ كفا من ماء فتنضح به ثوبک حيث ترى أنه أصاب منه. (سنن الترمذي ۱/۳۱)

وعفا (الشارع) عن قدر درهم. (درمختار مع الشامي ۱/ ۵۲۰ زكريا، هداية ۱/ ۷٤، الفتاوىٰ الهندية ۱/ ٤٥)

والأقرب إن غسل الدرهم وما دونه مستحب مع العلم به والقدرة على غسله. (شامي ۱/ ۵۲۰ زكريا)

يجب أن يعلم بأن القليل من النجاسة عفو عندنا ...... فالغليظة إذا كانت قدر الدرهم أو أقل فهي قليلة لا تمنع جواز الصلاة، وإن كانت أكثر من قدر الدرهم منعت جواز الصلاة. (الفتاوى التاتارخانية ۱/ ٤٤۰ رقم: ۱۱۲۰ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳/۱۱/۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا خروجِ ریح کے بعد مخرج کا دھونا ضروری ہے؟

سوال (۱۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ریح کے خروج کے بعد مخرج کو دھونا ضروری ہے یا صرف وضو کرنا کافی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خروجِ ریح سے مخرج کو دھونا لازم نہیں؛ اس لئے کہ ریح کے خارج ہونے سے نہ جسم ناپاک ہوتا ہے اور نہ کپڑا ناپاک ہوتا ہے؛ بلکہ صرف حدثِ اصغر حکمی لاحق ہوتا ہے، جس کے لئے وضو کرنا کافی ہے۔

فإنها تنقض الوضوء لأنها منبعثة عن محل النجاسة لا لأن عينها نجسة؛ لأن الصحيح أن عينها طاهرة، حتى لو لبس سراويل مبتلة أو أبتل من إليتيه الموضع الذي تمر به الريح فخرج الريح لا يتنجس، وهو قول العامة. (شامي ۱/ ۱۳٦ كراچی، شامي ۱/ ۲٦۳ زكريا)

الرجل إذا استنجى بالماء ثم خرج منه ريح قبل أن ييبس البلل هل

يتنجس من نتنه الموضع الذي يمر فيه الريح؟ أو كان سراويله مبتلا فأصابه هذا الريح هل يتنجس السراويل؟ اختلف المشايخ فيه، عامتهم على أنه لايتنجس. (الفتاویٰ التاتارخانية ١/٤٤٤ رقم: ١١٤٨ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۷/۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مچھر، کھٹمل کا خون؟

سوال (۲۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گرمی کے موسم میں مچھر، جوں، کھٹمل کی کثرت ہوجاتی ہے اور یہ چیزیں ہاتھ پیروں سے دب جاتی ہیں جس کی وجہ سے ان کا خون کپڑے پر لگ جاتا ہے تو کیا اس خون سے کپڑا ناپاک ہوجائے گا یانہیں؟ اور اس کپڑے میں نماز پڑھ سکتے ہیں یانہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مچھر، کھٹمل کے خون سے کپڑا ناپاک نہیں ہوتا، اس میں نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

عن هشام بن عروة قال: صليت وفي ثوبي دم ذباب، فقلت لأبي، فقال: لا يضرک. وفي رواية عن الحسن أنه قال: كان الحسن لا يرى بدم الذباب والبعوض والبراغيث بأساً. (المصنف لابن أبي شيبة، الطهارة / في دم البراغيث والذباب ٢/٢٨٤ رقم: ٢٠٣٢-٢٠٣٣، حاشية: الفتاویٰ التاتارخانية ١/٤٣٢ زكريا)

ودم البق والبراغيث والقمل والكتان طاهر، وإن كثر. (الفتاویٰ الهندية ١/٤٦، الفتاویٰ التاتارخانية ١/٤٣٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۶/۳/۱۴۱۵ھ

شیرخوار بچہ کے پیشاب کا حکم؟

سوال (۲۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا شیرخوار بچہ کا پیشاب پاک ہے؟ کچھ لوگوں کو دیکھا کہ بچہ نے پیشاب کر دیا؛ لیکن پھر بھی اسی کپڑے سے نماز پڑھ لی تو نماز ہوئی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شیرخوار بچہ اور بچی کا پیشاب بالکل ناپاک ہے اگر یہ پیشاب درہم سے زیادہ مقدار میں کپڑے پر لگ جائے تو اس کپڑے کو پہن کر نماز پڑھنا درست نہ ہوگا۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: استنزهوا من البول، فإن عامة عذاب القبر منه. (سنن الدار قطني، الطهارة، ١/١٣٦ رقم: ٤٥٨، وأخرج الحاكم في المستدرك معناه ١/٢٧١ رقم: ٦٥٣)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: أتى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بصبي يرضع، فبال في حجره فدعا بماء فصبه عليه. (صحيح مسلم ١/١٣٩)

اتفق المذاهب الأربعة على أن بول الصبى نجس. (معارف السنن ١/٢٦٨)

وبول غير مأكول ولو من صغير لم يطعم (درمختار) وفي الشامي: أي لايأكل، فلا بد من غسله. (درمختار مع الشامي ١/٣١٨ كراچی)

بول ما يؤكل لحمه كالأدمي ولو رضيعاً. قال الطحطاوي: ولو رضيعاً: لم يطعم سواء كان ذكرًا أو أنثى. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ١٥٤ كراچی، الفتاویٰ الهندية ١/٤٦، الفتاویٰ التاتارخانية ١/٤٣٠ رقم: ١٠٦٨ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۳/۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شیرخوار بچہ کے پیشاب کو پاک کرنے کا طریقہ؟

سوال (۲۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بندہ کا ایک شیرخوار بچہ ہے اس کے پیشاب کا کیا حکم ہے، وہ کبھی گھر کے صحن میں پیشاب کر دیتا ہے، اور کبھی گود میں کر دیتا ہے، اگر صحن ٹائکس، پلاسٹر، کوٹا پتھر پر پیشاب کر دے، تو وہ محض سوکھنے سے پاک ہوجائے گا یا اس کو پوچھنا پڑے گا؟ اور اگر گود وغیرہ میں پیشاب کر دے تو اس کو دھونا ضروری ہے یا محض چھینٹے دینے سے پاک ہو جائے گا؟ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ صحن سوکھنے سے اور کپڑا وغیرہ پر چھینٹے دینے سے پاک ہوجاتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب سے درخواست ہے جواب عنایت فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شیرخوار بچے کا پیشاب بھی اسی طرح ناپاک ہوتا ہے جیسے بڑے آدمی کا پیشاب؛ البتہ اس کے پاک کرنے کے طریقہ میں قدرے تخفیف ہے، وہ یہ ہے کہ اس کی پاکی کے لئے اوپر سے پانی بہا دینا کافی ہے، بڑے آدمی کے پیشاب کو پاک کرنے کی طرح زیادہ مبالغہ کی ضرورت نہیں ہے، حنفیہ کے نزدیک بچہ کا پیشاب محض چھینٹا دینے سے پاک نہیں ہوتا۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: أتى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بصبي يرضع، فبال في حجره فدعا بماء فصبه عليه. (صحيح مسلم ۱/ ۱۳۹)

وقال العلامة العثماني في فتح الملهم: قال محمدؒ: وبهذا نأخذ تتبعه إياه غسلاً حتى تنقيه، وهو قول محمدؒ. (فتح الملهم شرح الصحيح لمسلم ۱/ ۴۵۰، كذا في شرح النووي على الصحيح لمسلم ۱/ ۱۳۹، شامي ۱/ ۵۲۳ زكريا)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: أصاب النبي ﷺ، أو جلده بول صبي وهو صغير، فصب عليه من الماء بقدر البول. (رواه الدار قطني ۱/ ۱۳۸ رقم: ۴۶۵)

اتفق المذاهب الأربعة على أن بول الصبي نجس، لكنهم اختلفوا في طريق التطهير...... الثالث أنه لا يكفي النضح لهما؛ بل لا بد من الغسل فيهما...... وإلى الثالث ذهب أبو حنيفة...... وحملوا النضح على الغسل الخفيف مالا يحتاج إلى العرک والدلک؛ بل يصيب الماء قليلا قليلا. (معارف السنن ۱/۲٦۸-۲٦۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۲/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بچہ کا پیشاب خشک ہوجانے کے بعد اس زمین پر نماز پڑھنا؟

سوال (۲۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: پختہ چھت یا پختہ گچ ہے اس پر بچہ نے پیشاب کردیا اور پیشاب کی جگہ کو دھویا نہیں گیا اور پیشاب سوکھ گیا، جگہ بھی سوکھ گئی یہاں تک کہ اس پر لوگوں نے وضو بنا کر پاؤں رکھا اور بغیر کپڑا بچھائے اس پختہ داغ دار چھت پر نماز ادا کی، تو کیا نماز ہوگئی، اور تر پاؤں رکھنے والے کی نماز میں کچھ فرق ہوا یا نہیں؟ ایک مفتی صاحب کہتے ہیں کہ تر پاؤں رکھنے والے کو کچھ فرق نہ ہوا اور نماز پڑھنے والے کی نماز بھی ادا ہوگئی؛ لیکن دوسرے مفتی صاحب کہتے ہیں کہ یہ فتویٰ اس وقت صحیح ہوتا جب پیشاب کا داغ نظر نہیں آتا، داغ پر نہ نماز ہوگی نہ تر پاؤں رکھنا درست ہوگا؛ بلکہ پاؤں دوبارہ دھونا ہوگا، آپ صحیح مسئلہ بتائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو زمین پیشاب لگنے کے بعد خشک ہوگئی اور پیشاب کی تری باقی نہیں رہی تو وہ پاک ہوگئی ہے اور اس جگہ گیلا پیر رکھنے سے پیر ناپاک نہ ہوگا، الا یہ کہ پیشاب کا اثر پیر پر ظاہر ہوجائے اور محض پیشاب کا داغ رہ جانے سے طہارت پر فرق نہ پڑے گا، اور اس خشک جگہ پر نماز پڑھنا بھی درست رہے گا۔

عن أبي جعفر قال: زكاة الأرض يبسها. (المصنف لابن أبي شيبة ۱/۴۳۰ رقم: ٦۲۴)

وفي رواية عن أبي قلابة موقوفاً أنه قال: إذا جفت الأرض فقد زكت.

وعن مرحوم بن عبد العزيز عن أبيه أنه قال: رأيت الحسن جالساً على أثر بول جاف، فقلت له، فقال: إنه جاف. (المصنف في الأحاديث والآثار لابن أبي شيبة / من قال: إذا كانت جافة فهو زكاتها ٥٩/١ رقم: ٦٢٥-٦٢٧ دار الكتب العلمية بيروت)

ولو وضع رجله المبلولة على أرض نجسة أو بساط نجس لا ينجس. (الفتاویٰ الهندية ٤٧/١)

ولا يضر بقاء أثر كلون وريح لازم. (درمختار ٣٢٩/١ کراچی، شامي ٥٣٧/١ زكريا)

نام أو مشىٰ وقدمه مبتلة على نجاسة يابسة، إن ظهر عينها تنجس وإلا لا. (درمختار مع الشامي ٥٦٠/١ زكريا) *فقط واللہ تعالیٰ اعلم*

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۸/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بچے نے موبائل پر پیشاب کر دیا؟

سوال (۲۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے موبائل پر میرے بچے نے پیشاب کر دیا؛ لیکن کچھ دیر کے بعد پیشاب سوکھ گیا، موبائل پر کوئی تری وغیرہ نہیں تھی، اس موبائل کو جیب میں رکھ کر نماز پڑھ لی تو کیا نماز درست ہوگئی؟ یا باوجود سوکھ جانے کے پھر بھی موبائل کو دھونا ضروری ہے؟ اور ایسے موبائل کو گیلے ہاتھ سے چھونے پر ہاتھ تو ناپاک نہیں ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس موبائل پر بچہ کا پیشاب لگ گیا ہو وہ سوکھنے سے پاک نہ ہوگا؛ بلکہ اس کو پاک کرنے کے لئے دھونا ضروری ہے؛ لہٰذا اگر ناپاک موبائل جیب میں رکھ کر نماز پڑھ لی گئی، تو نماز درست نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر اس ناپاک موبائل کو گیلے ہاتھ سے چھولیا جس کی وجہ سے پیشاب کا اثر ہاتھ میں آ گیا تو یہ ہاتھ بھی ناپاک ہوجائے گا۔

تطهير النجاسة واجب من بدن المصلى وثوبه والمكان الذي يصلى فيه لقوله تعالى : وثيابک فطهر ويجوز التطهير بالماء، وبكل مائع طاهر يمكن إزالتها به. (هداية / باب الأنجاس وتطهيرها ۱۲۵/۱ مكتبة البشریٰ کراچی)

كل نجاسة تصيب النفس أو الثوب فإزالتها تجوز بثلاثة أشياء: بالماء المطلق، وبالماء المقيد، وبالمائعات من الطعام والشراب مثل اللبن والخل والدب والدهن وأشباهها. (النتف في الفتاویٰ ۲۵ بحواله: فتاویٰ محمودیه ۲۴۷/۵ ڈابھیل)

نام أو مشیٰ وقدمه مبتلة على نجاسة يابسة، إن ظهر عينها تنجس وإلا لا.

(درمختار مع الشامي ۵٦۰/۱ زكريا)

لو حمل قارورة مضمومة فيها بول فلا تجوز صلاته؛ لأنه في غير معدنه.

(شامي ۷٤/۲ زكريا، الفتاویٰ الهندية ٦۲/۱)

وإذا أصابت النجاسة الأرض فإن كانت رخوة طهرت بالصب عليها، وإن كانت صلبة فاندفع الماء عن موضع النجاسة طهر ذلک المكان ويتنجس الموضع الذی انتقل الماء إليه. (الفتاوى التاتارخانية ٤۵۳/۱ رقم: ۱۱۸٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۳/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سرسبز گھاس والی زمین پیشاب کرنے کے بعد خشک ہوگئی؟

سوال (۲۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زمین پر سبز سبز گھاس اُ گی ہوئی ہے اور زمین خشک ہے اور گھاس پر کسی طرح کی تری نہیں ہے، مگر اس پر جانور چرتے ہیں اور پیشاب بھی کرتے ہیں اور کبھی کبھی آدمی بھی پیشاب کرتے ہیں، مگر اس پر پیشاب کا داغ نہیں ہے، اس گھاس پر لوگوں نے وضو بنا کر تر پاؤں رکھا اور نماز ادا کی تو کیا تر پاؤں رکھنے والے کو کوئی فرق آیا یا نہیں؟ اور ان لوگوں کی نماز ہوئی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہری بھری گھاس کا حکم بھی زمین کے مانند ہے، پس اگر وہ خشک ہوا اور اس پر نجاست ظاہر نہ ہو تو وہاں گیلا پیر رکھنے سے پیر ناپاک نہ ہوگا۔

عن أبي جعفر قال: ذكاة الأرض يبسها. (المصنف لابن أبي شيبة / باب الرجل يطأ الموضع القذر ۱/ ۴۳۰ رقم: ۶۲۴)

عن عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنهما أنه قال: كنت أبيت في المسجد في عهد رسول اللّٰه – ﷺ – وكنت فتى شابا عزبا وكانت الكلاب تبول وتقبل وتدبر في المسجد فلم يكونوا يرشون شيئا من ذلك. (سنن أبي داؤد، الطهارة / باب في طهور الأرض إذا يبست ۱/ ۵۴ رقم: ۳۸۲)

وحكم أجر ونحوه كلبن مفروش وشجر وكلأ قائمين في أرض كذٰلك أي كأرض فيطهر بجفاف وكذا كل ما كان ثابتاً فيها لأخذه حكمها. (شامي ۱/ ۳۱۱ كراچی، شامي ۱/ ۵۱۳ زكريا)

والحشيش وما ينبت في الأرض إذا أصابتها النجاسة فجفت طهرت. (الفتاویٰ التاتارخانية ۱/ ۴۶۱ رقم: ۱۲۱۹ زكريا)

إذا وضع رجله على أرض نجسة أو على لبد نجس، إن كانت الرجل رطبة والأرض أو اللبد يابساً، وهو لم يقف عليه؛ بل يمشي لاتتنجس رجله. (المحيط البرهاني ۱/ ۳۱۳ حلبي كبير ۲۰۶، فتاویٰ قاضي خان ۱/ ۲۶) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۸/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا بے نمازی کا جھوٹا خنزیر کی طرح ناپاک ہے؟

سوال (۲۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: ایک آدمی یہ کہتا ہے کہ ایک پلیٹ میں کھانا نکلا ہوا ہے، اگر خنزیر نے اس کھانے میں منہ ڈال دیا تو اس کھانے کو ہٹا کر بقیہ کھانا کھانا جائز ہے اور اگر کوئی بے نمازی اس کھانے کو ہاتھ لگا دے تو اس کھانے کا کھانا حرام ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز چھوڑنا سخت گناہ ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے بے نمازی کے جھوٹے کو خنزیر کے جھوٹے سے بدتر کہنا اور اس کے جھوٹے کو حرام کہنا ہرگز صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ انسان کا جھوٹا بہر حال پاک ہے، خواہ وہ بے نمازی حتیٰ کہ کافر ہی کیوں نہ ہو؟ جب کہ خنزیر کا جھوٹا ناپاک ہے۔

فسؤر اٰدمي مطلقاً ولو جنباً أو كافراً …… (ظاهر الفم طاهر) طهور بلاكراهة. (وسؤر خنزير ……نجس) (الدر المختار مع الشامي ۱/ ۳۸۱ زكريا)

أما الطاهر الذي لا كراهة فيه فسؤر الاٰدمي الخ، ويستوي فيه المسلم والكافر عندنا الخ، ولذا يستوى فيه الطاهر والمحدثُ والجنبُ والحائضُ مما روي عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: "إن رسول اللّٰه ﷺ كان يشرب من الإناء الذي شربت فيه وأنا حائض، وربما كان يضع فمه على موضع فمي". (المحيط البرهاني ۱/ ۲۸۲-۲۸۳، **والحديث:** أخرجه مسلم في كتاب الحيض رقم: ٤٥٣، وأبوداؤد في الطهارة رقم: ٢٢٦، وابن ماجة في الطهارة وسننها ٦٣٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۰/ ۴/ ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پانی کے مسائل

کیا ناپاک پانی مشین کے ذریعہ فلٹر کرنے سے پاک ہوسکتا ہے؟

سوال (۲۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بڑی کمپنیوں میں مستعمل پانی کی صفائی کے پلانٹ لگے ہوئے ہیں، عام مستعمل پانی مثلاً حمام، واش بیسن کے پانی کو ''ری سائیکل کیمیکل'' کے ذریعہ صاف کرنے کے بعد اسے ''گرے واٹر'' کہا جاتا ہے، اور بیت الخلاء کے مستعمل پانی کو فضلہ سے علاحدہ کرکے ری سائیکل کرنے کے بعد ''بلیک واٹر'' کہا جاتا ہے، پھر ان کامختلف کاموں کے لئے دوبارہ استعمال کیا جاتا ہے، مثلاً دفاتر کے فرش کی دھلائی اور باغات اور پودوں کے لئے، کبھی وہ پانی بدن اور کپڑوں کو لگنے کا بھی امکان رہتا ہے، اس پانی کا کیا حکم ہے؟ آیا وہ پاک ہے یا ناپاک؟ براہ کرم مندرجہ بالا مسائل میں شرعی رہنمائی فرماکر ممنون فرمائیں۔ **جزاكم الله خير الجزاء.**

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ناپاک پانی کی مشین کے ذریعہ صفائی موجبِ طہارت نہیں بن سکتی؛ لہٰذا ناپاک پانی جس طرح صاف کرنے سے پہلے ناپاک تھا، اسی طرح بعد میں بھی ناپاک رہے گا، اگر وہ کپڑے یا بدن پر لگ جائے تو حسبِ قاعدہ اسے دھونا ضروری ہے؛ البتہ اگر نجس پانی کو پاک ماء جاری میں ملاکر بہادیا جائے اور نجاست کا کوئی اثر (رنگ، بو اور ذائقہ) پانی میں ظاہر نہ ہو تو یہ سب پانی پاک ہوجاتا ہے۔

فلو عُلم نتنه بنجاسة لم يجز. (درمختار مع الشامي ۲/۱ ۳۳ زكريا)

ثـم المختار طهارة المتنجس بمجرد جريانه، وكذا البئر وحوض الحمام

(درمختار) أي يطهران من النجاسة بمجرد جريان وكذا ما في حكمه من العرف المتدارکِ. (شامي ۱/ ٣٤٥ زكريا)

مما ينبغي أن ينبه له أن نجس العين ومثله المحرم أكله وشربه لا يجوز للمسلم أن يتقصد تحويله إلى مادة أخرى، فإن اللّٰه إذا حكم بنجاسة شيء يحكم بحرمة الاستفادة. (قضايا فقهيه معاصره، بحواله: محقق ومدلل مسائل ۱۰۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۱۱/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سقاوے میں چوہا گر کر پھول پھٹ گیا؟

سوال (۲۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسجد کے سقاوے کے اندر چوہا گر گیا، معلوم نہیں کہ کب گرا، جب دیکھا گیا تو مر کر پھول چکا تھا، اور بدبو بھی آرہی تھی، اب اس کے گرنے سے لے کر اس کے پھولنے کے وقت تک جو پانی استعمال کیا گیا اور جو نمازیں پڑھی گئیں کیا وہ نمازیں لوٹائی جائیں گی یا نہیں؟ اگر لوٹائی جائیں گی تو کتنی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں جب کہ چوہا گرنے کا وقت معلوم نہیں ہے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جن حضرات نے اس سقاوے کے پانی سے وضو یا غسل کیا ہے وہ چوہے کا علم ہونے سے قبل تین دن تین رات کی نمازیں لوٹائیں گے، جب کہ حضراتِ صاحبین کے نزدیک جس وقت سے علم ہوا ہے اس وقت کے بعد سے ہی سقاوے کو ناپاک قرار دیا جائے گا۔

ويحكم بنجاستها من وقت الوقوع إن علم وإلا فمذ يوم وليلة إن لم ينتفخ ولم يتفسخ ومنذ ثلاثة أيام ولياليها إن انتفخ أو تفسخ استحساناً، وقالا من وقت العلم فلا يلزمهم شيء قبله، قيل: وبه يفتىٰ (درمختار) قائله صاحب الجوهرة، وقال العلامة القاسم في تصحيح القدوري: قال في فتاوىٰ العتابي: قولهما هو المختار، قلت: لم يوافق على ذٰلک. (درمختار مع الشامي، كتاب الطهارة

/ فصل في البئر ۱/٥ ۳۷ - ۳۷۷ زکریا، ۱/٥ ۳۳ بیروت، الفتاوی الهندیة / الفصل الثالث ماء الأبار ۱/۰ ۲

کـوئـٹـه، تبيين الـحـقـائق / الـطهـارة ۱/۲ ۱۰ دارالکتب العلمیة بیروت، بدائع الصنائع / کتاب الطهارة

۱/ ۲٤ ٤ دارالکتب العلمیة بیروت، ۱/۳ ۲۲۹ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۸ /۱/ ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

’’کچھوا‘‘ قلیل پانی میں گرکر پھول پھٹ گیا؟

سوال (۲۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچھوا قلیل پانی میں گرکر پھول پھٹ گیا تو پانی ناپاک ہوا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سمندری کچھوا جس میں دم مسفوح نہ پایا جائے اگر وہ ماءِ قلیل میں مرجائے یا پھول پھٹ جائے تو اس سے پانی ناپاک نہ ہوگا؛ لیکن وہ کچھوا جو خشکی میں پیدا ہوتا ہے اور خشکی میں ہی رہتا ہے اور کبھی پانی میں بھی چلا جاتا ہے تو اس میں دم مسفوح موجود ہوتا ہے، اس کا حکم خشکی کے مینڈک کے مانند ہوگا وہ اگر ماءِ قلیل میں گرکر مرجائے اور پھول پھٹ جائے تو پانی ناپاک ہوجائے گا۔

ثم الحیوان إذا مات في المائع القلیل فلا یخلو إما إن کان له دم سائل أو لم یکن ...... وإن کان له دم سائل فإن کان بریا ینجس بالموت، وینجس المائع الذی یموت فیه، سواء کان ماء أو غیره، وسواء مات في المائع أو في غیره، ثم وقع فیه کسائر الحیوانات الدمویة؛ لأن الدم السائل نجس فینجس ما یجاوره إلا الآدمی إذا کان مغسولاً، لأنه طاهر، ألا یری أنه تجوز الصلاة علیه، وإن کان مائیا کالضفدع المائي والسرطان ونحو ذٰلک. فإن مات في الماء لا ینجسه في ظاهر الروایة. (بدائع الصنائع، کتاب الطهارة/ أحکام الآبار ۱/ ۲۳۱ زکریا، ۱/ ۷۹ کراچی)

ويستوي الجواب بين المتفسخ وغيره في طهارة الماء ونجاسته. (بدائع الصنائع ۱/۲۳۲ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۲/۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پانی کی ٹنکی میں دو گلہریاں گر کر مر گئیں اور پھول پھٹ گئیں؟

سوال (۳۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری مسجد میں پانی کی ٹنکی کے اندر دو گلہریاں گر گئیں، جن میں ایک تو پھول گئی، جب کہ دوسری پھٹ چکی تھی، رمضان کا مہینہ تھا، امام صاحب نے ٹنکی ہی کے پانی سے وضو کر کے عشاء کی نماز پڑھائی، جب کہ حافظ صاحب تراویح پڑھانے کے لئے اپنے گھر سے وضو کر کے آئے تھے، اس کے پیش نظر ایک عالم دین نے یہ فیصلہ کیا کہ امام کی اقتداء کے باعث کسی کی نماز عشاء نہیں ہوئی، تو تراویح بھی نہیں ہوئی؛ کیوں کہ وہ فرض کے تابع ہیں، اور جب تراویح نہیں ہوئی تو ان میں پڑھا گیا قرآنِ کریم بھی نہیں ہوا؛ اس لئے انہوں نے حساب لگا کر تین یوم کی نمازوں کی قضا کرنے کا اعلان کر دیا، اور جتنا قرآن ان دنوں میں پڑھا گیا تھا دوسرے دنوں میں اس کو تراویح ہی میں لوٹایا گیا؛ لیکن تراویح نہیں دہرائیں، کچھ لوگوں نے اس مسئلہ کو غلط بتلا کر صاحبین رحمہما اللہ کے مسلک پر عمل کرنے پر زور دیا، جس میں ناپاکی کا حکم شہود وقت سے ہے، اس پر ان عالم دین نے یہ دلائل دیئے:

(۱) ہدایہ میں لکھا ہے: **وإن كانت قد انتفخت أو تفسخت أعادوا ثلاثة أيام ولياليها.** (فصل في البئر) پھر صاحبِ ہدایہ نے امام صاحب کے قول کو راجح قرار دے کر صاحبین رحمہما اللہ کا رد کیا ہے، اور قاسم بن قطلوبغا نے اسی کو اکثر احناف کا منقول مسلک قرار دیا ہے۔ ''الفقہ المیسر'' ایک جدید فقہی تالیف ہے، جس میں مؤلف نے احناف کے مفتی بہ اقوال کو درج کیا ہے، اس میں صاحبین کے قول کو ذکر ہی نہیں کیا گیا؛ اس لئے تمام اہلِ علم وفقہ کے نزدیک احتیاط تو یقیناً پہلے قول میں ہے، جب کہ قولِ ثانی کی دلیل تک مضبوط نہیں ہے۔

(۲) فصل في بيان أن السنة إذا فاتت عن وقتها هي تقضي أم: کے تحت صاحب بدائع الصنائع علامہ کاسانیؒ لکھتے ہے: لا خلاف بين أصحابنا في سائر السنن سوىٰ ركعتي الفجر أنها إذا فاتت عن وقتها لا تقضىٰ سواء فاتت وحدها أو مع الفريضة ۔ فجر کو چھوڑ کر دیگر تمام سنتوں کی بابت احناف میں اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے، کہ اگر ان کا وقت نکل جائے تو ان کی قضا نہیں کی جائے گی، خواہ تنہا یا فرض نماز کے ساتھ چھوٹیں۔ (بدائع الصنائع زکریا ۱؍۲۸۷) تراویح سنت ہی ہے، اس لئے علامہ کاسانیؒ اس کی بابت لکھتے ہیں: إذا فاتت عن وقتها هل تقضى أم لا؟ فقد قيل أنها تقضى، والصحيح أنها لا تقضى؛ لأنها ليست بأكد من سنة المغرب والعشاء وتلك لا تقضى فكذٰلك هٰذه. اگر تراویح کا وقت نہ رہے تو ان کی قضا کی جائے گی یا نہیں؟ ایک قول یہ ہے کہ قضا کی جائے گی؛ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ان کی قضا نہیں کی جائے گی؛ کیوں کہ ان کی تاکید مغرب وعشاء کی سنتوں سے زیادہ نہیں ہے، تو جس طرح ان کی قضا نہیں کی جاتی اسی طرح تراویح کی بھی قضا نہیں ہوگی۔ (بدائع الصنائع زکریا ۱؍۶۲۰ فصل فی بیان ادائہا)

مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ احسن الفتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں: ”فرائض اور واجبات کا اعادہ بہر صورت فرض اور واجب ہے، سننِ مؤکدہ کا اعادہ وقت کے اندر ضروری ہے، بعد میں نہیں، اور نفل کا اعادہ وقت کے اندر بھی ضروری نہیں؛ اس لئے کہ نوافل شروع کرنے کے بعد واجب ہوتے ہیں، اور صورتِ مسئولہ میں نوافل میں شروع ہونا ہی صحیح نہیں ہوا“۔ (احسن الفتاویٰ ۳؍۴۹۶)

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ”آپ کے مسائل اور ان کا حل“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ”اگر کوئی شخص صبح صادق سے پہلے تراویح نہیں پڑھ سکا تو اس کی قضا نہیں ہوگی؛ کیوں کہ تراویح کی قضا نہیں ہے“۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳؍۶۷)

ازراہِ کرم فیصلہ فرمائیں کہ فتویٰ کس قول پر ہے؟ اور کیا تین دن کی نمازیں اور قرآن کریم کو دہرا کر ہم نے غلطی کی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن عالم صاحب نے مسئولہ صورت میں تین دن کی فرض نمازیں دہرانے کا حکم دیا اور سنن اور تراویح کے دہرانے کا حکم نہیں دیا، ان کی بات فقہ کی رو سے باوزن اور صحیح تھی، اس پر اعتراض کی کوئی وجہ نہیں ہے، اور عالم صاحب نے جن دلائل کی طرف اشارہ کیا ہے وہ سب صحیح ہیں۔ (البتہ جہاں شدید فتنہ کا اندیشہ ہوتو وہاں اس مسئلہ میں صاحبین کے قول پر عمل کرنے کی بھی گنجائش ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۵۹۸ میرٹھ)

وإن كانت قد انتفخت وتفسخت أعادوا صلاة ثلاثة أيام ولياليها وهٰذا عند أبي حنيفة، وقالا: ليس عليهم إعادة شيء حتى يتحققوا أنها متى وقعت؛ لأن اليقين لا يزول بالشك وصار كمن راٰى في ثوبه النجاسة ولا يدري متى أصابته. (هداية ١/ ٤٤)

ومنذ ثلاثة أيام ولياليها إن انتفخ أو تفسخ استحساناً، وقالا من وقت العلم فلا يلزمهم شيء قبله، قيل: وبهٖ يفتىٰ (درمختار) قائله صاحب الجوهرة، وقال العلامة القاسم في تصحيح القدوري: قال في فتاوىٰ العتابي: قولهما هو المختار، قلت: لم يوافق على ذٰلك، فقد اعتمد قول الإمام البرهاني والنسفي والموصلي وصدر الشريعة، ورجح دليله في جميع المصنفات، وصرح في البدائع بأن قولهما قياس، وقوله استحسانٌ، وهو الأحوط في العبادات. (شامي ١/ ٣٧٨ زكريا)

ولو راٰى طائراً وقع في بئر وأخرج ميتاً بعد أيام ولا يدري أنه متى مات بعد الوقوع إن كان منتفخاً تعاد صلاة ثلاثة أيام ولياليها. (قاضي خان مع الفتاوى الهندية ١/ ١٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۱/۱۱/۱۴۲۳ھ

کنویں میں بچہ نے پیشاب کر دیا؟

سوال (۳۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: وہ کنواں جس میں بچہ نے پیشاب کر دیا، اس کو پاک کرنے کے متعلق کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کنویں میں بچہ کے پیشاب کر دینے سے کنواں ناپاک ہوجاتا ہے، کنویں کا پورا پانی نکالنا ضروری ہے، اگر کنواں چشمہ دار ہے تو نکالتے وقت کنویں میں جتنا پانی ہے اس کے بقدر نکالنا ضروری ہے۔

عن خالد بن سلمة: أن علياً سئل عن صبيٍّ بال في بير؟ قال: ينزح.

(المصنف لابن أبي شيبة، باب في الفاره والدجاجة اشباهها ۱۹۷/۲ رقم: ۱۷۳۲ زکریا)

وأما ما يفسد ماء البئر فهو على نوعين: أحدهما ينزح فيه كل الماء، أما الأول إذا وقعت فيه قطرة من الخمر أو البول بول الصبي والجارية فيه سواء.

(خانية مع الفتاوى الهندية ۹/۱)

وإن تعذر نزح كلها لكونها معينا فبقدر ما فيها وقت ابتداء النزح.

(درمختار مع الشامي ۳۷۰/۱ زکریا، الفتاویٰ التاتارخانية ۳۲۷/۱ رقم: ۵۹٤ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۳/۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کنویں میں بچہ کے پیشاب کر دینے سے اتنا پانی نکالنا کہ تین فٹ رہ جائے؟

سوال (۳۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک کنواں میں بچہ نے پیشاب کر دیا اس کو پاک کرنے کے لئے موٹر کے ذریعہ پانی نکالا گیا

اور اتنا نکالا کہ تقریباً تین فٹ پانی اندر رہ گیا؛ کیوں کہ موٹر کا پائپ اسی حد تک تھا، اس لئے مجبوراً پانی نکالنا چھوڑ دیا گیا، جس کی وجہ سے نیچے کے سوت سے مزید پانی کوئیں میں بھر گیا، اور تقریباً ۱۲؍فٹ تک ہوگیا، اس کے دو یا تین روز کے بعد پھر پانی نکالا گیا؛ لیکن پائپ کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے تین فٹ پانی اب بھی باقی رہ گیا، تو اس مقدار کے نکالنے سے کنواں پاک ہوا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بچہ نے کنویں میں پیشاب کر دیا تھا تو کنویں کا پورا پانی نکالنا ضروری تھا؛ لیکن پہلے دن پانی نکالتے وقت کنویں میں تین فٹ کے بقدر پانی رہ جانے کی وجہ سے کنواں پاک نہیں ہوا تھا؛ البتہ دو تین روز کے بعد جب مزید پانی نکالا گیا جو باقی ماندہ تین فٹ کی مقدار سے زائد ہی تھا، تو اب کنواں پاک ہوگیا ہے، اور دوسری مرتبہ میں جو نیچے تین فٹ کے بقدر پانی رہ گیا ہے، اس سے پاکی پر کچھ فرق نہیں پڑتا، اب پورا کنواں پاک ہے۔

عن خالد بن سلمة : أن علياً سئل عن صبيٍّ بال في بير؟ قال : ينزح.

(المصنف لابن أبي شيبة، باب في الفاره والدجاجة اشباهها ۱۹۷/۲ رقم: ۱۷۳۲ زکریا)

عن ميسرة عن علي رضي اللّٰه عنه قال: إذا سقطت الفأرة أو الدابة في البئر فانزحها حتى يغلبك الماء. (شرح معاني الآثار / كتاب الطهارة / باب الماء تقع فيه النجاسة ۱۷/۱ رقم: ۳۰)

ولو نزح بعضه ثم زاد في الغد ينزح قدر الباقي في الصحيح، خلاصة.

(درمختار مع الشامي ۳۶۹/۱ زکریا)

ثم إذا وجب نزح جميع الماء فلم ينزح حتى زاد الماء فقد اختلف المشائخ، قال بعضهم: ينزح مقدار ما كان في البئر وقت وقوع النجاسة، وقال بعضهم: ينزح مقدار ما كان وقت النزح ...... ثم على قول من لم يشترط التوالي إذا نزح بعض الماء في اليوم ثم تركوا النزح ثم جاؤا من الغد فوجدوا الماء قد

ازداد فعند بعضهم ينزح كل ما فيه، وعند بعضهم مقدار ما بقي عند ترك النزح من الأمس. وفي الفتاویٰ العتابية: وهو الصحيح. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳۲۷/۱ رقم: ٥٩٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۳/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کنویں میں چوہا گرکر مرگیا اور پھول گیا؟

سوال (۳۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک چوہا کنویں میں گرکر مرگیا، اور کئی روز کے بعد پانی کے اوپر آیا، جب نکالا گیا تو اس میں کیڑے پڑ گئے تھے، اور تقریباً دو ماہ گذر گئے ہیں جب سے اس کنویں کو پاک نہیں کیا گیا، یعنی اس کا پانی نہیں نکالا گیا، تو اب اس کنویں کو پاک کرنے کی کیا شکل ہے؟ یا بغیر پانی نکالے ہی اس کو استعمال کریں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس کنویں میں چوہا گرکر مرجائے اور پھول پھٹ جائے، تو پورے کنویں کا پانی نکالنا ضروری ہے، بغیر اس کے پاکی حاصل نہ ہوگی، خواہ کتنے ہی دن گذر جائیں۔ اور جن لوگوں نے اس کنویں سے وضو یا غسل کیا ہوگا، ان کو چوہے کے گرنے کا علم ہونے سے پہلے تین دن اور تین رات پہلے کی نمازیں بھی لوٹانی ہوں گی، نیز حسبِ تحریر سوال جب کہ ابھی تک اس کنویں کو پاک نہیں کیا گیا ہے، تو جن لوگوں نے بعد میں اس سے وضو یا غسل کیا ہے، ان کی نمازیں بھی درست نہ ہوں گی۔

عن ميسرة أن علياً رضي اللّٰه عنه قال: في بئر وقعت فيها فأرة فماتت، قال ينزح ماء ها. (شرح معاني الآثار للطحاوي / الطهارة، باب الماء تقع فيه النجاسة ۱۷/۱ رقم: ۲۹)

وعن معمر قال: سألت الزهري عن فأرة وقعت في البئر، فقال: إن

أخرجت مكانها فلا بأس، وإن ماتت فيها نزحت. (المصنف لعبد الرزاق / كتاب الطهارة، باب البئر تقع فيه الدابة ۱/۷۱ رقم: ۲۷۰)

إذا وقعت نجاسة في بئر أو مات فيها حيوان دموي وانتفخ أو تمعط أو تفسخ (درمختار) أي تفرقت أعضائه عضواً عضواً ينزح كل مائها (درمختار) وفي الشامية: ولا فرق بين الصغير والكبير كالفأرة. (تنوير الأبصار مع الدر المختار على الرد المحتار ۱/۳٦۷-۳٦۸ زكريا)

ويحكم بنجاستها من وقت الوقوع إن علم وإلا فمذ يوم وليلة إن لم ينتفخ ولم يتفسخ ومذ ثلاثة أيام بلياليها إن انتفخ أو تفسخ استحساناً. (درمختار مع الشامي ۱/۳۷۵-۳۷۷ زكريا، ۱/۳۳۵ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۱۱/۱۴۱۱ھ

کنویں میں بکری گرکر مرگئی؟

سوال (۳۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک کنویں میں ایک بکری گر کر مرگئی، تھوڑی دیر کے بعد ہی اس کو نکال لیا گیا، تو کیا کنویں کا پانی فوراً بکری نکال لینے کے باوجود بھی ناپاک ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس کنویں میں بکری گر کر مرجائے تو وہ کنواں ناپاک ہوجاتا ہے، اس کا پورا پانی نکالنا ضروری ہے۔

وتنزح بموت كلب أو موت شاة ...... وتنزح بانتفاخ حيوان ولو كان صغيراً. (نور الإيضاح مع المراقي ۲۱)

وكذٰلك لو كان الواقع في البئر شاة أو كلباً ومات وانتفخ أو لم ينتفخ وجب نزح الماء كله. (المحيط البرهاني ۱/۲۵٦، ومثله في الدر المختار ۱/۳٦۷-۳٦۸ زكريا)

إذا وقعت نجاسة في بئر أو مات فيها حيوان دموي وانتفخ أو تمعط أو تفسخ (درمختار) أي تفرقت أعضائه عضواً عضواً ينزح كل مائها (درمختار) وفي الشامية: ولا فرق بين الصغير والكبير كالفأرة. (تنوير الأبصار مع الدر المختار على الرد المحتار ۱/۳٦۷–۳٦۸ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۱/۱۱/۱۴۱۱ھ

کیا کتے کے گر جانے کے بعد کنویں سے بیک وقت سارا پانی نکالنا شرط ہے؟

سوال (۳۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک کنواں کتا گرنے سے ناپاک ہوگیا، اور مسئلہ سے واقفیت کے باوجود جاہلوں نے طریقہ مشروعہ سے پاک نہیں کیا، اور پانی استعمال کرتے رہے، اور روزانہ تقریباً ۲۵ر گھڑے پانی اس سے پورے ایک سال تک نکلتا رہا؛ لیکن برائے استعمال، پاک کرنے کی نیت سے نہیں، تو کیا وہ کنواں پاک سمجھا جائے گا، اور اگر برائے استعمال ایک ہی دن میں اتنا پانی نکالا گیا کہ کنوں خالی ہوگیا تو وہ کنوں پاک ہوا کہ نہیں؟ یا پاک کرنے کی نیت سے نکالنا شرط ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کتا گرجانے کی وجہ سے کنویں کا پورا پانی نکالنا ضروری ہوتا ہے؛ لیکن صحیح قول کے مطابق یہ پانی بیک وقت سارا نکالنا ضروری نہیں؛ بلکہ اگر روزانہ تھوڑا تھوڑا کر کے نکالا؛ تا آں کہ اُتنی مقدار پانی نکل گیا، جتنا کتے کے گرنے کے وقت کنویں میں موجود تھا، تو اس کے بعد کنویں کو پاک قرار دے دیا جائے گا، اور اس میں پاکی کی نیت سے پانی نکالنا ضروری نہیں ہے؛ لہٰذا آپ اندازہ کرلیں کہ اگر مذکورہ کنویں سے روزانہ استعمال کے لئے ۲۵ر گھڑے پانی نکالے جاتے رہے، تو جب وہ پورے کنویں کے پانی کی مقدار کو پہنچ جائیں گے تو کنواں پاک ہوجائے گا۔

وكذا ينزح جميع الماء إن استخرج الكلب حياً. (حلبي كبير ١٥٨)

الكلب إذا وقع في الماء وأُخرجَ حياً إن أصاب فمه الماء فهو من جملة القسم الأول يجب نزح جميع الماء. (المحيط البرهاني ٢٥٦/١، كوئٹه ١١١/١)

أو مات فيها ......الخ، حيوان دموي......الخ، ينزح كل مائها الذي كان فيها وقت الوقوع......الخ. ولو نزح بعضه ثم زاد في الغد ينزح قدر الباقي في الصحيح، خلاصة. (درمختار مع الشامي ٣٧٧/١-٣٦٩ زكريا)

ثم إذا وجب نزح جميع الماء فلم ينزح حتى زاد الماء فقد اختلف المشائخ، قال بعضهم: ينزح مقدار ما كان في البئر وقت وقوع النجاسة، وقال بعضهم: ينزح مقدار ما كان وقت النزح ...... ثم على قول من لم يشترط التوالي إذا نزح بعض الماء في اليوم ثم تركوا النزح ثم جاؤا من الغد فوجدوا الماء قد ازداد فعند بعضهم ينزح كل ما فيه، وعند بعضهم مقدار ما بقي عند ترك النزح من الأمس. وفي الفتاوىٰ العتابية: وهو الصحيح. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٣٢٧/١ رقم: ٥٩٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۲/۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بڑے تالاب میں پندرہ بیس لاشیں پھولی ہوئی ملیں؟

سوال (۳۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک بڑا تالاب ہے، جس کا پانی ۲۰/ ۲۵/ گاؤں کو پہنچایا جاتا ہے اور اس تالاب میں ایک ندی کا پانی آکر ملتا ہے، ابھی ابھی کچھ دنوں پہلے اس تالاب میں پندرہ بیس لاشیں بہہ کر آئیں، جو پانی کے اوپر (پھول جانے کی وجہ سے) نظر آنے کی بناء پر نکال لی گئیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا اس تالاب کا پانی پاک ہے، اگر پاک نہیں ہے تو کتنی مدت میں وہ تالاب پاک سمجھا جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں جس بڑے تالاب کا ذکر کیا گیا ہے وہ یقیناً ماءِ جاری ہے، اس میں لاشوں کے ملنے سے اس کے سب پانی پر ناپاکی کا حکم نہیں لگایا جائے گا؛ البتہ اگر کسی جگہ نجاست کی وجہ سے پانی سے بدبو اٹھ رہی ہو تو اس جگہ سے پانی کا استعمال درست نہ ہوگا۔

عن أبي أمامة الباهلي رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن الماء لاينجسه شيء إلا ماغلب على ريحه وطعمه ولونه. (سنن ابن ماجة / الطهارة، باب الحياض ٣٩/١ رقم: ٥٢١)

وعن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: انتهينا إلى غدير فإذا فيه جيفة حمار، قال: فكففنا عنه، حتى انتهى إلينا رسول اللّٰه ﷺ فقال: إن الماء لا ينجسه شيء، فاستقينا وأروينا وحملنا. (سنن ابن ماجة / الطهارة، باب الحياض ٣٩/١ رقم: ٥٢٠)

ويجوز بجار وقعت فيه نجاسة. (درمختار) قال الشامي قوله: وقعت فيه نجاسة يشمل المرئية كالجيفة. (درمختار مع الشامي ٣٣٤/١ زكريا، الفتاوىٰ التاتارخانية ٢٩٣/١ رقم: ٤٥٦ زكريا)

الماء طاهر وإن قل إذا كان جاريًا (أيضا) والجاري يجوز التوضؤ به، وعليه الفتوى. (شامي ٣٣٦/١-٣٣٨ زكريا)

يجب أن يعلم أن الماء الراكد إذا كان كثيرا فهو بمنزلة الماء الجاري لاينجس بوقوع النجاسة في طرف منه، إلا أن يتغير لونه أو طعمه أو ريحه، على هذا اتفق العلماء، وبه أخذ عامة المشايخ رحمهم اللّٰه. (الفتاوى التاتارخانية ٢٩٨/١ رقم: ٤٨٤ زكريا)

الغدير العظيم كالجاري لا يتنجس إلا بالتغير. (الفتاوى الهندية ١٨/١، هداية ٣٦/١، قاضي خان ٥/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۶/۸/۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کالی ندی کا پانی پاک ہے یا ناپاک؟

سوال (۳۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مرادآباد کی کالی ندی کی طرح کوئی بھی ندی ہو یعنی اس کا پانی ناپاک ہے یا نہیں؟ کیوں کہ پانی کا رنگ بھی کالا ہے اور پانی کا ذائقہ بھی بدلا ہوا ہے، اور اس کے پانی میں سے کسی کو بدبو آتی ہے اور کسی کو اس کے پانی سے بدبو نہیں آتی، تو اس سے وضو جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ یہ بھی ماء جاری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلے یہ تحقیق ضروری ہے کہ مذکورہ کالی ندی کا رنگ کس طرح کی اشیاء ملنے سے بدلا ہے؟ اگر وہ اشیاء ناپاک ہیں اور ناپاکی کے اثر سے رنگ میں تبدیلی آئی ہے تو ظاہر ہے کہ پانی بھی یقیناً ناپاک ہی کہلائے گا؛ لیکن اگر اس پانی میں ملنے والی چیز ناپاک نہیں ہے اور ناپاکی کا بھی یقین نہیں ہے، مثلاً بعض فیکٹریوں سے نکلنے والا پانی، تو اس کے بارے میں ناپاکی کا قطعی حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے۔

عن أبي أمامة الباهلي رضي اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: إن الماء لا ینجسه شيء إلا ما غلب علی ریحه وطعمه ولونه.

(سنن ابن ماجة ۱/۳۹ رقم: ۵۲۱)

وبتغییر أحد أوصافه من لون أو ریح ینجس الکثیر ولو جاریاً. (الدرالمختار مع الشامي ۱/۳۳۲ زکریا)

وأما إذا بقي علی رقته وسیلانه فإنه لایضر أي لایمنع جواز الوضوء به تغیر أوصافه کلها بجامد خالطه بدون طبخ کزعفران وفاکهة وورق شجر.

(حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح ۲۵)

یجوز التوضي بالماء الجاري، وفي الخانیة: إذا کان قوی الجری لا

يحكم بتنجسه لوقوع النجاسة فيه ما لم يتغير طعمه أو لونه أو ريحه، وفي النصاب وعليه الفتوىٰ. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲۹۳/۱ رقم: ۴۵۶ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/۲/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دودھ کی بالٹی میں گوبر کا پایا جانا؟

سوال (۳۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں دودھ بیچنے والے اپنی بالٹی میں دودھ بیچنے آتے ہیں، جس میں اکثر وبیشتر گوبر پایا جاتا ہے، جب کہ گوبر دودھ میں گر جانے سے دودھ ناپاک ہوجاتا ہے، اور یہ عمومی حالت ہے، اور دودھ کے استعمال کی ضرورت روزمرہ کی زندگی میں ہمیشہ پڑتی رہتی ہے، اب زید پریشان ہے کہ اس سے نجات کی صورت کیا ہوگی؟ اور گنجائش اور رخصت ہو تو قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: اگر دودھ دوہتے وقت تھوڑا بہت گوبر دودھ میں گر جائے، اور اسے جلدی ہی نکال لیا جائے کہ اس کا رنگ اور اثر دودھ میں ظاہر نہ ہو تو ضرورۃً ایسا دودھ ناپاک نہیں ہے، اس کا استعمال جائز ہے؛ لیکن اگر زیادہ مقدار میں گوبر دودھ میں گر جائے، اور اس کے اثرات ظاہر ہوجائیں تو دودھ یقیناً ناپاک ہوجائے گا۔

وبعرتي إبل وغنم كما يعفي لو وقعتا في محلب وقت الحلب فرميتا فوراً قبل تفتت وتلون، قيل: القليل المعفو عنه ما يستقله الناظر والكثير بعكسه وعليه الاعتماد. (درمختار مع الشامي ۳۸۰/۱ زكريا)

وإذا حلب شاة أو ضأناً فإن وقع بعرة في المحلب حكى عن المتقدمين من المشائخ أنهم توسعوا في ذٰلک إذا رمى من ساعته، والمتأخرون اختلفوا فيه، وفي العتابية: اللبن طاهر، وعليه جماعة من المتقدمين، وهو المأخوذ، وإن

تفتت البعر ة في اللبن يصير نجساً لا يطهر بعد ذٰلک. (الفتاویٰ التاتارخانية ۱/ ۳۲٤ رقم: ۵۸۰ زکریا، بدائع الصنائع / کتاب الطهارة ۱/ ۲۲۲ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/ ۱۱/ ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سیمنٹیڈ پکی ٹنکی کی صفائی کرنا

سوال (۳۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مسجد میں پانی کی ٹنکی کو بنے ہوئے چار سال ہوگئے ہیں، اس کے پانی سے لوگ وضو کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں؛ لیکن اس ٹنکی کی آج تک صفائی نہیں ہوئی، مگر وہ ٹنکی اوپر سے بند رہتی ہے، وہ ٹنکی پکی بنی ہوئی ہے، اور اس کا پانی روز نکلتا ہے روز بھرتا ہے، کیا ایسی ٹنکی کی صفائی کرنی ضروری ہے یا نہیں؟ بغیر صفائی کے اس کے پانی سے وضو کرنا کیسا ہے؟ اور ایسی ٹنکی کی صفائی کرنا کتنے دن میں ضروری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ٹنکی اوپر سے بند ہے اور روزانہ اس کا پانی بھی بدلتا ہے، تو اس ٹنکی کی صفائی کرنی ضروری نہیں ہے، بغیر صفائی کے اس سے وضو کرنا درست ہے، ہاں جب ضرورت محسوس ہونے لگے تو صفائی کرنا منع بھی نہیں ہے۔

مستفاد: ولو تغير الماء المطلق بطول المكث يجوز التوضى به. (الفتاوی الهندية ۱/ ۲۰ کوئٹہ)

وبتغير أحد أوصافه من لون أو طعم أو ريح ينجس، لا لوتغير بطول المكث أي لاينجس لو تغير. (الدرالمختار مع الشامي، کتاب الطهارة / باب المياه ۱/ ۳۳۲ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/ ۷/ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

❍❖❍

وضو کے مسائل

وضو کی فرضیت کب ہوئی؟

سوال (۴۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: وضو کی فرضیت کب ہوئی اور کیوں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وضو اور غسل کی فرضیت مکہ معظّمہ میں نماز کے ساتھ ہوئی، اس کا مقصد ظاہری اور روحانی طہارت اور پاکیزگی کا حصول ہے، نیز وضو کے ذریعہ گناہوں کی مغفرت کی بشارت بھی احادیثِ شریفہ میں وارد ہے۔

وفي الحديث الطويل: الطهور شطر الإيمان. (صحيح مسلم ۱/۱۱۸)

عن عثمان بن عفان رضي اللّٰه عنه ...... قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: لا يتوضأ رجل مسلم فيحسن الوضوء فيصلي صلاةً إلا غفر له ما بينه وبين الصلاة التي تليها. (صحيح مسلم ۱/۱۲۱)

أجمع أهل السير أن الوضوء والغسل فرضا بمكة مع فرض الصلاة بتعليم جبرئيل عليه السلام. (درمختار / كتاب الطهارة ۱/۱۹۸ زكريا، ۱/۹۰ كراچی) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۳/۱۲/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرآن سے وضو کے فرائض اور اعضاءِ مغسولہ کی تحدید کا ثبوت

سوال (۴۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے مقتدیوں کو فرائض وضو کی آیت تلاوت کر کے وضو کے فرض اور واجبات بتائے، اور کہا کہ قرآن سے صرف غسل اعضاء وضو ثابت ہے، اور تحدیدِ اعضاء کا ثبوت احادیث سے ہے؛ لہٰذا غسل اعضاء فرض اور تحدید اعضاء واجب ہے، تو کیا زید کا یہ قول صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآنِ پاک میں وضو کے چار فرض بیان کئے گئے ہیں:

(۱) چہرہ کا دھونا، جس کے لئے ﴿وُجُوهَكُمْ﴾ کا لفظ استعمال ہوا ہے؛ لہٰذا لغت میں جس حد تک "وجه" کا اطلاق ہوتا ہے اس کی تحدید خود قرآن کے لفظ سے معلوم ہو رہی ہے۔

(۲) کہنیوں تک ہاتھ دھونا، اس کو ﴿وَاَيْدِيَكُم إِلَى الْمَرَافِقِ﴾ سے بیان کیا گیا ہے، یہاں خود اس کی تحدید بھی قرآن سے صاف طور پر ثابت ہے۔

(۳) سر کا مسح کرنا، اس کے لئے ﴿وَامْسَحُوْا بِرُؤُوسِكُمْ﴾ کے الفاظ آئے ہیں، اور اسے مطلق رکھا گیا ہے، جس کی تحدید کے لئے احادیثِ شریفہ سے استدلال کی ضرورت پیش آئی، اور اس بارے میں علماء کی آراء مختلف ہوگئیں، جن کی تفصیل کتبِ فقہ میں درج ہے۔

(۴) پیروں کو ٹخنوں تک دھونا، اس کے لئے ﴿اَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ کے الفاظ آئے ہیں، گویا اس کی تحدید بھی خود قرآنِ کریم میں کردی گئی ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صرف مسح راس کے سلسلہ میں تحدید کے لئے احادیثِ شریفہ کی طرف رجوع کیا گیا ہے، ورنہ بقیہ تین اعضاء مغسولہ کی تحدید صاف طور پر قرآن سے ثابت ہے؛ لہٰذا زید کا مذکورہ دعویٰ علی الاطلاق درست نہیں۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ [المائدة: ٦]

عن حمران مولٰى عثمان أخبره أنه رأى عثمان بن عفان رضي اللّٰه عنه دعا بإناء فأفرغ على كفيه ثلاث مرار فغسلهما ثم أدخل يمينه في الإناء فمضمض واستنشق، ثم غسل وجهه ثلاثا، ويديه إلى المرفقين ثلاث مرار، (ثم) مسح برأسه ثم غسل رجليه ثلاث مرار إلى الكعبين، ثم قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: ''من توضأ نحو وضوئي هٰذا، ثم صلى ركعتين لا يحدث فيهما نفسه، غفرله ما تقدم من ذنبه''. (فتح الباري / كتاب الوضوء ٢/٣٤٤ رقم: ١٥٩)

ففرض الطهارة: غسل الأعضاء الثلاثة، ومسح الراس بهذا النص، والغسل هو الإسالة، والمسح هو الإصابة، وحد الوجه من قصاص الشعر إلى أسفل الذقن، وإلى شحمتى الأذنين؛ لأن المواجهة تقع لهذه الجملة، وهو شق منها – إلى قوله – والمفروض في مسح الرأس مقدار الناصية، وهو ربع الرأس لما روى المغيرة بن شعبة أن النبي ﷺ أتى سباطة قوم، فبال وتوضأ، ومسح على ناصيته وخفيه. (هداية ١/١٦–١٧، طحطاوي على مراقي الفلاح ٣١–٣٣، الدر المختار، كتاب الطهارة / أركان الوضوء أربعة ١/٢١٤–٢٠٨ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۲۲؍۷؍۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

وضو میں کلی کرنے کا طریقہ

سوال (۴۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی صاحب نے مجھ سے بتایا کہ وضو میں جب پہلی مرتبہ کلی کریں تو داہنی طرف کے دانتوں کو ملیں گے اور کلمہ شہادت پڑھیں گے، اور دوسری کلی میں بائیں طرف کے دانتوں کو انگلی سے ملیں گے اور کلمۂ شہادت پڑھیں گے، اور تیسری کلی میں وہی کام کریں گے جو پہلی کلی میں کیا تھا۔ کیا مذکورہ صفت کے ساتھ وضو میں کلی کرنے کا ثبوت ملتا ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو دلیل سے نوازیں، اور اگر جواب نفی میں ہے تو بتائیے کہ وضو میں کلی کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کلی کرتے وقت دانت ملنے کی ابتداء دائیں طرف سے کرنا مستحب ہے؛ لیکن سوال میں جو لکھا گیا ہے کہ پہلی کلی میں صرف دائیں طرف انگلی پھیری جائے اور دوسری میں صرف بائیں طرف، اور کلی کرتے وقت کلمۂ شہادت پڑھا جائے، یہ التزام بلادلیل ہے، بہتر ہے کہ کلی کرتے وقت مسواک کا اہتمام کیا جائے، اور مسواک کی ابتداء دائیں طرف سے کریں، پھر بائیں جانب۔ اور اگر مسواک نہ ملے تو اس کی جگہ انگلی استعمال کریں، اسی طرح تین مرتبہ کلی کریں اور حلق وغیرہ اچھی طرح صاف کریں۔

عن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يعجبه التيمن في تنعله وترجله وطهوره في شأنه كله. (صحيح البخاري، كتاب الوضوء / باب التيمن في الوضوء والغسل ۱/ ۲۹ رقم: ۱٦۸)

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: تجزئ من السواک الأصابع. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الطهارة / باب الاستياك بالأصابع ۱/ ٦۹ رقم: ۱۷۷)

إن المفاد من الأحاديث الابتداء من جهة اليمين ...... ويستحب أن يدلک الأسنان ظاهرها وباطنها وأطرافها، والحنک وهو باطن، وأعلى الفم من داخل، والأسفل من طرف مقدم اللحيين وعند فقده يعالج بالإصبع. (الطحطاوي على المراقي ٦۸)

والسواک سنة مؤكدة. (درمختار مع الشامي ۱/ ۱۱۳ كراچی، الفتاوى الهندية ۱/ ۷)

وتقوم الإصبع أو الخرقة الخشنة مقامه عند فقده أو عدم أسنانه في تحصيل الثواب. (البحر الرائق ۱/ ۲۱، شامی ۱/ ۲۳٦ زكريا، مرقاة المفاتيح ۲/ ۸۰ بيروت) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۲۴/ ۱۱/ ۱۴۲٦ھ

وضو میں تین مرتبہ سے زیادہ کلی کرنا

سوال (۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک امام صاحب (جو تقریباً بیس سال سے امامت کررہے ہیں) نے وضو کرتے وقت تین مرتبہ کلی کے بجائے چار پانچ مرتبہ کلیاں کرلیں، ایک مقتدی نے اعتراض کیا کہ زیادہ کلیاں کرنے سے وضو نہیں ہوئی، مگر امام صاحب کا کہنا ہے کہ وضو ہوگیا، تو براہِ کرم مدلل وضاحت فرمائیں کہ وضو ہوگیا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وضو میں تین مرتبہ کلی کرنا مسنون ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص اطمینانِ قلب کے لئے اور تین سے زائد کی سنیت کا اعتقاد نہ رکھتے ہوئے ۴-۵ رمرتبہ کلی کرے، تو وضو میں کوئی خرابی نہیں آئے گی۔

عن عمرو بن أبي حسن سأل عبد اللّٰہ بن زید رضي اللّٰہ عنه عن وضوء النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم، فدعا تور من ماء فتوضأ لهم فکفاہ علی یدیه فغسلهما ثلاثاً، ثم أدخل یدہ في الإناء فمضمض واستنشق واستنثر ثلاثاً بثلاث غرفات من ماء. (صحیح البخاري، کتاب الوضوء / باب مسح الرأس مرة ۱/۳۲ رقم: ۱۹۲)

وفي روایة الطبراني: یأخذ لکل واحدة ماء جدیداً. (المعجم الکبیر للطبراني ۱/۱۸۱ رقم: ۴۰۹)

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جدہ قال: جاء أعرابي إلی النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم فسأله عن الوضوء، فأراہ ثلاثاً ثلاثاً، ثم قال: هٰذا الوضوء، فمن زاد علی هٰذا فقد أساء أو تعدی أو ظلم. (سنن ابن ماجة، کتاب الطهارة / باب ما جاء في القصد في الوضوء وکراهیة التعدي فیه ۱۱۹ رقم: ۴۲۲)

ویسن تثلیث الغسل فمن زاد أو نقص فقد تعدی وظلم کما ورد في السنة إلا لضرورة. (مراقي الفلاح) وفي الطحطاوي: بأن زاد لطمانینة قلبه عند

الشک فلا بأس به. (طحطاوي على المراقي ٤٠ كراچی)

ولو زاد لطمانية القلب أو لقصد الوضوء على الوضوء لابأس بہ، وحديث ''فقد تعدیٰ'' محمول على الاعتقاد. (درمختار، کتاب الطهارة / سننه ١١٩/١ كراچی، ٢٤٠/١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۰/۱۱/۱۱ھ

کیا ٹوتھ برش کرنے سے مسواک کا ثواب ملے گا؟

سوال (۴۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل دانتوں کی صفائی کے لئے استعمال ہونے والے برش اور پاؤڈر وغیرہ اشیاء، کیا ثواب کے اعتبار سے مسواک کی نعم البدل ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسواک موجود ہے اس کے باوجود ٹوتھ برش کا استعمال کیا گیا، تو اس سے سنت مسواک ادا نہ ہوگی؛ لیکن اگر مسواک دستیاب نہیں ہے جس کی بناء پر دانت کی صفائی کے لئے ٹوتھ برش استعمال کیا جارہا ہے، تو یہ ٹوتھ برش مسواک کے قائم مقام ہوجائے گا۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/۱۵۷)

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: تجزئ من السواک الأصابع. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الطهارة / باب الاستياك بالأصابع ٦٩/١ رقم: ١٧٧)

وتقوم الإصبع أو الخرقة الخشنة مقامه عند فقده أو عدم أسنانه في تحصيل الثواب لا عند وجوده. (البحر الرائق ٢١/١، درمختار ٢٣٦/١ زكريا، مرقاة المفاتيح ٨٠/٢ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۱۱/۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

وضو کرتے وقت آنکھوں کے اندر پانی پہنچانا فرض نہیں

سوال (۴۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: وضو کرتے وقت آنکھوں میں پانی پہنچانا فرض ہے، وضو میں چہرہ دھوتے وقت اکثر آنکھیں بند کر لیتے ہیں، جس سے صرف پلکیں اور ظاہری آنکھیں دھلتی ہیں اندر پانی نہیں جاتا، تو کیا آنکھ کے اندرونی حصہ کو دھوئے بغیر صرف ظاہری حصہ کو دھونے سے وضو صحیح ہوجائے گا؟ یا آنکھ کے اندرونی حصہ کو بھی دھونا ضروری ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وضو میں صرف آنکھ کے ظاہری حصہ کا دھونا فرض ہے اندر پتلی تک پانی پہنچانا فرض نہیں اور پلکوں والا حصہ اور آنکھ کا وہ باہری کنارہ جو ناک سے ملا ہوا ہے، اس کا دھونا فرض ہے حتی کہ اگر اس حصے میں آنکھ کی کیچڑ نکل کر جم جائے تو اسے ہٹا کر پانی پہنچانا فرض ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/۱۳۳)

وإيصال الماء داخل العينين ساقط فقد روى عن أبي حنيفة: لا بأس بأن يغسل الرجل الوجه وهو مغمض عينيه. (المحيط البرهاني ١/١٦١)

فيجب غسل المياقي...... لا غسل باطن العينين (در مختار) وفي البحر: لو رمدت عينه فرمصت، يجب إيصال الماء تحت الرمص، إن بقي خارجا بتغميض العين وإلا فلا. (شامي، كتاب الطهارة / أركان الوضوء أربعة ١/٢١٠ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۳۴/۶/۱۰ھ

مسح کرتے وقت دو انگلیوں سے سر پر ٹوپی پکڑنا؟

سوال (۴۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید وضو کرتے وقت جب مسح کرتا ہے اس وقت سر پر ہی ہاتھ کی دونوں انگلیوں سے ٹوپی کو پکڑ

لیتا ہے اور مسح کر لیتا ہے، ایسا کرنے میں سر کا مسح درست ہوجاتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں اگر چوتھائی سر کا مسح ہوجاتا ہو تو مسح درست ہوگا؛ کیوں کہ مسح کرنے کے لئے پورے ہاتھ کا استعمال کرنا ضروری نہیں؛ لیکن بہتر یہی ہے کہ ٹوپی الگ رکھ کر مسنون طریقہ پر مسح کیا جائے۔

عن مغيرة بن شعبة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: إن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم توضأ فمسح بناصيته. (صحيح مسلم، كتاب الطهارة / باب المسح على الناصية ١٣٤/١ رقم: ٢٧٤ زكريا)

ولو أخذ الماء بثلاث أصابع ووضع عليه وضعاً ولم يمدها أجزأه على قول من قدره بثلاث أصابع وذٰلك (مقدار فرض مسح الرأس مقدار الناصية) قدر ربع الرأس، وقدره بعض أصحابنا بثلاث أصابع من أصابع اليد من أصغر أصابع اليد. (الفتاویٰ التاتارخانية ٢٠١/١ رقم: ٢٠ زكريا)

إذا وضع ثلاث أصابع ومدها حتى بلغ القدر المفروض، قال في الفتح: لم أر فيه إلا الجواز. (منحة الخالق على هامش البحر الرائق ٣٣/١ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۶/۸/۵ھ

وضو کرتے وقت صابن سے منہ اور ہاتھ پیر دھونا؟

سوال (۴۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: وضو میں پے درپے اعضاء کو دھونا سنت ہے کہ ایک عضو خشک نہ ہونے پائے کہ دوسرا دھوڈالے، ہمارے یہاں بعض عورتیں وضو کرتی ہیں تو چہرہ دھوتے وقت صابن سے دھونے میں بہت دیر لگادیتی ہیں، یا پاؤں دھوتی ہیں تو صابن سے دھونے میں دیر لگادیتی ہیں، کیا یہ طریقہ وضو کی سنت ولاء کے چھوٹنے کا سبب تو نہیں ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صابن لگانا وضو کے اعمال سے الگ ایک عمل ہے؛ لہٰذا وضو کے دوران اگر کوئی عضو صابن سے مَل کر دھویا جانے لگے تو اس کی وجہ سے اعضاء وضو کو پے در پے دھونے کی سنت ترک ہوجائے گی، اس لئے بہتر یہ ہے کہ اولاً ترتیب وار وضو کرلیا جائے، اس کے بعد اگر ضرورت ہوتو صابن سے دھویا جائے۔

ومنها الموالاة: وهي أن لايشتغل المتوضي بين أفعال الوضوء بعمل ليس منه؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم هكذا كان يفعل. (بدائع الصنائع ۱۱۲/۱ زکریا)

ومن السنة الموالاة عندنا......، وفي التحفة: الموالاة: أن لا يشتغل بين أفعال الوضوء بعمل ليس منه. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۲۲۱/۱ رقم: ۱۰۰ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۹/۲/۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

وضو اور غسل میں کتنا پانی استعمال کرنا چاہئے؟

سوال (۴۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری مسجد میں اکثر آدمی شکایت کرتے رہتے ہیں، لگاتار کئی سالوں سے میں متولی ہونے کے باوجود خاموش رہتا تھا کہ کوئی بات نہیں ہے، ہمارے یہاں مسجد میں چار غسل خانے اہل محلّہ کے لئے ہیں، سردی گرمی دونوں موسم میں اہل محلّہ اسی میں نہاتے ہیں، بعض آدمی اتنی دیر میں غسل خانہ سے نکلتے ہیں کہ اتنی دیر میں تین تین آدمی فارغ ہوجائیں، لوگوں کا خیال ہے بعض کم از کم بیس بیس لوٹوں سے نہاتے ہیں۔ پچھلے جمعہ کو جب کہ میں نے مسجد کی تولیت سے انکار کرکے استعفیٰ دے دیا ہے، جمعہ میں دعاء سے پہلے کہا، میں نے پڑھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ساڑھے تین کلو پانی کی ہے، آپ لوگ زیادہ سے زیادہ ایک بالٹی استعمال کرسکتے ہیں، اس پر ایک حافظ صاحب جو میرے خاندان ہی کے ہیں، انہوں نے مزاق اڑایا کہ تم تو سب کو ناپاک کردوگے، کہیں اتنے کم

پانی میں غسل ہوسکتا ہے؟ اس سے میرا ہی نہیں سنتِ رسول کا مزاق اڑایا گیا ہے۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ وضو اور غسل میں کم از کم کتنا پانی استعمال کرنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد میں غسل خانے اس وجہ سے بنائے جاتے ہیں کہ کسی مسافر وغیرہ کو ضرورت کے وقت دشواری نہ ہو، اب ان غسل خانوں کو اہلِ محلّہ کا مسلسل استعمال کرنا اور اس میں بے دریغ پانی خرچ کرنا جیسا کہ سوال میں درج ہے، یہ طریقہ درست نہیں ہے۔ محلّہ والوں کو مسجد کے غسل خانوں کو استعمال کرنے کی عادت نہیں بنانی چاہئے؛ بلکہ اپنے گھر سے طہارت حاصل کرکے مسجد میں آنا چاہئے اور بہر حال نمازیوں کو وضو اور غسل کرتے وقت یہ پیشِ نظر رکھنا چاہئے کہ اسراف اور فضول خرچی نہ ہونے پائے؛ کیوں کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جو پانی موقوفہ ہو (جیسے: مساجد کا پانی) اس کا وضو اور غسل میں ضرورت سے زائد استعمال قطعاً ممنوع ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غسل میں ایک صاع یعنی تقریباً ساڑھے تین کلو پانی استعمال کرنا صحیح احادیث سے ثابت ہے، اور یہ غسل مسنون کی ادنی مقدار ہے، (کیوں کہ بعض دیگر روایات سے ایک فرق یعنی تین صاع تقریباً ساڑھے دس کلو پانی کا استعمال بھی آپ سے ثابت ہے) اور اس مقدار پر طنز کرنا یا اس کا مذاق اڑانا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے، جس شخص نے ایسا کیا اس پر توبہ واستغفار لازم ہے؛ تاہم حدیث میں بیان کردہ تحدید ایسی لازمی نہیں ہے کہ اس سے زیادہ پانی کا استعمال خلافِ سنت قرار دیا جائے؛ لہٰذا اگر کوئی شخص اس سے زیادہ پانی ضرورت یا اطمینانِ قلب کے لئے غسل میں استعمال کرے گا تو وہ سنت کا تارک نہ ہوگا، ہاں اگر بلاضرورت زیادہ پانی بہائے تو وہ یقیناً تارکِ سنت ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲۳/۸ امیرٹھ، فتاویٰ رشیدیہ ۲/۱۶ ا، مکتبہ رحیمیہ دیوبند)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها أن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم كان يغتسل من إناءٍ هو الفَرَقُ من الجنابة ...... قال قتيبة، قال سفيان: والفرق ثلاثة آصع. (صحيح مسلم ١/١٤٨)

عـن أنـس بـن مـالک رضي اللّٰہ عنہ قال: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یتوضأ بالمد ویغتسل بالصاع إلی خمسۃ أمداد. (صحیح مسلم ۱/۱٤۹)

عـن سفینۃ قال : کان رسول اللّٰہ ﷺ یُـغَسِّـلہ الصاعُ من الماء من الجنابۃ ویوضئہ المدُ. (صحیح مسلم ۱/۱٤۹، ومثلہ في سنن ابن ماجۃ / کتاب الطهارۃ وسننها رقم: ۲٦۷)

عـن ابـن عـمـر رضـي الـلّٰـہ عـنہ قال: رأی رسول اللّٰہ رجلا یتوضأ فقال: ''لاتسرف، لا تسرف''. (سنن ابن ماجۃ / کتاب الطهارۃ وسننها حدیث: ٤۲٤)

عـن عبـد الـلّٰـہ بـن عـمرو رضي اللّٰہ عنهما أن رسول اللّٰہ مر بسعد، وهو یتـوضـأ، فـقال: ''ما هذا السرف؟'' فقال: أفي الوضوء إسراف؟ قال: ''نعم، وإن کنت علی نهر جار''. (سنن ابن ماجۃ / کتاب الطهارۃ وسننها حدیث: ٤۲٥)

ومـا فـي ظاهر الروایۃ من أن أدنی ما یکفي في الغسل صاع، وفي الوضوء مـد للحدیث المتفق علیہ. ''کان ﷺ یتـوضـأ بالمد ویغتسل بالصاع إلی خمسۃ أمداد''. لیس بتقدیر لازم بل هو بیان أدنی القدر المسنون.

قـال فـي البـحر الرائق: حتی إن من أسبغ بدون ذٰلک أجزأہ وإن لم یکفہ زاد عـلیـہ لأن طباع الناس وأحوالهم مختلفۃ وبہ جزم في الإمداد وغیرہ. (شامي، کتاب الطهارۃ / مطلب في تحریر الصاع والمد والرطل ۱/۱٥۹ کراچی، ۱/۲۹٥ زکریا)

ویکرہ الإسراف فیہ تحریماً لو بماء النهر أو المملوک بہ، أما الموقوف علی من یتطهر بہ ومنہ ماء المدارس فحرام. (حاشیۃ الطحطاوي علی مراقي الفلاح ٤٥ کراچی)

ومـن الأدب أن لایسـرف ولایـقتـر، هٰکذا ذکر شمس الأئمۃ الحلواني: هٰذا سنۃ. (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ۱/۲۲۷ رقم: ۱۱٦ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۳/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا مسجد و مدرسہ کے پانی سے اعضاء وضو تین مرتبہ سے زائد دھونا حرام ہے؟

سوال (۴۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے مدرسہ کے ایک صاحب نے بتایا کہ مسجد اور مدرسہ کے پانی سے اعضاءِ وضو کو تین مرتبہ سے زائد دھونا حرام ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ بات صحیح ہے کہ اگر وقف کے پانی سے بلاضرورت تین مرتبہ سے زیادہ اعضاء دھوئے گا تو وہ ناجائز ہوگا، بشرطیکہ وہ ماء جاری نہ ہو، مثلاً بڑے حوض کا پانی نہ ہو؛ بلکہ ٹنکی یانل وغیرہ کا پانی ہو۔

أما الموقوف على من يتطهر به ومنه ماء المدارس فحرام. (درمختار) **وتحته في الشامية: لأن الزيادة غير مأذون بها؛ لأنه إنما يوقف ويساق لمن يتوضأ الوضوء الشرعي ولم يقصد إباحتها لغير ذٰلك، وينبغي تقييده بماء ليس بجار كالذي في صهريج أو حوض أو نحو إبريق. أما الجاري كماء مدارس دمشق وجوامعها فهو من المباح كماء النهر.** (شامي ۱۳۳/۱ کراچی، شامي ۲۵۹/۲ زکریا)

ويكره الإسراف فيه تحريماً لو بماء النهر أو المملوك به، أما الموقوف على من يتطهر به ومنه ماء المدارس فحرام. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ٤٥ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۳/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس پانی میں نیل گھول دیا گیا ہو اس سے وضو کرنا؟

سوال (۵۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: پانی میں نیل گھول دی جائے تو اس سے وضو کرنا کیوں درست ہے جب کہ وہ ماء مطلق نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پانی میں پاک چیز پڑنے سے اگر رنگ بدل جائے تو ماء مطلق ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا، جیسے پاک مٹی گرنے سے پانی گدلا ہوجائے تو یہ نہیں کہیں گے کہ یہ پانی نہیں رہا؛ البتہ اگر پاک چیز اتنی زیادہ مل گئی کہ پانی کی رقیت وسیلانی باقی نہیں رہی، مثلاً پانی میں گڑ ڈالا جس سے پانی شیرہ بن گیا، تو اب یہ ماء مطلق نہیں رہے گا؛ لہٰذا معلوم ہوا کہ نیل گھولنے سے چوں کہ پانی کی سیلانیت میں کوئی فرق نہیں آتا ہے؛ اس لئے نیل ملے ہوئے پانی سے وضو کرنا بلاشبہ جائز ودرست ہے۔

عن أبي أمامة الباهلي رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن الماء لا ينجسه شيء إلا ما غلب على ريحه وطعمه ولونه. (سنن ابن ماجة، كتاب الطهارة / باب الحياض ۱/۳۹ رقم: ۵۲۱)

ويجوز الطهارة بماء خالطه شيء طاهر فغير أحد أوصافه، كماء المد والماء الذي اختلط به الزعفران أو الصابون أو الأشنان. (هداية ۱/۳٤)

أما إذا بقي على رقته وسيلانه فإنه لا يضر أي لا يمنع جواز الوضوء به تغير أوصافه كلها بجامد خالطه بدون طبخ كزعفران وفاكهة وورق شجرة. (مراقي الفلاح ۱٦، حلبي كبير، باب المياه ۹۰) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۵/۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

حقہ کے پانی سے وضو کا حکم

سوال (۵۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حقہ کے پانی سے کن حالات میں وضو جائز ہے؟ اور کن حالات میں وضو جائز نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حقہ کے پانی میں نجاست نہ ملی ہو اور اس کے علاوہ پانی موجود نہ ہو، تو اس سے وضو جائز ہے، اور اگر اس کے علاوہ صاف پانی موجود ہو تو بہتر یہ ہے کہ حقہ کے پانی سے وضو نہ کیا جائے؛ اس لئے کہ اس میں تمباکو کی بد بو سرایت کر جاتی ہے، اور بسا اوقات رنگ اور ذائقہ بھی بدل جاتا ہے۔

لا أي لا ينجس لو تغير بطول مكث فلو علم نتنه بنجاسة لم يجز .

(الدر مختار مع الرد المحتار ۱/۳۳۲ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۲/۴/۳۰ھ

پاؤں کی پھٹن میں موم بھر کر وضو وغسل کرنا؟

سوال (۵۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی آدمی کے پاؤں سردی کی وجہ سے پھٹنے لگے، وہ شخص اس میں علاج کے طور پر موم وغیرہ بھر دے تو وضو کرتے وقت کیا اس موم کو نکالنا ہوگا یا بغیر نکالے وضو صحیح ہو جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ پھٹن اتنی گہری ہے کہ اس کے اندر پانی کا پہنچنا تکلیف اور ضرر کا باعث ہے، تو اوپر سے پانی بہا لینا کافی ہے اس کو نکالنے کی ضرورت نہیں، اور اگر اندر پانی پہنچنے سے چنداں تکلیف کا اندیشہ نہیں ہے، تو موم لگے رہنے سے وضو اور غسل درست نہ ہوں گے؛ بلکہ حتی الامکان موم کو نکال کر پانی بہانا ضروری ہے۔

وإذا كان برجله شقاق فجعل فيه الشحم أو المرهم إن كان لايضره إيصال الماء لايجوز غسله ووضوئه، وإن كان يضره يجوز إذا أمر الماء علىٰ ظاهر ذلک. (كبيري شرح منية المصلي ٤٩)

وإن كان برجله شقاق فجعل فيها الشحم وغسل الرجل ولم يصل الماء إلى ما تحته ينظر إن كان يضر إيصال الماء إلى ما تحته يجوز، وإن كان لا يضره لا يجوز. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲۰۷/۱ رقم: ۵۱ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۱/۶/۲۸ھ

ووٹ کے نشان سے وضو کا حکم؟

سوال (۵۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: انتخابات کے موقع پر ووٹ ڈالنے والوں کی انگلی پر کالا نشان کیمیکل لگایا جاتا ہے جو کہ جسم والا ہوتا ہے، مثل مہندی کے اس کا رنگ الگ نہیں ہے، کئی روز تک اس کا نشان باقی رہتا ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ اس نشان کے ہوتے ہوئے وضو غسل وغیرہ ہوگا یا نہیں؟ اور اسی طرح جو نمازیں اس نشان کے ساتھ پڑھ لی ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ مذکورہ مسئلہ میں ابتلاء عام اور حکومت کی طرف سے مجبوری ہے، کیا اس کی وجہ سے مسئلہ شرعی میں کچھ تخفیف ہو جائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مذکورہ کیمیکل کو لگا کر تجربہ کر کے دیکھا گیا جس سے معلوم ہوا کہ اس میں اسپرٹ کافی مقدار میں ہوتا ہے اور ابتداء میں وہ اسپرٹ کی وجہ سے سیال ہوتا ہے؛ لیکن اسپرٹ کے ہوا میں تحلیل ہو جانے کے بعد کھال پر گہرا نشان پڑ جاتا ہے، پھر دھیرے دھیرے پپڑی کی شکل اختیار کر لیتا ہے، جو پانی کے پہنچنے کو مانع ہوتی ہے؛ لہٰذا اولاً تو اسے لگایا ہی نہ جائے یا لگانے کے بعد فوری طور پر چھڑانے کی کوشش کی جائے اور اگر چھڑانا مشکل اور تکلیف دہ ہو جو کہ ظاہر ہے تو ایسی صورت میں وہ عفو کے درجہ میں ہوگا، وہ وضو اور غسل سے مانع نہ ہوگا؛ کیوں کہ ضرر اور حرج کی وجہ سے تخفیف آ جاتی ہے۔

لا غسل باطن العينين - إلى قوله - وونيم ذباب للحرج: قال الشامي

(للحرج) علة لقوله: لا غسل أي فإن هٰذه المذكورات وإن كانت داخلة في حد الوجه المذكور إلا أنها لا يجب غسلها للحرج، وعلل في الدرر بأن محل الفرض استتر بالحائل وصار بحال لا يواجه الناظر إليه فسقط الفرض عنه وتحول إلى الحائل. (شامي ۲۱۱/۱ زكريا)

ويعفى أثر شق زواله بأن يحتاج في إخراجه إلى نحو الصابون. (مجمع الأنهر ۹۰/۱)

والمراد بالأثر اللون والريح، فإن شق إزالتهما سقطت. (البحر الرائق ۲۳۷/۱)

شرط صحته أي الوضوء زوال ما يمنع وصول الماء إلى الجسد كشمع شحم. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي ٦٢ أشرفية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۰/۱۱/۱۶ھ

ہاتھ پیروں پر پکا پینٹ لگا ہونے کی حالت میں وضو کرنا؟

سوال (۵۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: احقر پکا پینٹ اور کلر کا کام کرتا ہے، پینٹ ہاتھ کے ناخونوں پر جم جاتا ہے، اور ہفتوں میں چھوٹتا ہے، کیا اس کے لگے رہنے سے میرا وضو وغسل ہوتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز پڑھنے سے پہلے تیل وغیرہ لگا کر ہاتھ اور بدن کے دیگر حصہ سے اچھی طرح پینٹ کو صاف کرنا لازم ہے، اگر پوری کوشش کے باوجود کچھ حصہ رہ جائے تو ضرورت اور حرج کی وجہ سے وضو اور غسل میں کوئی خرابی لازم نہیں آئے گی۔

وفي الجامع الصغير: سئل أبو القاسم عن وافر الظفر الذي يبقى في أظفاره الدرن، أو الذي يعمل عمل الطين أو المرأة التي صبغت إصبعها بالحناء

أو الصرام أو الصباغ قال: كل ذٰلک سواء يجزيهم وضوءهم إذ لايستطاع الامتناع عنه إلا بحرج، والفتوى على الجواز. (الفتاوى الهندية ٤/١)

ويعفى أثر شق زواله بأن يحتاج في إخراجه إلى نحو الصابون. (مجمع الأنهر ١/٠ ٩)

والمراد بالأثر اللون والريح، فإن شق إزالتهما سقطت. (البحر الرائق ٢٣٧/١)

شرط صحته أي الوضوء زوال ما يمنع وصول الماء إلى الجسد كشمع شحم. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي ٦٢ أشرفية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۶/۳/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ناخن پالش

سوال (۵۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ناخن پالش کا استعمال کیسا ہے؟ عام طور پر یہ بات اس طرح سننے میں آتی ہے کہ اس کے لگانے سے نہ غسل ہوتا ہے اور نہ وضو کیا یہ صحیح ہے؟ شریعت میں اگر استعمال درست نہیں تو کیا ایام مخصوصہ میں اس کے لگانے کی اجازت ہے، جن ایام میں نماز وغیرہ کے لیے وضو اور غسل کی ضرورت نہیں پڑتی کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ناخن پالش لگے رہنے کی صورت میں وضو اور غسل صحیح نہیں ہوسکتا، لہٰذا اس کے بجائے زینت کے لیے مہندی کا استعمال کیا جائے جو مانع غسل ووضو نہیں ہے، بہتر یہ ہے کہ ناپاکی کے ایام میں بھی ناخن پالش سے احتراز کریں اس لیے کہ پالش لگا کر اس کو چھڑانا بھی ایک کارے دارد ہے، اس لئے ایسے فیشن سے دور ہی رہنا اچھا ہے جو طہارت کو مشکوک بنادے۔

إن صلبا منع وهو الأصح (درمختار) لامتناع نفوذ الماء مع عدم الضرورة والحرج. (شامي ۲۸۹/۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱/۲۶ھ

بالوں اور ناخون پر رنگ سے نماز کا حکم؟

سوال (۵۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل بالوں میں کلر اور ڈائی کرائی جاتی ہے اس سے نماز ہوجائے گی یا نہیں؟ اور ناخن پر پالش لگانے سے نماز ہوجائے گی کہ نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بالوں یا ناخونوں پر ایسا رنگ لگانے سے جو اندر تک پانی پہنچانے سے مانع نہ ہو، مثلاً مہندی اور خضاب وغیرہ، تو اس سے وضو یا نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی؛ لیکن اگر ایسی پالش ناخونوں پر لگائی جائے جن کی باقاعدہ پرت جم جاتی ہے، تو اس کے لگانے سے وضو درست نہیں ہوگا؛ کیوں کہ اندر تک پانی نہیں پہنچا، اور جب وضو درست نہیں ہوگا تو نماز بھی صحیح نہ ہوگی۔

سئل أبو القاسم عن وافر الظفر الذي يبقى في أظفاره الدرن أو الذي يعمل عمل الطين أو المرأة التي صبغت إصبعيها بالحناء أو الصرام إلى قوله يجزيهم وضوء هم. (الفتاوى الهندية ۴/۱)

أو لزق بأصل ظفره طين يابس أو رطب لم يجز. (الفتاوى الهندية ۴/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۳۰ھ

لیپی ہوئی مہندی پر مسح؟

سوال (۵۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز کے سلسلے میں ایک مسئلہ معلوم کرنا ہے کہ سر پر مہندی لگی ہوئی ہے ابھی وہ پوری طرح سوکھی نہیں ہے اور نماز کا وقت ہو چکا ہے تو کیا مہندی کو سر سے الگ کئے بغیر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا یہ ضروری ہے کہ سر کو جب تک دھوئیں نہیں تو نماز نہیں ہوگی؟ صحیح صورت مسئلہ کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مہندی اس طرح لیپی گئی کہ بالوں کا ایک چوتھائی حصہ بھی اوپر سے کھلا ہوا نہیں رہا اور مہندی اتنی سوکھ گئی ہو کہ اوپر کی تری کا اثر بالوں تک نہ پہنچ پائے تو ایسی لیپی ہوئی سوکھی مہندی کے اوپر سے مسح کرنا درست نہیں، پہلے مہندی کو چھڑائیں اس کے بعد مسح کریں۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱۴۱)

ولا یمنع الطهارة وَنيم وحناء ولو جرمه، به يفتى (الدر المختار) صرح به في المنية عن الذخيرة في مسألة الحناء والطين والدرن معللا بالضرورة. قال في شرحها: ولأن الماء ينفذه لتخلله وعدم لزوجته وصلابته، والمعتبر في جميع ذٰلک نفوذ الماء ووصوله إلى البدن. (شامي ۱/ ۲۸۸ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۹/ ۱۱/ ۱۴۲۵ھ

ناخن پالش کو گھنی داڑھی پر قیاس نہ کیا جائے

سوال (۵۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جس طرح گھنی داڑھی چہرے کی کھال کے حکم میں ہو جاتی ہے اور صرف داڑھی کو دھو لینا ہی کافی ہوتا ہے، کھال تک پانی پہنچانے کی ضرورت نہیں ہوتی، تو کیا اسی طرح ناخن پالش بھی اسی حکم

میں ہوسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: داڑھی اگر اتنی گھنی ہوکہ اندر کی کھال باہر سے دکھائی نہ دے، تو وضو میں دفع حرج کے لئے داڑھی کے بالوں کو اوپر سے دھونا کافی ہوتا ہے، یہ ایک سہولت ہے جو احادیثِ شریفہ سے ثابت ہے۔ اور غسل میں یہ سہولت نہیں، یہی وجہ ہے کہ چاہے کتنی ہی گھنی داڑھی ہو، غسل میں اندر تک پانی پہنچانا ضروری ہے، اس کے بغیر غسل درست نہ ہوگا؛ لہٰذا ناخن پالش کو وضو اور غسل میں داڑھی کے مسئلہ پر منطبق نہیں کیا جاسکتا۔

نیز یہ کہ داڑھی بڑھانا شرعاً محمود ہے اس لئے اس میں تخفیف ہوسکتی ہے، اور ناخن پالش لگانا مانع غسل ہونے کی وجہ سے شرعاً ممنوع ہے، اس لئے اس میں تخفیف کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

كما تستفاد من العبارات الآتية: لو قص الشارب لايجب تخليله وإن طال يجب تخليله وكأن وجهه أن قطعه مسنون فلا يعتبر قيامه في سقوط غسل ما تحته، بخلاف اللحية فإن إعفائها هو المسنون. (كبيري شرح منية ١٨)

وفي الشامي: وعلل في الدرر بأن محل الفرض استتر بالحائل وصار بحال لايواجه الناظر إليه، فسقط الفرض عنه وتحول إلى الحائل. (شامی ۹۸/۱ کراچی، شامي ٢١١/١ زكريا، الفتاوى الهندية ٤/١)

أما المستورة فساقط غسلها للحرج. (شامي ٢١٦/١ زكريا)

ثم لا خلاف أن المسترسل لا يجب غسله ولا مسحه بل يسن، وأن الخفيفة التي ترى بشرتها يجب غسل ما تحتها. (درمختار) وفي الشامي: أما المستورة فساقط غسلها للحرج. (شامي ١٩٤/١ بيروت، شامي ٢١٦/١ زكريا)

ويجب غسل ظاهر اللحية الكثّة في أصح ما يفتى به (نور الإيضاح) وعلل في الطحطاوي: لقيامها مقام البشرة لتحول الفرض إليها. (مراقي الفلاح مع

الطحطاوي ٢٥ بيروت)

وقيل إن صلباً منع وهو الأصح. (درمختار) وفي الشامي: صرح به في شرح المنية وقال: لامتناع نفوذ الماء مع عدم الضرورة والحرج. (شامي ٢٥٩/١ بيروت، شامي ٢٨٩/١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۵/۳۰ھ

لپ اِسٹک لگا کر وضو

سوال (۵۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی عورت لپ اِسٹک لگا کر وضو کرتی ہے تو اس کا وضو ہو جائے گا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: لپ اِسٹک اگر تہہ دار ہے تو وہ کھال تک پانی کے پہنچنے سے مانع ہے؛ لہٰذا اس کو لگانے سے وضو درست نہیں ہوگا، اور اگر تہہ دار نہیں ہے محض رنگ ہے تو وہ وضو سے مانع نہیں۔

ولا يمنع الطهارة ونيم وحناء ودرن ووسخ وتراب في ظفر مطلقا ولا يمنع ما على ظفر صباغ. وقيل: إن صلبا منع وهو الأصح. (درمختار) أي إن كان ممضوغا مضغا متأكدا بحيث تداخلت أجزاؤه وصار لزوجة وعلاكة كالعجين......، وقال: الامتناع نفوذ الماء مع عدم الضرورة والحرج. (شامي ٢٨٨/١-٢٨٩ زكريا)

شرط صحته أي الوضوء زوال ما يمنع وصول الماء إلى الجسد كشمع شحم. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي ٦٢ أشرفية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۹/ ۱۱/ ۱۴۲۵ھ

مہندی اور خضاب لگا کر وضو کرنا؟

سوال (۶۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خضاب کے متعلق تحریر فرمائیں کہ اس کے استعمال سے غسل اور وضو میں کوئی کراہت ہے یا نہیں؟ آیا اس کے استعمال کے بعد غسل اور وضو ہوتا ہے یا نہیں؟ اس کا استعمال یا مہندی کا استعمال درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خضاب اور مہندی کے رنگ سے غسل ووضو میں خرابی نہیں آتی؛ البتہ کالا خضاب مرد کے لئے مکروہ ہے، مہندی لگانے میں حرج نہیں ہے۔

أو المرأة التي صبغت بإصبعها بالحناء أو الصرام أو الصباغ، قال: كل ذٰلك سواء، يجزيهم وضوئهم إذ لا يستطاع الامتناع عنه إلا بحرج. (الفتاوى الهندية ٤/١)

ولا يضر بقاء أثر كلون وريح. (شامي ٥٣٧/١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۲/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

وضو کے بعد چہرہ پونچھنا ممنوع نہیں

سوال (۶۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچھ لوگ کہتے ہیں وضو کرکے چہرہ نہیں پونچھنا چاہئے؛ کیوں کہ وضو کے بعد چہرہ پر سے جتنا پانی جائے نماز پر گرتا ہے اتنے ہی گناہ معاف ہوتے ہیں، کیا یہ بات صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وضوء کرنے کے بعد تولیہ یا رومال وغیرہ سے چہرہ

پونچھنے میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں ہے، خود نبی کریم ﷺ سے بھی بعض مواقع پر پونچھنا ثابت ہے، اس لئے اس سے منع نہیں کیا جائے گا؛ تاہم یہ کوئی ضروری بھی نہیں ہے، پس اگر کوئی شخص گرمی کے موسم میں ٹھنڈک کی غرض سے وضو کے بعد تولیہ استعمال نہ کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

اور یہ کہنا کہ وضو کے بعد چہرہ سے جتنا پانی جائے نماز پر گرے گا، اتنے ہی گناہ معاف ہوں گے، یہ بے دلیل بات ہے؛ کیوں کہ گناہوں کی معافی کے لئے وضو کے پانی کا جائے نماز پر گرنا شرط نہیں ہے؛ بلکہ وضو کے بعد جو بھی پانی جہاں بھی گرتا ہے اس سے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: كانت لرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم خرقة ينشف بها بعد الوضوء. (سنن الترمذي ۱۸/۱)

وفي حديث ميمونة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها: فناولته ثوباً فلم يأخذه فانطلق وهو ينفض يديه. (صحيح البخاري ۴۱/۱، سنن أبي داؤد ۳۲/۱)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إذا توضأ العبد المسلم أو المؤمن فغسل وجهه خرج من وجهه كل خطيئةٍ نظر إليها بعينيه مع الماء، أو مع آخر قطر الماء، فإذا غسل يديه خرج من يديه كل خطيئةٍ كان بطشتها يداه مع الماء، أو مع آخر قطر الماء، فإذا غسل رجليه خرجت كل خطيئة مشتها رجلاه مع الماء، أو مع آخر قطر الماء حتى يخرج نقيا من الذنوب. (الموطأ لإمام مالك ۳۲/۱، صحيح مسلم رقم: ۲۴۴، سنن الترمذي رقم: ۲)

والمنقول في معراج الدراية وغيرها أنه لا بأس بالتمسح بالمنديل للمتوضي والمغتسل إلا أنه ينبغي أن لا يبالغ ويستقصي فيبقى أثر الوضوء على أعضائه. (البحر الرائق ۵۱/۱، شامي ۱۳۱/۱ کراچی، المحيط البرهاني ۱۷۹/۱ ڈابھیل)

ومن الآداب – إلى قوله – والتمسح بمنديل. (در مختار) تحته في الشامية: روي عن رسول اللّٰه ﷺ أنه كان يفعله، ومنهم من كره ذٰلک. (شامي

۲۵۷/۱ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۴/۳۴ ۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اعضاءِ وضو سے ٹپکنے والا پانی ناپاک نہیں

سوال (۶۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: وضو کے بعد اعضاء سے ٹپکنے والا پانی کیا نجس ہوتا ہے؟ اس پانی کے کپڑوں پر ٹپکنے سے کیا کپڑے نجس ہوجاتے ہیں، یا اس پانی کے مسجد میں گرنے سے انسان گنہگار ہوتا ہے؟ جو بھی ہو وضاحت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وضو کے بعد اعضاءِ وضو سے ٹپکنے والا پانی نجس نہیں ہے، یہ پانی اگر کپڑے پر لگ جائے تو کپڑا بھی نجس نہیں ہوتا۔

مستفاد: عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم خرج إلى الصلاة، فلما كبَّر انصرفَ وأوماً إليهم أن كما كنتم، ثم خرج فاغتسل ثم جاء ورأسه يقطر، فصلى بهم. (مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح ۷۸/۳ رقم: ۱۰۰۹ بيروت)

ما يصيب منديل المتوضي وثيابه عفوٌ اتفاقا وإن كثر. (شامي ۳۵۲/۱ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۴/۳۴ ۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

وضو کے بعد آسمان کی طرف شہادت کی انگلی اٹھا کر دعا پڑھنا

سوال (۶۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض لوگ وضو کے بعد آسمان کی طرف شہادت کی انگلی اٹھا کر ایک دعا پڑھتے ہیں، کیا یہ دعا صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وضو کے بعد کلمۂ شہادت اور دعا پڑھنا، اور دعا پڑھتے ہوئے آسمان کی طرف نظر اٹھانا احادیثِ شریفہ سے ثابت ہے؛ البتہ شہادت کے وقت آسمان کی طرف انگلی اٹھانا کسی روایت میں صراحۃً نظر سے نہیں گذرا؛ لیکن فقہاء نے اسے مستحسن قرار دیا ہے، اس لئے ایسا کرنے کی ممانعت نہیں ہے، مگر اسے ضروری یا مسنون عمل نہ سمجھا جائے۔

عن عقبة بن عامر الجهني رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم حديث تناوب الرعاية – رعاية الإبل – وفيه قال: فنظرت فإذا هو عمر بن الخطاب فقلت: ما هي يا أبا حفص؟ قال: إنه قال آنفاً قبل أن تجيئ: ما منكم من أحد يتوضأ فيحسن الوضوء، ثم يقول حين يفرغ من وضوئه: أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله، إلا فتحت له أبواب الجنة يدخل من أيها شاء. (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة / باب ما يقول الرجل إذا توضأ ١/ ٢٦ رقم: ١٦٩)

وفي رواية عنه مرفوعاً قال: من توضأ فأحسن وضوءه ثم رفع إلى السماء، فقال: أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك له وأن محمداً عبده ورسوله، فتحت له ثمانية أبواب من الجنة يدخل من أيها شاء. (مسند أحمد ٤/ ١٥١، سنن أبي داؤد ١/ ٢٢)

وفي رواية عنه مرفوعاً نحوه وفيه: قال عند قوله: فأحسن الوضوء، ثم رفع نظره إلى السماء. (سنن أبي داؤد ١/ ٢٦ رقم: ١٧٠)

وزاد في المنية أن يقول بعد فراغه:؛ سبحانك اللّٰهم وبحمدك أشهد أن لا إلٰـه إلا أنت أستغفرك وأتوب إليك، وأشهد أن محمداً عبدك ورسولك ناظراً إلى السماء. (شامي ١/ ٢٥٣ زكريا)

ذكر الغزنوي أنه يشير بسبابته حين النظر إلى السماء. (حاشية الطحطاوي ٧٧)

والإتيان بالشهادتين بعده قائماً مستقبلاً، قال الطحطاوي: ذكر الغزنوي

أنـه يشيـر بسبـابته حين النظر إلى السماء. (طحطاوي على المراقي ٤٣، فتاویٰ رحیمیہ ۱۴۰/۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۴/۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غسل کے وضو سے نماز ادا کرنا؟

ســـوال (۶۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: غسل کے وضو سے نماز ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ یا غسل کے بعد نماز کے لئے دوبارہ الگ سے وضو کرنا ضروری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: غسل سے کامل طہارت حاصل ہوجاتی ہے؛ لہٰذا غسل کے بعد نیا وضو کئے بغیر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۲۶۳/۲)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم لا يتوضأ بعد الغسل. (سنن الترمذي ٣٠/١)

وقال علي القاريؒ: أي اكتفاء بوضوئه الأول في الغسل وهو سنة أو باندراج ارتفاع الحدث الأصغر تحت ارتفاع الأكبر بإيصال الماء إلى جميع أعضائه وهو رخصة. (مرقاة المفاتيح ٣٨/٢، كتاب المسائل ١٧٩/١)

ويدل عليه أنه في البدائع ذكر ركن الغسل وهو إسالة الماء على جميع ما يمكن إسالته عليه من البدن من غير حرج. (شامي ١٥١/١ كراچی)

ولو انغمس المغتسل في الماء الجارى، أو انغمس في ما هو في حكمه ومكث منغمساً قدر الوضوء والغسل أو في المطر كذلک، ولو للوضوء فقط، فقد أكمل السنة. (طحطاوی على المراقي ١٠٥ أشرفي) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۶/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ڈیجیٹل قرآنِ کریم کی اسکرین کو بغیر وضو کے چھونا

سوال (۶۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کے پاس موبائل نما الیکٹرونک ڈیجیٹل قرآنِ کریم ہے، اس کی پوری شکل ویسی ہی ہے جیسے ایک موبائل ہوتا ہے، مگر وہ حقیقت میں موبائل نہیں ہے، اس میں بٹن دبانے سے اوراق پلٹتے ہیں۔

اسی طرح ایک سسٹم اس میں یہ بھی ہے کہ اس موبائل کے اسکرین پر انگلی پھیرنے سے بھی اوراق پلٹ جاتے ہیں، اور کبھی کبھی خود بخود اوراق پلٹتے ہیں، نیز اس الیکٹرونک قرآنِ کریم سے تلاوتِ کلام اللہ کی آواز بھی سن سکتے ہیں اور تفاسیر کی آواز بھی بٹن اُون کرنے سے نکلتی ہے۔

تو اب مفتی صاحب سے پوچھنا یہ ہے کہ اگر کسی شخص کا وضو بار بار ٹوٹتا رہتا ہو اور بار بار وضو کرنے میں وہ تکلیف محسوس کررہا ہو، تو کیا ایسے شخص کے لئے بغیر وضو اس الیکٹرونک قرآنِ کریم کو چھونا، مثلاً اس کی اسکرین پر ہاتھ لگانا، اس میں جو تفاسیر وغیرہ ہیں، ان کو بے وضو پڑھنا یا ان دینی پروگراموں کو بے وضو ہاتھ میں لے کر سننا جائز ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ڈیجیٹل قرآنِ کریم جس وقت کھول کر چلایا جارہا ہو اور اس کی اسکرین پر قرآنی آیات نمایاں ہوں، تو اس کا حکم مطبوعہ قرآنِ پاک کے مانند ہے؛ لہٰذا اس حالت میں اس کو بلا وضو ہاتھ لگانا اور اسکرین پر انگلی پھیر کر اوراق پلٹنا جائز نہ ہوگا؛ البتہ کسی مخصوص قلم یا اسی مقصد سے بنائی گئی تیلی وغیرہ کے اشارہ سے اوراق پلٹتے ہوئے موبائل کو چھوئے بغیر اس میں قرآن پڑھا جائے تو اس کی گنجائش ہوگی، نیز جب اس آلہ کو اس طرح بند کردیا جائے کہ قرآنی حروف اسکرین پر نظر نہ آئیں؛ بلکہ صرف آواز آتی رہے تو اس کا حکم ٹیپ ریکارڈ کی طرح

ہوگا اور اسے بلا وضو چھونے اور اس سے قرآن سننے کی اجازت ہوگی۔

ومسه أي القرآن ولو في لوح أو درهم أو حائط. (شامي ٤٨٨/١ زكريا)

ويمنع مسه إلا بغلافه المنفصل أي كالجراب والخريطة دون المتصل، كالجلد المشرز هو الصحيح وعليه الفتوىٰ؛ لأن الجلد تبع له. (الدرالمختار مع الشامي ٤٨٨/١ زكريا)

بخلاف المصحف فلا يجوز مس الجلد وموضع البياض منه ...... والمنع أقرب إلى التعظيم كما في البحر أي والصحيح المنع. (شامي ٤٨٨/١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۲۷/۲/ ۱۴۳۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بغیر وضو اسکرین پر آیتِ قرآن کو چھونا؟

سوال (٦٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: موبائل کی اسکرین پر قرآنی آیت ہے، تو کیا بلا وضو اس اسکرین کو چھو سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس اسکرین پر قرآن کی آیت نمایاں ہو، اس اسکرین کو بلا وضو چھونا احتیاط کے خلاف ہے۔

ومسه أي القرآن ولو في لوح، أو درهم أو حائط. (شامي ٤٨٨/١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۶/۱۰/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موبائل کی اِسکرین پر نظر آنے والے قرآنی حروف کو بلا وضو چھونا

ســــوال (٦٧): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ''مسائل موبائل'' نامی ہی رسالہ جو مولانا سلمان مظاہری مدراسی کا ترتیب دادہ ہے، اور جس میں مرتب موصوف کے سوالات اور آنجناب زید مجدہ کے جوابات ہیں، ان ہی میں سے ایک سوال وجواب یہ ہے:

سوال (۱)- بغیر وضو کے اپنا موبائل چھونا جس میں قرآنِ کریم یا احادیثِ شریفہ وغیرہ کو چلایا جا رہا ہو، کیا حکم رکھتا ہے؟

جـــواب :- اگر موبائل کی اِسکرین پر قرآن یا اَحادیثِ شریفہ کے حروف دکھائی دے رہے ہیں، تو اُن حرفوں پر بلا وضو ہاتھ رکھنا درست نہیں؛ لیکن اگر یہ پروگرام بند ہو، تو ایسے موبائل کو بلا وضو چھونا منع نہیں۔

يمنع دخول مسجد – إلى قوله – ومسه أي القرآن ولو في لوح أو درهم أو حائط. (شامي ۱/٤٨٨ زكريا)

احقر کو آنجناب زید فضلہ کے مذکورہ جواب پر مکمل اطمینان ہے اور یہی قرآنِ کریم واَحادیثِ طیبہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام کے ادب واحترام کا مقتضیٰ بھی؛ لیکن ایک روز احقر ''جواہر الفقہ'' کے مطالعہ میں مشغول تھا اور دورانِ مطالعہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمۃ کی درج ذیل تحریر پر نظر پڑی:

''گراموفون کے جس ریکارڈ (پلیٹ) میں قرآنِ مجید کی کوئی آیت محفوظ ہو، اس کو بلا وضو چھونا جائز ہے؛ کیوں کہ وہ قرآنِ مجید کے حکم میں نہیں، اور نہ آیات وکلمات اُس میں اِس طرح لکھے ہوئے ہیں جس طرح عام طور پر لکھا جاتا ہے، اور اس کے اندر قطعۂ توتیا پر جو کچھ حروف کے مخارج کندہ ہوتے ہیں، ان کی وجہ سے ریکارڈ کو قرآن کا حکم نہیں دیا جاسکتا''۔ (جواہر الفقہ ۷/۴۲۱)

تو ذہن میں ایک بات آئی اور وہی مستقل شبہ کی شکل اختیار کرگئی، اور وہ یہ ہے کہ جو حکم

گراموفون کی ریکارڈ پلیٹ پر لکھی قرآنی آیت کے چھونے کا ہے، وہی حکم موبائل کی اسکرین پر ظاہر ہونے والی آیاتِ قرآنیہ کا بھی ہونا چاہئے؛ کیوں کہ آج کل کے کیمرے والے موبائل میں استعمال شدہ میموری کارڈ (جو کہ اس قسم کے موبائل کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت میں ہے اور یہی میموری کارڈ مذکورہ بالا سوال وجواب کا بنیادی سرچشمہ بھی ہے، اگر یہ نہ ہوتو پھر مذکورہ سوال وجواب کا تصور ہی باقی نہیں رہ جاتا) یہ درحقیقت گراموفون ہی کی ترقی یافتہ صورت ہے-اور بس- کلام کو محفوظ وریکارڈ کرنے کا جو کام گراموفون سے لیا جاتا ہے، اس میموری والے موبائل نے اس کام کی انجام دہی کو مزید آسان بنادیا ہے؛ لہٰذا یہ دونوں متحد فی الحکم ہونے چاہئیں اور گراموفون کا حکم تحریر سابق سے واضح ہے۔

رہا آنجناب زید مجدہ کا استدلال پر عاجز بے مایہ کا ایک طالب علمانہ شبہ یہ ہے کہ لوح، درہم، اور حائط پر کتابت شدہ قرآنی آیت تو چوں کہ ایک پائیدار ومحسوس شکل میں ہے، اس لئے اس کو چھونا بالیقین ناجائز ہے اور اس میں شک وشبہ کی کوئی ادنیٰ گنجائش بھی نہیں ہے؛ لیکن بہرحال موبائل کی اسکرین پر ظاہر ہونے والی قرآنی آیت تو یہ اس کی کوئی پائیدار شکل ہے اور نہ ہی کوئی محسوس شکل؛ بلکہ یہ تو محض ایک ظل اور عکس معلوم ہوتا ہے، اور جس طرح فوٹو جب تک کیمرہ کی اسکرین پر رہے اور مشین کی مدد سے کاغذی صورت میں اس کو کیمرہ سے باہر نہ نکال دیا جائے، اس وقت وہ فوٹو ظل اور عکس ہی کے حکم میں ہے، اس کو تصویر نہیں کہا جاسکتا، اور اسی فوٹو کو اگر کاغذی شکل دے دی جائے، تو ظل وعکس نہیں؛ بلکہ تصویر کے حکم میں ہو جاتا ہے، بالفاظِ دیگر ایک ناپائیدار چیز پائیدار ہو جائے گی، ٹھیک یہی بات قرآنی آیات کے متعلق بھی کہی جاسکتی ہے کہ مثلاً جب تک صرف موبائل کی اسکرین پر ہے، تو محض ظل وعکس اور ایک ناپائیدار چیز کے حکم میں ہیں، اور جب ان ہی آیات کو کاغذی شکل میں برآمد کرلیا جائے تو پھر ان کے چھونے نہ چھونے کا وہی حکم ہوگا جو کہ معروف ومشہور ہے۔

اس تحریر سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آنجناب زید مجدہ نے ایک ناپائیدار چیز کو پائیدار پر

قیاس فرمایا ہے، جو سمجھ سے بالاتر ہے، پھر یہ کہ موبائل پر وگرام جاری ہے یا بند ہے اور اسی کے اعتبار سے حکم کے نفاذ کے کوئی معنی احقر کی سمجھ میں اب تک نہیں آسکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

نـــوٹ:- اس شبہ کو تحریری شکل میں پیش کر کے احقر کا مقصد ہرگز ہرگز یہ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ موبائل کی اسکرین پر ظاہر ہونے والی آیات بلاوضو چھونے کا جواز نکالا جائے؛ بلکہ اپنے ذکر کردہ شبہ کا ازالہ صرف اور صرف پیشِ نظر ہے۔

حضرت والا سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ تفصیلی اور تشفی بخش جواب دے کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسائلِ موبائل میں جو مسئلہ لکھا گیا ہے وہ اپنی جگہ پر درست ہے؛ اس لئے کہ جس وقت اسکرین پر قرآنِ کریم کی آیات واضح طور پر نظر آرہی ہیں، تو اُن کو ہاتھ لگانا عرفاً قرآنِ کریم ہی کو ہاتھ لگانا سمجھا جاتا ہے، اگرچہ ان کو کاغذ پر لکھی ہوئی تحریر کی طرح قرار حاصل نہ ہو؛ لیکن فی الجملہ قرار حاصل ہے، بایں طور کہ جب تک بٹن بند نہ کیا جائے وہ خود بخود بند نہیں ہوتا، اس کو محض ایک سایہ کے درجہ میں رکھنا صحیح نہیں، اور اس طرح کے مسائل میں زیادہ تر مدار عرف پر ہوتا ہے، پس جس کو عرف میں بے ادبی سمجھی جائے، اس کی شرعاً اجازت نہ ہوگی۔

اور آپ نے ''جواہر الفقہ'' میں ذکر کردہ جس جزئیہ سے اشکال پیش فرمایا ہے، اس کا تعلق ہمارے زیر بحث مسئلہ سے نہیں ہے؛ کیوں کہ گراموفون کی پلیٹ میں صرف نشانات نظر آتے ہیں، حروف نظر نہیں آتے؛ لہٰذا اس کا حکم موبائل کی اسکرین سے جداگانہ ہوگا؛ بلکہ وہ موبائل چپ کے درجہ میں ہوگی اور چپ کو بلاوضو ہاتھ لگانے میں کوئی حرج نہیں، جس میں اگرچہ پورا قرآنِ کریم محفوظ رہتا ہے؛ لیکن جب تک اسے اسکرین پر نہ چلایا جائے وہ نظر نہیں آتا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ [الواقعة: ۷۹]

الثابت بالعرف کالثابت بالنص. (رسم المفتی ۹۵ سہارنپور) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۳/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس موبائل کی اِسکرین پر قرآن یا حدیث چلائی جارہی ہو اس کو بے وضو چھونا

سوال (۶۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بغیر وضو کے ایسے موبائل کا چھونا جس میں قرآنِ کریم یا اَحادیثِ شریفہ وغیرہ کو چلایا جارہا ہو، کیا حکم رکھتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر موبائل کی اسکرین پر قرآن یا اَحادیثِ شریفہ کے حروف دکھائی دے رہے ہوں، تو ان حروف پر بلاوضو ہاتھ رکھنا درست نہیں ہے؛ لیکن اگر یہ پروگرام بند ہو، تو ایسے موبائل کو بلا وضو چھونا منع نہیں ہے۔

ويمنع دخول مسجد – إلى قوله – ومسه، أي القرآن ولو في لوح أو درهم، أو حائط. (شامي ۱/۴۸۸ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۱/۸/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نواقضِ وضو

زخم یا پھوڑے کو دبا کر خون نکالنے سے وضو کا حکم

سوال (٦٩): - کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی آدمی زخم یا پھوڑا کو دبا کر خون یا پیپ اتنی مقدار میں خارج کر دے جن سے سیلان متحقق ہو سکے، تو کیا اس صورت میں وضو ٹوٹ جائے گا، جب کہ ہدایہ کی عبارت: **وأما إذا عصرها فخرج بعصره فلا ينقض؛ لأنه خروج وليس بخارج.** (هداية ۲۸/۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو نہیں ٹوٹے گا، اگر وضو ٹوٹ جائے گا تو ہدایہ کی اس عبارت کا کیا جواب ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زخم یا پھوڑے کو دبا کر خون نکال دینے سے نقض وضو کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، صاحب ہدایہ اور علامہ عینیؒ کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹے گا، ان کے علاوہ دیگر تمام فقہاءِ کرام متفقہ طور پر فرماتے ہیں کہ خون خود بخود نکلنے یا دبا کر نکال دینے، دونوں صورتوں کا حکم یکساں ہے، یعنی بہر صورت وضو ٹوٹ جائے گا۔ صاحبِ ہدایہ کی عبارت روایت شاذہ میں سے ہے، عام حالات میں اس پر فتویٰ نہیں ہے۔

أخرج الدار قطني بسنده عن تميم الداري قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الوضوء من كل دم سائل. (سنن الدار قطني ١٦٢/١ رقم: ٥٧١)

والمخرج بعصره والخارج بنفسه سيان في حكم النقض على المختار كما في البزازية. قال: لأن في الإخراج خروجاً فصار كالفصد، وفي الفتح عن

الكافي أنه الأصح، واعتمده القهستاني. وفي القنية وجامع الفتاویٰ: أنه الأشبه ومعناه أنه الأشبه بالنصوص رواية، والراجح دراية فيكون الفتوى عليه. (درمختار ۱/۱۳٦ كراچی، درمختار ۱/۲٦٤ زكريا، رسائل بن عابدين ۱/۵۸، بزازية ۱/۱۲، الفتاویٰ التاتارخانية ۱/۲٤۱ رقم: ۱۸۷ زكريا، هداية، نواقض الوضوء ۱/٤۲ مكتبة البشریٰ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۴/۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسواک کرتے ہوئے خون نکل آنا؟

سوال (۷۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص جب وضو میں مسواک کرتا ہے تو اس کے مسوڑھوں سے خون نکلتا رہتا ہے اور خون لعاب پر غالب ہوتا ہے، ایسی صورت میں جو اس نے وضو کیا ہے وہ صحیح ہو جائے گا یا نہیں؟ اگر اس کا وضو نہیں ہوگا تو اس کو کیا صورت اختیار کرنی چاہئے کہ اس کا وضو ہو جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: جب کہ خون لعاب پر غالب رہتا ہے تو صورتِ مسئولہ میں اس کا وضو صحیح نہیں ہوتا، اسے چاہئے کہ مسواک نہ کرے، اس کے بجائے آہستگی کے ساتھ انگلی پھیر لیا کرے، یہ انگلی پھیرنا مسواک کے قائم مقام ہو جائے گا۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: تجزئ من السواک الأصابع. (السنن الكبریٰ للبيهقي، كتاب الطهارة/ باب الاستياك بالأصابع ۱/٦۹ رقم: ۱۷۷)

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه أن رجلاً من الأنصار عن بني عمرو بن عوف رضي اللّٰه عنه قال يا رسول اللّٰه! إنک رغبتنا في السواک، فهل دون ذٰلک من شيء؟ قال: إصبعاک سواک عند وضوئک تمرهما عن أسنانک.

(السنن الكبریٰ للبيهقي ۱/٦۷ رقم: ۱۷۹)

وينقضه دم مائع من جوف أو فم غلب علىٰ بزاق، ولو كان الاستياک بالأصبع أو خرقة أو ساواه احتياطاً. (الدر المختار، كتاب الطهارة ۱/۲۶۷ زكريا)

خشنة عند فقده أي السواک أو فقد أسنانه أو ضرر بفمه لقوله عليه السلام: يجزئ من السواک الأصابع. (مراقي مع الطحطاوي ۳۸ کراچی)

لا ينقضه المغلوب بالبزاق (درمختار) وعلامته كون الدم غالباً أو مساوياً أن يكون البزاق أحمر وعلامة كونه مغلوباً أن يكون أصفر. (شامي ۱/۲۶۷ زكريا، شامي ۱/ ۲٤۰ بيروت)

ومن خشئ من السواک تحريک القئ تركه. (الفتاوى الهندية ۱/۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱/۲۶ھ

وضو کے بعد دانتوں سے خون آنا؟

سوال (۷۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: احمد کے دانتوں سے وضو کے بعد ہی خون نکلتا ہے، دوبارہ وضو کرنے پر پھر خون نکلنا شروع ہوجاتا ہے، تو وہ کیا کرے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں احمد کو چاہئے کہ خون بند ہونے کا انتظار کرے اور خون بند ہونے کے بعد احتیاط سے وضو کرکے نماز ادا کرے۔

وينقضه دم مائع من جوف أو فم غلب على بزاق حكماً للغالب أو ساواه احتياطا لا ينقضه المغلوب بالبزاق. (درمختار) وعلامة كون الدم غالباً أو مساوياً أن يكون البزاق أحمر وعلامة كونه مغلوباً أن يكون أصفر. (شامي ۱/ ۲٤۰ بيروت، شامي ۱/۲٦۷ زكريا)

قال العلامة ابن عابدين رحمه اللّٰه: ولو عرض بعد دخول وقت فرض انتظر إلى آخره، فإن لم ينقطع يتوضأ ويصلي، ثم إن انقطع في أثناء الوقت الثاني يعيد تلك الصلوٰة، وإن استوعب الوقت الثاني لا يعيد لثبوت العذر حينئذٍ من وقت العروض. (رد المحتار، كتاب الطهارة، باب الحيض / مطلب في أحكام المعذور ١/٥٠٥ زكريا، كذا في الفتاوى الهندية / الفصل الرابع في أحكام الحيض ١/٤١ كوئٹه، كذا في مجمع الأنهر، باب الحيض / فصل في المعذور ١/٨٤ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۴/۱/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسوڑھوں سے خون نکلنا؟

سوال (۷۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے مسوڑھون سے کبھی کبھی خون نکلتا ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فجر میں وقت کم رہ گیا اور میں نے مسواک کی اور خون نکل آیا۔ میں دوبارہ وضو کر لیتی ہوں؛ لیکن اگر بعد میں جائے نماز تک پہنچنے پر بھی خون نکلے، تو کیا کروں؟ وقت بھی کم رہ گیا، کیا پھر سے وضو کروں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسوڑھوں سے اگر اتنا خون نکلے کہ تھوک پر غالب آجائے تو وضو کے ٹوٹنے کا حکم ہوگا، اور وضو دوبارہ کرنا ہوگا، اگر چہ نماز کا وقت کم رہ گیا ہو، اور اگر معمولی سی سرخی ظاہر ہو اور تھوک پر غالب نہ ہو، تو وضو نہیں ٹوٹے گا، اس صورت میں دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔

عن الحسن أنه قال في رجل بزق فرأى في بزاقه دماً أنه لم ير ذٰلك شيئاً حتى يكون دما غليظاً يعني في البزاق. (المصنف لابن أبي شيبة ٢/٩٣ رقم: ١٣٣٩)

وينقضه دم مائع من جوف أو فم غلب على بزاق حكما للغالب أو ساواه

احتياطا لا ينقضه المغلوب في البزاق، وعلامة كون الدم غالبا أو مساويا أن يكون البزاق أحمر وعلامة كونه مغلوبا أن يكون أحفر. (درمختار مع الشامي ١/٢٦٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۶/۱۱/ ۱۴۳۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

آنکھ کی پتلی میں خون ناقض وضو نہیں

سوال (۷۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کبھی آنکھ کی پتلی میں خون نکلتا ہے اور پوری آنکھ میں پھیل جاتا ہے، مگر نیچے نہیں گرتا پلکوں پر بھی خون لگ جاتا ہے، کیا ایسی حالت میں وضو باقی رہے گا یا ٹوٹ جائے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آنکھ کی پتلی سے خون نکلا اور وہ اندر اندر ہی رہا، پلکوں تک یا آنکھ کے باہری گوشے تک نہیں آیا، تو وضو نہیں ٹوٹے گا اور اگر یہ خون پتلی سے باہر آگیا اور پلکوں میں لگ گیا، یا آنکھ کے باہر کے گوشے میں لگ گیا تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

أخرج الدار قطني بسنده عن تميم الداري قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الوضوء من كل دم سائل. (سنن الدار قطني ١/١٦٢ رقم: ٥٧١)

والمعاني الناقضة للوضوء كل ما خرج من السبيلين والدم والقيح والصديد إذا خرج من بدنه فتجاوز إلى موضع يلحقه حكم التطهير. (قدوري، نواقض الوضوء ٦، كذا في غنية المستملي الحلبي الكبير ١٢٧، الفتاوىٰ التاتارخانية ١/٢٤٣ رقم: ١٨٨ زكريا)

قال الشامي عن البحر: الظاهر كان الخارج قيحا أو صديدا لنقض، سواء كان مع وجع أو بدونه؛ لأنهما لا يخرجان إلا عن علة. (شامي ١/٢٧٩ زكريا)

الدم والقيح والصديد وماء الجرح والنفطة وماء البشرة والثدي والعين

والأذن لعلة سواء على الأصح – إلى قوله – وظاهره أن المدار على الخروج لعلة وإن لم يكن معه وجع. (شامي ۱/ ۲۸۰ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۶/۱۴۳۴ھ

وضو کے دوران ریاح خارج ہوگئی؟

سوال (۴۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر وضو کے دوران ریاح خارج ہوجائے تو کیا وضو جاری رکھنا چاہئے یا پھر سے دوبارہ وضو کرنا ضروری ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دورانِ وضو اگر خروجِ ریح یا کوئی اور ناقضِ وضو پیش آجائے، تو ایسی صورت میں از سرِ نو وضو کرنا ضروری ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵/ ۶۰ ڈابھیل)

أخرج أحمد عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا وضوء إلا من صوت أو ريح. (مسند أحمد ۲/ ۴۷۲ رقم: ۱۰۰۹۵، سنن الترمذي ۱/ ۲۳ رقم: ۷۵)

سُئلت عمن أحدث أثناء وضوئه هل يكفيه إتمامه لذٰلک الوضوء أو يلزمه الاستيناف؟ فالجواب أنه يلزمه الاستيناف كما أفتى شيخ الإسلام على الأفندي. (فتاویٰ الكاملية ۱۰، بحواله حاشية: فتاویٰ محموديه ۵/ ۶۰ ڈابهيل)

لو ضرب يديه فقبل أن يمسح أحدث لا يجوز المسح بتلک الضربة كما لو أحدث في الوضوء بعد غسل بعض الأعضاء. (الفتاوى الهندية ۱/ ۲۶، غنية المتملي ۱۵ لاهور)

حتى لو أحدث بعد الضرب أو أصابه التراب فمسحه...... على ما اختاره شمس الأئمة لا يجوز لجعله الضرب ركناً كما لو أحدث بعد غسل عضو وهو

قول السيد أبي شجاع وصححه صاحب الخلاصة. (مراقي الفلاح ۱۲۱، كذا في الأشباه والنظائر ۶/۲ إدارة القرآن كراچی)

و(ينقضه) خروج غير نجس مثل ريح. (درمختار مع الشامي ۲۶۳/۱)

الغائط يوجب الوضوء...... وكذٰلک الريح الخارجة من الدبر. (الفتاویٰ التاتارخانية ۱۳۱/۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۵/۱۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پیشاب کا قطرہ شرم گاہ سے باہر نہیں نکلا؟

سوال (۷۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کبھی پیشاب کا قطرہ ذکر کے اندرونی حصہ میں آکر رک جائے اور باہر نہ نکلے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟ اور کبھی دوران نماز قطرہ نکلنے کے بارے میں شک ہو بعد میں پائجامہ میں سے پیشاب کی ہلکی سی بوآرہی ہو تو وہ نماز دوہرائی جائے گی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تک پیشاب کا قطرہ شرم گاہ سے باہر ظاہر نہ ہو تو وضو نہیں ٹوٹتا، اور دورانِ نماز قطرہ آنے میں شک تھا؛ لیکن بعد میں پیشاب کی بوآنے سے یہ شک یقین میں تبدیل ہوگیا تو اب وضو ٹوٹ گیا، بریں بنا اس نماز کا اعادہ ضروری ہے۔

ثم المراد بالخروج من السبيلين مجرد الظهور (درمختار) وفي ردالمحتار: فلو نزل البول إلى قصبة الذكر لاينقض لعدم ظهوره، بخلاف القلفة؛ فإنه بنزوله إليها ينقض الوضوء. (درمختار مع الشامي ۲۶۲/۱ زكريا، وهكذا في البدائع ۱۲۱/۱ زكريا، نفع المفتي والسائل المعروف به مجموعة المسائل ۵۲)

ولو نزل البول إلى قصبة الذكر لا ينقض؛ لأنه من الباطن ولو خرج إلى

الـقلفة أو إلى أسكنى المرأة ينقض؛ لأنه من الظاهر. (الفتاویٰ التاتارخانية ۱/۲٤۱ رقم: ۱۸۵ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۷/۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مذی کا نکل جانا ناقضِ وضو ہے

سوال (۷٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بسا اوقات بیوی سے ہنسی مذاق کئے بغیر بلا ارادہ مذی نکل آتی ہے، یہ صورتِ حال مرض کی شکل میں ہے یا شیطانی معاملہ ہے؛ کیوں کہ ہفتہ بھر ٹھیک رہنے کے بعد جمعہ کی نماز سے پندرہ یا بیس منٹ قبل یہ سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، صرف نماز پڑھنے تک ہی یہ سلسلہ رہتا ہے اس کے بعد صحیح ہوجاتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذی اگر واقعی نکل جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا، محض شک سے وضو نہ ٹوٹے گا، اور بظاہر یہ شکل نفسیاتی کمزوری اور فطری گھبراہٹ کی وجہ سے پیش آتی ہے، اگر آپ اپنا دل مضبوط رکھیں تو شاید یہ کیفیت نہ پیدا ہو۔

عن علي رضي الله عنه قال: سألت النبي صلى الله عليه وسلم عن المذي: فقال: من المذي الوضوء. (سنن الترمذي ۱/۳۱ رقم: ۱۱٤، السنن الکبریٰ للبیهقي ۱/۲۰۳ رقم: ٥٦٦)

لا عند مذي أي لا يجب الغسل عند خروج مذي أو ودي بل الوضوء منه ومن البول جميعاً على الظاهر أي بل يجب الوضوء منه، أي من الودي ومن البول جميعاً. (درمختار مع الشامي ۱/۳۰٤ زکریا)

والمذي ينقض……، وكذا الودي ينقض الوضوء. (الفتاویٰ التاتارخانية ۱/۲۳۲ رقم: ۱۳۷ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲٦/٦/۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

صف میں بیٹھے ہوئے سونا؟

سوال (۷۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: وضو کر کے صف میں بیٹھے ہوئے تھے کہ نیند آ گئی، نیند آنے کی وجہ سے وضو ٹوٹا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر محض اونگھ آئی ہے اور زمین پر نہیں گرا تو وضو نہیں ٹوٹا، اور اگر سوتے ہوئے زمین پر گر پڑا اور کچھ لمحہ بعد بیدار ہوا، تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يجب الوضوء على من نام جالساً أو قائماً أو ساجداً حتى يضع جنبه فإنه إذا وضع جنبه استرخت مفاصله. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ۱/ ۲۱۲ رقم: ٦٠١)

عن أبي هريرة رضي الله عنه يقول: ليس على المحتبى النائم ولا على القائم النائم، ولا على الساجد النائم وضوء حتى يضطجع، فإن اضطجع توضأ.

(السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الطهارة / باب ما ورد في نوم الساجد ۱/ ۲۱۵ رقم: ٦٠٦، إعلاء السنن / باب وجوب الوضوء على من نام مسترخيا مفاصله ۱/ ۱۳۰ رقم: ۱۰۸)

وإن نام جالساً وهو يتمايل وربما تزول معقدته عن الأرض. قال شمس الأئمة الحلواني: ظاهر المذهب أنه لايكون حدثاً. كذا في فتاوىٰ قاضي خان.

(الفتاوى الهندية ۱/ ۱۲، شامي ۱/ ۲۷۰ زكريا، شامي ۱/ ۲٤۳ بيروت)

وقال الإمام محمد في المبسوط عن أبي حنيفةؒ: وأما إذا نام مضطجعاً أو متكئاً فإن ذٰلک ينقض الوضوء. (المبسوط ۱/ ۵۸)

وإن نام قاعداً وهو يتمايل في حال نومه ويضطرب وربما يزول مقعده عن الأرض إلا أنه لم يسقط ظاهر المذهب أنه ليس بحدث. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۱/ ۲۵۲ رقم: ۲۳۸ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۸/ ۱۰/ ۱۴۱۳ھ

پالتی مار کر بیٹھے ہوئے سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا

سوال (۷۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آلتی پالتی مار کے بیٹھے اور پڑھتا رہے نیند بھی آتی رہے تو وضو ٹوٹے گا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چہار زانو بیٹھے ہوئے اونگھ آنے سے وضو نہیں ٹوٹے گا؛ لیکن اگر ٹیک لگا کر بے خبری کے ساتھ سویا تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه يقول: ليس على المحتبى النائم ولا على القائم النائم، ولا على الساجد النائم وضوء حتى يضطجع، فإن اضطجع توضأ.

(السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الطهارة / باب ما ورد في نوم المساجد ۲۱۵/۱ رقم: ۶۰۶، إعلاء السنن / باب وجوب الوضوء على من نام مسترخيا مفاصله ۱۳۰/۱ رقم: ۱۰۸)

وتمكن المقعدة مع غاية الاسترخاء لايمنع الخروج إذ قد يكون الدافع قوياً خصوصاً في زماننا لكثرة الأكل فلايمنعه الامسكة اليقظة. (فتح القدير ۴۷/۱-۴۸)

وينقضه نوم يزيل مسكته وإلا لا ينقض، وإن تعمده في الصلاة أو غيرها على المختار كالنوم قاعداً...... أو متوركاً أو محتبياً ورأسه على ركبتيه......، ولو نام قاعداً يتمايل فقط، إن انتبه حين سقط فلا نقض. (الدر المختار على الرد المحتار، كتاب الطهارة ۱/۴۱-۱۴۲ كراچی، ۲۷۰/۱-۲۷۲ زكريا، هداية ۳۹/۱ مكتبة البشرىٰ كراچی) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۵/۱۱/۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

عورت کے لئے محض کہنی کھلنا ناقضِ وضو نہیں

سوال (۷۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عورت نے وضو کیا، پھر کچھ دیر کے بعد اس عورت کی کہنی تین مرتبہ سبحان اللّٰہ کہنے کے

وقت تک کھلی رہی، تو اب سوال یہ ہے کہ اس عورت کا وضو باقی ہے یا ٹوٹ گیا؟ کیا وہ عورت اس وضو سے نماز پڑھ سکتی ہے یا دوبارہ اس کو نیا وضو کرنا ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض کہنی کھلنے سے عورت کا وضو نہیں ٹوٹتا؛ لہٰذا وہ اسی وضو سے نماز پڑھ سکتی ہے۔

مستفاد: سئل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ما الحدث؟ فقال: ما یخرج من السبیلین. (نصب الرایة ۱/۸۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۶/۲/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غسل کے بعد پیشاب کی جگہ ہاتھ لگنے سے وضو کا حکم؟

سوال (۸۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: غسل سے فارغ ہونے کے بعد بدن تولیہ سے پونچھ رہا ہوں، اتفاقاً ہاتھ پیشاب کی جگہ میں لگ گیا، تو کیا وضو ٹوٹ جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض پیشاب کی جگہ ہاتھ لگنے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔

عن قیس بن طلق الحنفي عن أبیه قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم سئل عن مسِّ الذکر، فقال: لیس فیه وضوء إنما هو منک. (سنن ابن ماجة ۱/۳۱ رقم: ۴۸۳، سنن أبي داؤد ۱/۲۴ رقم: ۱۸۲، الفتاویٰ التاتارخانیة ۱/۲۶۵ رقم: ۳۳۶ زکریا)

عشرة أشیاء لاتنقض الوضوء - إلی قوله - ومنها مس ذکر، ودبر، وفرج مطلقاً، وهو مذهب کبار الصحابة. (طحطاوي علی مراقي الفلاح ۹۳)

ومس الذکر لا ینقض الوضوء بحال. (المحیط البرهاني ۱/۲۱۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۸/۶/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر محرم پر نظر پڑنے سے وضو نہیں ٹوٹتا

سوال (۸۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی گھر سے باوضو ہوکر باہر نکلے اور پھر جہاں گیا ہے وہاں نماز کا ٹائم ہو جائے، تو کیا اس وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے؟ کیوں کہ یہ کہا جاتا ہے کہ لوگوں پر نظر پڑنے سے وضو میں کراہت پیدا ہو جاتی ہے یعنی غیر محرم پر تو پھر نماز بھی کراہت کے ساتھ ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نامحرم پر نظر پرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا؛ لیکن قصداً نامحرم کو دیکھنا گناہ کی بات ہے، اگر قصداً دیکھا ہے تو ضو کرنا بہتر ہوگا۔

عن عبد الرحمن بن أبي سعيد الخدري عن أبيه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا ينظر الرجل إلى عورة الرجل ولا المرأة إلى عورة المرأة.

(صحيح مسلم، كتاب الحيض / باب تحريم النظر إلى العورات ١٥٤/١ رقم: ٣٣٨)

سئل رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ما الحدث؟ فقال: ما يخرج من السبيلين. (نصب الراية للزيلعي ٨٣/١)

والقسم الثالث: وضوء المندوب، بعد كلام غيبة وكذب و نميمة وبعد كل خطيئة. (طحطاوي على المراقي ٨٤، الفتاوى الهندية ٩/١)

وقد ذكر الاستحسان فيما إذا كان إلى الرجل الأجنبي هي المرأة وفيما إذا كان الناظر إلى المرأة الأجنبية هو الرجل، قال فليجتنب بجهده. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٩٠/١٨ رقم: ٢٨١٣٠ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۳۴/۵/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گالی بکنے سے وضو نہیں ٹوٹتا

سوال (۸۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گالی بکنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گالی دینا گناہ ہے، مگر اس سے وضو نہیں ٹوٹتا؛ البتہ وضو کر لینا بہتر ہے۔

والکلام الفاحش لا ینقض الوضوء. (المحیط البرهاني ۱/ ۲۱۵)

والقسم الثالث: وضوء المندوب، بعد کلام غیبة وکذب ونمیمة وبعد کل خطیئة. (طحطاوي علی المراقي ۹٤، الفتاوی الهندية ۱/ ۹) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ ۱۱/ ۱۴۱۹ھ

دودھ پلانا ناقضِ وضو نہیں

سوال (۸۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بچہ کو دودھ پلانے سے کیا وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بچہ کو دودھ پلانے سے وضو نہیں ٹوٹتا؛ اس لئے کہ بچہ کو دودھ پلانے سے جسم سے کسی نجاست کا خروج نہیں ہوتا۔ (امداد الفتاویٰ ۱/ ۴۱)

مستفاد: وینقضه خروج کل خارج نجس بالفتح، ویکسر منه أي من المتوضئ الحي. (درمختار مع الشامي ۱/ ۲٦۰ زکریا)

الخارج في بدن الإنسان علی نوعین: طاهر کالعرق والنخامة واللبن والدمع والریق ونجس وذاک کل ما یوجب خروجه الوضوء أو الغسل. (بزازیة

علی الفتاوی الهندیة ۲۱/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۱۱/۱۴۱۹ھ

کیا اونٹ کا گوشت کھانا ناقضِ وضو ہے؟

سوال (۸۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا اونٹ کے گوشت کا استعمال ناقضِ وضو ہے، یعنی وضو کی حالت میں اگر کسی نے اونٹ کا گوشت کھایا تو کیا اس کا وضوٹوٹ گیا؛ اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے:

عن البراء بن عازب رضي اللّٰہ عنه قال: سئل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم عن الوضوء من لحوم الإبل؟ فقال: توضؤوا منها. (سنن أبي داؤد ۱۸٤)

اس حدیث شریف سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اونٹ کا گوشت کھانا ناقض وضو ہے، پھر اگر آپ کے نزدیک ناقض وضونہیں ہے تو اس حدیث کا کیا جواب ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اکثر علماء کے نزدیک یہ حدیث اپنے لغوی معنی پر محمول ہے، یعنی ”توضؤا“ سے مراد صرف ہاتھ دھونا ہے، چناں چہ کھانے سے پہلے اور بعد میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی جس روایت سے ہاتھ دھونا ثابت ہوتا ہے، وہاں بھی وضو کا لفظ ہے، اور بالاتفاق وہاں وضوء سے ہاتھ دھونا ہی مراد ہے؛ لہٰذا سنن ابوداؤد کی مذکورہ حدیث میں ”توضؤا“ سے ہاتھ اور منہ کو کلی کر کے صاف کرنا مراد ہے۔ بریں بناء حضرات خلفاء اربعہ، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ بہت سے صحابہ اور جمہور تابعین اور ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ) کے نزدیک اونٹ کا گوشت کھانے سے وضونہیں ٹوٹتا۔

اور جو لوگ مثلاً امام احمد اور اسحٰق بن راہویہ وغیرہ اس حدیث کے ظاہری معنی پر محمول کر کے اونٹ کے گوشت کھانے سے نقض وضو کا حکم لگاتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ”توضؤا“ سے نماز والا وضو مراد لیا جائے تو بھی یہ حدیث منسوخ ہے؛ اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا

آخری عمل پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو نہ فرمانے کا تھا، اور پکی ہوئی چیز میں اونٹ کا گوشت بھی داخل ہے۔

اس لئے راجح یہی ہے کہ اونٹ کے گوشت کے استعمال سے وضو نہیں ٹوٹے گا؛ البتہ نماز سے پہلے منہ کو اچھی طرح کلی کر کے صاف کر لینا بہتر ہے۔

قال ابن رسلان: الحديث يحتمل المعنى اللغوي والشرعي، وهو غسل الكفين والندب والوجوب والأكثرون ذهبوا إلى عدم النقض. (بذل المجهود ٢/٦٥)

قال الشوكاني: وقد اختلف في ذٰلک، فذهب الأكثرون إلى أنه لا ينقض الوضوء، قال النووي: ممن ذهب إلى ذٰلک الخلفاء الأربعة، وابن مسعود، وأبيّ بن كعب، وابن عباس، وأبو الدرداء، وأبو طلحة، وعامر بن ربيعة، وأبو أمامة، وجماهير من التابعين، ومالک، وأبو حنيفة، والشافعي وأصحابهم، فإنهم لا يرون الوضوء بأكل لحوم الإبل ولا بمسها. (نيل الأوطار ١/٢٦٠، كذا في بذل المجهود ٢/٦٦)

قال الإمام المحدث السهارنفوري: وأما القائلون بعدم النقض فاحتجوا بحديث جابر رضي الله عليه الذي أخرجه الأربعة أنه قال: "كان آخر الأمرين من رسول الله صلى الله عليه وسلم ترک الوضوء مما مست النار" أي تحقق الأمران: الوضوء والترک، وكان الترک آخر الأمرين، فارتفع الوضوء أي وجوبه.

ولهٰذا قال الترمذي: وكأن هٰذا الحديث ناسخ للحديث الأول حديث الوضوء مما مست النار، ولما كانت لحوم الإبل داخلة فيما مست النار، وكانت فرداً من أفراده، ونُسِخ وجوبُ الوضوء عنه بجميع أفراده، استلزم نسخ الوجوب عن هٰذا الفرد أيضاً. (بذل المجهود شرح سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة ١/٦٥-٦٧ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي أعظم جراه) ***فقط واللہ تعالیٰ اعلم***

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۸/۶/۲۴ھ

مسح علی الخفین کے مسائل

مسح علی الخفین کی مشروعیت

سوال (۸۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قرآن وحدیث کی روشنی میں مسح علی الخفین کا کیا ثبوت ہے؟ کیا مسح علی الخفین قرآن کی کسی آیت یا کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے؟ یا صرف آثارِ صحابہ اور فقہی روایات سے ہی اس کا ثبوت ملتا ہے؟ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآنِ پاک میں آیتِ وضو ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ ﴾ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وضو میں پیروں کا دھونا ضروری ہے؛ لیکن صحیح احادیث سے شہرت کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شرائط کے ساتھ خفین پر مسح کرنے کی نہ صرف اجازت دی؛ بلکہ خود عمل بھی فرمایا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سفر کے دوران وضو فرمایا اور میں آپ پر پانی ڈال رہا تھا، آپ نے ایسا شامی جبہ زیب تن فرما رکھا تھا جس کی آستینیں تنگ تھیں، جس کی بنا پر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ دامن کے نیچے سے باہر نکالے اور آپ نے خفین پر مسح فرمایا، تو میں نے عرض کیا کہ کیا حضرت پیر دھونا بھول گئے؟ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بَلْ أَنْتَ نَسِيتَ، بِهٰذَا أَمَرَنِي رَبِّيْ. (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة / باب المسح عليه الخفين رقم: ١٥٦، وطرفه في صحيح البخاري رقم: ١٨٢، صحيح مسلم رقم: ٢٨٤، المحيط البرهاني ٣٣٩/١ إدارة القرآن كراچي) **(یعنی تم ہی بھول گئے، مجھے میرے رب نے یہی حکم دیا ہے)**

اسی طرح حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے بھی مسح علی الخفین کی روایت مشہور ہے، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کے بیان پر بہت خوش ہوتے تھے؛ اس لئے کہ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سورۂ مائدہ کی آیت وضو کے نزول کے بعد ہی دولتِ اسلام سے مشرف ہوئے تھے۔

عن جرير بن عبد اللّٰه البجلي رضي اللّٰه تعالىٰ عنه: أنه مسح على خفيه، وقال: رأيت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فعل ذٰلك، فقالوا لجرير: أ بعد نزول سورة المائدة؟ عنوا به ﴿وَاَرْجُلَكُمْ﴾ على قراءة النصب الدالة على فرضية الغسل، فقال جرير رضي اللّٰه تعالىٰ عنه: وهل كان إسلامي إلا بعد نزول سورة المائدة. (المحيط البرهاني، كتاب الطهارات / الفصل السادس في المسح على الخفين ٣٣٩/١ إدارة القرآن كراچي)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے وہ فرماتے تھے کہ میں نے ۷۰/ ایسے صحابہ سے ملاقات کی ہے جو سب کے سب مسح علی الخفین کو جائز قرار دیتے تھے۔

وعن الحسن البصري رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: أدركت سبعين نفراً من الصحابة رضوان اللّٰه تعالىٰ عليهم، كلهم يرون المسح على الخفين. (المحيط البرهاني ٣٣٩/١ إدارة القرآن كراچی، حلبي كبير ١٠٤)

امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تک میرے سامنے مسح علی الخفین کا جواز روزِ روشن کی طرح عیاں نہیں ہوگیا میں نے اس کے جواز کا قول نہیں کیا۔

قال أبوحنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ: ما قلت بالمسح على الخفين: حتى جاء ني مثل ضوء النهار، وفي رواية: حتى رأيت له شعاعاً كشعاع الشمس. (المحيط

البرهاني ۳۳۹/۱ إدارة القرآن کراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۶/۲۷ھ

مسح علی الخفین اہلِ سنت والجماعت کا امتیازی عقیدہ ہے

سوال (۸۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جو شخص مسح علی الخفین کا انکار کرے اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ جیسا کہ شیعوں میں فرقہ امامیہ مسح علی الخفین کا قائل نہیں؟ نیز اہل سنت والجماعت کا اس بارے میں کیا عقیدہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شیعہ فرقۂ امامیہ اور خوارج مسح علی الخفین کو نہیں مانتے؛ بلکہ وہ بلا خفین پیروں پر مسح کے قائل ہیں، اس کے برخلاف اہلِ سنت والجماعت موزے نہ ہونے کی حالت میں پیروں کو دھونا ضروری قرار دیتے ہیں، اور موزوں کی حالت میں مسح کے قائل ہیں۔

أجمع من يعتد به في الإجماع على جواز المسح على الخفين في السفر والحضر، سواء كان لحاجة أو لغيرها، وإنما أنكرته الشيعة والخوارج، ولا يعتد بخلافهم. (شرح النووي على صحيح مسلم ۱۳۲/۱ رقم: ۲۴۱)

اسی لئے مسح علی الخفین کے جواز کو اہل سنت والجماعت کی امتیازی علامتوں میں شمار کیا گیا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اہل سنت والجماعت کی علامات کیا ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا: **أَنْ تُحِبَّ الشَّيْخَيْنِ وَلاَ تَطْعَنَ فِيْ الْخَتَنَيْنِ وَتَمْسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ.** (المحيط البرهاني ۳۳۹/۱) (کہ تم شیخین (ابوبکرؓ وعمرؓ) سے محبت رکھو، دونوں دامادوں (عثمانؓ وعلیؓ) پر طعن نہ کرو اور خفین پر مسح کرو)

امام کرخیؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص خفین پر مسح کا قائل نہ ہو اس پر کفر کا اندیشہ ہے۔

وقال الكرخي رحمه الله تعالىٰ: من أنكر المسح على الخفين يخشى عليه الكفر. (المحيط البرهاني ۱/۳۳۹ إدارة القرآن كراچی)

اس لئے کہ مسح کے جواز کی روایات شہرت وتواتر کے درجہ تک پہنچی ہوئی ہے جن کے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۵/۶/۲۷ھ

مسح علی الخفین کا ثبوت اور اس کا انکار کرنے والے کا حکم

سوال (۸۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسح علی الخفین جائز ہے یا نہیں، حدیث سے ثابت ہے یا نہیں، اور اس کا انکار کرنے والا کافر ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صحیح اور مشہور احادیثِ شریفہ سے خفین پر مسح کا ثبوت ملتا ہے، خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خفین پر مسح فرمایا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے وہ فرماتے تھے کہ میں نے ۷۰/ ایسے صحابہ سے ملاقات کی ہے جو سب کے سب مسح علی الخفین کو جائز قرار دیتے تھے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے تھے کہ جب تک میرے سامنے مسح علی الخفین کا جواز روز روشن کی طرح عیاں نہیں ہوگیا، میں نے اس کے جواز کا قول نہیں کیا، اسی وجہ سے مسح علی الخفین کے قول کو اہلِ سنت والجماعت کی خاص علامت قرار دیا گیا ہے، بریں بنا مسح علی الخفین کا انکار صریح گمراہی ہے۔

اور بعض علماء مثلاً امام کرخیؒ کا قول ہے کہ جو شخص مسح علی الخفین کو صحیح نہ سمجھے اس پر کفر کا اندیشہ ہے؛ کیوں کہ وہ صحیح احادیث کا منکر ہے۔

وفي حديث المغيرة بن شعبة رضي الله عنه ...... فتوضأ ومسح على الخفين . الحديث. (صحيح البخاري ۱/۳۳)

عن جعفر بن عمرو بن أميه الضمري أن أباه أخبره أنه رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسح على الخفين. (صحيح البخاري ۱/۳۳)

وقال الكرخي رحمه الله تعالىٰ: من أنكر المسح على الخفين يخشى عليه الكفر. (المحيط البرهاني ۱/۳۳۹ إدارة القرآن كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵؍۱؍۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موزوں پر مسح صحیح ہونے کی شرطیں

سوال (۸۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کس قسم کے موزے پر مسح کرنا جائز ہے؟ اور موزے پر مسح کے صحیح ہونے کے لئے کن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خفین (چمڑے کے موزوں) پر مسح صحیح ہونے کی دس شرطیں ہیں:

(۱) ٹخنوں سمیت وہ پورے قدم کو چھپالیں۔

(۲) وہ قدم کی ہیئت پر بنے ہوئے اور پیر سے ملے ہوئے ہوں۔

(۳) وہ اتنے مضبوط ہوں جنہیں پہن کر جوتے کے بغیر ایک فرسخ (تین میل شرعی جس کی مسافت ۵؍کلومیٹر ۴۸۶؍میٹر ۴۰؍سینٹی میٹر ہوتی ہے) پیدل چلا جاسکتا ہو۔ (ایضاح المسائل ۷۰)

(۴) وہ پیروں پر بغیر باندھے رک سکیں۔

(۵) اتنے دبیز ہوں کہ پانی کو پیروں تک نہ پہنچنے دیں۔

(٦) ان میں سے کسی موزہ میں اتنی پھٹن نہ ہو جو مسح سے مانع ہو۔

(۷) طہارتِ کاملہ پر پہنا جائے۔

(۸) وہ طہارت تیمّم سے حاصل نہ کی گئی ہو۔

(۹) مسح کرنے والا جنبی نہ ہو۔

(۱۰) اگر پیر کٹا ہوا شخص مسح کرنا چاہے تو یہ شرط ہے کہ کم از کم ہاتھ کی تین چھوٹی انگلیوں کے بقدر اس کے قدم کا اوپری حصہ باقی ہو۔

ويشترط لجواز المسح على الخفين سبعة شرائط لبسهما بعد غسل الرجلين، والثاني: سترهما أي الخفين للكعبين من الجوانب، والثالث: إمكان متابعة المشي فيهما أي المعتاد فرسخاً فأكثر كما في حاشية الهداية أو المراد قطع مسافة السفر كما في المحيط وبالأول جزم في الدرر. والرابع: خلو كل منهما عن خرق قدر ثلاث أصابع عن أصغر أصابع القدم، والخامس: استمساكهما على الرجلين من غير شد لثخانته إذ الرقيق لا يصلح لقطع المسافة، والسادس: منعهما وصول الماء إلى الجسد فلا يشفان الماء، والسابع: أن يبقى بكل رجل من مقدم القدم قدر ثلاث أصابع من أصغر أصابع اليد. (مراقي الفلاح على حاشية الطحطاوي ٦٩-٧٠ كراچی، الفتاوىٰ التاتارخانية ٤٠٤/١ رقم: ٩٥٧ زكريا)

قلت: ويزاد كون الطهارة المذكورة غير التيمم وكون الماسح غير جنب. (شامي ٣٨٥/١ بيروت، شامي ٤٣٧/١ زكريا)

والثاني كونه مشغولاً بالرجل ليمنع سراية الحدث. (درمختار ٣٨٧/١ بيروت، درمختار ٤٣٩/١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۵/٦/۲۷ھ

نرم چمڑے کے موزوں پر مسح کی اجازت

سوال (۸۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: چمڑے کے علاوہ دیگر موزوں پر مسح کے صحیح ہونے کے لئے ثخین ہونا شرط ہے، اور ثخین اس موزے کو کہتے ہیں جس میں درج ذیل باتیں پائی جائیں:

(۱) اتنے مضبوط ہوں کہ بغیر جوتے پہنے تین میل ننگے پیر چلا جاسکے۔

(۲) اتنے سخت ہوں کہ بغیر باندھے پنڈلی پر قائم رہ سکیں۔

(۳) اتنے دبیز ہوں کہ ان میں پانی نہ چھن سکے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا چمڑے کے موزوں (خفین) پر مسح کے لئے بھی مذکورہ شرائط ضروری ہیں یا ان کا صرف چمڑے کا ہونا کافی ہے؟ عام طور پر جو خفین بنتے ہیں اور پسند کئے جاتے ہیں وہ ملائم اور نازک چمڑے کے ہوتے ہیں، چمڑے میں پانی تو نہیں چھنا کرتا؛ لیکن ان کو پہن کر نہ تو تین میل تک ننگے پیر چلا جاسکتا ہے اور نہ پنڈلی پر بغیر گیٹس کے یا بغیر تنگ ہوئے رک سکتے ہیں، تو ایسے چمڑے کے موزوں پر مسح کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جورب (ثخین) پر مسح کے سلسلہ میں فقہاء جو تفصیلات لکھتے ہیں وہ سب تو چمڑے کے بارے میں ملحوظ نہیں ہیں؛ البتہ درج ذیل تین شرائط کے ساتھ خالص چمڑے کے موزے پر مسح کی گنجائش ہے، یہ شرطیں آج کل مروجہ چمڑے کے موزوں پر عموماً پائی جاتی ہیں:

(۱) وہ ٹخنوں تک پیروں کو ڈھکنے والے ہوں۔

(۲) پیروں پر چپٹے ہوئے ہوں۔

(۳) اور ان کو پہن کر ایک فرسخ یعنی تین میل انگریزی حساب سے (تقریباً ساڑھے چار کلومیٹر) چلنا ممکن ہو، اور ثخین کی بقیہ شرطیں خالص چمڑے کے موزے میں پائی جانی ضروری نہیں ہیں۔

قال في الدر المنتقیٰ: شرط مسحه ثلاثة أمور: كون القدم مع الكعب، أو

يكون نقصانه أقل من الخرق المانع، وكونه مشغولاً بالرجل، وكونه مما يمكن المشي فيه فرسخاً فصاعداً ساتراً. (الدر المنتقىٰ مع مجمع الأنهر بيروت ۱/ ٤٤، ومثله في حاشية شرح الوقاية ۱/ ۱۰۰)

وقال في التاتارخانية: الخف الذي يجوز المسح ما يمكن قطع السفر به وتتابع المشي عليه ويستر الكعبين وما تحتها. (الفتاویٰ التاتارخانية ۱/ ٤٠٤ رقم: ۹٥۷ زكريا)

وقال في فتح القدير: والشرع على المسح بمسمىٰ الخف وهو الساتر المخصوص الذي تقطع به المسافة. (فتح القدير ۱/ ۱٥٠، ومثله في حاشية الكنز ۱/ ۱۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۶/۴/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسح کی مدت کب سے شروع ہوتی ہے؟

سوال (۹۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی انسان نے مغرب کی فرض نماز ادا کرنے کے واسطے وضو کیا پھر خفین (جرابیں چمڑے کی) پہن لئے، پھر اسی وضو سے نماز عشاء ادا فرمائی، تو اب مسح کی مدت کہاں سے شروع ہوگی، بعد مغرب سے یا بعد عشاء سے؟ وضاحت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خفین پہننے کے بعد جب پہلی مرتبہ وضو ٹوٹے اسی وقت سے مسح کے مدت کی ابتداء ہوتی ہے، مسئولہ صورت میں چوں کہ مغرب سے عشاء کے درمیان وضو نہیں ٹوٹا؛ لہٰذا عشاء کے بعد جس وقت وضو ٹوٹا ہو اسی وقت سے مدتِ مسح کی ابتداء سمجھی جائے گی۔

عن أبي عثمان النهدي قال حضرت سعداً وابن عمر يختصمان إلى عمر في المسح على الخفين، فقال عمر: يمسح عليهما إلى مثل ساعة من يومه وليلته. (مصنف عبد الرزاق، الطهارة / المسح عليهما من الحدث ۱/ ۲۰۹ رقم: ۸۰۸ زكريا)

وابتـداء المدة من وقت الحدث أي لا من وقت المسح الأول كما هو رواية عن أحد، ولا من وقت اللبس كما حكى عن الحسن البصري. (شامي ٤٥٦/١ زكريا)

وابتـداء الـمدة تعتبر من وقت الحدث عند علمائنا رحمهم اللّٰه، حتى أن مـن تـوضـأ فـي وقت الفجر وهو مقيم وصلى الفجر، ثم طلعت الشمس ثم لبس الـخـفين ثم زالت الشمس وصلى الظهر ثم أحدث ثم دخل وقت العصر فتوضأ، ومسـح عـلـى الخفين، فعندنا مدة المسح باقية إلى الغد إلى الساعة التي أحدث فيهـا اليـوم حتـى جـاز لـه أن يـصلى الظهر في الغد بالمسح، ولا يجوز أن يصلى العصر في الغد بالمسح. (الفتاویٰ التاتارخانية ٤١٦/١ رقم: ١٠٠٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۶/۴/۲۸ھ

مسح کرنے کا طریقہ

سوال (۹۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خفین پر مسح کرنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خفین پر مسح کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں تر ہاتھوں کی انگلیاں کھول کر موزوں کے اگلے ظاہری حصہ سے اوپر پنڈلیوں کی طرف خط کھینچ دیا جائے، اور اگر انگلیوں کے ساتھ ہتھیلی بھی شامل کرلے تو بہتر ہے۔ (اگر اس کے خلاف مسح کیا مثلاً پنڈلی سے انگلیوں تک خط کھینچا یا پیر کی چوڑائی میں مسح کیا تو مسح تو ہو جائے گا؛ لیکن خلافِ سنت ہوگا)

عـن المغيرة بن شعبة رضي اللّٰه عنه قال: رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلـم بـال ثـم جـاء حتـى تـوضأ ومسح على خفيه ووضع يده اليمنى على خفه الأيـمـن ويـده اليسـرى عـلى خفه الأيسر ثم مسح أعلاهما مسحة واحدة حتى

كأني أنظر إلى أصابع رسول الله صلى الله عليه وسلم على الخفين. (مصنف بن أبي شيبة، الطهارة / باب من كان لا يرى المسح ٢/ ٢٧١)

عن الحسن قال: المسح على الخفين خطًّا بالأصابع. (مصنف بن أبي شيبة، الطهارة / باب الوضوء بالثلج ٢/ ٢٥٨ رقم: ١٩١٨)

والسنة أن يخط خطوطاً بأصابع يدٍ مفرّجةٍ قليلاً يبدأ من قبل أصابع رجله متوجهاً إلى أصل الساق الخ. (درمختار) وإن وضع الكفين مع الأصابع كان أحسن. (شامي ١/ ٣٩٢ بيروت، ١/ ٤٤٨ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ١/ ٣٣)

ولو وضع يديه من قبل الساق ومدهما إلى رؤس الأصابع جاز لحصول الفرض، وكذا لو مسح عليهما عرضاً جاز أيضاً الخ. (حلبي كبير ١٠٩-١١٠) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۶/۲۷ھ

باریک موزوں پر مسح جائز نہیں

سوال (۹۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: **الف**: - بازار میں ملنے والے عام باریک موزے کیا جرابوں کے حکم میں آتے ہیں، جس پر چمڑے کے موزوں کی طرح مسح نہیں کیا جاسکے؟

ب: - کیا کسی اور مسلک میں جائز ہے؟

ج: - اکثر حج میں ملنے والی عورتیں جو دوسرے شہروں سے آئی ہوتی ہیں ان پر مسح کرتی ہیں اگر ان سے منع کیا جائے کہ ان پر مسح نہیں ہوتا تو کہتی ہیں ہمیں پتہ ہے ان پر مسح ہوجاتا ہے؟

د: - کیا جو لوگ اہلِ حدیث (غیر مقلد) ہیں ان کے یہاں جائز ہے؟ تسلی بخش جواب سے نوازیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمہور علماء اہلِ سنت والجماعت اور ائمۂ اربعہ (امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ) کا فتویٰ یہ ہے کہ باریک موزوں پر مسح درست نہیں؛ اس لئے کہ ان میں مسح کے جواز کی شرطیں (مثلاً: ان میں پانی کا نہ چھننا اور اتنا دبیز ہونا کہ بغیر کسی سہارے کے وہ پیر پر ٹک سکے، اور انہیں پہن کر معتد بہ فاصلہ تک چلا جا سکے) نہیں پائی جاتیں؛ کیوں کہ یہ موزے لاسٹک کے سہارے سے پیر پر ٹکتے ہیں خود بخود نہیں ٹکتے۔ بریں بنا مروجہ نائلون یا سوتی باریک موزوں پر مسح کرنے سے وضوء درست نہ ہوگا؛ بلکہ ان کو اتار کر پیروں کو دھونا لازم ہے۔

اور جمہور امت کے بالکل برخلاف قریبی زمانے کے ایک مشہور عالم علامہ ابن تیمیہؒ نے تفرد اختیار کرتے ہوئے باریک موزوں پر بھی مسح کو جائز قرار دیا ہے۔ (فتاویٰ بن تیمیہ ۲۱/۲۱۳-۲۱۴)

انہیں کی تقلید جامد میں سہولت پسند لوگ اور اہلِ حدیث غیر مقلدین اس طرح کے موزوں پر مسح کو صحیح سمجھتے ہیں، حالاں کہ ان کا یہ موقف جمہور امت کے خلاف ہے اور دلائل کے اعتبار سے مرجوح ہے، ہمیں ان کی باتوں سے متأثر نہیں ہونا چاہئے۔

عن قتادة عن سعيد بن المسيب و الحسن أنهما قالا: يمسح على الجوربين إذا كانا صفيقين. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطهارة / باب المسح على الجوربين ۲/۲۷٦ رقم: ۱۹۸۸)

يرى الحنفية إمكانية متابعة المشي المعتاد فيهما فرسخا فأكثر، وفي قول مدة السفر الشرعي للمسافر، فلا يجوز المسح على الخف الرقيق الذي يتخرق من متابعة المشي في هٰذه المسافة...... ويرى المالكية لجواز المسح على الخفين إمكانية متابعته المشي فيه عادة، فلا يجوز المسح على خف واسع لا يستمسك على القدم، ويرىٰ الشافعية لجواز المسح على الخفين إمكانية

التردد فيهما لقضاء الحاجات مدة المسح المقررة في الحضر والسفر سواء في ذٰلک الـمتخذ من جلد أو غيره کلبد وزجاج ونحوها، ويرى الحنابلة أن يكون الـخـفـان مـن جـلـد أو خشـب أو نـحوه بشرط إمكانية متابعة المشي فيها عرفا بشرط أن يستمسک على القدم. (الموسوعة الفقهية ٣٧/٢٦٥)

أو جـوربيـه و لـو مـن غزل أو شعر الثخينين بحيث يمشى فرسخا ويثبت عـلى الساق بنفسه ولا يرىٰ ما تحته ولا يشف. (الدر المختار مع الشامي ١/٤٥٢ زكريا،

مستفاد: كتـاب الفقه على المذاهب الأربعة ١/١٣٦، الـمغني لابن قدامة ١/١٨٢، بدائع الصنائع ١/٨٣ زكريا، فتاوىٰ دار العلوم ١/٢٦٩، امداد الفتاوىٰ ١/٧٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۲/۲/۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نائلون کے باریک موزوں پر مسح؟

سوال (۹۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں نائلون کے موزے پر مسح کرنے کا رواج ہے بعض لوگ بغیر وضو پہنے ہوئے موزں پر وضو کے وقت مسح کر لیتے ہیں اور بعض لوگ جوتوں پر بھی مسح کر لیتے ہیں اور بعض لوگ پھر ان جوتوں کو نماز کے وقت اتار بھی دیتے ہیں اور بعض لوگ قدمین پر بھی مسح کر لیتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ اور ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوتی یا نائلون کے باریک موزوں (جن میں پانی سرایت کر جاتا ہے) پر مسح کسی بھی حال میں جائز نہیں ہے، چاہے انہیں وضو کی حالت میں پہنا ہو یا بے وضو پہنا ہو، اسی طرح جوتوں اور کھلے ہوئے پیروں پر بھی مسح کی قطعاً اجازت نہیں ہے اگر کوئی اس طرح کے موزوں اور جوتوں پر مسح کرلے تو جمہور علماء کے نزدیک اس کا وضو مکمل نہ ہوگا۔ اور

جب اس کا وضو مکمل نہیں، تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا بھی جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/۲۰۰، فتاویٰ عثمانی ۱/۳۳۷، آپ کے مسائل اور ان کا حل جدید ۳/۴۰۲)

عن قتادة مرسلا عن سعيد بن المسيب أنهما قالا: يمسح على الجوربين إذا كانا صفيقين. (المصنف لابن أبي شيبة ٢/٢٧٦ رقم: ١٩٨٨)

منها ما يكون من غزل و صوف، ومنها ما يكون من غزل، فالأول لا يجوز المسح عندهم جميعا وأما الثاني فإن كان رقيقا لا يجوز المسح عليه بلا خلاف. (المحيط البرهاني ١/٣٤٤، الفقه الإسلامي وأدلتهم ١/٤٢٦، الفقه على المذاهب الأربعة مكمل ٨٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۱۱/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غسل سے متعلق مسائل

کن باتوں سے غسل واجب ہوتا ہے؟

سوال (۹۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شریعت میں غسل واجب ہونے کے اسباب کیا ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غسل واجب ہونے کے تین اسباب ہیں:

(۱) جنابت، اس کا تحقق سوتے یا جاگتے شہوت کے ساتھ منی کے خروج سے ہوتا ہے، اگر جاگتے ہوئے یہ صورت پیش آئے تو اس کو ''انزال'' کہتے ہیں، اور اگر سوتے ہوئے پیش آئے تو اسے ''احتلام'' کہتے ہیں۔ اسی طرح جماع کے وقت مرد وعورت کی شرم گاہیں مل جائیں تو اس کی وجہ سے بھی غسل واجب ہوجاتا ہے، اگرچہ منی کا خروج نہ ہوا ہو، گویا کہ یہ صورت بھی جنابت کے حکم میں داخل ہے۔

(۲) غسل کے وجوب کا دوسرا سبب حیض کا انقطاع ہے، یعنی عورت کو جب ماہواری کا خون آنا بند ہوجائے، تو طہارت کے لئے اس پر غسل ضروری ہوتا ہے۔

(۳) وجوبِ غسل کا تیسرا سبب نفاس کا انقطاع ہے، یعنی بچہ کی پیدائش پر جو خون جاری ہوتا ہے جب وہ آنا بند ہوجائے، تو طہارت کے لئے غسل کرنا ضروری ہوتا ہے۔

أسباب الغسل ثلاثة: الجنابة والحيض والنفاس. وفي مختار الفتاویٰ: المراد بقوله: والحيض والنفاس انقطاعهما. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۱/۲۷۸ زکریا)

وفرض الغسل عند خروج المني من العضو......الخ، بشهوة أي لذةٍ ولو حكماً كمحتلم......الخ، وعند إيلاج حشفة هي ما فوق الختان آدمي......الخ،

وإن لم يُنزل منياً بالإجماع. (درمختار ۱/۲۹۵-۲۹۹ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۶/۱۰/۱۸ھ

منی کا نکلنا کب موجبِ غسل ہے؟

سوال (۹۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر آپس میں عورتیں یا مرد مذاق کررہے ہوں، یعنی ایسی گفتگو کررہے ہوں جو عموماً شہوت کو بھڑکا دیتی ہے، پوچھنا یہ ہے کہ اس حالت میں منی کا خروج ہوجائے تو کیا غسل واجب ہوجائے گا؟ یا بغیر شہوت کے کسی کو چھونے سے منی نکل آئے، اس طرح کہ منی کے خروج کا پتہ بھی نہ چلے، تو کیا اس صورت میں غسل واجب ہوگا؟ یا صرف وضو کرلینا کافی ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اگر منی کا خروج شہوت کے ساتھ ہوا ہے تو غسل واجب ہوگا، اور اگر بغیر شہوت کے کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے منی خارج ہوئی تو اس سے غسل واجب نہیں ہوگا؛ بلکہ صرف وضو کرلینا کافی ہوگا۔

عن علي رضي اللّٰه عنه مرفوعاً قال: إنما الغسل من الماء الدافق. (السنن الکبریٰ للبیهقي، الطهارة / باب وجوب الغسل بخروج المني ۱/۲۸۲ رقم: ۸۱۱)

وفي رواية عنه: إذا فضخت الماء فاغتسل. (سنن النسائي ۱/۲۳ رقم: ۱۹۳ رقم: ۱۹۳)

والمعاني الموجبة للغسل إنزال المني على وجه الدفق والشهوة. (هداية ۱/۳۱ أشرفية)

ينفصل المني لا عن شهوة ويخرج لا عن شهوة بأن ضرب على ظهره ضربا قويا أو حمل حملاً ثقيلاً فلا غسل فيه عندنا. (بدائع الصنائع ۱/۱۴۸ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۶/۱۰/۱۸ھ

منی کا اپنی جگہ سے شہوت کے ساتھ جدا ہونا موجبِ غسل ہے

سوال (۹٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ''ہدایہ'' میں یہ مسئلہ ذکر کیا گیا ہے کہ ''**ثم المعتبر عند أبي حنيفة ومحمد انفصاله عن مكانه على وجه الشهوة، وعند أبي يوسف ظهوره أيضا**''. (هداية ۱/ ۳۱ أشرفية)

اس اختلاف کے ثمرہ کو صاحب فتح القدیر نے ذکر کیا ہے کہ: **وتظهر ثمرة الخلاف في صور استمنى بكفه أو جامع امرأته في غير فرجه، أو احتلم فلما انفصل أخذ إحليله حتى سكت، فأرسل فخرج بلا شهوة يجب عندهما لا عنده**. (فتح القدير ۱/ ٦٦ زكريا)

فتاویٰ شامی میں مذکور ہے: **وشرطه أبو يوسف وبقوله يفتى في ضيف خاف ريبة واستحى كما في المستصفى. وفي القهستاني، والتاتارخانية معزيا للنوازل: وبقول أبي يوسف نأخذ؛ لأنه أيسر على المسلمين، قلت ولا سيما في الشتاء والسفر.**

اس عبارت کے حاشیہ میں مذکور ہے: **فينبغي الافتاء بقوله في مواضع الضرورة فقط تأمل.**

وفي شرح الشيخ اسماعيل عن المنصورية، قال الإمام قاضي خان يؤخذ بقول أبي يوسف في صلوات ماضية فلا تعاد، وفي مستقبلة لايصلي مالم يغتسل. (شامي ۱/ ۲۹۷ زكريا)

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر زید ان تین چیزوں میں سے کسی کا مرتکب ہوا جن کو صاحبِ فتح القدیر نے ذکر کیا ہے، اور بلا غسل نماز پڑھے اور پڑھائے، تو آیا اس پر ان نمازوں کا اعادہ ہوگا؟ نیز مقتدین کے لئے کیا مسئلہ ہوگا؟ زید کو یہ یاد نہیں ہے کہ وہ کتنی نمازیں تھیں، اور کون کون سی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ یہی ہے کہ جب منی اپنی جگہ

سے شہوت کے ساتھ جدا ہوجائے تو اگر چہ بعد میں اس کا خروج بلاشہوت ہو پھر بھی غسل واجب ہے؛ البتہ نہایت شدید ضرورت کے وقت امام ابو یوسفؒ کے اس قول پر فتوی دیا گیا ہے کہ اگر خروج کے وقت شہوت نہ ہو تو غسل واجب نہیں، جیسا کہ اس کے متعلق عبارات سوال میں درج ہیں، اور صورتِ مسئولہ میں حسبِ تحریر سوال چوں کہ کوئی ضرورت کسی درجہ میں بھی نہیں پائی جارہی ہے؛ لہٰذا جس امام نے امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرتے ہوئے بلاغسل نماز پڑھائی ہے اس پر ایسی سب نمازوں کا اعادہ لازم ہے، اور جہاں تک ممکن ہو مقتدیوں کو بھی اس کی اطلاع دینی ضروری ہے، ورنہ اس کا ذمہ بری نہ ہوگا، نیز اس بے احتیاطی پر دل سے توبہ اور استغفار بھی لازم ہے۔

عن علي رضي اللّٰه عنه كنت رجلاً مذّاء ولما راى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الماء قد آذاني، قال: إنما الغسل من الماء الدافق. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، الطهارة / باب وجوب الغسل بخروج المني ۱/۲۵۸ رقم: ۷۸۹ بيروت)

والأظهر في الجواب أخذا من التعبير بالتشهي أن يقال: إن الإجماع على منع إطلاق التخيير أي بأن يختار ويتشهي مهما أراد من الأقوال في أيّ وقت أراد أما لو عمل بالضعيف في بعض الأوقات لضرورة اقتضت ذلک فلا يمنع منه، وعليه يحمل ماتقدم عن الشرنبلالي من أن مذهب الحنفية المنع بدليل أنهم أجازوا للمسافر والضيف الذي خاف الريبة أن يأخذ بقول أبي يوسف بعدم وجوب الغسل على المحتلم الذي أمسک ذكره عند ما أحس بالاحتلام إلى أن فترت شهوته ثم أرسله مع أن قوله هذا خلاف الراجح في المذهب لكن أجازوا الأخذ به للضرورة. (شرح عقود رسم المفتي ۱۰۱ سعيده سهارنپور) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۲/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہنسی مذاق کے دوران اگر منی نکل جائے تو کیا غسل واجب ہوگا؟

سوال (۹۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: اگر زید کسی عورت سے ہنسی مذاق یا شہوت انگیز باتیں کررہا ہو، جس کی وجہ سے اس کی منی خارج ہوگئی، تو اس پر غسل لازم ہے یا نہیں؟ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پیٹ کی خرابی یا کسی اور وجہ سے شہوت کے بغیر بھی منی کے قطرات نکل آتے ہیں، تو اس صورت میں اس پر غسل واجب ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: منی کا خروج اگر شہوت کی وجہ سے ہوا ہے تو غسل واجب ہوگا، اور اگر کسی بیماری یا عارض کی وجہ سے بلا شہوت منی نکل گئی تو غسل واجب نہیں۔

عن علي رضي اللّٰه عنه كنت رجلاً مذّاء ولما رأى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الماء قد آذاني، قال: إنما الغسل من الماء الدافق. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، الطهارة / باب وجوب الغسل بخروج المني ۲۵۸/۱ رقم: ۷۸۹ بيروت)

والمعاني الموجبة للغسل إنزال المني على وجه الدفق والشهوة. (هداية ۳۱/۱ دارالكتاب)

ينفصل المني لا عن شهوة، ويخرج لا عن شهوة بأن ضرب على ظهره ضربا قويا، أو حمل حملا ثقيلا فلا غسل فيه عندنا. (بدائع الصنائع ۱۴۸/۱ زكريا) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۶/۱۱/۲۲ھ

بیوی کو شہوت کے ساتھ چھونے سے انزال ہوگیا تو غسل واجب ہوگا یا نہیں؟

سوال (۹۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شخص کو اپنی بیوی کو شہوت کے ساتھ چھونے یا بوسہ دینے یا ان کے اندر شہوت کے ساتھ جماع کر لینے سے یا کسی لڑکی کو شہوت کے ساتھ دیکھنے پر، ان تمام صورتوں میں انزال ہوجائے تو

غسل واجب ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شہوت کے ساتھ انزال ہونے سے غسل واجب ہوجاتا ہے، خواہ انزال کسی بھی سبب سے ہو۔

عن علي رضي اللّٰه عنه كنت رجلاً مذّاء ولما راى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الماء قد آذاني، قال: إنما الغسل من الماء الدافق. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، الطهارة / باب وجوب الغسل بخروج المني ۲۵۸/۱ رقم: ۷۸۹ بيروت)

أولها خروج المني ...... بشهوة وكان خروجه من غير جماع كاحتلام ولو باول مرة لبلوغ فى الاصح وفكر ونظر وعبث بذكره. (مراقي الفلاح ۵۲)

أسباب الغسل ثلاثة: منها: انفصال المني عن شهوة. وفي الخلاصة: من الرجل والمرأة من غير إيلاج بأي طريق حصل نحو اللمس والاحتلام وغيره.

(الفتاوىٰ التاتارخانية ۲۸۹/۱ رقم: ۳۸۸ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۷/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سوتے ہوئے پیشاب کرنے والے پر غسل واجب نہیں

سوال (۹۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر سوتے وقت کوئی پیشاب کرلے تو ناف سے پاؤں تک دھوکر پاک ہوجائے گا یا نہیں؟ یا مکمل غسل کرنا پڑے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوتے ہوئے پیشاب کرنے والے پر غسل واجب نہیں؛ البتہ جس جگہ پیشاب لگا ہے اس کا دھونا ضروری ہے۔

لا عند مذي أو ودي بل الوضوء منه ومن البول جميعاً على الظاهر أي لا يفرض الغسل. (شامي ۱/۳۰۴ زکریا)

وإن كانت غير مرئية يغسلها ثلاث مرات. (الفتاویٰ الهندية ۱/٤٤، شامي ۱/٥٣٩ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۵/۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جریان کے مریض کو آنے والے قطرات پر غسل کا حکم

سوال (۱۰۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید جس کا نام نور محمد ہے اللہ کے فضل وکرم سے حافظ قرآن بھی ہے اور نابینا ہے، زید نور محمد کو مرض جریان ہے جس سے وہ ہر وقت ناپاک رہتا ہے، ہر وقت اس کو منی کے قطرے آتے رہتے ہیں، ایسی حالت میں نہ تو زید اپنی طاقت سے کپڑے صاف کرسکتا ہے اور نہ دھوبی سے دھلوا سکتا ہے، اور نہ گھر میں کوئی ایسا شخص ہے جو ہماری مدد کرسکے، ایسی حالت میں زید نماز یا قرآن کی تلاوت کیسے کرے؟ اور ایسی حالت میں غسل کرکے وہی احتلام والے کپڑے پہن کر نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر پڑھ سکتا ہے تو گھر میں ادا کرے یا مسجد میں؟ ایسی حالت میں مسجد میں جانے کا حکم ہے یا نہیں؟ اور زید نماز وقرآن کی تلاوت کیسے کرے؟ مرض کی وجہ سے کئی کئی دن گذر جاتے ہیں نہ کپڑے صاف ہوتے ہیں نہ نماز ادا کرپاتے ہیں، اور نہ قرآن کی تلاوت کرپاتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: منی نکلنے سے غسل اسی وقت واجب ہوتا ہے جب کہ وہ شہوت کے ساتھ نکلے؛ لہٰذا مرض جریان کی وجہ سے گاہے بگاہے جو قطرہ آتا رہتا ہے، اس سے غسل واجب نہیں ہوتا، صرف وضو ٹوٹتا ہے، اب اگر قطرات کا آنا اس کثرت سے ہو کہ ایک پوری نماز کا وقت اس طرح گذر جائے کہ اس میں اتنی فرصت بھی نہ ملے کہ وہ اس میں وضو کرکے فرض ادا کرسکے، تو ایسا شخص معذور کے حکم میں ہے کہ اس کے لئے ہر وقت میں ایک وضو کرنا کافی ہے، اور

وہ قطرہ اس کے حق میں نجس بھی نہیں ہے؛ لیکن اگر قطرات اس کثرت سے نہیں آتے؛ بلکہ کبھی کبھار آتے ہوں اور کوشش کرکے وہ اس وقفہ میں فرض ادا کرسکتا ہو، تو معذور شرعی کے حکم میں نہیں ہے، جب بھی قطرہ آئے گا اس کا وضوٹوٹ جائے گا، اور کپڑے کا پاک کرنا ضروری ہوگا، خواہ وہ اس کا کچھ بھی انتظام کرے۔

عن علي رضي اللّٰه عنه كنت رجلاً مذّاء ولما راى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الماء قد آذاني، قال: إنما الغسل من الماء الدافق. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، الطهارة / باب وجوب الغسل بخروج المني ۲۵۸/۱ رقم: ۷۸۹ بيروت)

وفرض الغسل عند خروج مني، منفصل عن مقره، بشهوة أي لذة ولو حكماً كمحتلم. (درمختار مع الشامي ۲۹۵/۱ زكريا)

وخروج المني لا عن شهوة بأن سقط من مكان مرتفع، وما أشبه ذلك، لايوجب الغسل وينقض الوضوء. (خانية على هامش الفتاوىٰ الهندية ۳۸/۱)

وصاحب عذر من به سلسل البول لايمكنه إمساكه أوا استطلاق بطن، أو انفلات ريح أو استحاضة ...... إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة بأن لا يجد في جميع وقتها زمنا يتوضأ ويصلي فيه خالياً عن الحدث، ولو حكماً.

(درمختار مع الشامي ۵۰۴/۱ زكريا)

وحكمه الوضوء لا غسل ثوبه لكل فرض، ثم يصلي فيه فرضاً ونفلاً (درمختار مع الشامي ۵۰۵/۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۸/۶/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غسل کا مسنون طریقہ

سوال (۱۰۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: غسل میں وضو کرنا سنت ہے اور فرائض غسل منہ میں پانی ڈالنا، ناک میں پانی دینا، یہ کس وقت ادا کئے جائیں گے، ترتیب سے سمجھایا جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غسل کا مسنون طریقہ مختصراً یہ ہے کہ اولاً ہاتھ اور شرم گاہ دھوئے، پھر پورا وضو کرے، اسی درمیان منہ اور ناک میں اچھی طرح پانی ڈالے، اس کے بعد پورے بدن پر پانی بہائے۔ اور بہتر ہے کہ اولاً دائیں کندھے پر اس کے بعد بائیں کندھے پر اور پھر سر پر پانی ڈالے اور بدن کو رگڑ کر دھوئے۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما عن خالته ميمونة قالت: وضعت للنبي صلى اللّٰه عليه وسلم غسلاً يغتسل به من الجنابة، فأكفأ الإناء على يده اليمنى، فغسلها مرتين أو ثلاثاً، ثم صب على فرجه فغسل فرجه بشماله، ثم ضرب بيده الأرض فغسلها ثم تمضمض واستنشق وغسل وجهه ويديه ثم صب على رأسه وجسده، ثم تنحى ناحية فغسل رجليه. (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة / باب في الغسل من الغسل ۱/۳۲ رقم: ۲۴۵ دار الفكر بيروت، فتح الباري ۱/۴۸٦ رقم: ۲۵۷ بيروت)

عن جميع بن عمير وفيه فقالت عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يتوضأ وضوئه للصلاة ثم يفيض على رأسه ثلاث مرار.

(سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة / باب الغسل من الجنابة ۱/۳۲ رقم: ۲۴۱ دار الفكر بيروت)

وهي أن يغسل يديه إلى الرسغ ثلاثاً ثم فرجه ويزيل النجاسة إن كانت على بدنه ثم يتوضأ وضوئه للصلاة إلا رجليه، هٰكذا في الملتقط. (الفتاوىٰ الهندية ۱/۱۴)

وفرض الغسل: غسل كل فمه ويكفي الشرب عبًّا؛ لأن المج ليس بشرط في الاصح، وأنفه حتى ما تحت الدرن وباقي البدن لا دلكه. ويجب أي يفرض غسل كل ما يمكن من البدن بلا حرج مرة كأذن وسرة وشارب وحاجب

وأثناء لحية وشعر رأس ولو ملبداً وفرج خارج، به يفتي. (درمختار مع الشامي، كتاب الطهارة / مطلب في أبحاث الغسل ۱/۲۸٤-۲۸۵ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۲۶/۱۱/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غسل میں کلی کرتے وقت غرارہ کرنا؟

سوال (۱۰۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: غسل میں کلی کرنا فرض ہے، بعض حضرات بتاتے ہیں کہ روزہ کی حالت میں کلی ہے اور باقی حالت میں غرارہ ہے، آپ تحریر فرمائیں کلی اور غرارہ میں کیا فرق ہے، غسل کے تین فرائض میں کلی کرنا ہے یا غرارہ کرنا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: غسل میں فرض کلی کرنا ہے، اگر اچھی طرح سے کلی کرلی جائے تو فرض ادا ہوجاتا ہے، غرارہ کی ضرورت نہیں ہے، تاہم اگر روزہ نہ ہو تو غرارہ کرنا بہتر ہے، البتہ روزہ کی حالت میں غرارہ کرنا مکروہ ہے؛ اس لئے کہ اس میں حلق کے اندر پانی پہنچنے کا احتمال ہے۔

عن أبي سلمة بن عبد الرحمن قال: حدثتني عائشة رضي اللّٰه عنها أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان إذا اغتسل من الجنابة فمضمض واستنشق ثلاثاً.

وفي رواية عن عمر رضي اللّٰه عنه قال: إذا اغتسلت من الجنابة فتمضمض ثلاثاً فإنه أبلغ. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطهارة / باب في المضمضة والاستنشاق في الغسل ۱/٦۸ رقم: ۷۳۷-۷٤۰ دار الكتب العلمية بيروت)

وفرض الغسل غسل كل فمه، ويكفي الشرب عباً؛ لأن المج ليس بشرط في الأصح. (شامي ۱/۲۸٤ زكريا)

والمبالغة فيهما بالغرغرة لغير الصائم لاحتمال الفساد. (شامي ۱/۲۳۷ زكريا)

غسـل الـفـم والأنف أي بـدون مبـالـغة فيهـمـا فإنه سنة فيه على المعتمد.

(طحطاوي على المراقي ۸۱ مصرى)

ومـنهـا: المبالغة في المضمضة والاستنشاق إلا في حال الصوم فيرفق؛ لأن المبالغة فيهما من باب التكميل في التطهير فكانت مسنونة إلا في حال الصوم لما فيها من تعريض الصوم للفساد. (بدائع الصنائع ۱/ ۱۱۲ زكريا، الفتاوىٰ التاتارخانية ۱/ ۲۷٦ رقم: ۳۷۷ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۷/ ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا عورت کے لئے غسل کرتے وقت شرم گاہ میں انگلی ڈال کر صفائی کرنا ضروری ہے؟

سوال (۱۰۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عورت یہ کہتی ہے کہ جب عورت کو غسل کی ضرورت ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی شرم گاہ میں انگلی ڈال کر صفائی کرے، ورنہ غسل نہیں ہوگا۔ کیا شرعاً غسل کے وقت شرم گاہ میں پانی ڈال کر صفائی کرنا ضروری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کے غسلِ جنابت صحیح ہونے کے لئے شرم گاہ میں انگلی ڈال کر صفائی کرنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ ظاہری حصہ کو استنجاء کر کے پاک کرنا کافی ہے، جو عورت اس کے خلاف کہتی ہے وہ غلطی پر ہے۔

وفـرج خارج؛ لأنه كالفم لا داخل؛ لأنه باطن ولا تدخل إصبعها في قبلها به يفتى. (درمختار مع الشامي ۱/ ۲۸۵ زكريا، الفتاوىٰ التاتارخانية ۱/ ۲۷۵ رقم: ۳۷٤ زكريا)

ويـفتـرض غسـل......، والـفـرج الـخـارج؛ لأنـه كالفم لا الداخل؛ لأنـه

كالحلق. (مراقي الفلاح ٥٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۴/۳/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غسلِ جنابت میں صابن کا استعمال؟

سوال (۱۰۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص بدن پر ناپاکی کی حالت میں صابن وغیرہ سے غسل کرتا ہے تو اس کا غسل ہوتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غسلِ جنابت میں صابن وغیرہ کا استعمال نہ صرف جائز ہے؛ بلکہ مستحسن ہے؛ تاکہ اچھی طرح نظافت حاصل ہوجائے۔

ثم يغسل رأسه ولحيته بالخطمي؛ لأن ذلك أبلغ في التنظيف، فإن لم يكن فبالصابون. (بدائع الصنائع ۲/۲٦ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲٦/۱/۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ناپاک لنگی پہنے پہنے غسل کرنا؟

سوال (۱۰۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب نے سوال کیا کہ کیا اس طرح نہانے سے پاکی حاصل ہوجائے گی یا نہیں کہ رات میں یا دن میں سوتے وقت احتلام ہوگیا اور صبح کو اٹھ کر اُسی لنگی یا پائجامہ میں جو پہن رکھا تھا غسل کرنا شروع کردیا، اس طرح کہ پہلے وہ جگہ دھوئی جہاں نجاست لگی ہوئی تھی، اس کے بعد ناف کے نیچے کا حصہ دھویا، اس کے بعد جو لنگی یا پائجامہ پہن رکھا تھا، اس کو تین مرتبہ دھویا، پھر اسے پہنے ہوئے ہی اس کے بعد وضو کیا، اور غسل کے طریقہ سے غسل کیا، آیا وہ شخص پاک ہوا یا نہیں؟ اور اب تک اسی طریقہ سے غسل کرتا ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اگر بار بار دھونے کی وجہ سے نجاست کا اثر بالکل زائل ہوجائے، تو پاکی حاصل ہوجائے گی؛ لیکن اَحوط طریقہ یہ ہے کہ غسل شروع کرنے سے پہلے الگ سے نجاست کو پاک کرلیا جائے؛ تاکہ نجاست کے پھیلنے کا شبہ نہ رہے۔

وإنما يبدأ بإزالة النجاسة الحقيقية كيلا تزداد بإصابة الماء. (هداية ١/ ٣٠)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۵/۱۱/۱۴۲۴ھ

غسل میں مسح کیوں نہیں؟

سوال (۱۰۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: وضو میں مسح فرض ہے، غسل میں سر کا مسح فرض کیوں نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غسل میں چوں کہ پانی مکمل طور پر سر پر بہایا جاتا ہے، اس لئے مسح کی ضرورت نہیں، مسح کا حکم تو وہاں ہوتا ہے جہاں پانی بہانے سے رخصت ہو۔

ولنا قوله تعالیٰ: ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ أمر بالإطهار وهو تطهير جميع البدن إلا ما تعذر إيصال الماء إليه. (هداية ١/ ٢٩ أشرفي ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۷/۱۱/۱۴۲۷ھ

حالتِ جنابت کا پسینہ؟

سوال (۱۰۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک حالتِ جنابت میں جو پسینہ آتا ہے اس کے بارے میں سنا گیا ہے کہ وہ ناپاک ہے،

میں ایک دیہاتی خاتون ہوں، کسی نے بتایا کہ ایسا پسینہ اگر کپڑے میں لگ جائے تو کپڑا ناپاک ہوجائے گا اور دھونا ضروری ہوگا؟ میں تشویش میں ہوں اس لئے آپ واضح فرمادیں تو نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہمبستری کے دوران جو پسینہ نکلتا ہے اگر وہ پسینہ کپڑے میں لگ جائے تو محض پسینے سے کپڑا ناپاک نہیں ہوتا؛ اس لئے کہ انسان کا پسینہ بہر حال پاک ہے، جب کہ اس کے ساتھ کوئی ظاہری نجاست شامل نہ ہو۔

وذكر الكرخي والطحاوي رحمهما اللّٰه في مختصريهما أن عرق كل شيء مثل سؤره في النجاسة والطهارة والحرمة والكراهة، وفي الهداية: وهو الأصح. (الفتاویٰ التاتارخانية ۱/ ۳۵۵ رقم: ۷۱۷ زكريا)

فسؤر آدمي مطلقاً ولو جنباً …… طاهرٌ …… وحكم عرقٍ كسورهٖ. (شامي ۱/ ۳۸۱-۳۸۹ زكريا، فتاویٰ محموديه ۵/ ۱۱۳ ڈابھیل، إيضاح المسائل ۱۹) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۴/۱۱/۲۵ھ

حالتِ جنابت میں قرآنی آیت والا لاکٹ چھونا؟

سوال (۱۰۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں حالتِ جنابت میں تھی اور میرے گلے میں ایک لاکٹ تھی، جس پر آیۃ الکرسی لکھی ہوئی تھی اور دورانِ جماع لاکٹ کا بدن سے مس ہوتا رہا۔ سوال اب یہ پوچھنا ہے کہ کیا ایسی حالت میں قرآنی آیات یا دعائیہ کلمات والی لاکٹ پہننا جائز ہے؟ اور فراغت کے بعد اس کو چھونا (یعنی لاکٹ) کو کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جنابت کی حالت میں قرآنِ کریم کو چھونا جائز

نہیں ہے؛ لہٰذا جنابت کی حالت میں ایسا لاکٹ پہننا جائز نہ ہوگا جس پر قرآنی آیات لکھی ہوں، اور دعائیہ کلمات میں بھی زیادہ تر آیاتِ قرآنی اور احادیث ہوتی ہیں، اس لئے بحالتِ جنابت دعائیہ کلمات والے لاکٹ کو پہننا بھی مکروہ ہوگا۔ نیز جماع سے فراغت کے بعد غسل جنابت سے پہلے مذکورہ لاکٹ کی زنجیر کو تو چھو سکتے ہیں، جس پر کوئی چیز لکھی ہوئی نہیں ہوتی؛ البتہ ایسے لاکٹ کو چھونا جائز نہ ہوگا۔

أخرج مالك عن عبد اللّٰه بن أبي بكر بن حزم أن في الكتاب الذي كتبه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لعمرو بن حزم أن لا يمس القرآن إلا طاهرا.

(الموطأ لإمام مالك، كتاب القرآن، باب الأمر بالوضوء لمن مس القرآن ١٥٣ رقم: ١)

ويحرم به أي بالأكبر وبالأصغر مس مصحف أي ما فيه آية كدرهم وجدار. (شامي ٣١٥/١ زكريا)

لايحرم في غير المصحف إلا بالمكتوب أي موضوع الكتاب. (شامي ٣١٥/١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۴/۱۱/۲۵ھ

جنابت کی حالت میں قرآن کی تلاوت اور ذکر و دعا کرنا؟

سوال (۱۰۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جنابت کی حالت میں قرآن کی آیات، درود ودیگر دعاؤں کے پڑھنے کی اجازت ہے؟ اذان کا جواب دینا، سونے سے پہلے اور سو کر اٹھنے، کھانا کھانے وغیرہ کی دعاؤں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ مہربانی کر کے قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: حالتِ جنابت میں قرآنِ کریم کی تلاوت جائز نہیں

ہے؛ البتہ ذکرودعاوالی قرآنی آیات بطورذکرودعا پڑھی جاسکتی ہیں، اسی طرح ماثوردعائیں جن کا پڑھنا مختلف اوقات میں حدیث سے ثابت ہے، انہیں بھی بحالتِ جنابت پڑھنا درست ہے، اور اذان کا جواب دینا بھی درست ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/۱۸۱-۲۲۲)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا تقرء الحائض و لا الجنب شيئاً من القرآن. (سنن الترمذي ١/٣٤ رقم: ١٣١، السنن الكبير للبيهقي ١/١٥٤ رقم: ٤٢٠)

والثالث حرمة قراءة القرآن ولو دون آية كما صححه صاحب الهداية وقاضي خان، وهو قول الكرخي. (منهل الواردين ١/١١١)

فلو قرأت الفاتحة على وجه الدعاء أو شيئا من الآيات التي فيها معنى الدعاء ولم ترد القراءة لا بأس به. (شامي ١/٤٢٣ بيروت، شامي ١/٤٨٨ زكريا، منهل الواردين ١/١١١-١١٢)

ولابأس بحائض وجنب بقرأة أدعية ومسها وحملها وذكر اللّٰه تعالى.

(شامي ١/٤٢٤ بيروت، شامي ١/٤٨٨ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴/۶/۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تیمّم کے مسائل

تیمّم کن حالات میں جائز ہے؟

سوال (۱۱۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تیمّم کن حالات میں جائز ہے؟ آج کل تھوڑی سی کمزوری اور بیماری پر تیمّم کا رواج نوجوان مردوں وعورتوں میں پڑ گیا ہے، اس پر روشنی ڈال دیجئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تیمّم کی اجازت صرف اس وقت ہوتی ہے جب کہ پانی دستیاب نہ ہو یا دستیاب تو ہو؛ لیکن ایسا شدید عذر ہو کہ پانی کے استعمال سے جان یا اعضاء کے مفلوج ہوجانے یا مرض کے بڑھ جانے کا خطرہ ہو، بریں بنا معمولی بیماری اور تھوڑی سی کمزوری کی بنا پر تیمّم کرنا کسی بھی مرد وعورت کے لئے جائز اور معتبر نہیں ہے۔

عن الحسن وابن سيرين أنهما قالا: لا يتيمم مارجاً أن يقدر على الماء في الوقت. (مصنف ابن أبي شيبة، الطهارة / باب من قال لا يتيمم مارجاً أن يقدر على الماء ۱/۹۱ رقم: ۱۷۱۲)

عن عمرو بن العاص رضي اللّٰه عنه قال: احتلمت في ليلة باردة في غزوة ذات السلاسل فاشفقت أن أغتسل، فأهلک فتيممت ثم صليت بأصحابي الصبح فذكروا ذٰلک لرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: يا عمرو! صليت بأصحابک، وأنت جنب، فأخبرته بالذي منعني من الاغتسال وقلت: إني سمعت اللّٰه، يقول: ﴿وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ فضحک رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ولم يقل شيئاً. (سنن أبي داؤد، الطهارة / باب إذا خاف

الجنب البرد أ يتيمم؟ ١/٤٨ رقم: ٣٣٤)

من عجز عن استعمال الماء لبعده ميلا أو لمرض يشتد أو يمتد بغلبة ظن أو قول حاذق مسلم ولو بتحرك أو برد يهلك الجنب أو يمرضه ولو في المصر......، ونقل الشامي: فصار الأصل أنه متى قدر على الاغتسال بوجه من الوجوه لا يباح له التيمم إجماعاً. (شامي ١/٣٩٥-٣٩٨ زكريا، البحر الرائق ١/١٤١، طحطاوي على المراقي ٩٢، الفتاوىٰ التاتارخانية ١/٣٦٧ رقم: ٧٦٧ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۳/۸/۵ھ

ٹھنڈک یا شدتِ مرض کی وجہ سے تیمّم کرنا؟

سوال (۱۱۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص بیماری کی وجہ سے اتنا کمزور ہوگیا ہے کہ وہ سردی کے موسم میں غسل نہیں کرسکتا، اس کے جسم کو اتنی سردی لگتی ہے کہ اس کے لئے ناقابل برداشت ہے، اگر اس عالم میں وہ گرم پانی سے بھی نہائے تو بھی بیمار پڑ جانے کا شدید خطرہ ہے، وہ غسل خانہ میں کپڑے اتار کر تھوڑی دیر بھی ٹھنڈک کو برداشت نہیں کرسکتا ہے، اس طرح وہ غالباً معذور ہوگیا، ایسی حالت میں غسلِ جنابت کرنے کے بجائے وہ پنڈول کے ڈھیلے سے غسلِ جنابت کا تیمّم کرسکتا ہے وہ اس طرح پاک ہوجائے گا؟ تیمّم کے بعد وہ نماز ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟ کلامِ پاک کی تلاوت کرسکتا ہے یا نہیں؟ نیز قرآن شریف کو ہاتھ لگا سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ شخص واقعۃً اتنا کمزور ہے کہ کسی بھی طرح غسل کرنے میں اسے مزید بیمار ہونے کا شدید خطرہ لاحق ہے، تو ایسی صورت میں اس کے لئے تیمّم کی گنجائش ہے، اس تیمّم سے وہ نماز، تلاوت اور دیگر عبادات ادا کرسکتا ہے۔

عن عمرو بن العاص رضي الله عنه قال: احتلمت في ليلة باردة في غزوة ذات السلاسل فاشفقت أن أغتسل، فأهلك فتيممت ثم صليت بأصحابي الصبح فذكروا ذٰلک لرسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا عمرو! صليت وأنت جنب؟ فأخبرته بالذي منعني من الاغتسال وقلت: إني سمعت الله يقول: ﴿وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ فضحک رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يقل شيئاً. (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة / باب إذا خاف الجنب البرد أيتيمم؟ النسخة الهندية ۱/ ٤٨ رقم: ٣٣٤ دار الفكر بيروت)

أو برد يهلک الجنب أو يمرضه ولو في المصر......، ونقل الشامي: فصار الأصل أنه متى قدر على الاغتسال بوجه من الوجوه لا يباح له التيمم إجماعاً. (شامي ١/ ٢٣٤ كراچی، ١/ ٣٩٨ زكريا، البحر الرائق ١/ ١٤١، طحطاوي على المراقي ٩٢، الفتاویٰ التاتارخانية ١/ ٢٦٧ رقم: ٧٦٧ زكريا)

ولو كان يجد الماء إلا أنه مريض يخاف إن استعمل الماء اشتد مرضه أو أبطأ برؤه يتيمم. (الفتاویٰ الهندية ١/ ٢٨)

وأما المرض فمنصوص عليه سواء خاف ازدياد المرض أو طوله باستعمال الماء. (تبيين الحقائق ١/ ٣٧ ملتان) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۳/۸/۵ھ

محض سردی سے بچاؤ کے لئے تیمّم کرکے نماز پڑھنا؟

سوال (۱۱۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندہ جس کی عمر تقریباً چالیس سال ہے، صحت کے لحاظ سے تندرست ہے، نماز روزہ کی پابند ہے، موسم سرما میں سردی کا احساس ہندہ کو زیادہ ہوتا ہے، خاص کر نمازِ عشاء میں وضو کرتے وقت اور

رمضان شریف میں تہجد کے لئے وضو کرتے ہوئے، ہندہ نے اس کا تذکرہ اپنے خاندان کے ایک بزرگ سے کیا جو ماشاء اللہ باشرع پابندصوم وصلوٰۃ ہیں، اور کافی وقت تبلیغی جماعت میں لگا چکے ہیں، انہوں نے ہندہ سے کہا کہ وضو کرنے کے بجائے تیمّم کرلیا کرو، اس کے بعد ہندہ نے ان کی اس بات پر عمل شروع کردیا۔

زید کا کہنا ہے کہ جن حالات میں تیمّم کی اجازت ہے، ہندہ پر وہ لاگو نہیں ہوتے، نہ تو ایسا کوئی مرض ہے جو پانی کے استعمال سے بڑھ جائے اور اس قدر کمزور یا ضعیف نہیں کہ پانی کے استعمال سے کوئی خطرہ ہو؛ لہٰذا ہندہ کو وضو کرنا چاہئے بغیر وضو نماز نہیں ہوگی۔

مندرجہ بالا بیان کی روشنی میں ہندہ وضو کرکے موسم سرما میں نماز ادا کرے یا تیمّم کرتی رہے؟ ازروئے شرع تفصیل سے جواب تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سردی سے سخت مرض یا ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو تو وضو پر قدرت ہونے کے باوجود محض سردی کے خوف سے تیمّم کرنا صحیح نہیں ہے، مذکورہ بزرگ کی بات صحیح اور معتبر نہیں ہے؛ البتہ سردی سے بچنے کے لئے گرم پانی سے وضو کرلے، نیز مذکورہ صورت میں تیمّم سے پڑھی گئی نمازوں کا اعادہ لازم ہے۔

(أو برد) یهلک الجنب أو یمرضه. قال الشامیة: تحت قوله قید بالجنب؛ لأن المحدث لا یجوز له التیمم للبرد في الصحیح. (ردالمحتار علی الدر المختار ۱/۳۹۸ زکریا)

ویجوز التیمم إذا خاف الجنب إذا اغتسل بالماء أن یقتله البرد أو یمرضه إذا لم یقدر علی تسخین الماء. (الفتاویٰ الهندیة ۱/۲۸، هدایة ۱/۴۹) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۱/۲/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تیمّم کر کے نماز پڑھنے والے کو پورا ثواب ملے گا یا آدھا؟

ســـوال (۱۱۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص پانی کے حصول پر قدرت نہیں رکھتا یا پانی کے حصول پر قدرت تو رکھتا ہے یا پانی کا استعمال اس کے لئے مضر اور نقصان دہ ہے۔ شریعت نے جہاں جس انداز پر تیمّم میں اجازت دی ہے وہ وہاں رخصت پر عمل کرتے ہوئے نماز ادا کرتا ہے۔ یہاں نماز کے ثواب کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں تیمّم کر کے نماز پڑھنے والے کو پورا ثواب ملے گا؛ اس لئے کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمّم وضو کا بدل ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ [المائدة: ٦]

عن حذيفة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: جُعلت تربتها لنا طهوراً إذا لم نجد الماء. يعني الأرض. (المصنف لابن أبي شيبة ١٤٤/١ رقم: ١٦٦٢ دار الكتب العلمية بيروت)

عن أبي ذر رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الصعيد الطيب طهور ما لم يوجد الماء ولو إلى عشر حجج، فإذا وجدت الماء فأَمِسَّهُ بَشرتَک. (المصنف لابن أبي شيبة ١٤٤/١ رقم: ١٦٦١ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری ۱۲/۶/۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تیمّم کا مسنون طریقہ

ســـوال (۱۱۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تیمّم کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تیمّم کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے نیت کرکے دونوں ہتھیلیاں مٹی پر مارکر پورے چہرے پر پھیر لیا جائے، پھر اس کے بعد دوبارہ ہتھیلیاں مٹی یا غبار پر مارکر دونوں ہاتھ کہنیوں تک پھیر لئے جائیں، اگر انگوٹھی وغیرہ پہن رکھی ہو تو اس کو اتار دیا جائے یا آگے پیچھے کرلی جائے۔

عن جابر رضي اللّٰہ عنه عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: التیمم ضربة للوجه وضربة للیدین إلی المرفقین. (السنن الکبریٰ للبیهقي، کتاب الطهارة / باب کیف التیمم ۱/۳۱۹ رقم: ۹۹۹)

کذا في المستدرک علی الصحیحین للحاکم أبي عبد اللّٰہ عن ابن عمر مرفوعاً. (المستدرك للحاکم، کتاب الطهارة ۱/۲۶۵ رقم: ٦٣٤)

وأما کیفیة التیمم فذکر أبویوسف في الأمالي – فضرب بیدیه علی الأرض فأقبل بهما وأدبر ثم نفضهما ثم مسح بهما وجهه ثم أعاد کفیه إلی الصعید ثانیاً فأقبل بهما وأدبر ثم تفضهما ثم مسح بذٰلک ظاهر الذراعین وباطنهما إلی المرفقین. (بدائع الصنائع ۱/۱٦۷ زکریا، ۱/٤٦ کراچی) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۱/۲/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

سیمنٹیڈ فرش کے نجاست سے خشک ہونے کے بعد اس پر تیمّم اور نماز کا حکم

سوال (۱۱۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سیمنٹیڈ فرش جیسے چھت، گھر کا صحن وغیرہ، آیا یہ زمین کے حکم میں ہے کہ اس پر پیشاب وغیرہ کوئی نجس چیز گرجائے پھر وہ خشک ہوجائے، تو خشک ہونے سے پاک ہوجائے گا، یا اس کے لئے

غسل ضروری ہے؟ زید کہتا ہے کہ غسل ضروری ہے، چوں کہ اس میں پانی جذب کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، بکر کو اس مسئلہ میں تشفی نہیں ہے، یہ مسئلہ مدلل تحریر فرمادیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس خشک فرش پر نماز تو پڑھی جاسکتی ہے، مگر اس سے تیمّم درست نہیں۔

عن أبي ذر رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الصعيد الطيب وضوء المسلم. (السنن الکبریٰ، الطهارة / باب التيمم بالصعيد الطيب ۳۲۷/۱ رقم: ۱۰۲۱)

هو قصد صعيد مطهر خرج الأرض المتنجسة إذا جفت فإنها كالماء المستعمل. (درمختار مع الشامي ۳۹۱/۱ زکریا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۳/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ٹائل پر تیمّم کرنا؟

سوال (۱۱۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا ٹائل پر تیمّم درست ہے؟ جب کہ ایک مفتی صاحب منع فرمارہے ہیں کہ چوں کہ ٹائل پر روغن اور مصالحہ لگا ہوتا ہے، اس لئے ٹائل پر تیمّم درست نہیں ہے، ایسے ہی ان مٹی کے برتنوں پر جن پر روغن کردیا جاتا ہے، ایسے ہی ان دیواروں پر جن پر پینٹ کردیا جاتا ہے، آں محترم سے اس سلسلہ میں وضاحت مطلوب ہے کہ ٹائل اور روغن شدہ مٹی کے برتن پینٹ شدہ دیوار پر کیا بغیر گرد وغبار کے تیمّم درست نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹائل میں استعمال ہونے والا مسالہ زمین ہی کی جنس

سے ہوتا ہے، اس پر پینٹ وغیرہ کی کوئی چیز رنگ کے طور پر نہیں لگائی جاتی؛ لہٰذا ایسے ٹائل پر تیمّم درست ہے، اگر چہ وہ چکنا ہی کیوں نہ ہو؛ البتہ مٹی کے وہ برتن جن پر اوپر سے پینٹ کر دیا گیا ہو اور وہ دیواریں جن پر پینٹ ہو، ان پر گرد وغبار کے بغیر تیمّم درست نہ ہوگا۔

وبالحجر عليه غبار أو لم يكن بأن كان مغسولاً أو أملس. (الفتاویٰ الهندية ۲۷/۱)

إذ لا يخفى أن الحجر الأملس جزء من الأرض. (شامي ۳٦۸/۱ بيروت)

فيجوز كحجر مدقوق أو مغسول وحائط مطين أو مجصص وأوان من طين غير مدهونة. (الدر المختار على الشامي ۳٦۰/۱ أشرفية، شامي ٤۰٦/۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۰/۱/۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پتھر کے کوئلہ پر تیمّم کرنا؟

سوال (۱۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: پتھر کا جو کوئلہ زمین کی کان سے نکالا جاتا ہے، اس پر تیمّم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو کوئلہ زمین میں کان سے نکالا جاتا ہے، وہ دراصل ایک قسم کا پتھر ہے، اور زمین کی جنس میں سے ہے؛ لہٰذا اس پر تیمّم کرنا درست ہے، حتیٰ کہ اگر اسے جلا دیا جائے، تو اس کی راکھ پر بھی تیمّم کرنا درست ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ حقانیہ ۲/ ۲۰۹)

ومترمّدٌ بالاحتراق إلا رماد الحجر، فيجوز كحجر مدقوق أو مغسول.

(الدر المختار مع الشامي ٤۰٦/۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۹/۲/۱۴۳٦ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سرمہ والے پتھر پر تیمّم؟

سوال (۱۱۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: بعض جگہ سرمہ والے پتھر پائے جاتے ہیں، جنہیں پیس کر سرمہ بنایا جاتا ہے، تو ایسے پتھر پر یا ان سے بنائے گئے سرمہ پر تیمّم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرمہ کا پتھر بھی زمین کی جنس میں داخل ہے؛ لہٰذا اس پتھر پر یا اس سے بنائے گئے سرمہ پر تیمّم کرنا درست ہوگا۔

ومترمّدٌ بالاحتراق إلا رماد الحجر، فیجوز کحجر مدقوق أو مغسول.

(الدر المختار مع الشامي ۱/ ٤٠٦ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۹/ ۲/ ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چونے کی کلی والی دیوار پر تیمّم کرنا؟

سوال (۱۱۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جس دیوار پر چونے کی کلی کی گئی ہو، اس پر اگر گرد وغبار نہ ہو تو تیمّم کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چونا بھی زمین کی جنس سے ہے؛ لہٰذا چونے کی کلی والی دیوار پر تیمّم کرنا بہرحال جائز ہے، چاہے اس پر گرد وغبار ہو یا نہ ہو۔

ومترمّدٌ بالاحتراق إلا رماد الحجر، فیجوز کحجر مدقوق أو مغسول.

(الدر المختار مع الشامي ۱/ ٤٠٦ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۹/ ۲/ ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

معذورین کے احکام

جس کو پیشاب کے قطرے آتے ہوں اس کی پاکی کا حکم

سوال (۱۲۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی شخص کو پیشاب کے قطرے آتے ہوں جس کی وجہ سے کپڑے وغیرہ خراب ہونے کا اندیشہ ہو، تو ایسے شخص کی پاکی کے بارے میں کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر پیشاب کا قطرہ آنے کا یقین ہوجائے تو کپڑا اور بدن پاک کرکے وضو کرنے کے بعد نماز پڑھی جائے، اور اگر قطرات اس کثرت سے آتے ہوں، کہ وہ معذور کی حد میں شامل ہوگیا ہو تو ایسے شخص کے لئے کچھ رخصت ہے، اس لئے وہ اپنا حال کسی ماہر عالم یا مفتی سے زبانی بیان کرکے اس کے مشورہ پر عمل کرے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲۱۶/۵ ڈابھیل، فتاویٰ دارالعلوم ۲۸۵/۲)

عن خارجة بن زيد قال: كان زيد ابن ثابت به سلس البول، فكان يداري ما غلب منه، فلما غلبه أرسله، وكان يصلي وهو يخرج منه. وفي رواية عنه قال: كبر زيد بن ثابت حتى سلس منه البول، فكان يداريه ما استطاع، فإذا غلب عليه توضأ وصلى. (سنن الدار قطني المجلد الأول عن ٤/١ ٣٧ رقم: ٧٧٦- ٧٧٧ المكتبة الشاملة)

وصاحب عذر من به سلس بول، إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة بأن لا يجد في جميع وقتها زمنا يتوضأ، ويصلي خاليا عن الحدث.

(شامي ٥٠٤/١ زكريا، حاشية الطحطاوي ١٤٨، الفقه الإسلام وأدلته ٤٤٢/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۸/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قطرہ کا مریض پیشاب گاہ میں روئی کس طرح رکھے؟

سوال (۱۲۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آں محترم نے جوندائے شاہی جولائی ۲۰۰۰ء معذور کے احکام میں لکھا ہے کہ ”قطرہ کے مریض کے لئے طہارت کا آسان طریقہ یہ ہے کہ پیشاب سے فراغت پر سوراخ کے اندر کوئی چیز مثلاً روئی وغیرہ رکھ لے“۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ پیشاب کے سوراخ میں روئی کیسے رکھی جائے؟ کیوں کہ سوراخ چھوٹا ہے، روئی سوراخ کے اندر کیسے داخل کی جائے؟ یا عضوتناسل کے پیشاب والے اوپر حصہ پر روئی رکھ کر باندھ لیں، کیا شکل ہوگی؟ تحریر فرمادیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقہاء نے سوراخ میں روئی رکھنے کی جو بات کہی ہے، اس کی شکل یہ ہے کہ روئی کی باریک بتی بنا کر سوراخ میں داخل کی جائے، اوپر سے روئی لپیٹنا مراد نہیں ہے؛ البتہ روزے دار کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ بتی داخل نہ کرے۔

قلت: ومن كان بطئ الاستبراء فليفتل نحو ورقة مثل الشعيرة ويحتشي بها في الإحليل فإنها تتشرب ما بقي من أثر الرطوبة التي يخاف خروجها – إلى قوله – وقد جرّب ذٰلک فوجد أنفع من ربط المحل، لكن الربط أولى إذا كان صائماً لئلا يفسد صومه على قول الإمام الشافعيؒ. (شامي ۱/ ۵۵۸ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۹/۲/۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پیشاب نکل جانے پر ٹیشو پیپر استعمال کرنا؟

سوال (۱۲۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری بیوی اور دوسری ایک عورت کو پیشاب کی شکایت ہے، جو اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ نیند کی حالت میں بیداری کی حالت میں باہر جانے سے پہلے پیشاب نکل جاتا ہے، جاڑے کے موسم

میں بار بار پانی استعمال کرنے سے بہت تکلیف ہوتی ہے، شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق : پیشاب اگر کپڑے یابدن پر لگ جائے تو اسے پانی سے دھونا ضروری ہے لیکن پیشاب کی کثرت کی وجہ سے بار بار پانی استعمال کرنے کے بجائے ٹیشو پیپر کا استعمال کرلیا کریں، اور جب نماز پڑھنے کا ارادہ ہوتو پانی استعمال کرلیا کریں۔(مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۴/۴۵ کراچی، احسن الفتاوی ۲/۱۰۸، المسائل المهمة فيما ابتلت به العامة ۵/۵۹، اکل کوا)

نضح أن يقتصر على الماء أو على المائع فقط. (مراقي الفلاح ٤٥)

ومفاده الحرمة بالمكتوب مطلقاً، وإذا كانت العلة في الأبيض كونه ألة الكتابة كما ذكرناه يؤخذ منها عدم الكراهة فيما لا يصلح لها إذا كان قالعا للنجاسة. (شامي ١/٣٤٠ كراچى، البحر الرائق ١/٤٨٠) **فقط واللہ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۴/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

معذور کے لئے پیشاب کی چھینٹیں ڈھیلے سے صاف کرنا؟

سوال (۱۲۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کو ضعف اور پیرانہ سالی کی وجہ سے پلنگ پر ہی بیٹھ کر ڈبہ میں پیشاب کرنا پڑتا ہے، جس کی وجہ سے کبھی کبھار فوطوں یا ٹانگ پر چھینٹیں آجاتی ہیں، دھونا بھی دشوار ہے، اس لئے ڈھیلہ سے خشک کر کے تیمّم سے نماز پڑھ لینا جائز ہے یا نہیں؟ بڑا استنجاء پانی سے کرلیتا ہوں اور چھوٹا استنجاء ڈھیلے سے کرلیتا ہو، پانی سے ہر وقت استنجاء نہیں کرسکتا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس مجبوری میں پیشاب کی چھینٹیں ڈھیلے سے خشک کر کے تیمّم سے نماز پڑھنی درست ہے۔

قال محمدؒ: المسافر إذا أصابت بيده نجاسة يمسها بالتراب. (الفتاویٰ التاتارخانية ۱/٤۳۱، طحطاوي ۸۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱؍۴؍۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حشفہ کے تین چوتھائی حصہ پر پیشاب لگ جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال (۱۲۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: صرف پیشاب کیا کپڑے سے استنجاء کیا پیشاب اپنے راستہ سے منہ سے آگے حشفہ پر تین چوتھائی رقبہ پر پھیلا کیا یہ رقبہ ایک درہم سے زیادہ ہے یا کم؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عام طور پر حشفہ کے تین چوتھائی حصہ پر پھیلے ہوئے پیشاب کی مقدار لمبائی چوڑائی میں ایک درہم کے بقدر ہوجاتی ہے؛ اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ جب اس مقدار میں پیشاب پھیل جائے تو پانی سے استنجاء کئے بغیر نماز نہ پڑھے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: تعاد الصلاة من قدر الدرهم من الدم. (سنن الدار قطني ۱/۳۸۵ رقم: ۱٤۷۹)

وعفا الشارع عن قدر درهم. (درمحتار مع الشامي ۱/۵۲۰ زكريا)

وعفي قدر الدرهم مساحة كعرض الكف في الرقيق، وتحته في المجمع: نعبر عن المقعد بالدرهم. (مجمع الأنهر ۱/۹۲ حاشية الطحطاوي ۱۵٦ دار الكتاب)

يجب أن يعلم بأن القليل من النجاسة عفو عندنا ...... فالغليظة إذا كانت قدر الدرهم أو أقل فهي قليلة لاتمنع جواز الصلاة، وإن كانت أكثر من قدر الدرهم منعت جواز الصلاة. (الفتاوى التاتارخانية ۱/٤٤۰ رقم: ۱۱۲۰ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵؍۵؍۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حیض ونفاس کے مسائل

بیماری کی وجہ سے ایامِ حیض میں صرف دودن خون آنا؟

سوال (۱۲۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عورت کی عمر تقریباً تیس سال ہے، اس کو چھ سال سے کمزوری ضعف جسمانی وبیماری وغیرہ کے سبب ایام ماہواری میں صرف ڈیڑھ دوروز خون آتا ہے، اور وہ بھی بہت کم مقدار میں شادی سے پہلے چار روز خون آنے کی عادت تھی، شادی کے بعد بھی دو تین سال ٹھیک خون حیض آیا، اس کے بعد کمزوری وغیرہ کے سبب کم ہوتے ہوتے یہ حالت ہوگئی، اطباء کو دکھلایا گیا، تو انہوں نے خون کی کمی کو اس کا سبب بتلایا، علاج کیا گیا، تو دوا کے جاری رہتے ہوئے اس ماہ ماہواری ٹھیک حالت پر ہوئی، خارج شدہ خون کی مقدار بھی بڑھی، مگر دوا مہنگی ہونے کی وجہ سے اس کو مکمل صحت ہونے تک مستقل جاری نہیں رکھا جاسکا؛ اس لئے کہ اس کے شوہر ایک مدرسہ میں مدرس ہیں، ان کی اتنی آمدنی نہیں ہے، اس عورت کے دو حیض کے دوران ۲۶-۲۷/دن کا فاصلہ ہوتا ہے، ہر مہینہ ۲۶-۲۷/دن کے بعد جب اس عورت کو ماہواری آتی ہے، تو اسی بیماری وکمزوری وغیرہ کے باعثِ درد وغیرہ کی شکایت بھی ہوتی ہے، جیسا کہ ایسی حالت میں عورتوں کو عموماً آج کل ہوا کرتی ہے، کتابوں میں حیض کی اقل مدت تین روز لکھی ہے؛ لیکن کئی سال سے اس کو تین دن کبھی ہوئے ہی نہیں۔

تو اب معلوم یہ کرنا ہے کہ اس کے لئے ایسی حالت میں نماز روزہ وغیرہ کا شرعاً کیا حکم ہے؟ یہ خون حیض کا شمار ہوگا یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ عورت کب سے نماز پڑھے گی، خون بند ہوجانے کے بعد یا تین دن کے بعد؟ تیسرے یہ کہ اگر یہ خون حیض کا نہیں ہے استحاضہ ہے اور نماز کی قضا اس پر لازم ہوگی، تو کیا اتنی کم عمر میں حیض آنا بند ہوجاتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں حنفیہ کے عام اصول کے اعتبار سے تو اس کا یہ خون حیض کا شمار نہیں ہوگا؛ کیوں کہ اس کی مدت تین روز سے کم ہے؛ لیکن جب ہم نے تجربہ کار خاتون ڈاکٹرنی سے تحقیق کی، تو معلوم ہوا کہ خون کی کمی کی وجہ سے اتنے قلیل زمانے تک بھی حیض کا خون آسکتا ہے، اور اسی دوران ولادت کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔ نیز امام شافعیؒ کے مذہب میں تین دن سے کم یعنی ایک دو روز بھی حیض آسکتا ہے؛ لہٰذا مذکورہ عورت کے لئے ضرورت کی بناپر یہ گنجائش ہے کہ وہ مذہب شافعی کے مطابق اپنے خون آنے کے زمانہ میں نماز نہ پڑھا کرے اور جو نمازیں ان ایام میں اس نے نہیں پڑھی ہیں، ان کی قضا بھی اس پر لازم نہ ہوگی؛ تاہم اس بارے میں دیگر علماء سے بھی تحقیق کر لی جائے۔

عن الربيع عن الشافعي أنه قال: رأيت امرأة أثبت لي أنها لم تزل تحيض يوماً ولا تزيد عليه وأثبت لي عن نساء أنهن لم يزلن يحضن أقل من ثلاث.

عن عطاء قال: أدني وقت الحيض يوم سمعت الأوزاعي يقول: عندنا هٰهنا امرأة تحيض غدوة، وتطهر عشية.

قال عبد الرحمن بن مهدي: كانت امرأة يقال بها أم العلاء، قالت: حيضتي منذ أيام الدهر يومان.

وقال إسحاق: وصح لنا في زماننا عن غير واحدة أنها قالت: حيضتي يومان. وقال يزيد ابن هارون: عندي امرأة تحيض يومين. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٤٧٦/١-٤٧٧ رقم: ١٥٣٢-١٥٣٤ دار الكتب العلمية بيروت)

أقل الحيض ثلاثة أيام ولياليها وما نقص من ذٰلك فهو استحاضة. (هداية ٦٢/١، شامي ٤٢٥/١ بيروت، الموسوعة الفقهية ٣٠٤/١٨)

وذهب الشافعية والحنابلة إلى أن أقل الحيض يوم وليلة لقول علي رضي

اللّٰہ عنہ، وأقل الحیض یوم ولیلۃ. (الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۸/۲۹۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۶/۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

صبح خون بند ہو جائے تو شام تک غسل کا انتظار کرنا؟

سوال (۱۲۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچھ عورتوں کی ماہواری اگر صبح کو ختم ہوگئی تب بھی وہ شام یا رات کو غسل کرتی ہیں، اور کہتی ہیں کہ ہم ابھی انتظار کر رہے ہیں، تو کیا انتظار درست ہے، اور ان ایام میں ان کی نماز قضاء نہیں ہوتی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب خون عادت کے موافق بند ہو جائے تو نماز کے وقت کے اندر اندر غسل کر کے نماز شروع کردے، صبح سے شام تک انتظار نہ کرے ورنہ گنہگار رہوگی، اور پاکی کے وقت میں گذری نمازوں کی قضا بھی لازم ہوگی۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰہ عنہ قال: إذا طہرت في وقت صلاۃ صلت تلک الصلاۃ، ولا تصلي غیرہا. (سنن الدارمي، کتاب الطہارۃ / باب المرأۃ تطہر عند الصلاۃ أو تحیض ۱/۲٤٦ رقم: ۹۲۹)

عن عبد الرحمن بن غنم أخبرہ قال: سألت معاذ بن جبل رضي اللّٰہ عنہ عن الحائض تطہر قبل غروب الشمس بقلیل؟ قال: تصلي العصر، قلت: قبل ذہاب الشفق؟ قال: تصلي الصبح، ہٰکذا کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یأمرنا أن نعلم نساؤنا. (سنن الدار قطني، کتاب الحیض / باب ما یلزم المرأۃ من الصلاۃ إذا طہرت من الحیض ۱/۲۳۰ رقم: ۸۵۷)

وإن انقطع لدون أقلہ تتوضأ وتصلي في آخر الوقت أي وجوباً، والمراد بآخر الوقت المستحب دون المکروہ وإن لأقلہ، فإن لدون عادتہا لم یحل أي

الـوطء وإن اغتسـلـت، وتـغتسـل وتـصلي وتصوم احتياطاً، وإن لعادتها حل في الحال. (شامي ١/ ٤٩٠ زكريا، الفتاوىٰ التاتارخانية ١/ ٤٨٣ رقم: ١٢٩٨ زكريا)

وإن انقطع دمها فيما دون العشرة – إلى قوله – أو كانت معتادة وانقطع الدم على عادتها أو فوق عادتها أخرت الغسل إلى آخر وقت الصلاة، فإذا خافت فوت الصلاة اغتسلت وصلت وإنما أخرت الاغتسال والصلوة احتياطاً لاحتمال أن يعاودها الدم في العشرة. (الفتاوىٰ التاتارخانية ١/ ٤٨٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۴/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غسل کے بعد ایک دن نماز پڑھ لی پھر خون آ گیا؟

سوال (۱۲۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی نے ایام حیض سے غسل کے بعد ایک دن پاک رہ کر نماز بھی پڑھ لی ہے، پھر اس کے بعد دوبارہ غسل کی حاجت پیش آ جائے تو عادت متعین ہونے اور متعین نہ ہونے، دونوں حالتوں میں درمیان میں (حالتِ طہارت میں) پڑھی گئی نماز کا کیا حکم ہے؟ اس کی قضاء لازم ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سابقہ عادت ختم ہونے کے بعد غسل کیا، پھر اکثر مدتِ حیض یعنی دس دن کے اندر اندر دوبارہ حیض آ گیا تو یہ سب زمانہ حیض ہی کا شمار ہوگا، اور اس دوران جو نمازیں پڑھی گئی وہ معتبر نہ ہوں گی، اور نہ ان کی قضاء لازم ہوگی۔

فإن لم يجاوز العشرة فالطهر والدم كلاهما حيض. (الفتاوىٰ الهندية ١/ ٣٧)

إذا عاودها الدم في العشرة بطل الحكم بطهارتها مبتدأة كانت أو معتادة، وكأنها لم تطهر أصلاً. (الفتاوىٰ التاتارخانية ١/ ٤٨٥ رقم: ١٣٠٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۴/۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دینی کتابوں کا بستہ ہاتھ میں پکڑنے کی حالت میں ماہواری شروع ہوگئی؟

سوال (۱۲۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بسا اوقات ایسا ہو جاتا ہے کہ قرآنِ کریم یا حدیث وتفسیر کی کتابیں لے کر طالبہ یا معلّمہ اپنے کمرہ سے درس گاہ میں جارہی ہوتی ہیں یا اپنے گھر سے مدرسہ جارہی ہوتی ہیں، اور راستہ میں اچانک ایام مخصوصہ کے عارضہ سے دوچار ہو جاتی ہیں، کتابیں یا قرآن بستہ میں ہوتی ہیں، تو کیا کریں؟ کبھی کبھی رکشہ میں بیٹھے بیٹھے اچانک جھٹکوں میں ایسا ہو جاتا ہے، کبھی بستہ گود میں ٹانگوں پر رکھا ہوتا ہے، اب ہاتھ میں بھی بستہ نہیں سنبھالا جا سکتا اور رکشہ میں بھی کسی جگہ نہیں رکھا جا سکتا، تو کیا کریں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس بستہ کے اندر قرآنِ پاک رکھا ہوا س کو اوپر سے پکڑنا عورت کے لئے ایام مخصوصہ میں درست ہے؛ اس لئے کہ یہ بستہ خارجی غلاف کے حکم میں ہے؛ لہٰذا اگر مدرسہ آنے جانے کے دوران مذکورہ صورت پیش آجائے تو بستہ سنبھالے رہیں، اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

أخرج البخاري تعليقاً كان أبو وائل يرسل خادمته وهي حائض إلى أبي رزين فتأتيه بالمصحف فتمسكه بعلاقته. (صحيح البخاري، كتاب الحيض / باب قراءة الرجل في حجر امرأته وهي حائض ٤٣/١ رقم الباب: ٣)

ولا بأس أن تمس المصحف بغلاف. (الفتاویٰ التاتارخانية ٤٨٠/١ رقم: ١٢٨١ زكريا)

ومسه إلا بغلافه المنفصل. (درمختار مع الشامي بيروت ٤٢٣/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۱/۶/۱۹ھ

اذان کے بعد عورت کو حیض آ گیا؟

سوال (۱۲۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر اذان کے بعد کوئی عورت ناپاک ہوجائے تو کیا اس نماز کی قضا لازم آئے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان کے بعد کوئی عورت حائضہ ہو جائے تو اس نماز کی قضا اس پر لازم نہیں ہے۔

ثم المعتبر اٰخر الوقت عندنا فإذا حاضت في اٰخر الوقت سقطت وإن طهرت فيه وجبت. (مجمع الأنهر ۲/۵۳)

لأن المعتبر في الوجوب آخر الوقت. (شامي، كتاب الطهارة / باب الحيض ۱/۴۹۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۴/۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طہرِ متخلل کا حکم

سوال (۱۳۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: طہرِ متخلل کے بارے میں امام صاحب سے کئی روایتیں ہیں، مثلاً امام ابو یوسف کی روایت یہ ہے کہ اگر طہر ناقص کو دونوں طرف سے خون گھیرے ہوئے ہو، خواہ ایک دن ہو یا زیادہ، نیز دس دن کے اندر ہو یا باہر، تو طہر متخلل حیض ہوگا، اس پر دو اشکال وارد ہوتے ہیں، اولاً یہ کہ طہر کی کم سے کم مدت پندرہ دن ہے، تو طہر کی اس مدت میں حیض نہیں آ سکتا، پھر اس کو حیض کیوں کر شمار کیا جاتا ہے؟ ثانیاً یہ کہ حیض کی اکثر مدت دس دن ہے، یہاں اس سے زائد دن حیض شمار کئے جا رہے ہیں، اسی طرح دوسری روایت ہے کہ جو طہر تین روز یا زیادہ کا ہوگا وہ فاصل رہے گا اور کم ہو تو حیض، جب کہ مسلمہ قاعدہ ہے: ''**أقل الطهر خمسة عشر**'' پھر یہاں تین دن طہر کیوں ہو رہے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام ابو یوسفؒ کی مذکورہ روایت کا مطلب یہ ہے کہ اگر مدتِ طہر (۱۵؍دن) کے اندر اندر طہر کی ابتدا اور انتہاء میں عورت کو خون آئے تو یہ وقفہ کی درمیانی مدت بھی خون جاری رہنے کی مانی جائے گی، اب اگر وہ مبتدأہ ہے تو ابتدائی دس دن حیض شمار ہوں گے، جن میں وہ نماز ترک کرے گی اور دس دن کے بعد کے ایام استحاضہ کے شمار ہوں گے، جن میں وہ نماز پڑھتی رہے گی، اور اگر معتادہ اس صورت سے دوچار ہو تو اس کے ایامِ عادت حیض میں شمار ہوں گے، اور باقی ماندہ میں وہ مستحاضہ کہلائے گی۔

اس تفصیل کو سامنے رکھیں تو آپ کے دونوں اشکالات خود ہی ختم ہوجائیں گے، پہلا اشکال اس وجہ سے کہ یہاں دس دن یا ایامِ عادت پر حیض ختم ہوکر استحاضہ شروع ہوگیا ہے، اب دوسرا حیض اقلِ مدت طہر یعنی پندرہ دن سے کم میں ماننا لازم نہ آئے گا۔

دوسرا اشکال اس لئے کہ یہاں ایام حیض سے زیادہ ایک دن بھی حیض میں شمار نہیں کیا جارہا ہے؛ لہٰذا امام ابو یوسفؒ کی یہ روایت اصولِ مقررہ کے منافی نہیں ہے، اصل میں غلط فہمی کی بنیاد یہ ہے کہ آپ نے ''دمِ متوالی'' کو تسلسل حیض کے معنی پر رکھا ہے، حالاں کہ یہاں ''دمِ متوالی'' سے محض خون کا جاری رہنا مراد ہے، اور اس میں حیض اور استحاضہ کے احکام الگ الگ ہیں۔

قال الشامي: الأول قول أبي یوسفؒ أن الطهر المتخلل بین الدمین لا یفصل؛ بل یكون كالدم المتوالي بشرط إحاطة الدم لطرفي الطهر المتخلل، فیجوز بدایة الحیض بالطهر وختمه به أیضاً فلو رأت مبتدأةً دماً وأربعة عشر طهراً ویوماً دماً، فالعشرة الأولیٰ حیض، ولو رأت المعتادة قبل عادتها یوماً دماً وعشرة طهراً ویوماً دماً، فالعشرة التی لم تر فیها الدم حیض إن كانت عادتها، وإلا ردت إلی أیام عادتها. (شامي ۱/۲۹۰ کراچی، شامي ۱/۴۸۳ زکریا)

اور دوسری روایت میں بھی اشکال صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ وہاں فاصلہ سے ایک حیض اور

دوسرے حیض کے درمیان فاصلہ نہیں؛ بلکہ حیض اور استحاضہ کے درمیان فاصلہ کی بات ہے، یعنی اگر اقل مدت حیض آنے کے بعد ۱۳ر دن سے زیادہ طہر رہا، پھر خون آنے لگا، تو یہ دوسرا خون پہلے دم حیض میں شمار نہ ہوگا؛ بلکہ اس سے الگ سمجھا جائے گا؛ لہٰذا اقل مدت طہر میں تخفیف کا محظور لازم نہیں آیا۔

ثم اعلم أن الطهر المتخلل بين الدمين إذا كان خمسة عشر يوماً فأكثر يكون فاصلاً بين الدمين في الحيض اتفاقا، فما بلغ من كل من الدمين نصاباً جعل حيضاً، وأنه إذا كان أقل من ثلاثة أيام لايكون فاصلاً وإن كان أكثر من الدمين اتفاقا.

واختلفوا في ما بين ذٰلک علی ستة أقوال كلها رويت عن الإمام، أشهرها ثلاثة: الأولى قول أبي يوسفؒ: أن الطهر المتخلل بين الدمين لا يفصل؛ بل يكون كالدم المتوالي بشرط إحاطة الدم لطرفي الطهر المتخلل، فيجوز بداية الحيض بالطهر وختمه به أيضاً، فلو رأت مبتدأة يوماً دماً وأربعة عشر طهراً ويوماً دماً فالعشرة الأولى حيض؛ ولو رأت المعتادة قبل عادتها يوماً دماً وعشرة طهراً ويوماً دماً فالعشرة التي لم تر فيها الدم حيض، إن كانت عادتها وإلا ردت إلى أيام عادتها – إلى قوله – وفي الهداية: الأخذ بقول أبي يوسف أيسر وكثير من المتأخرين أفتوا به، لأنه أسهل على المفتي والمستفتي، سراج. وهو الأولى، فتح. وهو قول أبي حنيفة الأخر، نهاية. (شامي ۴۱۹/۱ بيروت، ۴۸۳/۱-۴۸۴ زكريا، ۲۹۰/۱ كراچی، الفتاویٰ التاتارخانية ۴۹۷/۱ رقم: ۱۳۳۱ زكريا) ***فقط واللہ تعالیٰ اعلم***

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲/۴/۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پندرہ دن سے کم پاکی رہنا؟

سوال (۱۳۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: عموماً مجھے ہر ماہ اٹھارہ یا بائیس دن کی طہارت کے بعد حیض آتا ہے اور چھٹے دن طہارت حاصل ہوجاتی ہے، جب کہ پچھلے ماہ بیس دن طہارت گذارنے کے بعد چار دن حیض آیا جو کہ عادت سے دو دن کم ہوا، اس کے بعد اس ماہ تیرہ دن ہماری طہارت کے گذرے اور خون جاری ہوگیا اور چھ دن جاری رہا، مجھے یہ مسئلہ معلوم کرنا ہے کہ یہ چھ دن حیض کے حکم میں ہیں یا استحاضہ کے؟ اور اس دوران خون کا رنگ ہلکا سرخ مٹیالا اور ہلکا پیلا رہا، اس کے علاوہ یہ معلوم کرنا ہے کہ استحاضہ میں نماز، روزہ اور تلاوت کا کیا حکم ہے؟ جب کہ نماز اور تلاوت کے دوران بھی خون جاری ہوجائے اور اس خون جاری ہونے کی وجہ سے وضو جاتا رہے گا، اور کیا نماز فاسد ہوجائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پاکی کے ایام کی کم سے کم مقدار پندرہ دن ہے۔ اور مسئولہ صورت میں چونکہ صرف تیرہ دن کے بعد دوبارہ خون کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے؛ اسلئے ان تیرہ دنوں کو دو حیضوں کے درمیان حد فاصل نہیں مانا جائے گا، اور آئندہ ۲۲-۲۳ دن اس کے حسبِ عادت طہر شمار ہوں گے، اور حکم یہ ہوگا کہ شروع میں چار دن کے بعد مزید دو دن عادت کے مطابق حیض کے سمجھے جائیں گے، اور اس کے بعد کے سب ایام استحاضہ میں شامل ہوں گے۔ اور استحاضہ کے دوران جب کہ خون جاری رہے پھر بھی نماز، روزہ اور قرآنِ پاک کی تلاوت سب کام انجام دینا درست ہوگا۔

ولو رأت المعتادة قبل عادتها يوما دما وعشرة طهرا ويوما دما فالعشرة التي لم تر فيها الدم حيض إن كان عادتها العشرة، فإن كانت أقل ردت إلى أيامها. (فتح القدير ۱۷۲/۱ بیروت، البحرالرائق ۲۱۳/۱ کراچی، شرح وقاية ۱۱۰/۱)

ثم بين حكم الاستحاضة، فقال: لاتمنع صلوة وصوما ووطيا ...... يتوضأ لوقت كل فرض. (شرح وقاية ۱۲۰/۱) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۳/۱۴/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

عادت سے پہلے خون بند ہوگیا؟

سوال (۱۳۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری عادت پانچ دن خون آنے کی تھی، مگر اتفاق سے اس ماہ چار ہی دن خون آ کر بند ہوگیا تو کیا میرے اوپر اب نماز فرض ہوگئی اور جماع حلال ہوجائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر پانچ دن خون آنے کی عادت تھی اور اتفاق سے کسی مہینے میں چار ہی دن خون آ کر بند ہوگیا، تو ایسی صورت میں خون بند ہونے کے بعد نماز کے آخری وقت میں غسل کر کے نماز پڑھنا اور اگر رمضان کا مہینہ ہو تو روزہ رکھنا احتیاطاً فرض ہے؛ لیکن پانچ دن مکمل ہونے سے پہلے ہمبستری جائز نہیں۔

فإن لدون عادتها لم يحل أي الوطي وإن اغتسلت لأن العود في العادة غالب وتغتسل وتصلي أي في آخر وقت المستحب، وتاخيره إليه واجب هنا.

(شامي ١/ ٤٩٠ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۷/۶/۱۴۲۳ھ

ایامِ عادت کے بعد خون کے قطرات کئی دنوں تک دکھائی دینا؟

سوال (۱۳۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندہ کو بعد سنِ بلوغ جس وقت ایام شروع ہوئے اس وقت سے اس کی عادت یہ بنی کہ تین ساڑھے تین دن ایام خوب ہوتے تھے، پانچویں دن کپڑے پر پھر خون کا نشان آتا تھا، چھٹا دن بالکل کوئی نشان نہیں آتا تھا، اس بناپر ہندہ ساتویں دن صبح کو غسل کر کے پاکی حاصل کرتی تھی، ہندہ کی یہ عادت بعد شادی اور بچوں کی ولادت کے بعد بھی باقی رہی، اب دو تین مہینے سے ہندہ کے مزاج اور عادت میں بوجہ کسی مرض یا عادتاً یہ بات پیدا ہوئی کہ مندرجہ بالا عادت گذرنے کے

ساتویں دن غسل کے بعد کسی بھی دن شلوار پر دھبہ خون نظر آجا تا تھا، یا بوقت پیشاب، پیشاب سے قبل یا بعد کوایسا نظر آتا ہے کہ چھوٹا سا قطرہ خون کا اخراج ہوا ہے، یہ نشان یا قطرۂ خون ۱۱-۱۲؍دن تک نظر آتا ہے۔ مندرجہ بالا تفصیل کے بعد دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ کس دن پاک ہوئی اور نماز وغیرہ کیسے ادا کرے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اگر ایام عادت پورا ہونے کے بعد بھی وقفہ وقفہ سے تھوڑا بہت خون آتا رہتا ہے، تو دس دن تک کے ایام حیض کے شمار ہوں گے اور دس دن کے بعد بھی اگر قطرات آتے ہیں تو انہیں استحاضہ سمجھا جائے گا؛ لہٰذا دس دن پورے ہونے تک نماز وغیرہ موقوف رکھے اور اس کے بعد غسل کر کے پاک ہو جائے۔

أخرج عبد الرزاق عن الثوري في المرأة تکون حیضتها ستة أیام ثم تحیض یومین ثم تطهر، قال: تغتسل وتصلي، فإن رأت الحیض بعد ذٰلک أمسک حتی تطهر إلی عشر، فإن زادت علی عشر فهي مستحاضة، تقضي الأیام التي زادت علی قرئها. (مصنف عبد الرزاق، الحیض / باب أجل الحیض ۳۰۰/۱ رقم: ۱۱۵۳)

الحائض إذا جاوزت عشرة أیام فهي بمنزلة المستحاضة تغتسل وتصلي. (فتح القدیر ۱۶۲/۱)

أما المعتادة فما زاد علی عادتها وتجاوز العشرة في الحیض والأربعین في النفاس یکون استحاضة. (شامي ۴۱۳/۱-۴۱۴ بیروت، شامي ۴۷۷/۱ زکریا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۶/۲/۲۹ھ

ماہواری کے خون کو دوا سے روکنے پر نماز کا حکم

سوال (۱۳۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: کسی دوا کے ذریعہ ماہواری کے خون کو روک دیا گیا (چونکہ اب ایسی چیزیں ایجاد ہوگئی ہیں) اب ان ایام میں نماز اور روزہ کا شرعاً کیا حکم ہوگا؟ اور ان ایام میں بھی اگر روزہ رکھا اور نماز پڑھی تو قبول ہوں گی یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر پیشگی دوا کھائی جس کی وجہ سے حیض کا خون بالکل نہیں آیا تو ان ایام میں نماز اور روزہ وغیرہ سب درست ہے، جب تک خون ظاہر نہ ہو اس وقت تک عورت پاک سمجھی جائے گی۔ اور اگر خون ظاہر ہونے کے بعد دوا کے ذریعہ اسے روکا ہے، تو اس میں عام ضابطوں کا خیال کرتے ہوئے پاکی یا ناپاکی کا حکم لگایا جائے گا۔ (تفصیل دیکھیں: انوار مناسک ۳۴۷-۳۴۹)

تاہم بہتر یہی ہے کہ عورتیں دواؤں کے ذریعہ حیض روکنے کا تکلف نہ کریں؛ کیوں کہ یہ صحت کے لئے مضر ہوسکتا ہے۔

لا یجوز للمرأۃ أن تمنع حیضاً أو تستعجل إنزالہ إذا کان یضر صحتها؛ لأن المحافظة علی الصحة واجبةٌ. (الفقه علی المذاهب الأربعة ١٢٤/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۱۰/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دوا کے ذریعہ دمِ حیض روک کر روزہ اور جماع کا حکم

سوال (۱۳۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر عورت اپنے دمِ حیض کو روکنے کے لئے دوا استعمال کرے اور دمِ حیض بالکل نہ آئے، تو صلوٰۃ وصوم کا کیا حکم ہے؟ اور عورت یہ عمل اس لئے کرتی ہے کہ اس کا زوج دوسری جگہ سرکاری دفتر میں ملازم ہے، اب جن دنوں میں اس کی چھٹی ہوتی ہے انہیں ایام میں اس بیوی کو دمِ حیض آتا ہے، بریں بنا اس کی بیوی دمِ حیض کو اپنے شوہر کے استمتاع کے لئے بذریعہ دوا روک لیتی ہے، زوج کو اس کا بالکل علم نہیں ہوا اور استمتاع کرتا رہا، تو اس صورت میں زوج کا یہ استمتاع کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور کچھ عرصہ کے بعد علم ہوا تو ماسبق کا کچھ کفارہ دینا پڑے گا یا نہیں؟ اور ایسا کرنے سے

عورت گنہگار رہوگی یا نہیں؟ اگر علم ہوجانے کے بعد استمتاع کرتا رہا تو کیا حکم ہوگا؟ نیز اگر وہ عورت مذکورہ بالا عمل نہیں کرتی تو جانبین سے تلویث گناہ کا اندیشہ ہے؟ بینوا وتو جروا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دوا کے ذریعہ حیض کا خون روک دیا جائے تو جب تک خون باہر نہ نکل آئے اس وقت تک حیض کے احکامات جاری نہ ہوں گے، وہ عورت بدستور نماز وغیرہ ادا کرے گی اور شوہر کے لئے اس سے استمتاع بھی درست ہوگا، خواہ اسے اِس دوا کے استعمال کا علم ہو یا نہ ہو؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں آپ پر کوئی کفارہ وغیرہ لازم نہیں ہے۔

ورکنه بروز الدم من الرحم...... ، ووقت ثبوته بالبروز، فيه ترک الصلوٰة ولو مبتدأة في الأصح. وتحته في الشامية: أي ظهوره منه إلى خارج الفرج الداخل فلو نزل إلى الفرج الداخل فليس بحيض في ظاهر الرواية. (الدر المختار مع الشامي ۱/٤٥٧ زکریا، شامي ۱/٢٨٤ کراچی، بهشتي زيور أختري ٢/٦١)

يجب أن يعلم بأن حكم الحيض والنفاس والاستحاضة لا يثبت إلا بخروج الدم وظهوره، وهٰذا هو ظاهر مذهب أصحابنا رحمهم اللّٰه وعليه عامة مشائخنا. (الفتاویٰ التاتارخانية ١/٤٧٦ رقم: ١٢٦٩ زکریا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۰/۱۲/۳ھ

حالتِ حیض میں کون کون سی عبادت ممنوع ہے؟

سوال (۱۳٦): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر عورت حالت حیض میں ہو، تو شبِ برأت میں جاگ کر کوئی بھی عبادت کرسکتی ہے، اگر ہاں تو وضو کر کے کیا تسبیح وغیرہ پڑھنا ٹھیک ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حالتِ حیض میں مسجد میں جانا، نماز پڑھنا، روزہ رکھنا،

قرآنِ کریم چھونا اور پڑھنا اور طواف کرنا وغیرہ ممنوع ہے؛ البتہ ذکرواذکار اور تسبیح پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

أخرج البخاري من طريق أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه حديثاً طويلاً وطرفه: أليس إذا حاضت لم تصل ولم تصم؟ قلن: بلى، قال: فذٰلك من نقصان دينها. (صحيح البخاري، كتاب الحيض / باب ترك الحائض الصوم ٤٤/١ رقم: ٣٠٢)

أخرج مالك عن عبد الله بن أبي بكر بن حزم أن في الكتاب الذي كتبه رسول الله صلى الله عليه وسلم لعمرو بن حزم أن لا يمس القرآن إلا طاهرا.

(الموطأ لإمام مالك، كتاب القرآن، باب الأمر بالوضوء لمن مس القرآن ١٥٣ رقم: ١)

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها تقول: جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم ووجّوه بيوت أصحابه شارعة في المسجد، فقال: وجّهوا البيوت عن المسجد فإني لا أحل المسجد لحائض ولا جنب. (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة / باب في الجنب يدخل المسجد ٣٠/١ رقم: ٢٣٢ دار الفكر بيروت)

ومنها أن لا تمس المصحف، ومنها أن لا تقرأ القرآن عندنا، ومنها أن لا تدخل المسجد، ومنها أن لا تطوف بالبيت في الحج. (المحيط البرهاني ٤٠١/١-٤٠٣ إدارة القرآن كراچی، التنوير مع الدر على رد المحتار ٤٨٤/١-٤٨٨ زكريا، شامي ٤٢٤/١ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۹/۹/۱۴۱۷ھ

عورت ناپاکی کی حالت میں درود شریف یا دیگر اَذکار پڑھ سکتی ہے؟

سوال (۱۳۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عورت ناپاکی کی حالت میں درود شریف یا کوئی سورت یاد ہو تو پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت حیض کی حالت میں درود شریف اور دیگر اذکار پڑھ سکتی ہے؛ البتہ قرآنِ کریم کو تلاوت کی نیت سے رواں پڑھنا اس کے لئے جائز نہیں ہے۔

لقوله عليه السلام: لا يقرأ الجنب ولا الحائض شيئاً من القرآن. (الجوهرة النيرة ٢٨/١)

ولا تقرأ كجنب ونفساء سواء كان أية أو ما دونها عند الكرخي وهو المختار وعند الطحاوي تحل ما دون الآية هٰذا إذا قصدت القراءة فإن لم تقصدها نحو أن تقول شكراً للنعمة الحمد للّٰه رب العالمين فلا بأس به...... وسائر الأدعية والأذكار لا بأس به. (شرح وقاية ١١٦/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۸/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ناپاکی کے ایام میں عورت کا قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا؟

سوال (۱۳۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فاطمہ کہتی ہے میں قرآنِ کریم حفظ کررہی ہوں، ناپاکی کے دنوں میں میرا بہت نقصان ہوتا ہے، استاذ کو وجہ بتاتے ہوئے شرم آتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ناپاکی کے ایام میں قرآنِ کریم کی تلاوت عورت کے لئے ممنوع ہے، اس حالت میں ہرگز قرآنِ کریم نہ پڑھا کرے اور نقصان کی فکر نہ کرے، حکم شرعی یہی ہے۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا تقرء الحائض ولا الجنب شيئاً من القرآن. (سنن الترمذي ٣٤/١ رقم: ١٣١، السنن الكبيرٰ للبيهقي ١٥٤/١ رقم: ٤٢٠)

ومنها حرمة قراءة القرآن لا تقرأ الحائض والنفساء شيئاً من القرآن والاٰية وما دونها سواء في التحريم على الأصح. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۳۸)

ومنها أن لا تقرأ القرآن عندنا لحديث ابن عمر أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان ينهي الحائض والجنب عن قراءة القرآن. (المحيط البرهاني ۱/ ۴۰۲ رقم: ۸۶۱، سنن الترمذي رقم: ۱۳۱، الفتاویٰ التاتارخانية ۱/ ۴۸۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۴/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ناپاکی کے دنوں میں قرآنی آیت بطور تسبیح کے پڑھنا؟

سوال (۱۳۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قرآن کریم کی آیت: ﴿لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ سورۂ توبہ کے آخر تک ۳ یا ۲ یا ۴ رتسبیح حیض یا نفاس کی حالت میں پڑھ سکتی ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقہاء نے حائضہ کے لئے بنیت ذکر ودعا آیاتِ قرآنیہ پڑھنے کی جو اجازت دی ہے، وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ ان آیات میں ذکر ودعا کے معنی پائے جاتے ہوں، نیز وہ آیات لمبی نہ ہوں؛ لہٰذا سوال میں ذکر کردہ دو آیتوں میں سے پہلی آیت یعنی: ﴿لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ ذکر ودعا کے مفہوم سے خالی ہے؛ بلکہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ عالیہ بیان کی گئی ہیں، اس لئے بحالتِ جنابت ان آیات کا پڑھنا موجب تأمل ہے؛ البتہ دوسری آیت: ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِىَ اللّٰهُ﴾ اس میں ذکر وحمد کے معنی واضح ہیں، اس لئے اس آیت کو ذکر کی نیت سے پڑھنے میں کوئی حرج نہ ہوگا۔

ويمنع قراءته القرآن أي يمنع الحيض قراءته القرآن، وكذا الجنابة لقوله عليه الصلوة والسلام: لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيئا من القرآن ولا

فـرق بيـن الآية ومـا دونهـا. وفـي رواية الكرخي وفي رواية الطحاوي يباح لهما قـراءتـه مـا دون الآية، هٰـذا إذا قـرأه عـلى قصد التلاوة، وأما إذا قرأه على قصد الـذكـر والثـناء. قال الكاكي رحمه اللّٰه تعالىٰ: لو قرأ الجنبي الفاتحة على سبيل الـدعـاء لابـأس بـه، وكـذا شيـئـا مـن الآيات أي التي فيها معنى الدعاء في ظاهر الرواية، وعليه الفتوى. (تبيين الحقائق مع حاشية چلبي ١/ ١٦٤-١٦٥، والحديث أخرجه الإمام الترمذي ١/ ٣٤)

وذكـر الـصـدر الشهيـد فـي مـختـصـر كتاب الحيض أن الآية إذا كانت طـويلة فقرأتها حرام عليها وإن كانت قصيرة، إن كانت تجري على اللسان عند الكـلام كـقـولـه: ﴿بِسْـمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ يحرم أيضا، وإن كانت لا تجري على اللسان عند الكلام كقوله: ﴿ثُمَّ نَظَرَ﴾ و كقوله: ﴿وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ فلا بأس به. (الفتاوىٰ التاتارخانية ١/ ٢٨٠)

ويـحرم به تلاوة الـقـرآن ولـو دون آية عـلـى المختار بقصده، فلو قصد الدعاء أو الثناء حل في الأصح. (درمختار مع الشامي ١/ ٢١٣ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ١/ ٣٨، منية المصلي ٥٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۱/۱۴۳۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حالتِ حیض میں تفسیر ''معارف القرآن'' چھونا؟

سوال (۱۴۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حالتِ حیض میں تفسیر ''معارف القرآن'' چھونا کیسا ہے؟ تمام لوگوں کے لئے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حالتِ حیض میں ''معارف القرآن'' جیسی تفسیر کی کتابیں (جن میں تفسیر کا حصہ زیادہ ہے) چھونے کی گنجائش ہے؛ لیکن جہاں قرآنی آیات لکھی ہیں، ان پر ہاتھ لگانے سے احتراز کیا جائے۔

أخرج مالک عن عبد اللّٰہ بن أبي بکر بن حزم أن في الکتاب الذي کتبه رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم لعمرو بن حزم أن لا یمس القرآن إلا طاهرا.

(الموطأ لإمام مالك، كتاب القرآن، باب الأمر بالوضوء لمن مس القرآن ۱۵۳ رقم: ۱)

وکذا کتب التفسیر لا یجوز مس موضع القرآن منها وله أن یمس غیره

(رسائل ابن عابدین ۱۱۳/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴/۶/ ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حائضہ عورت کا ذکر ودعاء اور دینی کتابیں پڑھنا؟

سوال (۱۴۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آیا حیض ونفاس والی عورت مندرجہ ذیل چیزیں پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟

(۱) درود شریف (۲) **لاحول ولا قوۃ إلا باللّٰہ** (۳) **سبحان اللّٰہ وبحمده سبحان اللّٰہ العظیم** (۴) **لا إله إلا اللّٰہ وحده لاشریک له أحدا صمدا لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفواً أحد** (۵) استغفار (۶) کلمۂ طیبہ نیز یا اللہ، یا رحمٰن وغیرہ (۷) اور کیا اس حالت میں کوئی دینی کتاب بھی پڑھ اور پکڑ سکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ تمام اذکار اور دعائیں اسی طرح دینی کتابیں حیض ونفاس والی عورت پڑھ سکتی ہے۔

ولا بأس لحائض وجنب بقراء ة أدعية ومسها وحملها وذكر الله عز وجل وتسبيح. (درمختار ۱/۲۹۳ کراچی، ۱/۴۸۸ زکریا، الفتاویٰ التاتارخانیة ۱/۴۸۱ زکریا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۲/۸/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرآن کی معلّمہ حالتِ حیض میں کس طرح سبق دے؟

سوال (۱۴۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عورت کو حالتِ حیض میں بچوں کو قرآن کا سبق دینا چاہئے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک ایک کلمہ الگ الگ کرکے سبق دے سکتی ہے، آیت کی رواں قرأت نہ کرے۔

لأنه جوز للحائضة المعلمة تعليمه كلمة كلمة. (شامي ۱/۲۹۳ کراچی، شامي ۱/۴۸۷ زکریا)

والمعلمة إذا حاضت ومثلها الجنب كما في البحر عن الخلاصة تقطع بين كل كلمتين، هٰذا قول الكرخي. وفي الخلاصة: والنصاب وهو الصحيح.

(منهل الواردین ۱/۱۱۲، الفتاویٰ التاتارخانیة ۱/۴۸۰ رقم: ۱۲۸۳ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۷/۹/۱۹ھ

ایامِ حیض میں معلمات کا درس دینا؟

سوال (۱۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خواتین کے دینی مدارس میں جو معلمات حدیث، تفسیر اور فقہ کی کتب پڑھاتی ہیں، ایامِ مخصوصہ میں درس وتدریس بند کردیں یا پڑھاتی رہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایامِ مخصوصہ میں حدیث وفقہ کے درس کی گنجائش ہے؛ لیکن دو باتوں کا خیال رکھیں اول یہ کہ دورانِ درس قرآنِ کریم کی رواں تلاوت نہ کریں، دوسرے یہ کہ قرآنِ کریم کو اور کتبِ دینیہ کے اس حصہ کو ہاتھ نہ لگائیں جہاں کوئی قرآنی آیت لکھی ہو۔

أخرج مالک عن عبد الله بن أبي بكر بن حزم أن في الكتاب الذي كتبه رسول الله صلى الله عليه وسلم لعمرو بن حزم أن لا يمس القرآن إلا طاهرا.

(الموطأ لإمام مالك، كتاب القرآن، باب الأمر بالوضوء لمن مس القرآن ١٥٣ رقم: ١)

ومنها: أن لا تمس المصحف ولا الدرهم المكتوب عليه آية تامة من القرآن ولا اللوح المكتوب عليه أية تامة من القرآن، ولا بأس أن تمس المصحف بغلاف.

ومنها: أن لا تقرأ القرآن عندنا، والآية وما دونها في تحريم القراءة سواء. ويكره للحائض مس كتب الفقه وما هو من كتب الشريعة، ولا بأس بالكم، وإذا حاضت المعلمة فينبغي لها أن تعلم الصبيان كلمة كلمة، وتقطع بين كلمتين، ولا يكره له التهجي بالقرآن. (الفتاویٰ التاتارخانية ٤٨١/١ رقم: ١٢٨٣ زكريا، منهل الواردين رسائل ابن عابدين ١١٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۹/۶/۱۴۲۱ھ

طالباتِ حدیث کا ایامِ مخصوصہ میں درسِ تفسیر میں شرکت کرنا؟

سوال (۱۴۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: طالبات درسِ تفسیر ایامِ مخصوصہ میں سن سکتی ہیں یا نہیں، اس سلسلہ میں مسئلہ کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حالتِ حیض میں طالبات درسِ تفسیر سن سکتی ہیں، بشرطیکہ درس کی مجلس مسجد میں منعقد نہ ہو۔

عن حفصة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول: تخرج العواتق وذوات الخدور والحیض ولیشهدن الخیر ودعوة المؤمنین وتعتزل الحیض المصلي. (صحیح البخاري ٤٦/١ رقم: ٣٢٢)

ولا تدخل مسجد الجماعة. (الفتاویٰ التاتارخانیة ٤٨١/١ زکریا)

ومنها أن لا تدخل المسجد، قال علیه السلام: لا أحل المسجد لحائض ولا جنب. (سنن أبي داؤد ٢٠١، المحیط البرهاني ٤٠٣/١، مستفاد: صحیح مسلم ٢٩١/١) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۹/۶/۱۴۲۱ھ

ناپاکی کے دنوں میں حدیث وتفسیر کی عبارت پڑھنا؟

سوال (۱۴۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: طالبات جو حدیث وتفسیر کی کتابیں پڑھتی ہیں، ایام مخصوصہ میں وہ ان کتابوں کو ہاتھ لگائے بغیر عبارت پڑھ سکتی ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ناپاکی کے ایام میں مذکورہ طالبات حدیث وتفسیر کی کتابوں کی عبارت (قرآنی آیات کے علاوہ بغیر ہاتھ لگائے) پڑھ سکتی ہیں؛ البتہ ان کتابوں کو اس حالت میں ہاتھ لگانا مطلقاً مکروہ ہوگا؛ کیوں کہ ان کتابوں میں بکثرت قرآنِ کریم کی آیات تحریر ہوتی ہیں۔

لاتقرأ الحائض ولا الجنب شيئا من القرآن إذا قصدت القراءة. (رسائل ابن عابدين ۱/۱۱۱)

يكره مس كتب التفسير والفقه لأنها لا تخلو عن آيات القرآن. (شامي ۱/۳۱۹ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۱/۶/۱۹ھ

کیا حائضہ عورت نورانی قاعدہ پڑھا سکتی ہے؟

سوال (۱۴۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حائضہ کے لئے نورانی قاعدہ کو پڑھانے اور پکڑنے کا کیا حکم ہے، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ حائضہ نورانی قاعدہ پکڑ بھی سکتی ہے اور بچوں کو پڑھا بھی سکتی ہے؛ کیوں کہ اس میں اکثر حصہ ایسا ہے جس میں مستقل جملے نہیں ہیں، اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ قاعدہ کے اخیر میں مستقل پوری پوری آیات بھی ہیں؛ اس لئے یہ قرآن کے حکم میں ہوا؛ لہٰذا حائضہ نورانی قاعدہ پکڑے نہیں، دونوں میں صحیح کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حائضہ عورت نورانی قاعدہ پڑھا سکتی ہے؛ لیکن جس صفحہ پر قرآنی آیات ہوں اُنہیں ہاتھ نہ لگائیں، اور زبان سے پوری آیت نہ پڑھائیں؛ بلکہ ٹکڑے ٹکڑے کرکے پڑھائیں۔

أخرج مالك عن عبد اللّٰه بن أبي بكر بن حزم أن في الكتاب الذي كتبه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لعمرو بن حزم أن لا يمس القرآن إلا طاهرا.

(الموطأ لإمام مالك، كتاب القرآن، باب الأمر بالوضوء لمن مس القرآن ۱۵۳ رقم: ۱)

والمعلمة إذا حاضت ......، تقطع بين كل كلمتين. (منهل الواردين ۱/۱۱۲)

وإذا حاضت المعلمة فينبغي لها أن يعلم الصبيان كلمة كلمة، وتقطع بين كلمتين، و لا يكره له التهجي بالقرآن. (الفتاویٰ التاتارخانية ٤٨١/١ رقم: ١٢٨٣ زكريا)

إن كتب التفسير لايجوز من موضع القرآن منها و له أن يمس غيره. (شامي ٣٢٠/١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۱۱/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حالتِ حیض میں اَذان کا جواب دینا؟

سوال (۱۴۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کتاب المسائل ۲۱۰/۱ میں ہے کہ حالتِ حیض میں اذان کے کلمات کا جواب دینا اوراس کے بعد دعا پڑھنا درست ہے؛ لیکن شامی زکریا ۶۵/۲ اور حاشیۃ الطحطاوی دار الکتاب ۲۰۳ میں **لا الحائض والنفساء الخ** سے ناجائز معلوم ہوتا ہے، احقر کے ناقص خیال میں تعارض نظر آرہا ہے، مسئلہ کو حل فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: درمختار اور طحطاوی کی جس عبارت کا آپ نے حوالہ دیا ہے اس میں حائضہ اور نفساء کے لئے اذان کے جواب دینے کے وجوب کی نفی کی گئی ہے، اوراس کی علت شامی نے یہ لکھی ہے کہ چوں کہ وہ دونوں حالت حیض ونفاس میں نماز کی عملاً مخاطب نہیں ہیں، اس لئے اذان کا قولاً جواب دینا بھی ان پر واجب نہیں ہے۔

لأنها ليسا من أهل الإجابة بالفعل فكذا بالقول. (شامي ٦٥/٢ زكريا)

تاہم اس عدم وجوب کے باوجود اگر حائضہ اور نفساء کلماتِ اذان کو دہرائیں، تو اس میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں ہے، ایسا کرنا ان کے لئے جائز ہے، یہی بات کتاب المسائل میں لکھی گئی ہے، اس لئے دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے؛ کیوں کہ عدم وجوب عدم جواز کو مستلزم نہیں ہے۔

أخرج البخاري عن أم عطية قالت: كنا نؤمر أن نخرج يوم العيد حتى

نخرج البكر من خدرها حتى نخرج الحيّض، فيكنّ خلف الناس، فيكبرون بتكبيرهم، ويدعون بدعائهم، يرجون بركة ذٰلك اليوم وطهرته. (صحيح البخاري، كتاب العيدين / باب التكبير أيام منى ١٣٢/١ رقم: ٩٦١ ف: ٩٧١)

ويجوز لها الدعوات وقراءة: اللّٰهم إنا نستعينك وجواب الأذان ونحو ذٰلك. (فتاویٰ سراجية ٥١)

ويجوز للجنب والحائض الدعوات وجواب الأذان ونحو ذٰلك. (الفتاویٰ الهندية ٣٨/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۳/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایامِ حیض میں ہری مہندی لگانا؟

سوال (۱۴۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک ضروری بات یہ معلوم کرنی ہے کہ ایامِ حیض (ماہواری) کے دنوں میں ہری مہندی لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں ان ایام میں مہندی لگانے سے مہندی کی بے ادبی ہوتی ہے کیا یہ صحیح ہے؟ یا یہ کہ مہندی ہر حالت میں لگا سکتے ہیں کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایامِ حیض میں ہری مہندی لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس میں کوئی بے ادبی لازم نہیں آتی حیض کی نجاست ظاہری نہیں؛ بلکہ باطنی اور حکمی ہے، ظاہری بدن بلا وجہ ناپاک قرار نہیں دیا جاسکتا۔

جنب اختضب واختضبت إمرأته بذلك الخضاب، قال أبو يوسف: لابأس به. (الفتاویٰ الهندية ٣٥٩/٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۲۰ھ

حیض کے دنوں میں سر پر مہندی لگانا؟

سوال (۱۴۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا حیض کے دنوں میں سر پر مہندی لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ بعد میں پاکی کے نہانے پر تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑے گا، مہندی کا رنگ چھڑانا ضروری تو نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حیض کے دنوں میں سر پر مہندی لگانا درست ہے، اور بعد میں پاکی کا غسل کرنے میں کوئی فرق نہیں پڑے گا، اور مہندی کا رنگ چھڑانا بھی ضروری نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۱۴۷/۷)

المرأة التي صبغت إصبعها بالحناء يجوز وضوؤها. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۱۵۲/۱ زکریا)

بـل يطهر ما صبغ أو خضب بنجس بغسله ثلاثاً. (شامي ۵۳۷/۱ زکریا، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۵۳/۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۱/۳/۲۰ھ

ناپاکی کے دنوں میں ہاتھ پیر اور سر پر مہندی لگانا؟

سوال (۱۵۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ناپاکی میں سر پر یا ہاتھوں پر مہندی لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مہندی لگانا سنت ہے؛ لیکن ہم نے پڑھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں کے لئے مہندی لگانا مطلقاً پسندیدہ ہے، چاہے ہاتھ پر ہو یا سر پر، جب کہ مردوں کے لئے صرف سر میں مہندی لگانے کی اجازت ہے،

ہاتھ پیر پر مہندی لگانا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ اس میں عورتوں کے ساتھ تشبہ پایا جاتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے مہندی لگانے پر پسندیدگی ظاہر فرمائی ہے۔ (مستفاد: آپ کے مسائل اور ان کا حل ۱/۱۷-۲-۷۲)

عن عائشة رضي الله عنها قالت: أومت امرأة من وراء ستر بيدها كتاب إلى رسول الله ﷺ فقبض النبي صلى الله عليه وسلم يده – إلى قوله – لو كنت امرأة لغيرك أظفارك يعني بالحناء. (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح ٣١٢/٨)

أما خضب اليدين والرجلين فيستحب في حق النساء ويحرم في حق الرجال إلا للتداوي. (مرقاة المفاتيح كتاب اللباس ٢٣٣/٨) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴/۶/۱۴۳۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ناپاکی کے دنوں میں ناخن کاٹنا؟

سوال (۱۵۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ناپاکی میں ناخن کاٹ سکتے ہیں یا نہیں؟ تسلی بخش سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقہاء نے لکھا ہے کہ حالتِ جنابت (ناپاکی) میں ناخن وغیرہ کاٹنا مکروہ اور خلافِ اولیٰ ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ پاکی کی حالت میں ہی ناخن کاٹنے کا اہتمام رکھیں۔

حلق الشعر حالة الجنابة مكروه وكذا قص الأظافير. (هندية ٣٥٨/٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۱/۶/۱۴۳۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حالتِ حیض ونفاس میں ران یا پیٹ سے استمتاع کرنا؟

سوال (۱۵۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا وساوسِ شیطان سے بچنے کے لئے خواہ احتمالِ زنا ہو یا نہ ہو، ران یا پیٹ پر لمس کرکے منی کوخارج کرسکتا ہے؟ جب کہ بیوی حالتِ حیض یا نفاس میں ہو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اجازت ہے، مگر مکروہ ہے۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: كانت إحدانا إذا كانت حائضًا فأراد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن يُباشرها أمرها أن تتّزر في فورِ حيضتِها ثم يُباشرها. قالت: وأيكم يملك إربه كما كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يملك إربَه؟ (فتح الباري، كتاب الحيض / باب مباشرة الحائض ۵۳۱/۲ رقم: ۳۰۲)

والمراد بالمباشرة هنا التقاء البشرتين، لا الجماع. (فتح الباري، كتاب الحيض / باب مباشرة الحائض ۵۳۲/۲ رقم: ۳۰۲)

ويجوز أن يستمنى بيد زوجته وخادمته وسيذكر الشارح في الحدود عن الجوهرة أنه يكره ولعل المراد به كراهية التنزيهة. (شامي ۳۹۹/۲ كراچی، ۳۷۱/۳ زكريا)

فيجوز الاستمتاع بالسرة وما فوقها والركبة وما تحتها ولو بلا حائل، وكذا بما بينهما بحائل بغير وطي ولو تلطخ دماً. (شامي ۳۹۰/۱ زكريا، البحر الرائق ۱۹۸/۱، الفتاویٰ الهندية ۳۹/۱)

يجوز مباشرة الحائض فوق الإزار وإن لزم منه التلطخ بالدم. (شامي ۴۹۵/۱ زكريا، ۲۹۸/۱ كراچی، النهر الفائق ۱۳۲/۱ بيروت، البحر الرائق ۱۹۸/۱) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۹/۹/۱۴۱۷ھ

بیوی سے حالتِ حیض میں جماع کرلیا تو کیا کرے؟

سوال (۱۵۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی نے حالتِ حیض میں اپنی بیوی سے جماع کرلیا، جب کہ حالتِ حیض میں جماع کرنا حرام ہے، تو اس کی تلافی کی کیا صورت ہے؟ کفارہ دیا جائے گا یا توبہ سے معاف ہوجائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حالتِ حیض میں جماع کرنا قطعاً حرام ہے، اگر کسی سے یہ گناہ صادر ہوجائے تو اسے سچے دل سے توبہ کرنی چاہئے۔ اور مستحب ہے کہ ایسا شخص ایک دینار = ۴؍گرام ۳۷۴؍ملی گرام سونا یا اس کی قیمت، یا آدھا دینار = ۲؍گرام ۱۸۷؍ملی گرام سونا یا اس کی قیمت صدقہ کرے۔

ووطؤها في الفرج عالما بالحرمة عامدا...... فليس عليه إلا التوبة والاستغفار، ويستحب أن يتصدق بدينار أو نصفه. (البحر الرائق ۱/۱۹۷) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۶/۳/۷؍۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حالتِ حیض میں جماع پر جبر؟

سوال (۱۵۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حالتِ حیض میں جماع کرنا یقیناً شریعت میں حرام ہے، مگر میرے شوہر کچھ زیادہ ہی بدکردار اور بداخلاق ہیں، ایک دو روز تو برداشت کرلیتے ہیں، مگر تیسرے دن وہ قابو سے باہر ہوجاتے ہیں، لاکھوں سمجھانے کے بعد وہ نہیں مانتے، تو میں ایسی صورت میں کیا کروں؟ زیادہ روکنے پر کئی مرتبہ طلاق کی دھمکی بھی دے چکے ہیں، عاجز آکر آپ سے مسئلہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ میں کیا کروں؟ اور شریعت میں مجھے اس کا گناہ تو نہیں ملے گا اور ایسے مردوں کی سزا شریعت میں کیا ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حالتِ حیض میں جماع کرنا نصِ قرآنی (قرآنی آیات) سے حرام، گناہِ کبیرہ اورانتہائی گھناؤنا فعل ہے، آپ کے شوہر پراس بدترین فعل پر سچے دل سے توبہ واستغفار لازم ہے، اگر وہ آپ کومجبور کرے تو آپ کے گناہ کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَيَسْـئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ، قُلْ هُوَ اَذًى، فَاعْتَزِلُوْا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ، وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ، فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ، اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ [البقرة: ۲۲۲]

ووطؤها في الفرج عالماً بالحرمة عامداً مختاراً كبيرةٌ لا جاهلاً ولا ناسياً ولا مكرهاً فليس عليه إلا التوبة والاستغفار. (البحر الرائق ۱۹۷/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۹/۹/۱۴۱۷ھ

نفاس کے خون میں عادت کا اعتبار کس سے ہوگا؟

سوال (۱۵۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نفاس کی اقل مدت کیا ہے؟ کیا اگر پہلے بچے میں ۲۰ سے ۳۰/ دن تک نفاس آیا ہو، تو دوسرے بچے میں اس پر محمول کیا جا سکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عادت کا ثبوت ایک مرتبہ سے ہوجاتا ہے؛ لیکن اس میں ذرا سی تفصیل یہ ہے کہ اگر بچہ کی پیدائش کے بعد خون برابر جاری رہا؛ تا آں کہ چالیس دن سے زیادہ کا عرصہ گذر گیا، تو اس صورت میں گذشتہ بچہ کی پیدائش پر جتنے دن خون آیا تھا وہ ایام عادت شمار ہوں گے، اور بقیہ ایام کو استحاضہ شمار کیا جائے گا۔ یعنی ایام عادت کے علاوہ دنوں کی نمازیں اور روزے اسے قضاء کرنے ہوں گے، اور اگر یہ خون ۴۰/ دن سے قبل بند ہوگیا؛ لیکن گذشتہ ایام عادت

سے بڑھ گیا، تو اس مرتبہ جتنے دن خون آیا وہی آئندہ اس کی عادت شمار ہوگی۔

عن أنس رضي اللّٰه عنه قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وقت للنفساء أربعين يوماً إلا أن ترىٰ الطهر قبل ذٰلك. (سنن ابن ماجة ٤٨/١)

وعن عبد اللّٰه بن عمرو رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: تنتظر النفساء أربعين ليلة، فإن رأت الطهر قبل ذٰلك فهي طاهر...... تغتسل وتصلي. (المستدرك للحاكم ٢٦١/١ رقم: ٦٢٥)

وهي تثبت وتنتقل بمرة به يفتى، وفي الشامي: وذكر في الرسالة أن الأصل فيه أن المخالفة للعادة إن كانت في النفاس، فإن جاوز الدم الأربعين فالعادة باقية ترد إليها والباقي استحاضة، وإن لم يجاوز انتقلت العادة إلى ما رأته والكل نفاس. (درمختار مع الشامي ٣٠١/١ كراچی، ٤٩٩/١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۹/۹/۱۴۱۷ھ

آپریشن سے بچہ پیدا ہونے کی وجہ سے ۱۵؍دن سے پہلے ہی خون بند ہوگیا؟

سوال (۱۵۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بچہ آپریشن سے پیدا ہونے کی وجہ سے ۱۵؍دن سے پہلے ہی خون بند ہوجاتا ہے، تو کیا عورت کو تب بھی نماز کے لئے ۴۰؍یوم کا انتظار کرنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: ایسی عورت کو ۴۰؍دن انتظار کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ جب خون بند ہوجائے تو غسل کرکے فوراً نماز شروع کردے ورنہ گنہگار رہوگی۔

عن أنس رضي اللّٰه عنه قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وقت

للنفساء أربعين يوماً إلا أن ترىٰ الطهر قبل ذٰلک. (سنن ابن ماجة ٤٨/١)

وإن انقطع الدم قبل الأربعين ودخل وقت صلاة تنتظر إلى اٰخر الوقت ثم تغتسل في بقية الوقت وتصلي. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٥٣٨/١ رقم: ١٤٦٣ زكريا)

وعن عبد اللّٰه بن عمرو رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: تنتظر النفساء أربعين ليلة، فإن رأت الطهر قبل ذٰلک فهي طاهر...... تغتسل وتصلي. (المستدرك للحاكم ٢٦١/١ رقم: ٦٢٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲۱/۴/۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نفاس کے ۴۰؍دن بعد پندرہ دن سے پہلے آنے والا خون کیسا ہے؟

سوال (۱۵۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نفاس کی اکثر مدت ۴۰؍دن ہے، اب ۴۰؍دن کے بعد ۱۵؍دن طہارت کے گذرنے سے پہلے پہلے چھ سات دن کے بعد ہی خون آتا ہے، تو یہ خون کس کا شمار ہوگا، نفاس، حیض یا استحاضہ کا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں طہر یعنی پاکی کی کم سے کم مدت پندرہ دن ہے؛ لہٰذا اس مدت میں آنے والا خون مسئولہ صورت میں نفاس یا حیض میں شمار نہیں ہوگا؛ بلکہ استحاضہ یعنی بیماری کا خون سمجھا جائے گا، اور اس میں تازہ وضو کرکے عورت نماز وغیرہ پڑھتی رہے گی۔

عن عبد اللّٰه بن عمرو رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: تنتظر النفساء أربعين ليلة، فإن رأت الطهر قبل ذٰلک فهي طاهر، وإن جاوزت الأربعين فهي بمنزلة المستحاضة تغتسل وتصلي، فإن غلبها الدم توضأت لكل صلاة. (المستدرك للحاكم، كتاب الطهارة ٢٦٥/١ رقم: ٦٢٥)

وأقل الطهر بين الحيضتين أو النفاس والحيض خمسة عشر يومًا. (شامي ٤٧٧/١ زكريا)

وحكمه الوضوء لكل فرض ثم يصلي فيه فرضا ونفلاً. (شامي ۱/ ٥۰٥ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۷/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بچہ دانی نکالنے کے بعد ہر ماہ حیض آئے گا یا نہیں؟

سوال (۱۵۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جب بچہ دانی نکل چکی ہے تو ہر ماہ حیض آئے گا یا نہیں؟ آں محترم کو حکیم ڈاکٹروں کے حوالہ سے بھی اور فقہاء کی تصریحات سے بھی مکمل واقفیت ہے، ہماری رہنمائی فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بچہ دانی پوری طرح نکال دی جائے تو طبی تحقیق کے مطابق حیض جاری نہیں رہ سکتا؛ لہٰذا بچہ دانی نکالنے کے بعد اگر خون آئے، تو یا تو اس وجہ سے ہوگا کہ بچہ دانی کا کوئی جزو اندر باقی ہے، یا پھر وہ استحاضہ یعنی بیماری کا خون شمار ہوگا۔

مستفاد: الحيض اسم لدم خارج من رحم المرأة ، فأما الخارج من فرج المرأة دون الرحم فاستحاضة، وليس بحيض شرعاً. (المحيط البرهاني ۱/ ۳۹۲، الفتاویٰ التاتارخانية ۱/ ٤٦٨ رقم: ۱۲٤۸ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۳/۱۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بچہ دانی نکالنے کے بعد عورت نفاس والی شمار ہوگی یا نہیں؟

سوال (۱۵۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندہ آپریشن سے بچہ پیدا ہوا؛ لیکن جس وقت آپریشن ہوا تو بچہ دانی بھی خراب ہوچکی تھی، ڈاکٹرنی نے اسی وقت دوسرا آپریشن کرکے بچہ دانی بھی نکال دی۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ جب بچہ

دانی بھی نکل چکی ہے،تو کیا یہ عورت نفاس والی کہلائے گی، نماز پڑھنا کب شروع کرے گی؟ اس سلسلہ میں تفصیلی وضاحت فرمادیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب بچہ دانی نکال دی گئی تو نفاس بھی یقیناً رک جائے گا؛ لہٰذا اس پر غسل کرکے فوراً نماز شروع کرنا لازم ہے۔

والنفاس دم يخرج من رحم عقب ولد ولا حد لأقله. (شامي ۱/ ٤٩٦ زكريا)

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۰/۳/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بچہ دانی نکلوانے کے بعد متعینہ وقت پر خون کے دھبے دیکھنا؟

سوال (۱۶۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک خاتون نے آپریشن کے ذریعہ بچہ دانی خراب ہونے کی وجہ سے نکلوادی تھی؛ لیکن ہر ماہ اپنے وقت پر دو چار خون کے معمولی دھبے دوروز تک دکھائی دیتے ہیں، کیا یہ خون کے دھبے حیض ہوسکتے ہیں؟ یا کیا ہوسکتے ہیں، جب کہ بچہ دانی بھی نکل چکی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس عورت کو بچہ دانی نکلوانے کے باوجود ہر ماہ اپنے وقت پر خون کے دھبے آتے ہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی بچہ دانی کا کوئی جز اندر رہ گیا ہے، جس کی بنا پر اپنے وقت پر یہ دھبے ظاہر ہوتے ہیں جب تک یہ سلسلہ رہے تو ان دھبوں کو حیض شمار کیا جائے گا، اور ان کے انقطاع کے بعد غسل کرکے نماز پڑھنی ہوگی۔

اور حنفیہ کے نزدیک اگرچہ حیض کی کم سے کم مدت تین دن تین رات ہے؛ لیکن مذکورہ عورت کی خصوصی حالت کو دیکھتے ہوئے اور اپنے وقت پر بچہ دانی کے ایک جزو سے آنے والے خون کے یقین کی وجہ سے مناسب ہے کہ اس کے حق میں بعض دیگر ائمہ کے مذہب کے موافق تین

دن سے کم ہونے کے باوجود حیض کا حکم جاری کیا جائے۔

عن عطاء قال: أدني وقت الحيض يوم سمعت الأوزاعي يقول: عندنا هاهنا امرأة تحيض غدوة، وتطهر عشية، قال عبد الرحمن بن مهدي: كانت امرأة يقال بها أم العلاء، قالت: حيضتي منذ أيام الدهر يومان. وقال إسحاق: وصح لنا في زماننا عن غير واحدة أنها قالت: حيضتي يومان. وقال يزيد ابن هارون: عندي امرأة تحيض يومين. وعن الشافعي أنه قال: أثبت لي عن نساء أنهن لم يزلن يحضن أقل من ثلاث، ورأيت امرأة أثبت لي أنها لم تزل تحيض يوما ولا تزيد عليه. السنن الكبرى للبيهقي ٤٧٦/١-٤٧٧)

أقل الحيض ثلاثة أيام ولياليها وما نقص من ذٰلک فهو استحاضة. (هداية ٦٢/١، شامی بيروت ٤٢٥/١، الموسوعة الفقهية ٣٠٤/١٨)

وذهب الشافعية والحنابلة إلى أن أقل الحيض يوم وليلة لقول عليؓ، وأقل الحيض يوم وليلة. (الموسوعة الفقهية ٢٩٩/١٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۳/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ولادت کے بعد نفاس والی عورت نماز کب سے شروع کرے؟

سوال (۱۶۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کی بیوی کے ۲۵/دن قبل لڑکا پیدا ہوا، بیوی ناپاکی کی وجہ سے کتنے دنوں تک نماز ادا نہ کرے؟ ۴۰/دن یا اس سے زیادہ؟ جب کہ اب کسی قسم کا بھی خون نہیں آرہا، کیا اس حالت میں غسل کرکے نماز ادا کرلی جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نفاس میں ۴۰/دن پورے کرنے ضروری نہیں؛ بلکہ

جب خون آنا بالکل بند ہوجائے تو غسل کرکے اسی وقت سے نماز شروع کردے۔

ومنها أنه لا حد لأقله. (درمختار مع الشامي ۱/۴۹۷ زکریا)

عن أنس رضي اللّٰه عنه قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وقت للنفساء أربعين يوماً إلا أن ترىٰ الطهر قبل ذٰلك. (سنن ابن ماجة ۱/۴۸)

وعن عبد اللّٰه بن عمرو رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: تنتظر النفساء أربعين ليلة، فإن رأت الطهر قبل ذٰلك فهي طاهر...... تغتسل وتصلي. (المستدرك للحاكم ۱/۲٦۱ رقم: ٦۲٥)

وإن انقطع الدم قبل الأربعين ودخل وقت صلاة تنتظر إلى اٰخر الوقت ثم تغتسل في بقية الوقت وتصلي. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۱/۵۳۸ رقم:۱٤٦۳ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۰/۱۱/۲۳ھ

نفاس کے بارے میں ایک غلط فہمی

سوال (۱٦۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عورتوں میں ایک رواج ہے کہ نفاس والی عورت کی نمازیں، تلاوتِ قرآن اور دیگر اذکار وتسبیحات خواہ مخواہ چالیس دن تک چھڑائے رکھتی ہیں۔ اگر خون پانچ دن میں بند ہوگیا یا دس دن میں بند ہوگیا تب بھی چالیس دن تک نہ اس کو نماز پڑھنے دیتی ہیں، اور نہ ہی رمضان میں روزہ رکھنے دیتی ہیں، تو کیا یہ شریعت کے رو سے صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سے کم میں خون بند نہیں ہوسکتا؛ لہٰذا صورتِ مسؤلہ میں جب بھی نفاس کا خون بند ہوجائے عورت کو پاکی حاصل کرکے نماز وغیرہ شروع کرنا لازم ہے، چالیس دن کا انتظار کرنا جائز نہیں ہے۔

وإن انقطع الدم قبل الأربعين و دخل وقت صلاة تنتظر إلیٰ اٰخر الوقت ثم تغتسل في بقية الوقت وتصلي. (الفتاویٰ التاتارخانية ۱/۵۳۸ رقم: ۱٤٦۳ زكريا)

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۹/۱۴۱۷ھ

استحاضہ کسے کہتے ہیں؟

سوال (۱۶۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: استحاضہ کسے کہتے ہیں؟ کس حال میں عورت کو مستحاضہ مانا جائے گا؟ کیا ہر عورت مستحاضہ ہوتی ہے یا بعض؟ اور عورت استحاضہ کا غسل کیسے کرے گی؟ اس کے غسل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: استحاضہ اس خون کو کہتے ہیں جو عادت کے خلاف بیماری کی وجہ سے آتا ہے، اور ہر عورت کو اس سے سابقہ نہیں پڑتا؛ بلکہ نسوانی مرض والی عورت ہی اس تکلیف میں مبتلا ہوتی ہے، اس کے احکامات بہت تفصیلی ہیں اس لئے جو صورت پیش آئے اس کو بیان کرکے حکم معلوم کریں۔

والمستحاضة من يسيل دمها ولا يرقأ في غير أيام معلومة، لا من عرق الحيض؛ بل من عرق يقال له العاذل. (الموسوعة الفقهية ۳/۱۹۷، طحطاوی علی مراقي الفلاح ۷٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۴/۱۴۲۸ھ

سیلان الرحم (لیکوریا) کا کیا حکم ہے؟

سوال (۱۶۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سیلان الرحم (لیکوریا) کا کیا حکم ہے؟ آیا وہ ناقض وضو ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرض یا کمزوری کی وجہ سے نکلنے والا سفید مادہ ناپاک ہے، اس کے نکلنے سے وضوٹوٹ جاتا ہے اور کپڑے پر لگ جائے تو اسے پاک کرنا ضروری ہوتا ہے، جس عورت کو کبھی کبھی یہ مرض لاحق ہو وہ وضو کر کے نماز پڑھتی رہے اس پر غسل لازم نہیں ہے۔

اور اگر اس مرض کی اتنی کثرت ہوجائے کہ کسی نماز کا پورا وقت اس طرح گزر جائے کہ فرض نماز بھی پڑھنے کا موقع نہ مل پائے تو پھر یہ عورت معذور کے حکم میں ہوجاتی ہے اب اس کے لئے ایک نماز کے پورے وقت میں ایک مرتبہ وضو کافی ہوگا، سفیدی نکلنے سے بار بار اسے وضو کرنا نہ پڑے گا۔

اور ایسی معذور عورت کے حق میں یہ سفیدی ناپاک بھی نہ سمجھی جائے گی، اور یہ حکم اس وقت تک باقی رہے گا جب تک کہ ہر نماز میں کم از کم ایک مرتبہ یہ عذر پایا جاتا رہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵/۲۲۳-۲۲۴ ڈابھیل، فتاوی عثمانی ۱/۳۶۶، کتاب المسائل ۱/۲۳۴)

قال ابن حجر في شرحه: وهي ماء أبيض متردد بين المذي والعرق يخرج من باطن الفرج الذي لايجب غسله، بخلاف ما يخرج مما يجب غسله فإنه طاهر قطعاً، ومن وراء باطن الفرج، فإنه نجس قطعاً ككل خارج من الباطن كالماء الخارج مع الولد أو قبيله. (شامی، الطهارة / باب الأنجاس ۱/۵۱۵ زكريا)

صاحب عذر من بن سلسل بول أو استطلاق بطن أو انفلات ريح أو استحاضة ...... إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة ولو حكماً ...... وحكمه الوضوء لكل فرض، ثم يصلي به فيه فرضاً ونفلاً، فإذا خرج الوقت بطل. (الدر المختار مع الرد المحتار، مطلب في أحكام المعذور ۱/۵۰۳ کراچی، الفقه الإسلامي وأدلته، المطلب الثامن: وضوء المعذور ۱/۴۲۲ رشيدية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۴/۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

لیکوریا کا حکم

سوال (۱۶۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل خواتین کی خاصی تعداد لیکوریا کے مرض میں مبتلا ہیں، تو کیا اس مرض میں نکلنے والے سفید مادہ سے کپڑا ناپاک ہوجائے گا اور وضو ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟ نیز کیا ایسی عورت کو ہر نماز کے لئے نیا وضو کرنا پڑے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لیکوریا ناپاک مادہ ہے وہ اگر کپڑے پر لگے تو کپڑا ناپاک ہوجائے گا اور اس کے کبھی کبھی نکلنے سے وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے؛ لیکن اگر کوئی عورت اتنی زیادہ اس مرض میں مبتلا ہو کہ مسلسل لیکوریا جاری رہتا ہو تو وہ معذور کے حکم میں ہوگی اس کے احکامات الگ ہیں۔

وصاحب عذر من به سلس بول لا يمكنه إمساكه الخ أو استحاضة أن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة بأن لا يجد في جميع وقتها زمنا يتوضأ ويصلي فيه خالياً عن الحدث ولو حكماً ولو مرةً، وفي حق الزوال يشترط استيعاب الإنقطاع تمام الوقت وحكمه الوضؤ لكل فرض. (تنوير الأبصار مع الدر المختار ۱/۴۳۷-۴۳۸ بيروت، ۱/۵۰۴-۵۰۵ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۸/۴/۱۹ھ

لیکوریا کی مریضہ کیا کرے؟

سوال (۱۶۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عورت کو لیکوریا آتا ہے، کیا اس کے مسلسل آنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے یا شریعت میں ایسے شخص کے لئے کچھ چھوٹ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لیکوریا اگر کبھی کبھار آجائے تو اس کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اور جس جگہ کپڑے پر وہ لگ جائے اسے ناپاک قرار دیا جاتا ہے؛ لیکن اگر کسی عورت کو یہ مرض اس شدت کے ساتھ ہو کہ کسی نماز کا پورا وقت اس پر ایسے گزر جائے کہ وہ پاکی کے ساتھ فرض بھی ادا نہ کرسکے، تو اس عورت کو معذور قرار دیا جائے گا، اور لیکوریا نکلنے سے اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا، بشرطیکہ آئندہ ہر نماز کے وقت میں کم از کم ایک مرتبہ لیکوریا کا سلسلہ جاری رہے۔

عن خارجة بن زيد قال: كان زيد ابن ثابت به سلس البول، فكان يداري ما غلب منه، فلما غلبه أرسله، وكان يصلي وهو يخرج منه. وفي رواية عنه قال: كبر زيد بن ثابت حتى سلس منه البول، فكان يداريه ما استطاع، فإذا غلب عليه توضأ وصلى.

(سنن الدار قطني المجلد الأول عن ١/ ٣٧٤ رقم: ٧٧٦-٧٧٧ تدقيق مكتب التحقيق، المكتبة الشاملة)

وصاحب عذر ومن به سلسل بول لا يمكنه إمساكه أو استطلاق بطن أو انفلات ريح أو استحاضة إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة بأن لا يجد في جميع وقتها زمناً يتوضأ ويصلى فيه خالياً عن الحدث إلىٰ قوله، وحكمه الوضوء لكل فرض. (درمختار مع الشامي ١/ ٥٠٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۸/۴/۱۹ھ

جس عورت کو سفید پانی آرہا ہو اس کا قرآن پڑھنا؟

سوال (۱۶۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر عورت کو سفید پانی آرہا ہو تو عورت کو قرآن اور نماز پڑھنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی عورت طہارت حاصل کرکے نماز اور قرآن پڑھتی

رہے گی۔

ودم استحاضة کرعاف دائم لا یمنع صوماً وصلوٰةً. (التنویر مع الدر علی الرد ۲۹۸/۱ کراچی، ۴۹۵/۱ زکریا)

تتوضأ المستحاضة ومن به عذر کسلسل البول أو استطلاق بطن وانفلات ریح ورعاف وجرح لا یرقأ لوقت کل فرض، ویصلون به ما شاؤا من الفرائض والنوافل، ویبطل وضوء المعذورین بخروج الوقت. (مراقي الفلاح / باب الحیض والنفاس والاستحاضة ۱۴۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۷/۹/۱۹ھ

کتاب الصلوٰۃ

اوقاتِ نماز

جب شہر کی دو دائمی جنتریوں کے اوقات میں اختلاف ہو تو کس پر عمل کریں؟

سوال (۱): -کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے شہر میں دو دائمی اوقات الصلوٰۃ مستعمل ہیں، جن کے صبح صادق اور عشاء کے اوقات میں دس منٹ کا فرق ہے، مثلاً:

۱۵راگست	اوقات الصلوٰۃ نمبر:۱	صبح صادق: 4-50	عشاء: 7-50
۱۵راگست	اوقات الصلوٰۃ نمبر:۲	صبح صادق: 4-40	عشاء: 7-58

ہر ایک کی تصدیق وتصویب علماء کرام نے کی ہے، اور ہر دو اپنے اپنے اوقات الصلوٰۃ کی صحت پر مصر ہیں۔

الف:- رمضان المبارک میں صبح صادق سے دس منٹ پہلے مساجد سے اپنے اپنے مستعمل اوقات الصلوٰۃ کے مطابق ختم سحری کا اعلان کیا جاتا ہے، اور ٹھیک صبح صادق پر اذانِ فجر دی جاتی ہے، اور جماعت عموماً پندرہ منٹ بعد ہوتی ہے۔

ب:- مستورات کی اکثریت اذان کے ساتھ نماز پڑھنے کی عادی ہیں۔

ج:- ایک مسجد ایسی بھی ہے جہاں عشاء کی اذان اول وقت دی جاتی ہے جن کے یہاں اوقات الصلوٰۃ نمبر ایک مستعمل ہے۔

د:- شہر کے لوگ بلا تفریق ہر مسجد میں نماز پڑھتے ہیں، ان حالات میں نماز اور روزوں کے ادا ہونے یا نہ ہونے سے متعلق مسائل سے آگاہی دیں۔

مزید چند سال نمبر ایک پر عمل کرنا اور چند سال نمبر دو پر عمل کرنا یا رمضان المبارک میں نمبر ایک پر عمل کرنا اور بقیہ ماہ نمبر دو پر عمل کرنا کیسا ہے؟ فجزاکم اللّٰہ خیراً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت کے مسائل کے حل کے لئے انصاف کے ساتھ متحدہ طور پر کوششیں کرنے کی ضرورت ہے، جس شہر میں جنتریوں میں اختلاف ہو وہاں کے معتبر علماء ومفتیانِ کرام سر جوڑ کر بیٹھیں اور پوری دیانت کے ساتھ تحقیق کر کے متفقہ راہ اختیار کریں اور ضد وعناد کا راستہ چھوڑ دیں، آج کل طلوع وغروب کا اصل وقت جاننے کے اسباب عام ہو گئے ہیں، انٹرنیٹ پر طول البلد اور عرض البلد کے اعتبار سے ہر جگہ کے اوقات الصلوٰۃ بآسانی معلوم کئے جاسکتے ہیں، محکمہ موسمیات سے بھی تحقیق کی جاسکتی ہے، اور خود شہر کے معتبر علماء کمیٹی بنا کر مشاہدہ بھی کر سکتے ہیں، اس سے بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ کون سی جنتری اقرب الی الصواب ہے، اور جب تک کوئی متفقہ بات طے نہ ہو، عوام کو چاہئے کہ وہ احتیاط پر عمل کریں، یعنی سحری پہلے ختم کر دیں، اور نماز فجر اس وقت پڑھیں جب یقینی طور پر فجر کا وقت شروع ہو جائے، اور یہی بات رمضان یا غیر رمضان میں تمام نمازوں کے اوقات میں پیش نظر رکھیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۹/۱۷-۳۷ میرٹھ)

قال تعالیٰ: ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَوْقُوْتًا﴾ [النساء: ۱۰۳]

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن للصلٰوة أولا وآخرا، وإن أول وقت صلاة الظهر حين تزول الشمس وآخر وقتها حين يدخل وقت العصر، وإن أول وقت العصر حين يدخل وقتها وإن آخر وقتها حين تصفّر الوقت، وإن أول وقت المغرب حين تغرب الشمس وإن آخر وقتها حين يغيب الشفق، وإن أول وقت العشاء الآخرة حين يغيب الإفق وإن آخر وقتها حين ينتصف الليل، وإن أول وقت الفجر حين يطلع الفجر وإن آخر وقتها حين تطلع الشمس. (سنن الترمذي ۱/ ٤٠)

وقت الفجر من الصبح الصادق إلى طلوع الشمس، والظهر من الزوال إلى بلوغ الظل مثليه سوى الفئ، والعصر منه إلى الغروب، والمغرب منه إلى غروب الشفق وهو البياض، والعشاء والوتر منه إلى الصبح. (كنز الدقائق مع البحر الرائق ١/٤٦١-٢٤٤، كذا في حاشية العلامة الشامية على الدر المختار ١/٣٥٧ كراچی، ١٨/٢ زكريا)

وقال العلامة الشامي: فينبغي الاعتماد في أوقات الصلاة، وفي القبلة على ما ذكره العلماء الثقات في كتب المواقيت وعلى ما وضعوه لها من الآلات كالربع والاصطرلاب، فإنها و إن لم تفد اليقين تفيد غلبة الظن للعالم بها، وغلبة الظن كافية. (شامي ١/٤٣١ كراچی، شامي ١١٢/٢ زكريا)

لأن الوقت يختلف باختلاف كثير من الأقطار. (شامي ١/٣٦٣ كراچی، شامي ١٩/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۱۰/۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دائمی اوقات الصلوٰۃ کی معتبر جنتری کون سی ہے؟

سوال (۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل ایک ہی فرقہ میں تفریق پیدا ہونی شروع ہوگئی ہے وہ یہ کہ کچھ حضرات علماء کرام نے افطار وسحر کے ٹائم میں ردوبدل کردیا ہے، اسی طرح ارباب مدارس نے دوطرح کے کیلینڈر شائع کیے ہیں اور دونوں کیلینڈروں میں وقت کے اعتبار سے کافی فرق ہے، جس کی وجہ سے گھر گھر میں اختلاف ہورہا ہے عوام میں بہت بے چینی ہے کہ کونسا کلینڈر صحیح ہے حتی کہ باپ بیٹوں میں اختلاف ہورہا ہے، ایک مسلک میں تو کم از کم ایک ٹائم ٹیبل سے افطار وسحر ہونا چاہئے؟ خدارا مسلمانوں کو مزید اور گروپوں میں نہ بٹنے دیں، علماء کرام مسلمانوں کو آپس میں جوڑنے کی کوشش کریں نہ کہ تفریق کی، جس سے لڑائی جھگڑے کو بڑھاوا ملے، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ سے منظور شدہ ٹائم

ٹیبل ہندوستان کے سبھی مسلمانوں کو تفریق سے بچا سکتا ہے، کیا اس کے لئے علماء کرام نے شروعات کردی ہے یا کرنے جا رہے ہیں؟ اگر ابھی تک کسی طرح کی کوئی شروعات نہیں ہوئی ہے تو رہبرانِ ملت سے درخواست ہے کہ وہ اس طرف توجہ دیں، اور مسلمانوں کو تفریق اور لڑائی سے محفوظ رکھنے کے لئے، جلد از جلد ایک ٹائم ٹیبل آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی طرف سے شائع ہو جو ۲۰۱۳ء کے رمضان المبارک پر مبنی ہو، جلد از جلد یہ نیک کام کریں ایسا نہ ہو کہ دیر ہو جائے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عام طور پر ہر شہر میں مشاہدہ کے ذریعہ تیار شدہ جنتریاں سالوں سے شائع ہو رہی ہیں جن پر لوگ اعتماد کر کے افطار وسحر کرتے ہیں، اکثر جنتریوں میں احتیاطاً ایک دو منٹ زائد رکھے جاتے ہیں؛ تاکہ روزہ کے صحیح ہونے میں کوئی شک وشبہ نہ رہے، ان مختلف جنتریوں کے علاوہ ’’اوقاتُ الصلوٰۃ‘‘ کے نام سے محمد انس صاحب نے جدید علم ہیئت سے مدد لیتے ہوئے ایک وسیع جنتری بھی شائع کر رکھی ہے، جس کی صحت پر اکابر علماء کی تصدیقات بھی درج ہیں، اور اس جنتری میں ہندوستان بھر کے ۲۸؍سو معروف شہروں کے اوقات دیئے گئے ہیں، نیز آج کل انٹرنیٹ پر بھی پوری دنیا کے تقریباً ہر مقام کے لئے صحیح ترین اوقات کی رہنمائی موجود ہے، اس لئے اگر کسی جگہ اختلاف ہو تو ایسی معتبر جنتریوں پر اتفاق کر کے نزاع کو رفع کیا جا سکتا ہے، اور بہرصورت احتیاطی پہلو کو مدنظر رکھنا بہتر ہے اور مسلم پرسنل لا بورڈ سے جو آپ چاہتے ہیں اس کی تجویز اس کے ذمہ داران کو ارسال فرمائیں۔

يشترط لصحة الصلاة دخول الوقت واعتماد دخوله. (شامي ۲/ ۲۹ زکریا)

فينبغي الاعتماد في أوقات الصلاة وفي القبلة على ما ذكره العلماء الثقات في كتب المواقيت، وعلى ما وضعوه لها من الآلات كالربع والاصطرلاب، فإنها وإن لم تفد اليقين، تفيد غلبة الظن للعالم بها، وغلبة الظن كافية في ذٰلک. (شامي ۱/ ۴۳۱ کراچی)

فإن لم يكن لوجود غيم أو لعدم معرفته بها، فبالسؤال من العالم بها.

(شامي ۱/۴۳۱ كراچي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۰/۱۱/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اورنگ آباد میں اوقاتِ صلوٰۃ وسحر کے مسئلہ میں جنتریوں کے اختلاف کو کیسے دور کریں؟

سوال (۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اورنگ آباد مہاراشٹر کئی برسوں سے اوقاتِ صلوٰۃ وسحر کے مسئلہ میں اختلاف سے دوچار ہے، دو تین مدارسِ دینیہ سے اوقات صلوٰۃ شائع ہوتے ہیں، ان میں بڑا فرق ہے، یہ مسئلہ رمضان میں اور بھی سنگینی اختیار کرتا ہے، جب حنفی مسلک کی ایک مسجد سے سحر کے اوقات کے ختم کا اعلان ہوتا ہے اور اذان دی جاتی ہے، دوسری اسی مسلک کی مسجد سے شائع کردہ اوقات کے مطابق بارہ سے چودہ منٹ کا وقت سحر کا باقی رہنے کا اعلان ہوتا ہے۔ غور سے مطالعہ کیا جائے کہ ہمارا شہرا ورنگ آباد کس عرض البلد اور طول البلد پر واقع ہے کہ جس سے وقت کا تعین کیا جائے اور باشندگان ضلع اورنگ آباد کی رہنمائی کرے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ادارہ اشاعتِ دینیات نظام الدین دہلی نے ''اوقات الصلوٰۃ'' کے نام سے ایک عمومی جنتری شائع کی ہے، جس میں اٹھائیس سو ہندوستانی شہروں کے اوقاتِ نماز وغیرہ درج ہیں، یہ جنتری علماء کی مصدقہ ہے اور تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ فنی اعتبار سے اس میں درج شدہ اوقات درست ہیں؛ اس لئے برائے مشورہ عرض ہے کہ شہرا ورنگ آباد کی جنتریوں میں اختلاف کو دور کرنے کے لئے متفقہ طور پر ''اوقاتُ الصلوٰۃ'' والی جنتری کو فیصل مان لیا جائے، اور اس کے مطابق عمل کیا جائے۔

فإن لم يكن لوجود غيم أو لعدم معرفته بها، فبالسؤال من العالم بها.

(شامي ۱/۱ ٤٣ كراچي) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۳/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فجر کا مستحب وقت

سوال (۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فجر کا وقت کب سے شروع ہوکر کب ختم ہوتا ہے؟ اور فجر کی نماز کا مستحب وقت کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فجر کا وقت صبح صادق سے طلوع آفتاب تک رہتا ہے؛ البتہ فجر کی نماز اسفار (خوب روشنی) کرکے پڑھنا مستحب ہے، بشرطیکہ اتنی تاخیر نہ ہو کہ نماز فاسد ہونے کی صورت میں مسنون طریقے سے اعادۂ صلوٰۃ کی گنجائش نہ رہے؛ (لہٰذا طلوع آفتاب سے کم ازکم ۲۵-۳۰/منٹ قبل نماز فجر شروع کرنی چاہئے)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: ...... وإن أول وقت الفجر حين يطلع الفجر وإن آخر وقتها حين تطلع الشمس. (سنن الترمذي ۱/ ٤٠)

عن رافع بن خديج رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: أسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر. (سنن الترمذي ۱/ ٤٠)

والمستحب للرجل الابتداء في الفجر بإسفار والختم به هو المختار بحيث يرتل أربعين آية ثم يعيدها بطهارة لو فسد. (درمختار مع الشامي ۲/ ۲٤ زكريا)

أول وقت الفجر إذا طلع الفجر الثاني وهو المعترض في الأفق وآخر وقتها مالم تطلع الشمس. (هداية ۱/ ۸۰، مكتبه بلال ديو بند ۱/ ٦٨-٧٧)

ويستحب الإسفار بالفجر لقوله عليه الصلاة والسلام: أسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر. (هداية ۱/ ۸۲، مكتبه بلال ديو بند ۱/ ۸۹)

ويستحب تاخير الفجر ولا يؤخرها بحيث يقع الشک في طلوع الشمس؛ بل يسفر بها بحيث لو ظهر فساد صلاته يمكنه أن يعيدها في الوقت بقراءة مستحبة كذا في التبيين. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۵۲، البحر الرائق ۱/ ۲٤۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۶/۱۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا صبح صادق اور فجر کے وقت کے درمیان مشتبہ وقت ہوتا ہے؟

سوال (۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کئی نماز روزے کے دائمی نقوش ہمارے علاقہ میں پائے جاتے ہیں، سالہا سال کلکتہ مضافات کلکتہ؛ بلکہ کل مغربی بنگال میں اس پر عمل ہوتا ہے، ایک نقشہ حضرت مفتی سید عمیم الاحسان کا، اور دوسرا مولانا رشید احمد صاحب کا جس کو دارالاشاعت اسلامیہ کولوٹولہ کلکتہ سے شائع ہوا ہے، دونوں ایک ہی قسم کا ہے، فی الحال ایک مولوی کہتے ہیں کہ نقوش میں لکھا ہوا ہے کہ سحری ختم فجر شروع یہ بے شک غلط ہے؛ کیوں کہ سحری کے آخری وقت کے تقریباً دس منٹ بعد فجر کا (غیر مشتبہ) وقت شروع ہوتا ہے، مؤذنین اس کا خیال رکھیں، صبح کے ختم پر سحری بھی ختم ساتھ ساتھ ہی صبح صادق شروع اور وقت فجر بھی شروع ہوجاتا ہے، اس وقت اذان دینا یا نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہوگا یا نہیں؟ علاوہ ازیں مولوی کی بات سے ثابت ہوتا ہے کہ شروع صبح صادق کے بعد کچھ مشتبہ وقت ہے، آیا ایسا ہے یا نہیں؟ فیصلہ کن جواب دے کر مولوی کی بات سے پیدا شدہ تردد رفع فرما کر عند اللہ ماجور ہوں، جواب کی سخت ضرورت ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصل بات تو یہی ہے کہ صبح صادق کا وقت ہوتے ہی

فجر کا وقت شروع ہوجاتا ہے، درمیان میں کوئی مشتبہ وقت نہیں ہے؛ لیکن آج کل شائع شدہ جنتریوں میں بطور احتیاط چند منٹ قبل صبح صادق کا وقت لکھا جاتا ہے، اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ جنتری میں صبح صادق کا جو وقت لکھا ہوا ہے اس سے چند منٹ بعد فجر کی اذان دی جائے؛ تاکہ کوئی تردد نہ رہے۔

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضي اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: الفجر فجران، فأما الفجر الذي یکون کذنب السرحان فلا یحل الصلاۃ، ولا یحرم الطعام، وأما الذي یذھب مستطیلاً في الأفق فإنہ یحل الصلاۃ ویحرم الطعام. (السنن الکبریٰ للبیہقي ۱/۵۵٤ رقم: ۱۷٦۵ دار الکتب العلمیة بیروت)

وقت صلوۃ الفجر ...... من أول طلوع الفجر الثاني وھو البیاض المنتشر المستطیر لا المستطیل. (درمختار مع الشامي ۲/۱۲–۱٤ کراچی، ۱/۳۵۹ زکریا)

والأحوط في الصوم والعشاء اعتبار الأول وفي الفجر اعتبار الثاني. (الفتاویٰ الھندیة ۱/۵۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۸/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فجر کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟

سوال (٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آپ نے فجر کے وقت کے متعلق تصحیح جواب میں ارشاد فرمایا کہ صبح کے ساتھ ہی فجر کا وقت شروع ہوجاتا ہے، اور ''فتاویٰ عالمگیری'' میں ہے:

وقت الفجر من الصبح الصادق. پھر بعد میں مرقوم ہے: **واختلف المشائخ في أن العبرۃ لأول طلوع الفجر الثاني أو لاستطارتہ وانتشارہ کذا في المحیط، والثاني أوسع وإلیہ مال أکثر العلماء ھٰکذا في مختار الفتاویٰ.**

اس عبارت سے اکثر علماء حضرات کا اول طلوع کا اختیار نہ کرنا معلوم ہوتا ہے، اس کا کیا جواب ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ فتاویٰ رحیمیہ میں نہ کرنا معلوم ہوتا ہے، اس کا کیا جواب ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ ''فتاویٰ رحیمیہ'' میں اکثر کے قول کو اختیار کیا گیا ہے، بہرحال کس قول کو ترجیح ہوگی یا کوئی صورت جمع کی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: محقق رائے یہی ہے کہ صبح صادق ہوتے ہی روزہ اور فجر کا وقت شروع ہوجاتا ہے، اور آپ نے ''عالمگیری'' کے حوالہ سے اکثر علماء کا جو قول نقل کیا ہے، علامہ شامیؒ نے ''النہر الفائق'' کے حوالہ سے اس کی تردید فرمائی ہے، اور اول طلوع صبح صادق ہی کو معیار قرار دینے کو ترجیح دی ہے، اور دلائل کی رو سے یہی بات اقرب الی الصواب ہے، اس لئے روزہ دار کو صبح صادق ہوتے ہی کھانے پینے سے رک جانا چاہئے؛ البتہ فجر کی اذان دینے میں احتیاطی طور پر کچھ تاخیر کی جائے تو بہتر ہے؛ تاکہ کوئی شبہ نہ رہے، خود آپ کی نقل کردہ ''عالمگیری'' کی عبارت کے بعد یہ جزئیہ بھی منقول ہے:

والأحوط في الصوم والعشاء اعتبار الأول وفي الفجر اعتبار الثاني. (الفتاویٰ الهندية ۱/۵۱)

نعم في كون العبرة بأول طلوعه أو استطارته أو انتشاره اختلاف المشائخ كما في شرح الزاهدي من المحيط، وفي خزانة الفتاویٰ عن شرح السرخسي على الكافي، وذكر فيها أن الأول أحوط والثاني أوسع، قال في البحر: والظاهر الأخير لتعريفهم الفجر الصادق به كما يأتي ورده في النهر بأن الظاهر الأول لما في حديث جبرئيل الذي هو أصل الباب "ثم صلى بي الفجر" يعني في اليوم الأول حين بزق وحرم الطعام على الصائم وبزق بمعنى بزغ وهو أول طلوعه ومثله في الشرنبلالية، وزاد: ولا ينافيه التعريف؛ لأن من شأنه الانتشار فلا يتوقف على انتشاره بأن يكون بعد مضي جانب فيه بدليل لفظ الحديث قال ح: وأظن أن الاستطارة والانتشار بمعنى واحد يغيره كلام الشارح الآتي منهما

قـولان لا ثـلاثة، وبـما تقرر علم أن المراد أنه لا خلاف في أوله وهو أصل طلوع الفجر الثاني، وإنما الخلاف في المراد من الطلوع. (شامي ٢/١٢ زكريا)

أول وقـت الـفجر إذا طلع الفجر الثاني، وهو البياض المعترض في الأفق لـحـديث أمامة جبرئيل عليه السلام فإنه أم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فيها فـي اليوم الأول حين طلع الفجر. (هـداية ١/١٤١ مـكتبة البشرىٰ كراتشي، والحديث أخرجه الترمذي عن ابن عباس بسند حسن صحيح ١/١١٩ رقم: ١٤٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۳۳/۱/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

صبح صادق اور صبح کاذب کے درمیان کتنا وقفہ ہوتا ہے؟

سوال (۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعد ختم صبح کاذب کے صبح صادق کے شروع میں دیر لگتی ہے یا ساتھ ہی ساتھ صبح صادق ہوجاتی ہے، بعض مولوی کہتے ہیں کہ بعد گذرنے وختم صبح کاذب اتنی دیر بعد صبح صادق ہوتی ہے کہ جتنی دیر میں ۵۰-۶۰/ آیات پڑھی جائیں، کون قول صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صبح کاذب اور صبح صادق کی پہچان میں علماء نے بڑی بحثیں کی ہیں، قریبی دور کے محقق عالم اور فقیہ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ معتدل حالت میں خط استواء کے مقام پر صبح کاذب وصبح صادق کے درمیان کم از کم ۱۲/ منٹ کا فصل ہوتا ہے، اور دیگر مقامات پر عرض البلد اور طول البلد اور موسموں کے فرق کے اعتبار سے یہ مقدار اور زیادہ بھی ہوسکتی ہے۔ (تفصیل دیکھیں: رسالہ صبح صادق در احسن الفتاوی ۲/۱۶۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۲۹/۱۰/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز فجر طلوعِ آفتاب سے کتنی دیر پہلے ادا کی جائے؟

سوال (۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فجر کی نماز آدھا گھنٹہ قبل سورج نکلنے سے پہلے ختم ہو جاتی ہے، امام صاحب گیارہ منٹ میں فجر کی نماز ختم کر دیتے ہیں، یہاں تک کہ کچھ لوگ نماز میں مسبوق رہ جاتے ہیں، امام صاحب کہتے ہیں کہ ۵۰/ آیت لوٹایا جائے تو کیسے پورا ہوگا؟ جب کہ امام کے پیچھے مؤذن اونگھتا رہتا ہے اور قرآنِ پاک ۵۰/ آیت یاد بھی نہیں ہے، امام صاحب بھی کبھی ۵۰/ آیت خود نہیں پڑھتے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز فجر اسفار میں شروع کر کے سورج نکلنے سے اتنی دیر پہلے ختم کر دیں کہ مسنون مقدار کے ساتھ نماز دہرائی جا سکے، یعنی اندازاً سورج نکلنے سے ۱۵/ منٹ قبل نماز پوری ہو جائے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں امام صاحب کو مقتدیوں کی رعایت کرتے ہوئے قدرے تاخیر سے جماعت کرنی چاہئے؛ تاکہ سب کو بآسانی نماز مل سکے۔

والمستحب للرجل الابتداء في الفجر بإسفار والختم به هو المختار بحيث يرتل أربعين آية ثم يعيده بطهارة لو فسد. (درمختار مع الشامي ۲/ ۲٤ زكريا)

يسفر بها بحيث لو ظهر فساد صلاته يمكنه أن يعيدها في الوقت بقراءة مستحبة. (البحر الرائق ۱/ ۲٤۷، الفتاوىٰ الهندية ۱/ ۵۱، الفتاوىٰ التاتارخانية ۲/ ۹ رقم: ۱۵۰۷ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/ ۶/ ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز فجر سورج نکلنے سے پہلے تک پڑھنا؟

سوال (۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فجر کی جماعت ہونے کے بعد کچھ لوگ مسجد میں آئے اور اپنی الگ نماز پڑھنے لگے تو نماز فجر کے بعد

سورج نکلنے سے پانچ منٹ قبل اسی دن کی فجر کی نماز ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یا سورج کے نکلنے کے بعد ادا کریں؟ یعنی یہ جو درمیان کا وقت ہے اس میں نماز فجر کی سنت اور فرض پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ یا سورج کے نکلنے کے بعد ادا کریں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: فجر کی جماعت کے ختم ہونے کے بعد جب تک سورج نہ نکلے اس وقت تک فجر کی سنت اور فرض دونوں پڑھ سکتے ہیں؛ کیوں کہ فجر کا وقت سورج نکلنے تک باقی رہتا ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن للصلاة أولاً وآخراً وفي الطرف الأخير من الحديث: وإن أول وقت الفجر حين يطلع الفجر وإن آخر وقتها حين تطلع الشمس. (سنن الترمذي، كتاب الصلاة / باب مواقيت الصلاة ۱/ ۳۹ رقم: ۱۵۱)

وقت صلاة الفجر ...... من أول طلوع الفجر الثاني ...... أي قبيل طلوع ذكاء. (درمختار مع الشامي ۱/ ۳۵۹ كراچی، شامي ۲/ ۱۴ زكريا)

وآخر وقتها قبيل طلوع الشمس أي الجزء الكائن قبيل طلوع الشمس من الزمان. (حلبي كبير ۲۷۷، النهر الفائق ۱/ ۱۵۸ بيروت، بحواله: فتاویٰ محموديه ميرٹھ ۹/ ۳۹)

وآخر وقتها ما لم تطلع الشمس لحديث أمامة جبرئيل فإنه أم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في اليوم الثاني حين أسفر جداً وكادت الشمس تطلع. (هداية ۱/ ۱۴۱-۱۴۲ مكتبة البشریٰ كراچی، والحديث أخرجه الترمذي بسند صحيح عن ابن عباس ۱/ ۱۱۹ رقم: ۱۴۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۵/ ۱۲/ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۵؍شعبان کو شب بیداری کر کے اول وقت فجر ادا کرنا؟

سوال (۱۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شعبان کی پندرہویں شب میں جاگنے اور ۱۵؍شعبان کا روزہ رکھنے کی وجہ سے مصلیان میں سے بہت سے حضرات نماز فجر کی ادائیگی کے لئے اذانِ فجر سے پہلے ہی مسجد میں آ جاتے ہیں اور ہر ایک کی خواہش اس دن یہ ہوتی ہے کہ اول وقت نماز فجر ادا کر لی جائے؛ لہٰذا اذانِ فجر کے دس پندرہ منٹ بعد جماعت فجر قائم کر لی جائے، تو لوگوں کو آرام کا موقع مل جاتا ہے، دریافت طلب بات یہ ہے کہ نماز فجر جلدی پڑھنے میں ازروئے شرع کوئی قباحت تو نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فجر کی نماز کا وقت صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک ہے؛ لہٰذا صبح صادق کے بعد فوراً جماعت پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں؛ البتہ احناف کے نزدیک عمومی حالات میں اسفار افضل ہے۔

عن رافع بن خديج رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر. (سنن الترمذي ١/ ٤٠)

أول وقت الفجر إذا طلع الفجر الثاني، وهو البياض المعترض في الأفق لحديث أمامة جبرئيل عليه السلام فإنه أم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فيها في اليوم الأول حين طلع الفجر. (هداية ١/ ١٤١ مكتبة البشرىٰ كراچى، والحديث أخرجه الترمذي عن ابن عباس بسند حسن صحيح ١/ ١١٩ رقم: ١٤٩)

ولأن في الإسفار تكثير الجماعة وفي التغليس تقليلها و ما يؤدي إلى تكثير الجماعة فهو أفضل. (المبسوط للسرخسي ١/ ١٤٦ دار الفكر بيروت)

لیکن اگر رمضان یا شعبان کی پندرہویں شب میں اسفار میں پڑھنے کی وجہ سے اکثر لوگ جماعت میں شرکت نہ کر سکیں، تو اول وقت میں ہی فجر پڑھنا بہتر ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۱؍۱۳۲)

فأول وقت صلاة الفجر حين يطلع الفجر الثاني وآخره حين تطلع الشمس لما روى عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إن للصلاة أولاً وآخراً وإن أول وقت الفجر حين يطلع الفجر وآخره حين تطلع الشمس. (بدائع الصنائع ۱/۵ ۳۱ زكريا)

قال العلامة الكشميريؒ: يستحب التغليس في الفجر والتعجيل في الظهر إذا اجتمع الناس ولعل هذا التغليس كان في رمضان خاصة، وهكذا ينبغي عندنا إذا اجتمع الناس وعليه العمل في دار العلوم بديوبند من عهد الأكابر. (فيض الباري ۲/۱۳٦، كذا في فتح الملهم ۳/۱۲۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۴/۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رمضان میں نماز فجر کے لئے کب کھڑے ہوں؟

سوال (۱۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فجر کی نماز میں اذان کے بعد جماعت کے لئے کتنی دیر بعد کھڑا ہونا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فجر کی اذان کے بعد بھی رمضان المبارک میں اتنا توقف کرنا چاہئے کہ بآسانی لوگ ضروریات سے فارغ ہوکر مسجد میں جمع ہوجائیں۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۲/۴۵)

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال لبلال: واجعل بين أذانك وإقامتك قدر ما يفرغ الآكل من أكله والشارب من شربه، والمعتصر إذا دخل لقضاء حاجته الخ. (سنن الترمذي رقم: ۱۹۵، مشكاة المصابيح رقم: ٦٤٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۹/۱۴۱۳ھ

نماز فجر میں قعدۂ اخیرہ کے درمیان سورج نکل آیا؟

سوال (۱۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص تنہا فجر کی نماز پڑھ رہا ہے اور قعدہ اخیرہ میں ہے کہ سورج نکل آیا اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز فجر کے دوران اگر سلام پھیرنے سے قبل سورج نکل آیا تو وہ نماز باطل ہوجائے گی، بعد میں اس کی قضا لازم ہوگی۔

عن عقبة بن عامر الجهني رضي اللّٰه عنه يقول: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم نهانا أن نصلي حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع. (صحيح مسلم، الصلاة / باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها ۲۷٦/۱ رقم: ۸۳۱)

قوله: بخلاف الفجر أي فإنه لا يؤدي فجر يومه وقت الطلوع لأن وقت الفجر كلها كامل فوجبت كاملة فتبطل بطرو الطلوع الذي هو وقت الفساد. (شامي ۳۷۳/۱ كراچی، شامي، كتاب الصلاة ۳۳/۲ زكريا، البحر الرائق ۲٥۱/۱، بدائع الصنائع ۳۲۷/۱ كراچی)

ولا يتصور أداء الفجر مع طلوع الشمس عندنا، حتى لو طلعت الشمس وهو في خلال الصلاة تفسد صلاته عندنا. (بدائع الصنائع، الصلاة / بيان الوقت المكروه ۳۲۹/۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۲/۴/۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طلوعِ آفتاب کے وقت فجر کی نماز ادا کرنا؟

سوال (۱۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص فجر کی نماز کی نیت سے مسجد میں آیا تو دیکھا کہ جماعت ہوچکی ہے، اور مکروہ وقت بھی شروع ہوچکا ہے، یعنی آفتاب طلوع ہوچکا ہے، تو کیا یہ آدمی فجر کی نماز پڑھ سکتا ہے یا مکروہ وقت

کے ختم ہو جانے کے بعد پڑھے گا؟ بعض حضرات مکروہ وقت میں بھی فجر کی نماز پڑھتے رہتے ہیں، کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟ اور بہتر طریقہ کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مکروہ وقت میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے؛ لہٰذا مکروہ وقت ختم ہونے کے بعد ہی نماز پڑھنا چاہئے، اور جو لوگ اس مکروہ وقت میں نماز پڑھتے ہیں ان کی نماز صحیح نہیں ہوتی ہے، انہیں مسئلہ بتا دینا چاہئے۔

عن عقبة بن عامر الجهني رضي اللّٰه عنه قال: ثلاث ساعات كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن أو أن نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس، وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب. (صحيح مسلم، الصلاة / باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها ۱/۲۷٦ رقم: ۸۳۱ بيت الأفكار)

ولا يتصور أداء الفجر مع طلوع الشمس عندنا، حتى لو طلعت الشمس وهو في خلال الصلاة تفسد صلاته عندنا. (بدائع الصنائع، الصلاة / بيان الوقت المكروه ۱/۳۲۹ زكريا)

الأوقات المكروهة أولها عند طلوع الشمس إلى أن ترتفع. (طحطاوي على مراقي الفلاح ۱٤۹ مصري)

كره تحريمًا صلاة مطلقاً مع شروق. (درمختار مع الشامي ۱/۳۷۰ كراچی)

لا تجوز الصلاة عند طلوع الشمس حتى ترتفع. (هدايه ۱/۸٤، مجمع الأنهر ۱/۱۱۰ بيروت، البحر الرائق ۱/۲٤۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۷/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سورج نکلتے وقت اعلان کو منع کرنے کی علت؟

سوال (۱۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: آج کل عموماً شہروں اور دیہاتوں میں یہ رواج زور پکڑتا جا رہا ہے کہ سورج نکلنے کے وقت مساجد سے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ: ”اب نماز کا وقت نہیں رہا ۱۵/منٹ کے بعد قضا نماز پڑھیں“۔ سوال یہ ہے کہ اس طرح کے اعلان شرعاً درست ہے یا نہیں، فقہ اسلامی اس سلسلہ میں کیا رائے دیتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سورج نکلنے کے وقت اس طرح اعلان کرنا شریعت میں ثابت نہیں ہے؛ بلکہ فقہی جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی عام آدمی مکروہ وقت میں نماز پڑھ رہا ہو تو اسے نہ روکا جائے؛ اس لئے کہ اس وقت روکنے سے بعد میں وہ بالکل چھوڑ دے گا؛ لہٰذا چھوڑنے کے بجائے پڑھ لینا ہی بہتر ہے، اس لئے کہ بعض علماء کے نزدیک اس وقت بھی نماز درست ہو جاتی ہے۔ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

سئل عن شمس الأئمة الحلواني عن قوم كسالى عادتهم الصلاة وقت طلوع الشمس أيمنعون من ذٰلک؟ قال: لا؛ لأنهم لو منعوا لا يصلون بعد ذٰلک. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/۱۵، رقم: ۱۵۱۸ زکریا)

(شمس الائمہ حلوانی سے پوچھا گیا کہ کچھ لوگ جو سستی کرتے ہوں ان کی عادت طلوع شمس کے وقت نماز پڑھنے کی ہو کیا انہیں نماز سے روکا جائے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ ”نہیں؛ کیوں کہ اگر انہیں روک دیا گیا تو وہ بعد میں نماز ہی نہ پڑھیں گے“۔)

وفي القنية: كسالى العوام إذا صلوا الفجر وقت الطلوع لا ينكر عليهم؛ لأنهم لو منعوا يتركونها أصلاً ظاهراً، ولو صلوها تجوز عند أصحاب الحديث، والأداء الجائز عند البعض أولىٰ من الترك. (البحر الرائق ۱/۲۵۱، شامي ۱/۳۷۱ کراچی، ۲/۳۰-۳۱ زکریا)

(سستی کرنے والے لوگ اگر سورج نکلتے وقت فجر کی نماز پڑھیں تو انہیں نہ روکا جائے اس لئے کہ انہیں روک دیا تو وہ نماز ہی نہ پڑھیں گے اور اگر پڑھ لیں تو بعض اصحاب حدیث کے

نزدیک ان کی نماز درست ہوجائے گی ؛ لہٰذا بعض علماء کے نزدیک جائز نماز پڑھنا بالکل نہ پڑھنے سے اولیٰ ہے)

بریں بنا اس اعلان کی رسم کو ختم کرنا چاہئے اور ہر آدمی کو خود خیال رکھتے ہوئے صحیح وقت پر نماز کی ادائیگی کی کوشش کرنی چاہئے، یہ اعلان اس لئے بھی قابلِ ترک ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پورا معاشرہ ہی قضاء صلوٰۃ کے جرم کا مرتکب ہورہا ہے، جس کے لئے اعلان کی ضرورت پڑرہی ہے، نیز اس میں غیر لازم کو لازم سمجھنے کی خرابی بھی موجود ہے جس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲/۲۴/ ۱۴۱۴ھ

مسجدوں میں طلوعِ آفتاب کا اعلان کرنا؟

سوال (۱۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ''ندائے شاہی'' ماہ جولائی صفحہ ۴۰/ پر مساجد سے سورج نکلنے کے وقت کا اعلان کے تحت ''سورج نکلنے کے وقت نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، جب کہ حدیث وفقہ میں اس وقت نماز کا ممنوع ہونا ثابت ہے، جیسا کہ درج ذیل دلائل سے پتہ چلتا ہے:

حدیث (۱): **لاصلاة بعد الصبح ثم حتی ترتفع الشمس.** (۲): **صل صلاة الصبح ثم اقصر عن الصلاة حین تطلع الشمس حتی ترتفع فإنها تطلع حین تطلع بین قرني الشیطان حینئذ لیسجد لها الکفار.** (۳) **وفي روایة: قال إذا طلع حاجب الشمس فدعوا الصلاة حتی تبرز.** (مشکوٰۃ المصابیح / باب أوقات النهي ۱/ ۹٤)

فقه: ولو طلعت الشمس في خلال الفجر تفسد صلاة الفجر. ذخیره

(حاشیه بهشتی زیور أشرفی ۲/ ۱۲)

لہٰذا اگلے شمارہ میں براہِ کرم اس کی وضاحت فرمائیں، چوں کہ عموماً یہ بھی دیکھا جارہا ہے کہ یہ اعلان مستورات کے لئے مددگار ہوتا ہے، جن کے پاس نہ گھڑی ہے نہ وقت کا اندازہ اور معلومات؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سورج نکلتے وقت نماز کی ممانعت سے متعلق جو احادیث آپ نے لکھی ہیں وہ سب صحیح اور معمول بہا ہیں، اور حنفیہ کے مفتی بہ قول کے مطابق اس وقت نماز پڑھنا ممنوع ہے، چناں چہ اس سلسلہ کی مزید تصریحات درج ذیل ہیں:

عن عقبة بن عامر الجهني رضي اللّٰه عنه قال: ثلاث ساعات كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن أو أن نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس، وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب. (صحيح مسلم، الصلاة / باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها ۲۷٦/۱ رقم: ۸۳۱ بيت الأفكار)

بخلاف الفجر، وفي الشامية: أن الأوقات المكروهة نوعان: الأول الشروق والغروب والاستواء، فالنوع الأول: لا ينعقد فيه شيء من الصلوات إذا شرع بها فيه. (درمختار مع الشامي ۳۷۳/۱ كراچی، شامي ۳٤/۲ زكريا)

ولا يتصور أداء الفجر مع طلوع الشمس عندنا، حتى لو طلعت الشمس وهو في خلال الصلوة تفسد صلاته عندنا. (بدائع الصنائع ۳۲۹/۱)

الأوقات المكروهة أولها عند طلوع الشمس إلى أن ترتفع. (طحطاوي على مراقي الفلاح ۱٤۹ مصري)

كره تحريما صلاة مطلقا مع شروق. (در مختار مع الشامي ۳۷۰/۱ كراچی)

لا تجوز الصلاة عند طلوع الشمس حتى ترتفع. (هداية ۸٤/۱، مجمع الأنهر بيروت ۱۱۰/۱، البحر الرائق ۲٤۹/۱)

لیکن چوں کہ ہماری فقہی کتابوں میں لکھا ہے کہ عام آدمی اگر اس وقت نماز پڑھ رہا ہو تو اسے روکا نہ جائے، اسی لئے گذشتہ جواب میں طلوع کے اعلان کی رسم کو نامناسب قرار دیا گیا تھا،

اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا کہ اس وقت نماز پڑھنا جائز ہے یا اس وقت حنفیہ کے نزدیک نماز درست ہوجاتی ہے۔

لہٰذا یہ بات اچھی طرح ذہن نشیں کرلی جائے کہ سورج نکلتے وقت نماز کا صحیح نہ ہونا الگ مسئلہ ہے، اور سورج نکلنے کا اعلان کرنا الگ معاملہ ہے، ایک کو دوسرے سے نہ جوڑا جائے۔ اور اعلان کی ممانعت کی علت صرف یہی نہیں ہے کہ عوام بعد میں (اشراق کے وقت) نماز ہی نہ پڑھیں گے؛ بلکہ ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمہم اللہ کے زمانہ میں جب کہ گھڑی گھنٹے رائج نہ ہونے کی بنا پر اس کے اعلان کی زیادہ ضرورت تھی کہیں اس اعلان کے اہتمام کا ثبوت نہیں ملتا، تو آج جب کہ کوئی گھر گھڑی اور وقت کا اندازہ لگانے والے اسباب سے خالی نہیں ہے بدرجہ اولیٰ اس طرح کے اعلان کی ضرورت نہ ہونی چاہئے۔

اور رہ گیا مستورات وغیرہ کا اوقاتِ نماز سے لاعلم رہنے کا مسئلہ، تو یہ ان کی کوتاہی اور دین کے بارے میں لاپرواہی کی دلیل ہے، اس کا علاج یہ ہے کہ گھروں میں دینی ماحول بنا کر اوقاتِ نماز کا خاص اہتمام رکھا جائے اگر عورتیں اہتمام نہیں کرسکتیں تو گھر کے مردوں کی شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کو وقت کے اندر نماز پڑھنے کا پابند بنائیں۔

وكره صلاة مطلقاً مع شروق إلا العوام فلا يمنعون من فعلها؛ لأنهم يتركونها، والأداء الجائز عند البعض أولىٰ من الترك. (شامي مع الدر ۱/۱ ۳۷ کراچی، شامي ۲/۰ ۳- ۳۱ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۲/۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طلوعِ آفتاب کا اعلان کرنا یا لال اور ہری بتی جلانا؟

سوال (۱۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: طلوع آفتاب کا اعلان کرنا جس سے پورے محلّہ والوں کو علم ہوجائے، شرعاً کیسا ہے؟ کتبِ فقہیہ کے حوالہ سے اس کی شرعی حیثیت واضح فرمادیں، طلوع کے وقت لال بتی بیس منٹ کے بعد

ہری بتی جلانا کیسا ہے، اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مکروہ وقت کا اعلان کرنے میں یہ اندیشہ پایا جاتا ہے کہ جو عام آدمی اس وقت نماز پڑھنے کو تیار تھے، وہ مکروہ وقت کا اعلان سن کر دوسرے کاموں میں مشغول ہوجائیں گے اور فرض کو بالکل ترک کردیں گے، حالاں کہ کسی بھی طرح پڑھ لینا نہ پڑھنے سے بہتر ہے؛ اس لئے فقہاء نے عوام کو ایسے وقت نماز پڑھنے سے روکنے سے منع فرمایا ہے، نیز اعلان کرنے اور بتی جلانے کا حکم یکساں ہے، ممانعت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ عمل اکابر واسلاف سے ثابت نہیں ہے۔

مع شروق إلا العوام فلا يمنعون من فعلها؛ لأنهم يتركونها والأداء الجائز عند البعض أولىٰ من الترک، كما في القنية. (درمختار ۱/۱ ۳۷ کراچی)

سئل عن شمس الأئمة الحلواني عن قوم كسالى عادتهم الصلاة وقت طلوع الشمس أيمنعون من ذٰلک؟ قال: لا؛ لأنهم لو منعوا لا يصلون بعد ذٰلک. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ۱۵، رقم: ۱۵۱۸ زكريا)

وفي القنية: كسالى العوام إذا صلوا الفجر وقت الطلوع لا ينكر عليهم لأنهم لو منعوا يتركونها أصلاً ظاهراً ولو صلوها تجوز عند أصحاب الحديث والأداء الجائز عند البعض أولىٰ من الترک. (البحر الرائق ۱/ ۲۵۱، شامي ۱/ ۳۷۱ کراچی، شامي ۲/ ۳۰-۳۱ زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۲۴/۴/۱۴۱۶ھ

فرض نماز کے بعد طلوعِ آفتاب سے پہلے فجر کی فوت شدہ سنتیں ادا کرنا؟

سوال (۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: سعودی عرب میں فجر کی نماز جلدی ہو جاتی ہے، اشراق کے لئے کافی وقت ہوتا ہے، اگر کسی کی فجر کی سنتیں رہ جائیں تو کب ادا کرے؟ یہاں بعض لوگ نماز کے فوراً بعد ادا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ فجر کی فرض نماز کے بعد کسی طرح کی نفل یا سنت پڑھنا مکروہ ہے، جن بعض روایات سے فجر کی فرض نماز کے بعد فوت شدہ سنتوں کے پڑھنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے وہ سب سنداً ضعیف ہیں، اس لئے صحیح روایات سے ثابت شدہ کراہت ان ضعیف اور غیر متصل روایات کی وجہ سے مرتفع نہیں ہوسکتی۔

اس بنا پر حنفیہ کا موقف یہ ہے کہ فجر کی سنتیں اگر چھوٹ جائیں تو انہیں فرض کے بعد ادا نہ کیا جائے؛ بلکہ اگر چاہیں تو طلوعِ آفتاب کے بعد اشراق کے وقت پڑھ سکتے ہیں، جیسا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

عن عطاء بن يزيد الليثي أنه سمع أبا سعيد الخدري رضي الله عنه يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا صلاة بعد صلاة العصر حتى تغرب الشمس ولا صلاة بعد صلاة الفجر حتى تطلع الشمس. (صحيح البخاري ۸۲/۱، رقم: ۵۸٦، صحيح مسلم رقم: ۸۲۷)

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: سمعت غير واحد من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم منهم عمر بن الخطاب وكان من أحبهم إلى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الصلاة بعد الفجر حتى تطلع الشمس (صحيح البخاري ۸۲/۱، رقم ۵۸۱، سنن الترمذي ٤٥/۱، صحيح مسلم رقم: ۸۲٦)

عن محمد بن إبراهيم عن جده قيس رضي الله عنه قال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم فأقيمت الصلاة فصليت معه الصبح ثم انصرف النبي صلى

اللّٰه عليه وسلم فوجدني أصلي، فقال: مهلا يا قيس! أصلاتان معا؟ قلت: يا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم! إني لم أكن ركعت ركعتي الفجر، قال: فلا إذن …… وإسناد هذا الحديث ليس بمتصل. (سنن الترمذي ۹٦/۱)

وفي هامشه: وعند أبي حنيفة وأبي يوسف لا قضاء لسنة الفجر بعد الفوت لا قبل طلوع الشمس ولا بعدها؛ لأنه يبقى نفلاً مطلقاً؛ لأن السنة ما أداها رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، ولم يثبت أنه أداها في غير الوقت على الإنفراد وإنما قضاهما تبعا للفرض في ليلة التعريس، والنفل المطلق لا يقتضي بعد الصبح ولا بعد ارتفاعها. وقال محمد: أحب إلى أن يقضيها إلى وقت الزوال؛ لأنه صلى اللّٰه عليه وسلم قضاهما بعد إرتفاع الشمس غداة ليلة التعريس. (حاشية: سنن الترمذي ۹٦/۱)

وصورة ما حكى عنه رجل جاء إلى الإمام في صلاة الفجر وخاف أنه لو اشتغل بالسنة تفوته فجر بالجماعة قال: جاز له أن يدخل في صلاة الإمام ويترك السنة ويقضيها بعد ماطلعت الشمس عند محمدؒ. (الفتاویٰ التاتارخانية ۱۸/۲)

ووقتان آخران يكره فيهما التطوع وهما: بعد طلوع الفجر إلى طلوع الشمس إلا ركعتي الفجر ……، ولو أفسد سنة الفجر قبل الفرض ثم قضاها بعد الفرض لا يجوز. (الفتاویٰ التاتارخانية ۱۵/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۴/۱۱/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فجر کا وقت گزرنے پر آنکھ کھلی تو نمازِ فجر کس وقت ادا کرے؟

سوال (۱۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فجر کا وقت گذر جانے کے بعد وقت مکروہ کے اندر یا وقت مکروہ گذر جانے کے بعد آنکھ کھلی تو فجر کی نماز کس وقت نماز ادا کی جائے گی اور کس نیت سے؟ ادا کی نیت سے یا قضا کی نیت سے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں وقتِ مکروہ گذرنے کے بعد یعنی بوقتِ اشراق فجر کی نماز قضا کی نیت سے پڑھی جائے۔

عن عقبة بن عامر الجهني رضي اللّٰه عنه قال: ثلاث ساعات كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن أو أن نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس، وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب. (صحيح مسلم، الصلاة / باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها ١/٢٧٦ رقم: ٨٣١ بيت الأفكار)

ثلاث ساعات لا تجوز فيها المكتوبة الخ، إذا طلعت الشمس حتى ترتفع. (الفتاوىٰ الهندية ١/٥٢)

لا تجوز الصلاة عند طلوع الشمس حتى ترتفع. (هداية ١/٨٤، مجمع الأنهر ١/١٠٠ بيروت، البحر الرائق ١/٢٤٩)

ثلاث أوقات لا يصح فيها شيء من الفرائض والواجبات التي لزمت في الذمة قبل دخولها أي الأوقات المكروهات أولها عند طلوع الشمس إلى أن ترتفع و تبيض قدر رمح أو رمحين. (حاشية الطحطاوي على المراقي الفلاح ١٤٩، البحر الرائق ١/٢٤٩) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۱۰/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

نماز اشراق کا وقت

سوال (۱۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اشراق کی نماز کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سورج کے طلوع ہونے کے تقریباً ۱۵-۲۰ منٹ (مکروہ وقت گذر جانے) کے بعد اشراق کا وقت شروع ہوتا ہے۔

عن أنس رضي اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من صلی الفجر في جماعۃ ثم قعد بذکر اللّٰہ حتی تطلع الشمس ثم صلی رکعتین کانت لہ کأجر حجۃ وعمرۃ، قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم تامۃ تامۃ. (سنن الترمذي ۱/۱۳۰)

أولہا عند طلوع الشمس إلی أن ترتفع الشمس وتبیض قدر رمح أو رمحین. (طحطاوی علی المراقي ۱۰۰)

قال الطیبي: أي ثم صلی بعد أن ترتفع الشمس قدر رمح حتی یخرج وقت الکراہۃ، وہٰذہ الصلاۃ تسمی صلاۃ الإشراق. (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ۲/۲۶۴)

ما دامت العین لا تحار فیہا فہي في حکم الشروق. (شامي ۱/۲۴۸ نعمانیۃ، طحطاوي علی مراقي الفلاح ۱۴۹، فتاویٰ قاضي خان ۱/۷۴) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۷/۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اشراق کی نماز کا وقت، رکعات اور مشروعیت

سوال (۲۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اشراق کی نماز کا وقت کیا ہے، اور اس کی کتنی رکعتیں ہیں؟ اس کا ثبوت شریعت میں ہے یا صوفیاء حضرات کی ایجاد کردہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز اشراق کا وقت طلوع آفتاب کے بعد تقریباً پندرہ

بیس منٹ پر شروع ہوتا ہے اور نصف النہار تک رہتا ہے، مگر شروع میں پڑھنا افضل ہے، نماز اشراق کم از کم دو رکعتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ چار رکعتیں ہیں، اور نماز اشراق صوفیاء حضرات کی ایجاد کردہ نہیں؛ بلکہ حدیث سے ثابت ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۳/۴۶۷، فتاویٰ رحیمیہ ۴/۲۸۶، ایضاح المسائل ۴۷، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۲/۱۰۲)

عن أنس رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من صلى الفجر في جماعة ثم قعد بذكر اللّٰه حتى تطلع الشمس ثم صلى ركعتين كانت له كأجر حجة وعمرة، قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم تامة تامة. (سنن الترمذي ١/١٣٠)

عن نعيم بن عمارة رضي اللّٰه عنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: يقول اللّٰه عزوجل يا ابن اٰدم لا تعجزني من أربع ركعات في أول نهارك أكفاك أخره. (سنن أبي داؤد ١/١٨٣)

نماز اشراق کے ثبوت کے لئے فقہی جزئیات درج ذیل ہیں:

(ثم صلى ركعتين) ويقال لهما ركعتا الإشراق وهما غير سنة الضحىٰ.

(طحطاوي على مراقي الفلاح ٩٤)

أولها عند طلوع الشمس إلى أن ترتفع الشمس وتبيض قدر رمح أو رمحين. (طحطاوى على المراقي ١٠٠)

قال الطيبي: أي ثم صلى بعد أن ترتفع الشمس قدر رمح حتى يخرج وقت الكراهة وهٰذه الصلاة تسمى صلاة الإشراق. (مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح ٢/٢٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۹/۷/۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز چاشت کا وقت

سوال (۲۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: چاشت کی نماز کا وقت کب تک رہتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چاشت کا وقت آفتاب طلوع ہونے سے زوال تک باقی رہتا ہے؛ لیکن افضل یہ ہے کہ ایک چوتھائی دن گذرنے کے بعد چاشت کی نماز پڑھی جائے۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من صلی الضحی ثنتي عشرة رکعة بنی اللّٰه له قصراً في الجنة من ذهب.

(سنن الترمذي، أبواب الوتر / باب ما جاء في صلاة الضحی ۱۰۸/۱ رقم: ۴۷۱)

وندب أربع فصاعداً في الضحیٰ من بعد الطلوع إلی الزوال ووقتها المختار بعد ربع النهار. (درمختار، الصلاة / باب الوتر والنوافل / مطلب سنة الضحیٰ ۴۶۵/۲ زکریا، ۴۰۴/۲-۴۰۵ زکریا، صغیري ۲۰۱)

وابتدأ من ارتفاع الشمس إلی قبیل زوالها. (مراقي الفلاح ۲۱۶) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۷/۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چاشت کی نماز کا وقت

سوال (۲۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: چاشت کی نماز کا وقت کیا ہے اور اس کی کتنی رکعتیں ہیں؟ اور اوابین کی کتنی رکعت ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چاشت کی نماز ایک چوتھائی دن گزرنے کے بعد پڑھنا افضل ہے، اور اس کا وقت ظہر کی نماز سے پہلے تک رہتا ہے، کم از کم دو رکعت اور زیادہ سے زیادہ بارہ

رکعت اس نیت سے پڑھنا مستحب ہے۔

وندب أربع فصاعدا في الضحی من بعد الطلوع إلی الزوال، ووقتها المختار بعد ربع النهار، وفي المنية: أقلها رکعتان وأکثرها اثنتا عشرة، وأوسطها ثمان وهو افضلها. (شامي ۲/ ٤٦٥ زکریا)

اوراوابین جومغرب کے بعد پڑھی جاتی ہے اس کی چھ رکعات ہیں۔

ویستحب ست بعد المغرب لیکتب من الأوابین. (شامي ۲/ ٤٥۲ زکریا) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۷/۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز عیدین کا وقت

سوال (۲۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عیدین کی نماز کا وقت کب شروع ہوتا ہے اور کس وقت تک رہتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلوع آفتاب سے تقریباً ۲۰/ منٹ بعد عیدین کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور نصف النہار عرفی یعنی زوال تک باقی رہتا ہے۔

أخرج أبو داؤد عن یزید بن خمیر الرحبي قال: خرج عبد اللّٰہ بن بسر صاحب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مع الناس في یوم عید فطر أو أضحی، فأنکر إبطاء الإمام، فقال: إنا کنّا قد فرغنا ساعتنا هٰذه وذٰلک حین التسبیح.

(سنن أبي داؤد، الصلاۃ / باب وقت الخروج إلی العید ۱/ ۱٦۱ رقم: ۱۱۳٥)

عن جندب رضي اللّٰہ عنه قال: کان النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم یصلي بنا یوم الفطر، والشمس علی قید رمحین، والأضحی علی قید رمح. (إعلاء السنن /

باب ما جاء في وقت صلاة العيدين ۱۲٤/۸)

ووقتها من الارتفاع قدر رمح فلا تصح قبله إلى الزوال فلو زالت الشمس وهو في أثنائها فسدت. (طحطاوي على الدر ۳٥٤/۱)

وابتداء وقت صلاة العيد من ارتفاع الشمس إلى قبيل زوالها. (طحطاوي على مراقي الفلاح ٤۳٦، شامي ۱۷٦/۲ كراچی، البحر الرائق ۱٦۲/۱، كنز الدقائق ٤٥، نور الإيضاح ۱۲۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۷/۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ظہر کا مستحب وقت

سوال (۲۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ظہر کی نماز کا وقت کب سے کب تک رہتا ہے؟ اور اداءِ ظہر کا مستحب وقت کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زوال کے بعد سے سایۂ اصلی دو مثل ہونے تک ظہر کا وقت باقی رہتا ہے، البتہ گرمی کے زمانے میں ظہر کی نماز تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے اور سردی میں اول وقت میں ادا کرنا مستحب ہے۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أمّني جبريل عليه السلام عند البيت مرتين، فصلى بي الظهر حين زالت الشمس – إلى قوله – فلما كان الغد صلى بي الظهر حين كان ظله مثله وصلى بي العصر حين كان ظله مثليه. (سنن أبي داؤد، الصلاة / باب في المواقيت ٥٦/۱ رقم: ۳۹۳ دار الفكر)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: وإن آخر وقتها حين يدخل وقت العصر. (سنن الترمذي ٤۰/۱)

وأول وقت الظهر إذا زالت الشمس و آخر وقتها عند أبي حنيفةؒ إذا صار ظل كل شيء مثليه سوى فيء الزوال. (هداية ۱/۸۱، مكتبه بلال ديوبند ۱/۷۷)

و وقت الظهر من زواله إلى بلوغ الظل مثليه وعنه مثله (درمختار) وتحته في الشامية: قوله عنه أي عن الإمام. (درمختار مع الشامي ۱/۱۳۹ كراچی، ۲/۱٤ زكريا)

والظهر من الزوال إلى بلوغ الظل مثليه سوى الفيء. (كنز الدقائق على البحر الرائق ۱/۲٤٤)

ويستحب الإبراد بالظهر في الصيف وتقديمه في الشتاء. (هداية ۱/۸۲، مكتبه بلال ديو بند ۱/۸۰، درمختار مع الشامي ۲/۲٤ زكريا، ۲/۲۳ بيروت) ***فقط واللہ تعالیٰ اعلم***

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۷/۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ کی ادائیگی کا مستحب وقت

سوال (۲۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جمعہ کی نماز کا مستحب وقت کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کا اصل وقت ظہر کے وقت کی طرح ہے، یعنی زوال کے بعد سے سایۂ اصلی دو مثل ہونے تک؛ البتہ جمعہ کی نماز گرمی یا سردی ہر زمانہ میں اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يصلي الجمعة حين تميل الشمس. (سنن الترمذي، الجمعة / باب ما جاء في وقت الجمعة ۱/۱۱۲ رقم: ۵۰۱، سنن أبي داؤد، الصلاة / باب وقت الجمعة ۱/۱۵۵ رقم: ۱۰۸٤)

وجمعة كظهر....... (درمختار ۲/۲۵ زكريا، درمختار ۲/۲٤ بيروت)

وقال الجمهور: ليس بمشروع (أي الإبراد) لأنها تقام بجمع عظيم فتأخيرها مفض إلى الحرج ولا كذلک الظهر. (شامي ۲/۲۵ زکریا، ۲/۲٤ بیروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۷/۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زوال کا وقت کب تک ہے؟ اور اس میں نماز کا کیا حکم ہے؟

سوال (۲۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نصف النہار شرعی یعنی ضحوۂ کبریٰ جو آج ۲۵؍ مارچ کو پٹنہ کے مطابق ۱۱؍بج کر ۱۶؍منٹ پر ہے، اور نصف النہار عرفی یعنی استواء شمس جو ۱۱؍بج کر ۴۵؍منٹ پر ہے، کیا ۱۱؍بج کر ۱۶؍منٹ سے ۱۱؍بج کر ۴۵؍منٹ تک وقت زوال ہے؟ اور اس وقت کے اندر کوئی نماز مثلاً عیدین نوافل اور جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حنفیہ کے مفتی بہ قول کے مطابق صرف نصف النہار عرفی یعنی استواء شمس (زوال) کے وقت نماز ممنوع ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ ضحوۂ کبریٰ (نصف النہار شرعی) سے لے کر استواء شمس تک وقتِ زوال ہے، مگر یہ قول راجح نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲/۱۳۷-۱۳۸)

عن عقبة بن عامر الجهني رضي الله عنه: ثلاثة أوقات نهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نصلي فيها عند طلوع الشمس حتى ترتفع وعند زوالها حتى تزول وحين تضيف للغروب حتى تغرب. (صحيح مسلم ١/٢٧٦ رقم: ٨٣٠)

وقد وقع في عبارات الفقهاء أن الوقت المكروه هو عند انتصاف النهار إلى أن تزول الشمس، ولا يخفى أن زوال الشمس إنما هو عقيب انتصاف النهار بلا فصل وفي هٰذا القدر من الزمان لا يمكن أداء صلاة فيه، فلعل المراد

أنه لا تجوز الصلاة بحيث يقع جزء منها في هٰذا الزمان أو المراد بالنهار النهار الشرعي وهو من أول طلوع الصبح إلى غروب الشمس وعلى هٰذا يكون نصف النهار قبل الزوال بزمان يعتد به……، وفي القنية: واختلف في وقت الكراهة عند الزوال، فقيل من نصف النهار إلى الزوال لرواية أبي سعيد عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم "أنه نهى عن الصلاة نصف النهار حتى تزول الشمس". قال ركن الدين الصباغي: وما أحسن هٰذا؛ لأن النهي عن الصلا ة فيه يعتمد تصورها فيه، وعزا في القهستاني القول بأن المراد انتصاف النهار العرفي إلى أئمة ما وراء النهر، وبأن المراد انتصاف النهار الشرعي وهو الضحوة الكبرىٰ إلى الزوال إلى أئمة خوارزم. (شامي ۱/۳۷۱ کراچی، ۲/۳۱ زکریا، طحطاوی علی المراقي ۱۰۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۱۱/۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زوال کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے اور کب ختم ہوتا ہے؟

سوال (۲۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زوال کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے کب ختم ہوتا ہے، اور کتنی دیر رہتا ہے، اور زوال کے وقت نماز پڑھنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب سورج بالکل بیچوں بیچ میں آجائے، تو اس کو عربی میں نصف النہار عرفی یا وقت زوال کہتے ہیں، اور یہ وقت مشکل سے ڈیڑھ دو منٹ کا ہوتا ہے؛ لیکن چوں کہ اس عین وقت کا مشاہدہ بہت دشوار ہے، اس لئے عام طور پر جنتریوں میں جو نصف النہار کا وقت لکھا جاتا ہے، اس سے پانچ منٹ پہلے اور پانچ منٹ بعد میں نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲/۱۴۶، فتاویٰ رحیمیہ ۴/۲۸، احسن الفتاویٰ ۲/۱۳۷-۱۳۸)

ولا يخفى أن زوال الشمس إنما هو عقيب انتصاف النهار بلا فصل، وفي هـذا الـقـدر مـن الزمان لا يمكن أداء صلاة فيه، فلعل المراد أنه لا تجوز الصلاة بحيث يقع جزء منها فى هذا الزمان، أو المراد بالنهار هو النهار الشرعي وهو من أول طـلـوع الـصـبـح إلـى غـروب الشـمـس، وعلىٰ هذا يكون نصف النهار قبل الزوال بزمان يعتد به. (شامي ۱/ ۳۷۱ کراچی، شامي ۲/ ۳۱ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۵/۷/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ کے دن استواءِ شمس کے وقت نفل پڑھنا؟

سوال (۲۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسئلہ یہ ہے کہ جمعہ کے روز استواء شمس کے وقت نوافل مثلاً صلوۃ التسبیح وغیرہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ جمعہ کے روز استواء شمس کے وقت نفل نماز پڑھنا ناجائز ہے، اس سلسلہ میں حکم شرعی کیا ہے؟ جواب عنایت فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مفتی بہ قول کے مطابق استواء شمس یعنی زوال کے وقت کوئی بھی نفل پڑھنا ممنوع ہے، حضرت امام ابو یوسفؒ سے جمعہ کے روز اس وقت نماز پڑھنے کے جواز کا قول منقول ہے، مگر وہ مفتی بہ نہیں ہے۔

لا تـــجـوز الصلاة عـنـد طلوع الشمس، ولا عند قيامها في الظهيرة، ولا عـنـد غروبها لحديث عقبة بن عامر رضي اللّٰه عنه: ”ثلث أوقات نهانا رسول اللّٰه صـلـى الـلّـه عليه وسلم أن نصلي فيها، وأن نقبر فيها موتانا: عند طلوع الشمس حتـى تـرتـفـع، وعـنـد زوالهـا حتـى تزول، وحين تضيف للغروب حتى تغرب“ والـحـديـث بـإطـلاقه حجة على الشافعي في تخصيص الفرائض وبمكة في حق

النـوافـل، وعلى أبي يوسف في إباحة النفل يوم الجمعة وقت الزوال. (فتح القدير ۱/ ۲۳٤-۲۳٥ زكريا، والحديث أخرجه مسلم ۱/ ۲۷٦ رقم: ۸۳۰)

وكـره تـحريما صلوة مطلقاً مع شروق واستواء إلا يوم الجمعة على قول الثاني المصحح المعتمد كذا في الاشباه، لكن اعترض بأن المتون والشروح على خلافه وانتصروا لقول الإمام، وأجابوا عن الحديث المذكور بأحاديث النهي عن الصلاة وقت الإستواء فإنها محرمة. (شامي ۲/ ۳۱ زكريا)

ولـو صـلاهـا في وقت مكروه لايجوز فلا تنعقد عند طلوع الشمس مالم ترتفع قدر رمح، وعند إستواء ها إلى أن تزول. (غنية قديم ٦۲، فتاوى دارالعلوم ۲/ ٦۸)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/ ۲/ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عصر کا مستحب وقت

سوال (۲۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز عصر کا وقت کب سے کب تک رہتا ہے؟ اور اس کی ادائیگی کا مستحب وقت کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ظہر کا وقت ختم ہوتے ہی عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور غروبِ آفتاب تک باقی رہتا ہے، عصر کا مستحب وقت سورج میں تغیر آنے سے پہلے تک رہتا ہے، خواہ گرمی کا موسم ہو یا سردی کا؛ اور سورج میں تغیر آنے کے بعد عصر کا مکروہ وقت شروع ہوجاتا ہے۔

عـن أبـي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: وإن أول وقـت الـعـصـر حين يدخل وقتها، وإن آخر وقتها حين تصفر الشمس.

(سنن الترمذي ۱/ ٤۰)

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أمّني جبريل عليه السلام عند البيت مرتين، فصلى بي الظهر حين زالت الشمس – إلى قوله – فلما كان الغد صلى بي الظهر حين كان ظله مثله وصلى بي العصر حين كان ظله مثليه. (سنن أبي داؤد، الصلاة، باب في المواقيت ١/٥٦ رقم: ٣٩٣ دار الفكر)

أول وقت العصر إذا خرج وقت الظهر على القولين و آخر وقتها ما لم تغرب الشمس. (هداية ١/٨١، مكتبه بلال ديوبند ١/٧٨، درمختار ٢/١٦ زكريا، درمختار ٢/١٦ بيروت)

ويستحب تاخير العصر ما لم تتغير الشمس في الصيف والشتاء. (هداية ١/٨٣، مكتبه بلال ديوبند ١/٧٨، درمختار ٢/٢٦ زكريا، درمختار ٢/٢٤ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۶/۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مثلِ اول پر عصر کی اذان ونماز کا معمول بنانا؟

سوال (۳۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے شہر میں ایک مسجد ہے جس میں اکثر عصر کی نماز کی اذان وقت سے پہلے ہوتی ہے، اور جماعت بھی مہینہ میں اکثر دس یوم، تو وقت سے پہلے ہوتی ہوگی، اس مسجد میں تبلیغی جماعت بھی دو چار روز قیام کرتی ہے، اور شہر کے احباب بھی گشت کے دن عصر کی نماز جماعت سے پڑھتے ہیں، تو وہاں جماعت کا قیام اور اور مقامی حضرات کا عصر کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟ کیا بعد میں نماز دوہرایا کریں یا وہی نماز ادا ہوجائے گی، اور کون سی دہرائیں جو نمازیں وقت پر پڑھیں، لیکن اذان وقت سے پہلے ہوئی یا وہ نماز جو وقت سے پہلے ہوئی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حنفیہ کا راجح مذہب اگرچہ مثل ثانی کے بعد سے عصر کا وقت شروع ہونے کا ہے؛ لیکن حضرات صاحبینؒ، ائمہ ثلاثہؒ اور خود حنفیہ کے بہت سے فقہاء کے

نزدیک مثل اول کے ختم پر عصر کی نماز پڑھنا درست ہے؛ لہٰذا کوشش تو یہی کرنی چاہئے کہ ایسی مسجد میں نماز پڑھی جائے جہاں عصر کی اذان اور جماعت مثلین کے بعد ہوتی ہو؛ لیکن اگر کسی ضرورت کی وجہ سے کسی ایسی مسجد میں نماز عصر پڑھی گئی ہے جہاں مثل اول کے ختم پر اذان وجماعت کا معمول ہے، تو اس نماز کو دہرانے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أمّني جبريل عليه السلام عند البيت مرتين، فصلى بي الظهر حين زالت الشمس – إلى قوله – فلما كان الغد صلى بي الظهر حين كان ظله مثله وصلى بي العصر حين كان ظله مثليه. (سنن أبي داؤد، الصلاة / باب في المواقيت ٥٦/١ رقم: ٣٩٣ دار الفكر)

ووقت الظهر من زواله – إلى قوله – إلى بلوغ الظل مثليه، وعنه ومثله وهو قولهما، وزفر والأئمة الثلاثة، وفي الشامية: إن الاحتياط أن لا يؤخر الظهر إلى المثل، وأن لا يصلي العصر حتى يبلغ المثلين. (شامي ١٤/٢-١٥ زكريا)

والأحسن ما في السراج عن شيخ الإسلام أن الاحتياط أن لا يؤخر الظهر إلى المثل وأن لا يصلي العصر حتى يبلغ المثلين ليكون مؤديا للصلاتين في وقتهما بالإجماع. (شامي ٣٥٩/١ كراچی، حلبي كبير ٢٢٧ لاهور)

وقت العصر من بلوغ الظل مثليه، والثانية رواية الحسن إذا صار ظل كل شيء مثله سوى الفيء وهو قولهما. (البحر الرائق ٢٤٥/١)

قوله: إلى بلوغ مثليه هذا ظاهر الرواية عن الإمام، (نهاية) وهو الصحيح. (شامي ٣٥٩/١ كراچی، المحيط البرهاني ٦/٢ ڈابھیل) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۹/۷/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مثلِ ثانی شروع ہونے سے پہلے عصر کی سنت پڑھنا؟

سوال (۳۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: پٹن والی مسجد مرادآباد میں عصر کی نماز اول وقت پر ہوتی ہے، اور جوں ہی وقت عصر شروع ہوتا ہے فوراًاذان ہوتی ہے، اور نماز کھڑی ہوجاتی ہے، آیا وقت عصر سے قبل عصر کی سنت پڑھ سکتے ہیں یانہیں؟ اور یہ مسجد بازار میں واقع ہے، دوکاندار حضرات نماز ادا کرنے آتے ہیں، ان کی سہولیات کی بناپر اول وقت میں تمام نمازیں ادا کی جاتی ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہتر یہ ہے کہ اول وقت عصر کی اذان دے کر کم ازکم ۵/منٹ وقفہ کے بعد جماعت کھڑی کی جائے؛ تاکہ سنت پڑھنے کے شوقین حضرات سنت ادا کرسکیں، اور اس حدیث پر عمل ہو جس میں اذان اور تکبیر کے درمیان نفل پڑھنے کا تذکرہ ہے، اگر یہ صورت نہ ہوسکے تو پھر چوں کہ عصر کا وقت حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک مثل اول پر شروع ہوجاتا ہے، اس لئے جو حضرات مثلِ ثانی شروع ہونے سے پہلے عصر کی سنتیں پڑھیں گے، حضرات صاحبینؒ کے نزدیک یہ سنتیں عصر ہی کی سمجھی جائیں گی، اور شرعاًاس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ اوقات نفل کے لئے ممنوع نہیں ہیں۔

عن عبد اللّٰه بن معقل المزني رضي اللّٰه عنه إن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: بين كل أذانين صلوة ثلاثاً لمن شاء. (صحيح البخاري ۸۷/۱، رقم: ٦٢٤)

ومنها الفصل فيما سوى المغرب بين الأذان والإقامة؛ لأن الإعلام المطلوب من كل واحد منهما لايحصل إلا بالفصل، والفصل فيما سوى المغرب بالصلاة أو بالجلوس مسنون والوصل مكروه. (بدائع الصنائع ۳۷۱/۱ زكريا، ۱۵۰/۱ كراچی)

وفي العصر مقدار ما يصلي ركعتين يقرأ في ركعة نحو من عشر آيات.

(بدائع الصنائع ۳۷۱/۱ زكريا، ۱۵۰/۱ كراچی)

وعندهما إذا صار ظل كل شيء مثله. (فتح القدير ۲۲۰/۱ بيروت)

فوقت جملتها وقت المكتوبات؛ لأنها توابع للمكتوبات فكانت تابعة في الوقت . (بدائع الصنائع ۳٦/١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۸/۱۱/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شافعی دائمی جنتری کے حساب سے ساڑھے تین بجے حنفی شخص کا عصر کی نماز پڑھنا؟

سوال (۳۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نقشہ دائمی جنتری میں وقت نماز عصر اگر شافعی یا اہلِ حدیث کے مسلک پر مثلاً ۳؍ بجے اور عصر حنفی ۴؍ بجے لکھا ہو، تو حنفی حضرات ساڑھے تین یا پونے چار بجے اذان کہہ سکتے ہیں، اس میں کیا گنجائش ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حنفی حضرات پر احتیاطاً ضروری ہے کہ وہ صورتِ مسئولہ میں ۴؍ بجے کے بعد ہی عصر کی اذان دیں، اس سے پہلے اذان دینا مناسب نہ ہوگا، اتفاقاً اگر وقت سے پہلے اذان دے دی گئی تو وقت میں اس کا اعادہ ضروری معلوم نہیں ہوتا؛ کیوں کہ عصر کے وقت کی ابتداء میں حنفیہ کے یہاں بھی دو قول مشہور ہیں۔

ووقت الظهر من زواله – إلى قوله – إلى بلوغ الظل مثليه، وعنه ومثله وهو قولهما، وزفر والأئمة الثلاثة، وفي الشامية: إن الاحتياط أن لا يؤخر الظهر إلى المثل، وأن لا يصلي العصر حتى يبلغ المثلين. (شامي ۱٤/۲-۱٥ زكريا)

تقديم الأذان على الوقت في غير الصبح لا يجوز اتفاقاً وكذا في الصبح عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ وإن قدم يعاد في الوقت. (الفتاویٰ الهندية ٥۳/١)

لو أذن قبل الوقت يعاد في دخول الوقت. (مجمع الأنهر ۱۱٤/۱ بيروت، درمختار

مع الشامي ۲/ ۰ ۵ زکریا، البحر الرائق ۱/ ۲ ٦ ۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۱۰/۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سجدۂ تلاوت، نماز جنازہ اور قضا نماز عصر کے بعد پڑھنا کیسا ہے؟

سوال (۳۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سجدۂ تلاوت اور نماز جنازہ اور قضاء نماز بعد نماز عصر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بعد نماز عصر سورج میں تغیر آنے سے پہلے تک سجدۂ تلاوت، نماز جنازہ اور قضا نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں، اور اگر اسی وقت سجدۂ تلاوت واجب ہو یا جنازہ حاضر ہو تو قبل غروب بھی ادا کرنے کی گنجائش ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/ ۲۰٦)

عن عقبة بن عامر الجهني رضي اللّٰه عنه قال: ثلاث ساعات كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن أو أن نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس، وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب. (صحيح مسلم، الصلاة / باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها ۱/ ۲۷٦ رقم: ۸۳۱ بيت الأفكار)

فيجوز فيها قضاء الفائتة وصلاة الجنازة وسجدة التلاوة ومنها ما بعد صلاة العصر قبل التغير. هكذا في النهاية والكفاية. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۵۳-۵٤)

ومنع عن الصلاة وسجدة التلاوة المتلوة في غير هذه الأوقات، و صلاة الجنازة حضرت قبلها لأن ما وجب كاملاً لا يتأدى بالناقص، وأما المتلوة أو الحاضرة فيها لا يكره أي تحريما؛ لأنها وجبت ناقصة أديت فيها كما وجبت.

(سكب الأنهر على مجمع الأنهر ۱/ ۱۱۱، البحر الرائق ۱/ ۲۵۰)

وكـذا يشترط لها الوقت حتى لو تلاها أو سمعها في وقت غير مكروهٍ فأداها فـي مكروه لا تـجزيه؛ لأنها وجبت كاملةً إلا إذا تلاها في مكروهٍ وسجدها فيه أو في مكروهٍ اٰخر جاز؛ لأنه أداها كما وجبت. (شامي ۲/ ۵۷۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۲/۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حنفی شخص کا حرمین شریفین میں مثلِ اول پر نماز عصر پڑھنا؟

سوال (۳۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حرم میں عصر کی نماز سایہ اصلی ایک مثل ہونے کے بعد پڑھی جاتی ہے، جب کہ احناف کے نزدیک سایہ اصلی دو مثل ہونے کے بعد عصر کا وقت شروع ہوتا ہے، ایسی صورت میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے احناف کی عصر کی نماز صحیح ہوتی ہے یا نہیں؟ بعض روایات سے معلوم ہوا کہ صاحبین کے نزدیک عصر کی نماز سایہ اصلی ایک مثل ہونے کے بعد پڑھی جاسکتی ہے، یہ کہاں تک صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مثل اول پر عصر کی نماز حنفیہ میں سے صاحبینؒ کے مذہب پر درست ہے، بہت سے مشائخ احناف سے اس رائے کی ترجیح بھی منقول ہے؛ لہٰذا جماعت کی اہمیت اور حرمین شریفین میں اس کی فضیلت کے حصول کے لئے صاحبینؒ کے مذہب کو اختیار کیا جاتا ہے، اور اس وقت اکثر احناف کا اسی پر عمل ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲/۱۴۵)

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أمّني جبريل عليه السلام عند البيت مرتين...... وصلى بي العصر حين كان ظله مثلَه...... فلما كان الغد ...... صلى بي العصر حين كان ظله مثليه. (سنن أبي داؤد، الصلاة / باب في المواقيت ۱/ ۵٦ رقم: ۳۹۳ دار الفكر)

وقت العصر من بلوغ الظل مثليه، والثانية رواية الحسن إذا صار ظل كل شيء مثله سوى الفيء وهو قولهما. (البحر الرائق ۱/ ۲٤٥)

ووقت الظهر من زواله ...... إلى بلوغ الظل مثليه، وعنه مثله، وهو قولهما وزفر والأئمة الثلاثة. قال الإمام الطحاوي: وبهٖ نأخذ......الخ. (درمختار ۲/ ۱٤-۱۵ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۰/۲/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مغرب کا وقت

سوال (۳۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مغرب کی نماز کا وقت کب سے کب تک رہتا ہے؟ اور مغرب کی نماز پڑھنے کا مستحب وقت کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غروب شمس سے لے کر افق پر سے سفید روشنی کے غائب ہونے تک مغرب کا وقت باقی رہتا ہے، مغرب کی نماز اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے بلاعذر تاخیر کرنا مکروہ ہے۔

عن عبد اللّٰه بن عمرو بن العاص رضي اللّٰه عنه أنه قال: سئل رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن وقت الصلاة، فقال – وفيه – ووقت صلاة المغرب إذا غابت الشمس ما لم يسقط الشفق. (صحيح مسلم، الصلاة / باب أوقات الصلوات الخمس ۱/ ۲۲۳ رقم: ٦۱۲ بيت الأفكار)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن للصلاة أولاً وآخراً – وفيه – وإن أول وقت المغرب حين تغرب الشمس، وإن آخر وقتها حين يغيب الشفق. (سنن الترمذي، الصلاة / باب ما جاء في مواقيت الصلاة عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ۱/ ۳۹ رقم: ۱۵۱)

وأول وقت المغرب إذا غربت الشمس وآخر وقتها ما لم يغب الشفق ثم الشفق هو البياض الذي في الأفق بعد الحمرة. (هداية ۱/ ۸۱، مكتبه بلال ديو بند ۱/ ۷۸)

ووقت المغرب منه إلى غروب الشفق. (در مختار ١٧/٢ زكريا، مجمع الأنهر ١٠٥/١ بيروت، الفتاویٰ الهندية ٥١/١)

ويستحب تعجيل المغرب؛ لأن تأخيرها مكروه. (هداية ٨٣/١، مكتبه بلال ديوبند ٨٠/١، درمختار ٢٧/٢ زكريا)

أما إذا كان في المغرب فالمستحب أن يفصل بسكتة يسكت قائما مقداراً بما يتمكن من قراءة آيات قصار. (الفتاویٰ الهندية ٥٧/١، شامي ٣٨٩/١ كراچی، مراقي الفلاح ١٥٩ مصري)

وآخر وقت المغرب إلى اشتباك النجوم. (درمختار مع الشامي ٢٧/٢ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۲/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مغرب کا وقت انگریزی گھنٹہ کے حساب سے کب تک رہتا ہے؟

سوال (۳۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مغرب کا وقت انگریزی گھنٹہ کے اعتبار سے کب تک رہتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صاحبینؒ کے مذہب کے مطابق غروبِ آفتاب کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ اور امام صاحب کے نزدیک تقریباً سوا یا ڈیڑھ گھنٹہ مہینوں کے فرق کے اعتبار سے مغرب کا وقت رہتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۴۶/۱-۴۷)

عن عبد اللّٰه بن عمرو بن العاص رضي اللّٰه عنه أنه قال: سئل رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن وقت الصلاة، فقال – وفيه – ووقت صلاة المغرب إذا غابت الشمس ما لم يسقط الشفق. (صحيح مسلم، الصلاة / باب أوقات الصلوات الخمس ٢٢٣/١ رقم: ٦١٢ بيت الأفكار)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن للصلاة أولاً وآخراً – وفيه – وإن أول وقت المغرب حين تغرب الشمس، وإن آخر وقتها حين يغيب الشفق. (سنن الترمذي، الصلاة / باب ما جاء في مواقيت الصلاة عن النبي صلى الله عليه وسلم ۱/ ۳۹ رقم: ۱۵۱)

وآخر وقت المغرب إلى اشتباك النجوم. (درمختار مع الشامي ۲/ ۲۷ زكريا)

ووقت المغرب منه إلى غروب الشفق. (شامي ۱/ ۳۶۱ كراچی، مجمع الأنهر ۱/ ۱۰۵، الفتاوىٰ الهندية ۱/ ۵۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہٗ ۱۴۱۴/۷/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مغرب کا آخری وقت کب تک رہتا ہے؟

سوال (۳۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مغرب کے وقت کے متعلق بتائیں کہ اس کا وقت کب تک رہتا ہے، عوام الناس چوں کہ شفق احمر وشفق ابیض میں تمیز نہیں کر سکتے، بعض مولوی صاحب نے یہ کہا کہ اس کا وقت ابتداء عشاء تک رہتا ہے، اور بعض دوسرے نے اس کا جواب یہ دیا کہ مغرب کا ٹائم تقریباً صرف پون گھنٹہ رہتا ہے، غروب آفتاب کے بعد سے، اس کے بعد نہیں رہتا، پون گھنٹہ کے بعد اگر کوئی مغرب کی نماز پڑھے تو وہ نماز ادا نہ ہوگی؛ بلکہ قضا شمار ہوگی، اس مسئلہ میں بھی کسی مولوی صاحب نے کوئی دلیل نہیں دی؛ اس لئے اس کا جواب مدلل تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عموماً غروبِ آفتاب اور شروع وقت عشاء کے درمیان کم وبیش سوا گھنٹہ سے ڈیڑھ گھنٹہ یا کچھ زائد کا وقفہ ہوتا ہے، یہ کمی بیشی موسموں کے فرق سے ہوتی رہتی ہے؛ اس لئے آپس میں بحث کرنے کے بجائے معتبر دائمی تقویم کے حساب پر اعتماد ہونا

چاہئے، اب بعض ایسی تقویم بھی چھپ گئی ہیں جن میں ہندوستان بھر کے اہم شہروں اور قصبات کے نماز کے اوقات یکجا کر دئے گئے ہیں، اسے مطالعہ میں رکھیں۔

عن عبد اللّٰہ بن عمرو بن العاص رضي اللّٰہ عنه أنه قال: سئل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم عن وقت الصلاة، فقال – وفیه – ووقت صلاة المغرب إذا غابت الشمس ما لم یسقط الشفق. (صحیح مسلم، الصلاة / باب أوقات الصلوات الخمس ۲۲۳/۱ رقم: ٦۱۲ بیت الأفکار)

عن أبي هریرة رضي اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: إن للصلاة أولاً وآخراً – وفیه – وإن أول وقت المغرب حین تغرب الشمس، وإن آخر وقتها حین یغیب الشفق. (سنن الترمذي، الصلاة / باب ما جاء في مواقیت الصلاة عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم ۳۹/۱ رقم: ۱۵۱)

ووقت المغرب منه إلی غروب الشفق. (درمختار ۳٦۱/۱ کراچی، درمختار ۱۷/۲ زکریا، مجمع الأنهر ۱۰۵/۱، الفتاویٰ الهندیة ۵۱/۱)

ووقت المغرب من غروبها إلی مغیب الشفق، وهو البیاض الکائن في الأفق بعد الحمرة، وقالا: هو الحمرة، قال ابن نجیم: إن الصحیح المفتیٰ به قول صاحب المذهب، لا قول صاحبیه، واستفید منه أنه لا یفتی، ولا یعمل إلا بقول الإمام. (مجمع الأنهر ۱۰۵/۱، شامي ۳٦۱/۱ کراچی، شامي ۱۷/۲ زکریا، الفتاویٰ الهندیة ۵۱/۱، مراقي الفلاح مع الطحطاوي ۱٤۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۱۰/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رمضان میں مغرب کی اذان ونماز کے درمیان فاصلہ کتنا ہو؟

سوال (۳۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: رمضان المبارک میں مغرب کی اذان کے بعد نماز میں کتنا وقفہ ہونا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تکبیر وجماعت کی خاطر رمضان المبارک میں مغرب کی اذان اور نماز کے درمیان کم وبیش دس منٹ کا وقفہ دینا افضل ہے؛ تاکہ اس مبارک مہینہ میں سب لوگوں کو جماعت میں شرکت کا ثواب مل سکے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۲/ ۲۵، اکابر کا رمضان ۴۲)

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضي اللّٰہ تعالیٰ عنه أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم قال لبلال: واجعل بین أذانک وإقامتک قدر ما یفرغ الآکل من أکله والشارب من شربه، والمعتصر إذا دخل لقضاء حاجته الخ. (سنن الترمذي رقم: ۱۹۵، مشکاۃ المصابیح رقم: ٦٤٧)

ویفصل بین الأذان والإقامة لکراهة وصلهما لقوله علیه السلام لبلال: اجعل بین أذانک وإقامتک نفساً حتی یقضي المتوضئ حاجته في مهل، وحتی یفرغ الآکل من أکل طعامه في مهل بقدر ما یحضر الملازمون ...... ولأن المقصود بالأذان إعلام الناس بدخول الوقت لیتهیّؤا للصلاة بطهارة فیحضروا المسجد وبالوصل ینتفي هٰذا المقصود ...... الحاصل أن التاخیر الیسیر للإعانة علی الخیر غیر مکروه. (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح / باب الأذان ١٥٩، تبیین الحقائق ٢/١ ٩ إمدادیة ملتان)

وأخّر المغرب إلی اشتباک النجوم أي کثرتها کره أي التاخیر لا الفصل؛ لأنه مأمور به تحریمًا إلا بعذر کسفر، وکونه علی أکل أي لکراهة الصلاة مع حضور طعام تمیل إلیه نفسه، ولحدیث: إذا أقیمت الصلاة وحضر العشاء فأبدَؤوا بالعشاء. (رواه الشیخان، درمختار مع الشامي ٢/٢٧-٢٨ زکریا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۹/۱۶ھ

رمضان میں مغرب کی نماز قدرے تاخیر سے ادا کرنا؟

سوال (۳۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: افطاری کی مشغولیت کی وجہ سے رمضان المبارک میں اگر مغرب کی نماز میں دس پندرہ منٹ تاخیر ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ماہِ رمضان میں مغرب کی نماز دس، پندرہ منٹ تاخیر سے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے (تاکہ روزہ دار حضرات اطمینان سے افطار سے فارغ ہوکر جماعت میں شریک ہوسکیں)

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال لبلال: إذا أذنت فترسّل، واجعل بین أذانک وإقامتک قدر ما یفرغ الأکل من أکله والشارب من شربه.

قال الملا علي القاري تحت قوله: الشارب من شربه: قال ابن الملک: کأنه في المغرب لضیق وقته. (مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح / باب الأذان ۳۱۸/۲ تحت رقم: ٦٤٧ والحدیث أخرجه الترمذي ۵۰/۱ رقم: ۱۹۵)

وأخّر المغرب إلی اشتباک النجوم أي کثرتها کُره أي التاخیر ...... تحریماً إلا بعذر کسفر وکونه علی أکل (درمختار) وفي الشامي: واقتصر في الإمداد وغیره علی ذکر الاستثناء في المغرب، وعبارته إلا من عذر، کسفر ومرض وحضور مائدة أو غیم. (شامي ۲۷/۲ زکریا، ۲٦/۲ بیروت، الفتاویٰ التاتاخانیة ۱۱/۲ رقم: ۱۵۱۰ زکریا، فتح القدیر ۳۳۰/۱) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مغرب کی اذان ونماز میں کتنا فاصلہ ہو؟

سوال (۴۰): - کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مغرب کی اذان سنتے ہی جولوگ گھر سے چل دیتے ہیں، اکثر ان کوبھی تکبیر اولیٰ نہیں ملتی، اور اگر وضو کرنا پڑے تو ایک یا دو رکعت چلی جاتی ہیں، پھر مغرب کی اذان کا کیا مقصد ہے؟ جب کہ جمعہ وشہر کی چھٹی کے دن مسجدوں میں اکثر اتنے نمازی ہوتے ہیں کہ ان کو وضو کے لئے کھڑے ہوکر انتظار کرنا پڑتا ہے، ایسی حالت میں امام صاحب کے اوپر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عام حالات میں مغرب کی اَذان اور نماز میں جلدی کرنا مستحب ہے، اس استحباب کا لحاظ کرتے ہوئے قدرے تاخیر کی گنجائش ہے، جس کا اندازہ فقہاء سے تین چھوٹی آیتیں پڑھنے کے بقدر منقول ہے، اور نمازیوں کو اذان سے قبل نماز کی تیاری کرنی چاہئے؛ تاکہ کوئی فضیلت ترک نہ ہو۔

ویفصل بین الأذان والإقامة بقدر ما یحضر القوم الملازمون للصلاۃ للأمر بہ مع مراعاۃ الوقت المستحب، فلا یجوز التاخیر عنہ إلی المکروہ مطلقاً.

(الطحطاوی علی المراقي ۱۰۷)

وأما إذا کان في المغرب فالمستحب أن یفصل بسکتۃ یسکت قائما مقدار بما یتمکن من قراءۃ ثلاث آیات قصار. (الفتاویٰ الهندیة ۵۷/۱، شامي ۳۸۹/۱ کراچی، مراقي الفلاح مع الطحطاوي ۱۵۹ باب الآذان) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۷/۶/۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز مغرب میں کتنی تعجیل کی جائے؟

سوال (۴۱): - کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: نمازِ مغرب میں کتنی جلدی کا حکم ہے؟ مؤذن اذان دے کر صفوں تک بھی نہیں آپاتا کہ دوسرا شخص تکبیر شروع کردیتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مغرب میں اذان ونماز میں قدرے فصل ہونا چاہئے، جس کا اندازہ فقہاء نے تین چھوٹی آیتیں پڑھنے سے لگایا ہے، اور اتنی جلدی کرنا کہ مؤذن صف تک بھی نہ پہنچنے پائے کہ تکبیر شروع کردی جائے، یہ صحیح نہیں ہے۔

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضي اللّٰہ عنه أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال لبلال: إذا أذنت فترسّل، واجعل بین أذانک وإقامتک قدر ما یفرغ الآکل من أکله والشارب من شربه.

قال الملا علي القاري تحت قوله: الشارب من شربه: قال ابن الملک: کأنه في المغرب لضیق وقته. (مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح / باب الأذان ۳۱۸/۲ تحت رقم: ٦٤٧ والحدیث أخرجه الترمذي ۵۰/۱ رقم: ۱۹۵)

إلا في المغرب فیسکت ثلاث آیات قصار، ویکره الوصل إجماعا.

(درمختار ۳۸۹/۱-۳۹۰ کراچی، درمختار ٦/۲ ۵ زکریا، الفتاویٰ الهندیة ۵۷/۱، مراقي الفلاح مع الطحطاوي ۱۵۹ باب الآذان) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۲/۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عشاء کا مستحب وقت

سوال (۴۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عشاء کی نماز کا آخری وقت کب تک ہے؟ اور اس کا مستحب وقت کب تک رہتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عشاء کا ابتدائی وقت سفید روشنی کے غائب ہونے سے شروع ہوکر صبح صادق کے طلوع تک رہتا ہے؛ البتہ نماز عشاء تہائی رات سے پہلے تک مؤخر کرنا مستحب ہے (جب کہ کوئی اور عارض مثلاً تقلیل جماعت کا اندیشہ نہ ہو) اور آدھی رات تک پڑھنا بلا کراہت جائز ہے اور آدھی رات سے صبح صادق تک بلاعذر تاخیر کرنا مکروہ ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن للصلاة أولاً وآخراً – وفيه – وإن أول وقت العشاء الآخرة حين يغيب الأفق، وإن آخر وقتها حين ينتصف الليل. (سنن الترمذي، كتاب الصلاة / باب ما جاء في مواقيت الصلاة عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ۳۹/۱ رقم: ۱۵۱)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لولا أن أشق على أمتي لأمرتهم أن يؤخروا العشاء إلى ثلث الليل أو نصفه. (سنن الترمذي، كتاب الصلاة / باب ما جاء في تاخير العشاء الآخرة ۴۲/۱ رقم: ۱۶۷)

ابتداء وقت العشاء والوتر منه أي من غروب الشفق إلى قبيل طلوع الصبح الصادق لإجماع السلف. (مراقي الفلاح ۹۵، درمختار مع الشامي ۱۸/۲ زكريا، ۱۸/۲-۱۷ بيروت، هداية ۸۲/۱)

ويستحب تاخير العشاء إلى ما قبل ثلث الليل وإلى نصف الأخير مكروه والتاخير إلى نصف الليل مباح. (درمختار مع الشامي ۲۵/۲ بيروت، ۲۶/۲ زكريا، هداية ۸۳/۱)

إن التاخير إلى نصف الليل ليس بمستحب، وقالوا: إنه مباح وإلى ما بعده مكروه. (البحر الرائق ۲۴۸/۱، شامي ۳۶۸/۱ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

وتر کا مستحب وقت

سوال (۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: وتر کی نماز کا مستحب وقت کیا ہے؟ نیز وتر کی نماز عشاء کے بعد پڑھنا زیادہ بہتر ہے یا آخر رات تہجد کی نماز کے بعد پڑھنا بہتر ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وتر کا وقت عشاء کی نماز کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور صبح صادق کے طلوع تک رہتا ہے، جس شخص کو اخیر شب میں اپنے بیدار رہونے کا گمان غالب ہو، اس کے لئے اخیر رات میں وتر پڑھنا مستحب ہے، اور جس کو بیدار ہونے پر اعتماد نہ ہو اس کے لئے سونے سے پہلے وتر پڑھنا مستحب ہے۔

عن خارجة بن حذافة رضي اللّٰه عنه أنه قال: خرج علينا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: إن اللّٰه أمدّكم بصلاة هي خير لكم من حمر النعم، الوتر جعله اللّٰه لكم فيما بين صلاة العشاء إلى أن يطلع الفجر. (سنن الترمذي، الوتر / باب ما جاء في فضل الوتر ۱۰۳/۱ رقم: ٤٥١)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: أمرني رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن أوتر قبل أن أنام. (سنن الترمذي ۱۰۳/۱)

وأول وقت الوتر بعد العشاء وآخره ما لم يطلع الفجر. (درمختار مع الشامي ۱۸/۲ بيروت، ۱۸/۲ زكريا، هداية ۸۳/۱)

وقت العشاء والوتر غروب الشفق إلى الصبح كذا في الكافي. (الفتاوىٰ الهندية ۵۱/۱، البحر الرائق ۲٤٦/۱، شامی ۳٦۱/۱ كراچی)

أي وقت العشاء والوتر من غروب الشفق إلى طلوع الفجر، أما أوله فقد أجمعوا أنه يدخل بمغيب الشفق على اختلافهم في الشفق. (تبيين الحقائق للإمام الزيلعي

۸۱/۱، درمختار مع الشامي ۳٦۱/۱ كراچی)

ويستحب في الوتر لمن يألف صلاة الليل آخر الليل فإن لم يثق بالإنتباه أوتر قبل النوم. (هداية ۸٤/۱، درمختار مع الشامي ۲۸/۲ زكريا، ۲٦/۲ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

وقت سے پہلے عشاء پڑھنا؟

سوال (۴۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے ملک کشمیر میں نماز عشاء کا وقت آٹھ بج کر تیس منٹ پر شروع ہوتا ہے اور وہاں کے لوگ پونے آٹھ بجے یا آٹھ بجے عشاء کی نماز پڑھ لیتے ہیں، کیا ان لوگوں کی نماز ہوئی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں مقررہ وقت شروع ہونے سے پہلے عشاء کی نماز پڑھنے سے فریضۂ وقت ادا نہیں ہوگا؛ لہٰذا مقامی علماء اور ائمہ کو اس بارے میں اصلاح کی کوشش کرنی لازم ہے۔

قال الشامي بحثًا: ويكفي في ذٰلك النصوص الواردة بتعيين الأوقات من الأيات والأخبار. (شامي، كتاب الصلاة ٦/۲ ٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۴/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

صبح صادق سے پہلے عشاء کی نماز پڑھنا؟

سوال (۴۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر عشاء کی نماز بغیر پڑھے سوگئی اور بیچ رات میں یا فجر کے وقت سے پہلے اٹھ کر پڑھ لی، تو مجھے بتایا جائے کہ وہ نماز قضا ہوگی یا نہیں؟ نیت نماز عشاء قضا کی باندھی جائے گی یا جیسے نماز کی نیت ہوتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عشاء کا وقت صبح صادق تک ہے؛ لہٰذا فجر سے پہلے پڑھی گئی عشاء کی نماز وقت ہی میں پڑھی گئی ہے، وہ قضا نہیں ہوئی ہے، اس کی نیت بھی ادا نماز کی طرح کی جائے گی؛ لیکن بلا عذر قصداً اتنی تاخیر مکروہ ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لولا أن أشق على أمتي لأمرتهم أن يؤخروا العشاء إلى ثلث الليل أو نصفه. (سنن الترمذي، كتاب الصلاة / باب ما جاء في تاخير العشاء الآخرة ١/ ٤٢ رقم: ١٦٧)

ووقت العشاء والوتر منه إلى الصبح. (درمختار مع الشامي ٢/ ١٨ زكريا)

ابتداء وقت العشاء والوتر منه أي من غروب الشفق إلى قبيل طلوع الصبح الصادق لإجماع السلف. (مراقي الفلاح ٩٥، درمختار مع الشامي ٢/ ١٨ زكريا، ٢/ ١٧-١٨ بيروت، هداية ١/ ٨٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۵/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کن اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے؟

سوال (۴۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کن اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: درج ذیل تین اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے:

(۱) سورج طلوع ہونے سے اشراق کا وقت شروع ہونے تک، یعنی تقریباً ۱۵-۲۰/ منٹ

(۲) زوال کے وقت، یعنی جنتریوں میں جو زوال (نصف النہار عرفی) کا وقت درج ہوتا ہے اس سے احتیاطاً پانچ منٹ پہلے اور پانچ منٹ بعد تک۔

(۳) غروب شمس کے وقت، یعنی جب سورج ڈوبنے شروع ہوجائے، تو مکمل ڈوبنے تک نماز پڑھنا مکروہ ہوگا۔

عن عقبة بن عامر الجهني رضي الله عنه قال: ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن أو أن نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس، وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب. (صحيح مسلم، الصلاة / باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها ١/٢٧٦ رقم: ٨٣١ بيت الأفكار)

الأوقات المكروهة: أولها: عند طلوع الشمس إلى أن ترتفع وتبيض قدر رمح أو رمحين، والثاني: عند استوائها، والثالث: عند اصفرارها. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي ١٤٩، شامي / مطلب يشترط العلم بدخول الوقت ٢/٣١ زكريا، شامي ١/٢٤٨ نعمانية)

ثلاث ساعات لا تجوز فيها المكتوبة ولا صلاة الجنازة ولا سجدة التلاوة إذا طلعت الشمس حتى ترتفع و عند الإنتصاف إلى أن تزول وعند احمرارها إلى أن تغيب. (الفتاویٰ الهندية ١/٥٢، هداية ١/٨٤)

كره تحريماً صلاة مطلقًا مع شروق واستواء وغروب إلا عصر يومه.

(درمختار مع الشامي / كتاب الصلاة ١/٣٧٠ كراچی، ٢/٣٠-٣٢ زكريا، الفتاویٰ الهندية، الصلاة / الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها الصلاة وتكره فيها ١/٥٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عصر کے بعد نفل نماز ادا کرنا؟

سوال (۴۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے شادی والے دن بشکر یہ ازدواج بعد نماز عصر نماز پڑھنا چاہا، اسی وقت مسجد سے علماء کے

ایک وفد کا خروج ہو رہا تھا، ان عالموں میں سے ایک عالم نے مڑ کر دیکھا کہ زید بعد نماز عصر نماز پڑھ رہا ہے، حالاں کہ بعد نماز عصر کسی بھی نماز کا جواز مسموع نہیں ہے، جب کہ انہیں علماء میں سے ایک عالم نے کہا کہ نہیں بھائی بعد نماز عصر اگرچہ نفل نماز کا پڑھنا غیر صحیح ہے؛ لیکن قضاء عمری بعد نماز عصر جائز ہے، جب کہ ان علماء کا مسئلہ بتاتے ہوئے یہ حال تھا کہ ان میں سے کسی کے پاس بھی کوئی دلیل موجود نہیں تھی، اور لڑنے مرنے کے لئے تیار تھے، اس لئے بے چارہ زید شک میں پڑ گیا اور نماز بھی نہ پڑھ سکا؛ لہٰذا احقر آپ سے عجز وانکساری کے ساتھ مذکورہ بالا مسئلہ کی مکمل ومدلل واقفیت چاہتا ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عصر کے بعد کوئی نفل نماز پڑھنی جائز نہیں؛ البتہ یہ وقت فرض نمازوں کے لئے مکروہ نہیں، جس طرح عصر کی وقتیہ فرض نماز اس وقت میں پڑھی جاسکتی ہے، اسی طرح قضاء شدہ نمازیں بھی پڑھنے کی اجازت ہے، البتہ جب سورج پیلا پڑ جائے، تو وقتیہ نماز کے علاوہ کوئی نماز پڑھنا جائز نہ ہوگا۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: سمعت غير واحد من أصحاب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، منهم عمر بن الخطاب، وكان من أحبهم إلي أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم نهى عن الصلوة بعد الفجر حتى تطلع الشمس، وعن الصلاة بعد العصر حتى تغرب الشمس. (سنن الترمذي ٤٥/١)

وهو قول أكثر الفقهاء من أصحاب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ومن بعدهم أنهم كرهوا الصلوة بعد صلاة الصبح حتى تطلع الشمس، وبعد العصر حتى تغرب الشمس، وأما الصلوات الفوائت فلابأس أن تقضي بعد العصر وبعد الصبح. (سنن الترمذي ٤٥/١) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۹/۱/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

غروبِ شمس کے وقت یا اس سے کچھ پہلے اُسی دن کی عصر کی نماز؟

سوال (۴۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: غروبِ شمس کے وقت یا اس سے کچھ پہلے اُسی دن کی عصر کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟ نیز اگر عصر کی نماز کے دوران سورج غروب ہوگیا تو نماز کا حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب سورج میں سرخی آجائے تو اگر کوئی شخص اُسی دن کی عصر کی نماز اس وقت پڑھ لے تو اَدا ہوجائے گی؛ حتیٰ کہ اگر عصر کی نماز پڑھتے پڑھتے سورج غروب ہوجائے تو بھی عصر کی نماز صحیح ہوجائے گی، اعادہ لازم نہ ہوگا۔

إلا عصر یومہٖ عند الغروب؛ لأن السبب هو الجزء القائم من الوقت، وإذا کان کذٰلک فقد أداها کما وجبت، بخلاف غیرها من الصلوات؛ لأنه وجبت کاملة فلا تتأدی بالناقص. (هدایة ۱/۸۵، درمختار ۲/۳۰ بیروت، درمختار ۲/۳۰ زکریا، کنز الدقائق ۱/۱۸، شرح الوقایة ۱/۱۳۱)

وکره صلاة مطلقًا مع شروق واستواء وغروب إلا عصر یومه فلا یکره فعله. (شامي ۲/۳۲ زکریا، درمختار ۲/۳۰-۲۸ بیروت، نور الإیضاح ۵۹)

لکن یکره تاخیره إلی أن تتغیر الشمس هٰکذا ذکر في الأصل، وفي القدوري: وذکر الطحاوي إلی أن مع هٰذا لو صلی جاز؛ لأنه صلی في الوقت.

(الفتاویٰ التاتارخانیة ۲/۱۰ رقم: ۱۵۰۸، ۲/۱۳ رقم: ۱۵۱۷ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طلوعِ آفتاب کے وقت سجدۂ تلاوت؟

سوال (۴۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: طلوعِ آفتاب کے وقت سجدۂ تلاوت کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سجدۂ تلاوت مکروہ وقت میں تلاوت کی وجہ سے واجب ہوا ہو تو وقت مکروہ میں اس کا ادا کرنا کراہتِ تنزیہی کے ساتھ جائز ہے اور تاخیر افضل ہے، اور اگر وقتِ مکروہ سے پہلے واجب ہوا ہو، تو وقتِ مکروہ میں ادا کرنا جائز نہیں، اگر کرلیا تو اعادہ واجب ہوگا۔

فلو وجبتا فيها لم يكره فعلهما أي تحريما أفاد ثبوت الكراهة التنزيهية.

(درمختار مع الشامي ۲/۳۵ زكريا، ۲/۳۲ بيروت)

وكذا سجدة التلاوة فإنه إنما يكره في هذه الأوقات فيما إذا كانت التلاوة في غير هذه الأوقات أما لو تلا في وقت مكروه وسجدها فيه جاز من غير كراهة، وإذا تلا آية السجدة في هذه فالأفضل أن لا يسجد، ولو سجد جاز، ولا يعيد. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/۱٤ رقم: ۱۵۱۷ زكريا، هداية ۱/۸۵، الفتاویٰ الهندية ۱/۱۳۵)

ولا سجدة تلاوة؛ لأنها في معنى الصلاة...... والمراد بالنفي المذكور في ...... سجدة التلاوة الكراهة، حتى لو ...... تلا سجدة فيه، فسجدها: جاز؛ لأنها أديت ناقصة كما وجبت؛ إذا الوجوب ...... بالتلاوة. (هداية ۱/۸۵، الهداية شرح بداية المبتدي ۱/۱۵۵، مكتبة البشرىٰ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

صبح صادق اور فجر اور عصر کی نماز کے بعد قضا نماز پڑھنا؟

سوال (۵۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: الف: - صبح صادق کے بعد قضا نماز پڑھنا کیسا ہے؟

ب: - فجر کی نماز کے بعد قضا نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

ج: - عصر کی نماز کے بعد قضا نماز پڑھنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: الف:- صبح صادق کے بعد قضا نماز پڑھنا شرعاً درست ہے۔

ومنها ما بعد طلوع الفجر قبل صلاة الفجر. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۵۳)

ب:- اور فجر کی نماز کے بعد سورج نکلنے سے پہلے تک قضا نماز پڑھنا جائز ہے۔

ومنها مابعد صلاة الفجر قبل طلوع الشمس. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۵۳)

ج:- اسی طرح جب تک سورج میں زردی نہ آ جائے اس وقت تک عصر کی نماز کے بعد قضا نماز پڑھنا بھی جائز ہے؛ لیکن سورج میں زردی آنے کے بعد سابقہ قضا نماز پڑھنا درست نہ ہوگا۔

ومنها ما بعد صلاة العصر قبل التغير. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۵۳)

تسعة أوقات يجوز فيها قضاء الفائتة بعد طلوع الفجر قبل صلاة الفجر، وبعد الفريضة قبل طلوع الشمس وبعد صلاة العصر قبل التغير، وبعد غروب الشمس قبل صلاة المغرب .... (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ۱۷ رقم: ۱۵۲۶ زكريا)

البتہ ان اوقات میں نفل نماز پڑھنا ممنوع ہے۔

ويكره أن يتنفل بعد الفجر حتى تطلع الشمس وبعد العصر حتى تغرب، ولا بأس بأن يصلي في هذين الوقتين الفوائت. (هداية، كتاب الصلاة ۱/ ۸۶)

ومنع عن الصلاة...... بعد صلاة العصر و الفجر لا عن قضاء فائتة و سجدة تلاوة. (مجمع الأنهر ۱/ ۱۱۰ بيروت، البحر الرائق ۱/ ۲۴۹) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اذان دیر سے ہونے کی وجہ سے جماعت میں وقت مقررہ سے تاخیر کرنا؟

سوال (۵۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: مثال کے طور پر اذان ہوتی ہے پونے پانچ بجے اور جماعت ہوتی ہے پانچ بجے، اب اگر کسی وجہ سے اذان میں دیر ہو جائے، یعنی اگر اذان چار بج کر ۵۵؍منٹ پر ہو، اب جماعت میں وقت کے حساب سے ۵؍منٹ باقی رہ گئے؛ لہٰذا امام صاحب جماعت کھڑی کرنے میں مقتدیوں کا انتظار کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یا پانچ بجے جماعت کھڑی کردی جائے، یا ۵؍۱۰؍منٹ انتظار کیا جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر یہ امید ہو کہ کچھ انتظار کرنے سے مزید نمازی آجائیں گے تو ان کی آمد کا انتظار کرنا مناسب ہے؛ اس لئے کہ جماعت کی کثرت شریعت میں مطلوب ہے، گھڑیوں کے اعتبار سے مقرر کیا گیا وقت ایسا ضروری نہیں کہ اس سے تجاوز کرنا جائز نہ ہو؛ بلکہ نمازیوں کی کثرت کا لحاظ کرنا چاہئے، اگرچہ وقتِ مقررہ سے کچھ دیر ہی ہو جائے، اور امام اگر قدرے انتظار کرتا ہے تو اسے برا بھلا نہ کہنا چاہئے؛ البتہ اگر سب مقتدی حاضر ہو جائیں تو اب تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۲؍۵۲، فتاویٰ محمودیہ ۹؍۴۴۹ میرٹھ)

عن جابر رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال لبلالٍ: إذا أذنت فترسل، وإذا أقمت فاحدُر، واجعل ما بين أذانِک وإقامتِک قدر ما يفرغ الآكل من أكله، والشارب من شربه، والمعتصر إذا دخل لقضاء حاجته.

(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة / باب الأذان ۲/ ۳۱۷ رقم: ٦٤٧ دار الكتب العلمية بيروت، سنن الترمذي ۱/ ۳۷۳ رقم: ۱۹۵)

فالحاصل أن التاخير القليل لإعانة أهل الخير غير مكروه. (شامي ۱/ ٤٩٥ كراچی، شامي ۲/ ۱۹۹ زكريا)

ينتظر المؤذن الناس ويقيم الضعيف المستعجل، ولا ينتظر رئيس المحلة وكبيرها كذا في معراج الدراية، وينبغي أن يؤذن في أول الوقت ويقيم في وسطه حتى يفرغ المتوضئ من وضوئه والمصلي من صلاته، والمعتصر من

قضاء حاجته، كذا في التاتارخانية. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۵۳ مصري) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۱/ ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جن علاقوں میں چھ مہینہ کا دن اور چھ مہینہ کی رات ہو، وہاں نماز کا وقت کیسے پہچانیں؟

سوال (۵۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ندائے شاہی کے مئی کے شمارہ میں صفحہ ۵۹ پر آپ نے لکھا ہے کہ جہاں چھ مہینہ دن اور چھ مہینہ رات ہوتی ہے، وہاں معتاد فرق کے ساتھ نماز پڑھے، میں پوچھتا ہوں کہ کیا وقت آنے سے پہلے کوئی نماز فرض ہوتی ہے؟ کیا وقت کا ہونا شرط نہیں ہے، جب وقت ہی نہیں آیا تو نماز کیا نفل ہوگی یا فرض؟ سوچ سمجھ کر جواب لکھیں، اگر بغیر وقت آئے نماز پڑھ سکتے ہیں تو نفل اور فرض میں کیا فرق رہ جائے گا؟ کیا وقت اور نماز لازم اور ملزوم شرط اور مشروط نہیں ہیں؟ تب تو مبیع نہ ہونے کی حالت میں بھی بیع وشراء جائز ہوجائے گی، تب تو باغ میں پھل آنے سے پہلے ہی بیچنا جائز ہوجائے گا؟ ہم تو آج تک یہی جانتے ہیں کہ وقت کا ہونا ضروری ہے، وقت نہیں تو نماز نہیں۔ مسئلہ کا صحیح حل فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ نماز کی فرضیت کے لئے وقت کا آنا شرط ہے؛ لیکن وقت کی تعیین کہاں اور کس طرح ہوگی؟ اس کے لئے ہمیں قرآن وحدیث سے علم حاصل کرنا ہوگا، عام حالات میں جن جگہوں پر دن رات عام معمول کے مطابق آتے جاتے ہیں، وہاں کے اوقات کی تعیین بعض علامات سے کی گئی ہے، مثلاً صبح صادق فجر کے لئے، زوال کے بعد ظہر کے لئے، غروب کے بعد مغرب کے لئے وغیرہ۔ اور ان اوقات وعلامات کا تعین احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔

دوسرے وہ مقامات ہیں جہاں دن رات معتاد طریقہ پر نہیں رہتے، اُن میں نمازوں کے

اوقات کی تعیین بھی نبی کریم علیہ السلام نے الگ انداز میں بیان فرمادی ہے، جس کا ثبوت اس روایت سے ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دجال کا تذکرہ فرمارہے تھے، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ "وہ دنیا میں کتنے دن رہے گا"؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ "وہ دنیا میں چالیس دن رہے گا، جس میں پہلا دن ایک سال کے برابراور دوسرا دن ایک مہینہ کے برابراور تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابراور بقیہ دن عام دنوں کے برابر ہوں گے"۔ تو اس پر حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ: "اے اللہ کے رسول! جو دن ایک سال کے برابر ہوگا، تو کیا اس میں ہمارے لئے ایک ہی دن کی نمازیں کافی ہوں گی"؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ: "نہیں؛ بلکہ اندازہ لگا کر نمازیں پڑھنا" یعنی جتنا فاصلہ عام دنوں میں نمازوں کے درمیان رہتا تھا، اُسی فاصلہ کا حساب لگا کر اس لمبے دن میں نمازیں پڑھی جائیں گی، اور یہی فاصلہ کی ترتیب اپنی اپنی نمازوں کے لئے معین وقت کی حیثیت رکھے گی۔

حاصل یہ ہے کہ نمازوں کا معین وقت پر پڑھنا تو بہر حال ضروری ہے؛ لیکن وقت کی تعیین حالات اور جگہوں کے اعتبار سے الگ الگ ہے، اور اِن سب چیزوں کا ثبوت اَحادیثِ شریفہ سے ہے۔

في الحديث: قلنا يا رسول اللّٰه! وما بعثه في الأرض، قال أربعين يوماً يوم كسنةٍ ويوم كشهرٍ ويوم كجمعةٍ وسائر أيامه كأيامكم، قال: قلنا يا رسول اللّٰه! أرأيت اليوم كالسنة أتكفينا فيه صلاة اليوم؟ قال: ولكن أقدروا له. (سنن الترمذي عن النواس بن سمعان الكلابي ٤٨/٢، سنن أبي داؤد ٥٩٣/٢، سنن ابن ماجة ٢٩٧، مشكوٰة المصابيح ٤٧٣)

وفي حاشية الترمذي: ولٰكن اقدروا له أي أقدروا له كل قدر يوم من أيامهم المعهودة وصلوا فيه صلاة كل يوم بقدر ساعاته. (حاشية سنن الترمذي ٤٨/٢)

بقي الكلام على معنى التقدير: والذي يظهر من عبارة الفيض أن المراد أنه يجب قضاء العشاء بأن يقدر أن الوقت أعني سبب الوجوب قد وجد ...... كما يقدر وجوده في أيام الدجال ...... ويحتمل أن المراد بالتقدير المذكور هو

ما قاله الشافعية: من أنه يكون وقت العشاء في حقهم بقدر ما يغيب فيه الشفق في أقرب البلاد إليهم، والمعنىٰ الأول أظهر. (شامي ١/٣٦٢ كراچی)

وفاقد وقتها كبلغار مكلف بهما فيقدر لهما، ولا ينوي القضاء لفقد وقت الأداء، به أفتى البرهان الكبير، واختاره الكمال، وتبعه ابن الشحنة في الغازة فصححه. وقيل: لا يكلف بهما لعدم سببهما، وبه جزم في الكنز والدر والملتقى، وبه أفتى البقالي و وافقه الحلواني والمرغيناني، ورجحه الشرنبلالي والحلبي. (شامي ١/٢٤٢ نعمانية، شامي، كتاب الصلاة / مطلب في فاقد وقت العشاء كأهل بُلغار ٢/١٨-٢٠ زكريا، البحر الرائق ١/٢٤٦، محموديه ٩/٨٠ ميرٹھ، منتخبات نظام الفتاوىٰ ١/١٨١ ايفا پبليكيشنز) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۲/۴/۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اوقاتِ مکروہہ میں پڑھی گئی نماز کا حکم؟

سوال (۵۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اوقاتِ مکروہہ میں نماز پڑھنا منع ہے، اگر کوئی مکروہ اوقات میں نماز پڑھ لے تو کیا اس کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اوقاتِ مکروہہ (طلوع وغروب اور زوال) میں نماز پڑھنا منع ہے؛ البتہ اگر کوئی شخص اِن اَوقات میں نفل نماز پڑھ لے تو اُس کی نماز کراہتِ تحریمی کے ساتھ ادا ہو جاتی ہے؛ لیکن اگر فرض یا واجب نماز پڑھے تو ادا نہیں ہوگی۔

وينعقد نفل بشروع فيها بكراهة التحريم، ولا ينعقد الفرض وما هو ملحق به كواجب لعينه كوتر وسجدة تلاوة وصلوة جنازة، وصح مع الكراهة تطوع بدأ به فيها، وقد يجاب بأن المراد أنه يصح أداءه فيها، ويخرج به عن

العهدة مع الكراهة. (شامی ۲/۳٤-۳٥ زکریا)

ثلاثة أوقات لا يصح فيها شيء من الفرائض والواجبات التي لزمت في الذمة قبل دخولها أي الأوقات المكروهة. (مراقي الفلاح ۱٤۹ مصري)

عن عقبة بن عامر الجهني رضي اللّٰه عنه قال: نهانا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن نصلي على موتانا عند طلوع الشمس، أطلق الصلاة فشمل فرضها ونفلها؛ لأن الكل ممنوع فإن المكروه من قبيل الممنوع؛ لأنها تحريمية ...... فالتحريم في مقابلة الفرض في الرتبة وكراهة التحريم في رتبة الواجب والتنزيه في رتبة المندوب ...... فإن كانت الصلاة فرضا أو واجبة فهي غير صحيحة؛ لأنها لنقصان في الوقت بسبب الأداء فيه تشبيها بعبادة الكفار ...... وإن كانت الصلاة نفلاً فهي صحيحة مكروهة. (البحر الرائق ۱/۲٤۹ کوئٹہ) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲/٤/۱٤۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَذان سے متعلق مسائل

اذان کی ابتداء

سـوال (۵۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اذان کی ابتداء کب سے ہوئی اور اس کا پس منظر کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو ابتداء میں نماز کے لئے لوگ اندازے سے مسجد میں حاضر ہو جاتے تھے اور اس کے لئے کوئی اعلان نہیں کیا جاتا تھا۔ اس صورتِ حال میں بعض مرتبہ کافی انتظار کی زحمت بھی اٹھانی پڑتی تھی، اس لئے ایک دن صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ گفتگو چلی کہ نماز کے وقت کے لئے کوئی علامت مقرر ہونی چاہئے، تو بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ عیسائیوں کی طرح ناقوس (چھوٹی لکڑی کو بڑی لکڑی پر مار کر آواز نکالنا) بجایا جائے، بعض نے مشورہ دیا کہ یہودیوں کی طرح سینگ بجایا جائے، بعض حضرات نے نماز کے وقت آگ جلانے کا مشورہ دیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ رائے دی کہ جب وقت ہو جائے تو کسی آدمی کو نماز کا اعلان کرنے کے لئے آبادی میں بھیج دیا جائے، چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس خدمت پر مامور کر دیا گیا۔

عن نافع أن ابن عمر رضي اللّٰه عنه كان يقول: كان المسلمون حين قدموا المدينة يجتمعون فيتحينون الصلاة ليس ينادي لها، فتكلموا يوماً في ذٰلك، فقال بعضهم: اتخذوا ناقوساً مثل ناقوس النصارىٰ، وقال بعضهم: بل بوقاً مثل قرن اليهود، فقال عمر: أولا تبعثون رجلاً ينادي بالصلاة؟ فقال

رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: يا بلال! قم فناد بالصلاة. (صحيح البخاري ۸۵،

فتح الباري ۹۹/۲ حديث: ٦٠٤، صحيح مسلم ١٦٤/١، أوجز المسالك ١٧٢/١، دمشق ٦/٢)

اسی دوران ایک صحابی حضرت عبداللہ ابن زید ابن عبدربہ انصاری رضی اللہ عنہ نے یہ خواب دیکھا کہ آسمان سے ایک شخص دوہرے کپڑے پہن کر اترا ہے اور اس نے ایک دیوار کے کنارے پر کھڑے ہوکر اذان کے یہ کلمات پکارے ہیں:

اللّٰه أكبر، اللّٰه أكبر، اللّٰه أكبر، اللّٰه أكبر، أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه، أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه، أشهد أن محمدا رسول اللّٰه، أشهد أن محمدا رسول اللّٰه، حيّ على الصلوٰة، حيّ على الصلوٰة، حيّ على الفلاح، حيّ على الفلاح، اللّٰه أكبر، اللّٰه أكبر، لا إلٰه إلا اللّٰه.

(ترجمہ: اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی حاکم نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، آؤ نماز کی طرف، آؤ نماز کی طرف، آؤ کامیابی کی طرف، آؤ کامیابی کی طرف، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں)

جب یہ خواب حضرت عبداللہ نے حضور اکرم علیہ السلام کو سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ خواب برحق ہے، لہٰذا تم ان کلمات کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سکھلاؤ ان کی آواز بلند ہے، وہ اذان دیں گے، چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جب اذان دینی شروع کی اور اس کی آواز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کانوں میں پڑی تو وہ جلدی جلدی اپنی چادر کو سنبھالتے ہوئے تشریف لائے، اور قسم کھا کر فرمایا کہ میں نے بھی بعینہٖ یہی خواب دیکھا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر شکر کا اظہار فرمایا اور پھر اذان کا طریقہ امت میں رائج ہوگیا۔

فلما أصبحت أتيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فأخبرته بما رأيت، فقال: "إنها لرؤيا حق إن شاء اللّٰه، فقم مع بلال فألقِ عليه ما رأيت فليؤذن به؛

فإنه أندى صوتا منك"، فقمت مع بلال فجعلت ألقيه عليه ويؤذن به. قال: فسمع ذٰلک عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه وهو في بيته، فخرج يجر رداء ه، ويقول: والذي بعثک بالحق يا رسول اللّٰه لقد رأيت مثل ما رأى فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: "فللّٰه الحمد". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب كيف الأذان ١٠٦ رقم: ٤٩٩ دار الفكر بيروت، اسد الغابه ١٤٤/٣، طحاوی شریف ٧٩/١)

واضح رہے کہ اذان کی ابتداء کا مذکورہ واقعہ ۱ھ میں پیش آیا۔ (البدایہ والنہایہ ۲۴۵/۳ دارالمعرفہ بیروت، اُسدالغابہ ۱۴۳/۳ بیروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَذان پڑھنے کا اجر وثواب

سوال (۵۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اَذان پڑھنے کی کیا فضیلت ہے؟ اور اس پر کیا اَجر وثواب ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اَحادیثِ شریفہ میں اذان کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ ایک روایت میں وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "مؤذن کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے اتنی ہی لمبی، چوڑی اس کے لئے مغفرت کا فیصلہ کیا جاتا ہے، اور جس تر یا خشک چیز تک وہ آواز پہنچتی ہے وہ سب اشیاء اس کے لئے قیامت میں خیر پر شہادت دیں گی"۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: المؤذن يغفر له مدى صوته ويشهد له كل رطب ويابس وشاهد الصلاة يكتب له خمس وعشرون صلاة ويكفر عنه ما بينهما. (سنن أبي داؤد ٧٦/١)

اور ایک روایت میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: ''اگر تمہیں اذان کی فضیلت اور خیر و برکت کا علم ہوجائے تو تم اذان دینے کے لئے قرعہ اندازی کرنے لگو گے۔ یعنی ہر ایک اذان کا اتنا شوقین ہوجائے گا کہ اس تنازعہ کو ختم کرنے کے لئے قرعہ کی ضرورت پیش آئے گی''۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لو يعلم الناس ما في النداء والصف الأول ثم لا يجدون إلا أن يستهموا عليه لاستهموا. (صحيح البخاري ۸٦/۱)

اور ایک حدیث میں مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''مؤذن حضرات میدانِ محشر میں سب سے لمبی گردن والے ہوں گے''۔

قال معاوية رضي اللّٰه عنه سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: المؤذنون أطول الناس أعناقاً يوم القيامة. (صحيح مسلم ۱٦۷/۱)

اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے شارحین نے کہا ہے کہ وہ فورِ شوق میں اللہ کی رحمت کی طرف بار بار گردنیں اٹھا کر دیکھ رہے ہوں گے اس لئے کہ انہیں زیادتیٔ ثواب کی امید ہوگی۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ واقعۃً ان کی گردنیں اونچی کردی جائیں گی؛ تاکہ وہ گھٹن سے محفوظ رہیں، اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ لمبی گردن ہونے سے ان کی سرداری اور بزرگی مراد ہے۔

فقوله صلى اللّٰه عليه وسلم: "المؤذنون أطول الناس أعناقاً". فقيل معناه: أكثر الناس تشوقاً إلى رحمة اللّٰه؛ لأن المتشوق يطول عنقه لما يتطلع إليه، فمعناه كثرة ما يرونه من الثواب، وقال النضر بن شميل: إذا أُلجم الناس العرق يوم القيامة طالت أعناقهم لئلا ينالهم ذٰلک الكرب والعرق، وقيل معناه: أنهم سادة ورؤساء والعرب تصف السادة بطول العنق. (شرح النووي على صحيح مسلم ۱٦۷/۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ: ''چند حضرات میدانِ محشر میں ہر قسم کی ہولناکی سے محفوظ رہیں گے اور اُن کو اعزاز واکرام کے ساتھ مشک کے ڈھیروں پر بٹھایا جائے گا، ان میں وہ مؤذن بھی ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پنج وقتہ نمازوں کی اذان دیا کرتے تھے''۔

عن عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ثلاثة على كثبان المسک يوم القيامة لا يهولهم الفزع ولا يفزعون حين يفزع الناس ...... ورجل نادىٰ في كل يوم وليلة خمس صلوات يطلب وجه اللّٰه وما عنده. (رواه الطبراني في الكبير، كذا في الترغيب والترهيب للمنذري رقم: ۳۸۰)

نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''جو شخص اخلاص کے ساتھ ۷؍سال تک نمازوں کے لئے اذان دے تو اس کے لئے جہنم سے بچاؤ کا پروانہ عطا کیا جاتا ہے''۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه تعالىٰ عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أذن محتسباً سبع سنين كتب اللّٰه له براءة من النار. (سنن ابن ماجة رقم: ۷۲۷، سنن الترمذي رقم: ۲۰۶، مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح ۱۶۶/۲ اشرفي)

اور ابن ماجہ شریف کی ایک روایت میں ۱۲؍سال تک اذان دینے والے کو جنت میں داخلہ کی بشارت اور ہر اذان پر ۶۰؍نیکیاں اور ہر اقامت پر ۳۰؍نیکیاں ملنے کا وعدہ مذکور ہے۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من أذن اثنتي عشرة سنة وجبت له الجنة وكتب له بتأذينه في كل يوم ستون حسنة، وبكل إقامة ثلاثون حسنة. (سنن ابن ماجة ۵۳ رقم: ۷۲۸)

اور سات سال اور بارہ سال میں توافق پیدا کرنے کے لئے بعض حضرات شارحین نے فرمایا کہ امت کی چوں کہ عموماً عمر ۷۰؍برس ہے اور عادۃً زیادہ سے زیادہ ۱۲۰؍سال ہے۔ اب اگر کسی نے ۷؍سال تک اذان دی تو ہر نیکی کے دس گنا ثواب کے اعتبار سے ۷۰؍سالہ زندگی والا شخص پوری زندگی میں اذان دینے والا شمار ہوگا، اور ۱۲؍سال اذان دینے والے کو ۱۲۰؍سال تک اذان دینے کا ثواب ملے گا۔

وقال الشيخ عبد الغني المجددي الدهلويؒ: ولا تعارض فيه بالحديث السابق؛ لأن الزيادة لا تنافي القلة، ويحتمل أن يراد بهما كثرة التأذين، فيحينئذ لا يكون العبرة بمفهوم العدد أو يكون الفرق بحسب إخلاص النية جدا ولغيرها،

فمن أذن سبع سنين بالإخلاص الكامل كتب له براءة من النار، ومن ثبت نيته في الجملة تكون له في ثنتي عشرة سنة، والله أعلم. (إنجاح الحاجة حاشية سنن ابن ماجة ٥٣)

نیز یہ بھی مروی ہے کہ: ”مؤذن کو شہید فی سبیل اللہ کی طرح ثواب ملتا ہے اور دفن کے بعد اس کا جسم کیڑوں کی غذا نہیں بنتا“۔

عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: المؤذن المحتسب كالشهيد المتشحط في دمه، إذا مات لم يدوَّدُ في قبره. (رواه الطبراني في الكبير، كذا في الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٣٨٥، مرقاة المفاتيح ٤٢٨/١ أشرفي)

انہیں فضائل کی وجہ سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ وہ تمنا کرتے تھے کہ کاش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اوران کے اہل خاندان کو اذان دینے پر مامور کیا ہوتا؛ تاکہ وہ بھی اِن بشارت آمیز ارشادات کے مستحق قرار پاتے۔ (مجمع الزوائد ۳۲۶/۱)

چناں چہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ: ”مجھے پابندی سے اذان دینے پر قدرت حاصل ہونا حج وعمرہ اور جہاد سے زیادہ پسند ہے“۔ اسی طرح کا مقولہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

عن سعد قال: لأن أقوى على الأذان أحب إلي من أن أحج وأعتمرَ وأُجاهدَ. (مصنف ابن أبي شيبة ٣٧١/٢ رقم: ٢٣٥٠)

وفي رواية عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه نحوه. (مصنف ابن أبي شيبة ٣٧٥/٢ رقم: ٢٣٥٨) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اذان کے وقت دعا کی قبولیت

سوال (۵۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: اذان کے وقت دعا مانگنے کی فضیلت کیا ہے؟ ہم نے سنا ہے کہ اذان کے وقت دعا قبول ہوتی ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان کے دوران جو دعا مانگی جاتی ہے وہ بارگاہِ خداوندی سے رد نہیں ہوتی، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''دو اوقات ایسے ہیں کہ ان میں بہت کم کسی کی دعا رد ہوتی ہے: (۱) اذان کے وقت کی دعا (۲) میدانِ کارزار میں عین جنگ کے وقت کی دعا''۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ: ''ان دو اوقات میں آسمان سے قبولیت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں''۔

عن سهل بن سعد الساعدي رضي اللّٰه عنه قال: ساعتان تفتح فيهما أبواب السماء، وقل داع ترد عليه دعوته: حضرة النداء بالصلاة والصف في سبيل اللّٰه. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ۱/ ۶۰۵ رقم: ۱۹۳۹ بيروت)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''ام سلمہ تم مغرب کی اذان کے وقت یہ دعا پڑھا کرو: **اَللّٰهُمَّ بِاسْتِقْبَالِ لَيْلِكَ وَاِدْبَارِ نَهَارِكَ وَاَصْوَاتِ دُعَائِكَ وَحُضُوْرِ صَلَوَاتِكَ أَسْأَلُكَ أَنْ تَغْفِرَلِيْ**''۔ (كتاب الدعا للطبراني ۱۵۴)

یعنی ''اے اللہ! میں آپ کی رات کے آنے اور دن کے رخصت ہونے اور آپ کی طرف بلانے والے مؤذنوں کی آوازوں اور آپ کی عبادات کے وقت حاضر ہونے کے توسط سے آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ مجھے بخش دیجئے''۔

نیز اذان کے فوراً بعد کا وقت بھی قبولیت کا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ: ''مؤذن کی اذان کا جواب دو پھر جو مانگو گے تمہیں عطا ہوگا''۔

عن عبد اللّٰه بن عمرو، أن رجلاً قال: يا رسول اللّٰه: إن المؤذنين يفضلونا فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: قل كما يقول المؤذن فإذا فرغت فسل **تعطه**. (رواه الطبراني في كتاب الدعاء ١٥٦ رقم: ٤٤٤ بيروت)

ويدعو عند فراغه بالوسيلة لرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم (در مختار) أي بعد أن يصلي على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كما رواه مسلم. (شامي / باب الأذان ١/ ٣٧٠ كراچی، فتاویٰ دار العلوم ٢/ ٩١٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مؤذن کیسے بنایا جائے؟

سوال (۵۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مؤذن کیسا ہونا چاہئے؟ اور اس کے اندر کن اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اَحادیثِ شریفہ سے ثابت ہے کہ مؤذن ایسا شخص ہونا چاہئے جو باشرع، امانت ودیانت سے متصف اور تقویٰ وطہارت کے اعلیٰ معیار پر فائز ہو۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بعض انصاری حضرات سے فرمایا کہ: ''تم اپنا مؤذن ایسے شخص کو مقرر کرنا جو تم میں سب سے افضل ہو''۔

عن صفوان بن سليم رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال لبني خطمة من الأنصار: يا بني خطمة اجعلوا مؤذنكم أفضكم في **أنفسكم**. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ١/ ٦٢٧ رقم: ٢٠٠١ بيروت)

ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: ''امام ضامن ہے، اور مؤذن امین ہے، اللہ تعالیٰ امام کو سیدھی راہ پر گامزن فرمائے اور مؤذن کو دامن عفو میں جگہ مرحمت فرمائے''۔

عن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها أن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم قال: الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن فأرشد اللّٰه الإمام وعفا عن المؤذن. (السنن الکبریٰ للبیهقي ٦٢٦/١ رقم: ١٩٩٧ بیروت)

قیس بن ابی حازم کہتے ہیں کہ ہم امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ہم سے پوچھا کہ: ''تمہارے یہاں مؤذن کون لوگ ہیں''؟ ہم نے جواب دیا کہ زیادہ تر مؤذن یا تو غلام ہیں یا آزاد کردہ موالی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر افسوس کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ''یہ تو تمہارے اندر بڑا نقص ہے، اذان تو اتنی شرافت کی چیز ہے کہ اگر مجھے خلافت کی مصروفیت نہ ہوتی تو میں پنج وقتہ نمازوں کے لئے اذان دیا کرتا''۔

عن قیس بن حازم قال: قدمنا علی عمر بن الخطاب فسأل من مؤذنکم؟ فقلنا: عبیدنا وموالینا، فقال بیده هٰذا یقلبها عبیدنا وموالینا إن ذٰلکم بکم لنقص شدید لو أطقت الأذان مع الخلیفة لأذنت. (السنن الکبریٰ للبیهقي ٦٢٧/١ حدیث: ٢٠٠٢)

وفي الخلاصة: وینبغي أن یکون المؤذن رجلا عاقلاً صالحا تقیاً عالماً بالسنة مواظبا علی ذٰلک، وفي الکافي: والأولیٰ أن یتولی العلماء أمر الأذان، قال یعقوب: رأیت أبا حنیفة یؤذن في المغرب ویقیم و لا یجلس، فهٰذا یدل علی أن الحق أن المفتي هو المؤذن. (الفتاویٰ التاتارخانیة ١٤٤/٢ رقم: ١٩٧٩ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اذان کا مسنون طریقہ

سوال (۵۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اذان کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان کے ہر کلمہ کو ایک سانس میں ادا کرنا اور ہر کلمہ

کے آخر میں جزم کرنا مسنون ہے۔

عن جابر أن رسول اللّٰہ قال: لبلال: یا بلال! إذا أذنت فترسل. (سنن الترمذي ۱/۴۸ رقم: ۱۹۵)

ویسکن کلمات الأذان والإقامة في أذان حقیقةً وینوی الوقف في الإقامة لقول النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم: "الأذان جزم والإقامة جزم والتکبیر جزم". (مراقي الفلاح ۱۹۵)

ویترسل في الأذان بأن یفصل بین کلماته بالسکوت. (حلبی کبیر ۳۷۶)

ویترسل فیه بسکتة بین کل کلمتین، ویکره ترکه. (درمختار ۲/ ۵۱ زکریا)

قال: ویترسل في الأذان وفي الینابیع: الترسل: أن یقول: "اللّٰہ أکبر اللّٰہ أکبر" ویقف ثم یقول مرة آخر مثله، وکذلک یقف بین کلمتین إلی آخر الأذان. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۲/ ۱۴۱ رقم: ۱۹۷۷ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اذان؛ واجب ہے یا سنت؟

سوال (۵۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اذان کی حیثیت شریعت مطہرہ میں کیا ہے، واجب ہے یا سنت؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں ہر فرض نماز کے لئے اذان واجب نہیں؛ بلکہ سنتِ مؤکدہ ہے، بلاعذر اذان کا ترک گناہ ہے۔

وهو سنة للرجال في مکان عال مؤکدة هي کالواجب فی لحوق الإثم للفرائض الخمس في وقتها ولو قضاءً. (درمختار ۲/ ۴۸-۴۹ زکریا)

وسن الأذان وكذا الإقامة سنة مؤكدة. (مراقي الفلاح ١٩٤ دار الكتاب)

وهو سنة مؤكدة هي كالواجب في لحوق الإثم للفرائض الخمس في وقتها. (درمختار ٣٨٤/١ كراچی، ٤٨/٢ زكريا)

ومن جملة السنن الأذان، فنقول: الأذان من سنن الصلاة، وبعض المتأخرين قالوا: إنه واجب، والصحيح أنه سنة، وعليه عامة المشائخ إلا أنه سنة مؤكدة ثبت ذٰلک بفعل النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وإجماع الصحابة رضي اللّٰه عنهم ومن بعدهم عليه، وروي عن أبي حنيفة: في قوم صلوا في مسجد بغير أذان ولا إقامة إنهم أخطؤا السنة، وفي الولوالجية: أنه أساؤا، وروى محمد أنه قال: إذا اجتمع أهل البلدة على ترک الأذان قاتلناهم، ولو ترک واحد ضربته وحبسته وكذٰلک سائر المسلمين. (الفتاویٰ التاتارخانية ١٣٥/٢ رقم: ١٩٥٨ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۲/۹/۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اذان کا مقصد

سوال (۶۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نمازِ مغرب میں اذان کی کیا ضرورت ہے جب کہ اذان سن کر فوراً گھر، دوکان چھوڑ کر مسجد پہنچنے والے کو بھی تکبیر اولیٰ نہیں ملتی، اور اگر اذان سن کر اس کو وضو کرنا ہے تو ایک دو رکعت بھی نکل جاتی ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان سے مقصود یہ ہے کہ جماعت کھڑی ہونے کے وقت کا علم ہو جائے، اس کی ضرورت ہر نماز میں ہے، خواہ مغرب کی ہو یا دیگر نمازیں، دوسری نمازوں میں چوں کہ وقت میں وسعت ہوتی ہے اور اذان کے بعد تاخیر سے کوئی کراہت لازم نہیں آتی، اس لئے اذان ونماز کے مابین کچھ فاصلہ رکھا جاتا ہے، اور مغرب میں تاخیر موجبِ کراہت ہے، اس لئے

اذان کے کچھ وقفہ کے بعد ہی جماعت شروع کردی جاتی ہے، اس لئے نمازی کو چاہئے کہ وہ اذان سے قبل ہی وضوو غیرہ سے فارغ رہے؛ تاکہ اذان کے بعد فوراً جماعت میں شامل ہوسکے۔

معناه لغة: الإعلام، و شريعة: إعلام مخصوص، وركنه الألفاظ المخصوصة. (مراقي الفلاح ١٩٤ دار الكتاب)

فإن الأذان لغة: الإعلام. قال تعالىٰ: ﴿وَاَذَانٌ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ أي الإعلام، وفي الشريعة: عبارة عن إعلام مخصوص في أوقات مخصوصة. (الفتاویٰ التاتارخانية ٢/١٣٥ رقم: ١٩٥٧ زكريا)

والظاهر أن السنة فعل المغرب فوراً وبعده مباح إلى اشتباك النجوم فيكره بلا عذر. (شامي ١/٣٦٨ كراچی، شامي ٢/٢٧ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۴/۶/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا حضور اکرم ﷺ سے اذان پڑھنا ثابت ہے؟

سوال (۶۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کبھی اذان دی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بذاتِ خود اذان دی ہے، چناں چہ علامہ رافعیؒ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے روایت نقل فرمائی ہے کہ: ’’پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک سفر میں زوالِ شمس کے بعد بنفس نفیس اذان دی، اور پھر اقامت بھی ارشاد فرمائی، اور پھر ظہر کی نماز ادا کی‘‘۔

اسی طرح کی روایات بعض دیگر کتابوں میں بھی ہیں، جس سے یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی کبھار اذان واقامت کہی ہے۔

اس کے برخلاف بہت سے شارحین حدیث کا رجحان اس جانب ہے کہ جن روایتوں سے بظاہر آپ کا اذان دینا معلوم ہوتا ہے وہ آپ کی طرف سے اذان کا حکم دینے پر محمول ہیں۔ تو غالبًا ان حضرات کے پیش نظر ''أذن بنفسہ'' والی روایات نہ رہی ہوں گی، جس کی وجہ سے انہوں نے مذکورہ توجیہ فرمائی۔

قال الرافعي: روى عقبة بن عامر رضي الله عنه قال: كنت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في سفر، فلما زالت الشمس أذن بنفسه وأقام، وصلى الظهر. وقال السيوطي: ظفرت بحديث آخر مرسل، أخرجه سعيد بن منصور في سننه، قال: أذّن رسول الله صلى الله عليه وسلم مرةً، فقال: حي على الفلاح، وهٰذه رواية لا تقبل التاويل، والله سبحانه تعالىٰ أعلم. (تقريرات الرافعي ٢/ ٤٧ زكريا، ونقل قول السيوطي في شرح الزرقاني على الموطأ / باب ما جاء في النداء للصلاة ١/ ٢٦٣ المكتبة الشاملة)

عن عقبة بن عامر رضي الله عنه قال: كنت مع النبي صلى الله عليه وسلم في سفر، فلما طلع الفجر، أذن وأقام، ثم أقامني عن يمينه وقرأ بالمعوذتين، فلما انصرف، قال: كيف رأيت؟ قلت: قد رأيت يا رسول الله! قال: فاقرأ بهما كلما نمت وكلما قمتَ. (المصنف لابن أبي شيبة ٦/ ١٤٦ دار الكتب العلمية بيروت)

قال الشامي: هل باشر النبي صلى الله عليه وسلم الأذان بنفسه؟ وقد أخرج الترمذي أنه عليه الصلاة والسلام أذّن في سفر وصلى بأصحابه وجزم به النووي وقواه، ولكن وجد في مسند أحمد من هٰذا الوجه ''فأمر بلالاً فأذّن'' فعلم أن في رواية الترمذي اختصاراً وأن معنى قوله أذن أمر بلالاً كما يقال أعطى الخليفة العالم الفلاني كذا وإنما باشر العطاء وغيره. (شامي ١/ ٤٠١ كراچی، شامي ٢/ ٧١ زكريا، عمدة القاري ٥/ ١٠٧، فتح الباري ٢/ ١٠١ بيروت، حاشية الترمذي ١/ ٥١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/ ۱۲/ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اذان کے بعد لوگوں کو جگانے کے لئے گشت کرنا؟

سوال (۶۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص فجر کی اذان کے کچھ دیر بعد گلیوں کوچوں میں آواز دیتا پھرتا ہے کہ ''اٹھو بھائیو! نماز کے لئے چلو''، روزانہ پابندی کے ساتھ یہ عمل شرعاً کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ عمل فی الجملہ درست ہے؛ لیکن اسے واجب یا ضروری نہ سمجھا جائے۔

عن أبي بكرة رضي اللّٰه عنه قال: خرجت مع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم لصلاة الصبح فكان لا يمر برجل إلا ناداه بالصلاة أو حركه برجله. (سنن أبي داؤد، الصلاة / تفريع أبواب صلاة السفر / باب: الاضطجاع بعدها ۱/۱۷۹ رقم: ۱۲٦٤، مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح ۲/۳۲۲ رقم: ٦٥١)

ويثوب بين الأذان في الكل للكل بما تعارفوه إلا في المغرب، قال الشامي: قوله: في الكل: أي كل الصلوات لظهور التواني في الأمور الدينية، قال في العناية: أحدث المتأخرون التثويب بين الأذان والإقامة على حسب ما تعارفوه في جميع الصلوات سوى المغرب مع إبقاء الأول: يعني الأصل وهو تثويب الفجر وما رآه المسلمون حسنا فهو عند اللّٰه حسن. (درمختار مع الشامي، الصلاة / باب الأذان ۲/٥٦ زكريا)

قال في المراقي: ويثوب بعد الأذان في جميع الأوقات لظهور التواني في الأمور الدينية في الأصح، وتثويب كل بلد بحسب ما تعارفه أهلها كقوله أي المؤذن بعد الأذان الصلاة الصلاة يا مصلين قوموا إلى الصلاة. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي ۱۰۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱٦/۴/۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اذانِ فجر کے بعد لوگوں کو گھر گھر جاکر جگانا؟

سوال (۶۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فجر کی اذان پڑھ دی اور سرکاری حکم کا اضافہ "**الصلاۃ خیر من النوم**" کی صدا دے دی، کیا اتنا کافی ہے یا اذان دینے کے بعد گھر گھر جاکر دروازہ پر دستک دینا اور بلند آوازیں لگاکر جگانا درست ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صبح کی اذان میں "**الصلاۃ خیر من النوم**" کے علاوہ اس طرح کے کسی اور لفظ کا اضافہ نہ کیا جائے؛ البتہ اگر محلّہ کے لوگ نمازمیں سستی کرتے ہوں اور مؤذن کی اذان سننے کے باوجود جماعت کے لئے مسجد میں نہ آتے ہوں تو خیر خواہی کی نیت سے گھر گھر جاکر نماز کے لئے جگانا اور انہیں مسجد کی طرف بلانا نہ صرف درست؛ بلکہ کارِ ثواب ہوگا۔

والتثويب حسن عند المتأخرين في كل صلاة ...... وهو رجوع المؤذن إلى الإعلام بالصلاة بين الأذان والإقامة وتثويب كل بلدة علىٰ ما تعارفوه. (الفتاویٰ الهندية ١/٥٦، درمختار مع الشامي، الصلاة / باب الأذان ٢/٥٦ زكريا، تبيين الحقائق ١/٢٤٥ بيروت)

وأما المتأخرون فاستحسنوا التثويب في جميع الصلوات؛ لأن الناس قد ازداد بهم الغفلة، وقلما يقومون عند سماع الأذان فيستحسن التثويب للمبالغة في الإعلام، ومثل هذا يختلف باختلاف أحوال الناس. (المبسوط للسرخسي ١/٢٧٤، البحر الرائق، باب الأذان ١/٤٥٣ رشيدية، ١/٢٦٠- ٢٦١ كوئٹه) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۴/۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کلماتِ اذان میں بے ترتیبی ہوجانے پر اذان دہرانا؟

سوال (۶۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: اذان کے کلمات میں بے ترتیبی ہوجائے مثلاً: أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه کے بجائے أشهد أن محمد رسول اللّٰه کہہ دیا یا حي علی الصلاة کی جگہ حي علی الفلاح کہہ دیا تو اذان ہوجائے گی یا دہرائی جائے گی؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: پوری اذان دہرانے کی ضرورت نہیں، جو کلمہ چھوڑا ہے وہیں سے اذان پوری کرے، مثلاً: أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه کے بجائے أشهد أن محمداً رسول اللّٰه کہہ دیا تو أشهد أن لا إلٰه سے اخیر تک کلماتِ اذان کہے، اللہ اکبر سے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ولو قدم فيها مؤخراً أعاد ما تقدم فقط (درمختار) كما لو قدم الفلاح على الصلاة يعيده فقط أي لا يستأنف الأذان من أوله. (شامي ۳۸۹/۱ كراچی، ۵٦/۲ زكريا)

ويرتب بين كلمات الأذان والإقامة كما شرع كذا في محيط السرخسي، وإذا قدم في أذانه أو في إقامته بعض الكلمات نحو أن يقول: أشهد أن محمد رسول اللّٰه قبل قوله أشهد أن لا إله إلا اللّٰه، فالأفضل في هذا أن ما سبق على أوانه لا يعتد به حتى يعيده في أوانه وموضعه وإن مضى على ذٰلك جازت صلاته كذا في المحيط. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۵٦، كذا في الفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ۱۳٦ رقم: ۱۹٦۳، ۲/ ۱٤۹ رقم: ۲۰۰۰ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۲/۶/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اذان میں ''الصلوٰۃ خیر النوم'' چھوٹ گیا؟

سوال (٦۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر فجر کی اذان میں ''الصلوٰة خير من النوم'' چھوٹ جائے تو کیا اذان دوبارہ پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر فجر کی اذان میں ’’الصلوٰۃ خیر من النوم‘‘ چھوٹ جائے مگر فوراً اذان ختم ہونے سے پہلے یاد بھی آ جائے تو اس کلمہ کو کہہ لینا چاہئے، اور پھر بعد کے کلمات کو لوٹالے؛ لیکن اگر اذان ختم کرنے کے بعد یاد آیا تو اب اذان مکمل ہوگئی، لوٹانے یا مذکورہ کلمہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

عن الزهري قال: حدثني سعيد بن المسيب فذكر قصة عبد اللّٰه بن زيد ورؤياه إلى أن قام: ثم زاد بلال في التأذين "الصلاة خير من النوم"، وذٰلك أن بلالاً أتى بعد ما أذن التأذينة الأولى من صلاة الفجر ليؤذن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم بالصلاة، فقيل له أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم نائم فأذن بلال بأعلى صوته "الصلاة خير من النوم" فأقرت في التأذين لصلاة الفجر. (السنن الکبریٰ للإمام البيهقي، كتاب الصلاة / باب التثويب في أذان الصبح ۶۲۳/۱ رقم: ۱۹۸۳)

وبعد فلاح الفجر "الصلاة خير من النوم" مرتين. قوله: بعد فلاح الخ فيه ردّ على من يقول: إن محله بعد الأذان بتمامه وهو اختيار الفضلي، بحر عن المستصفىٰ. (درمختار مع الشامي ۵۴/۲ زكريا، احسن الفتاویٰ ۲۸۶/۲)

وأذان الفجر في بلادنا: سبع عشر كلمة: خمس عشرة منها كلمات الأذان المعروف، وكلمتان قوله: "الصلاة خير من النوم". (الفتاویٰ التاتارخانية ۱۴۱/۲ رقم: ۱۵۱۷۰ زكريا، احسن الفتاویٰ ۲۸۶/۲)

ويزيد بعد فلاح أذان الفجر ’’الصلاة خير من النوم‘‘ مرتين لحديث بلال حيث ذكرها حين وجد النبي صلى اللّٰه عليه وسلم نائمًا، فلما انتبه أخبره به فاستحسنه وقال: إجعله في أذانك. (البحر الرائق مع الكنز الدقائق ۲۵۶/۱ كوئٹه) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۲۱/۲/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

وقت سے پہلے اذان پڑھنے پر لوٹانا؟

سوال (٦٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اذان وقت سے (جو نقشہ میں وقت لکھا ہے اس سے دو یا تین منٹ) پہلے پڑھ دی جائے تو وقت ہوجانے پر دوبارہ پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وقت سے پہلے اذان دی گئی ہے تو وقت ہوجانے پر اذان لوٹانی چاہئے۔

ووقته أوقات الصلاة أي أصلاً واستحباباً. (مراقي الفلاح ١٠٥)

لو أذن قبل الوقت يعاد في دخول الوقت. (مجمع الأنهر ١/٤ ١١ بيروت، شامي ٢/٥٠ زكريا، البحر الرائق ١/٢٦٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۲/۹/۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اذان میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال؟

سوال (٦٧): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اسپیکر کا اذان کے لئے درج ذیل حالات میں استعمال کرنا کیسا ہے؟

(۱) اکثر وبیشتر اذان ونماز کے درمیان اسپیکر کی خرابی سے خلل واقع ہوتا ہے۔

(۲) ایک قصبہ اور شہر کی متعدد قریب قریب مساجد کے اسپیکروں کی باہم آوازوں کے تصادم سے خلط ملط ہوتا رہتا ہے۔

(۳) بسا اوقات مسلک ومشرب کے اختلاف ہونے پر اور زیادہ نقصان ہوتا ہے۔

(۴) کئی مقامات پر غیر مسلم آبادیاں ہوتی ہیں جو کہ مکلّف نہیں ہے، وہ بھی ان آوازوں کے زیر وبم سے پریشان ہوتی ہیں۔

(۵) کچھ متعصب اور مسلم دشمن لوگ ان آوازوں کو اپنی تکلیف کا باعث ظاہر کرتے ہیں اور کئی جگہ اسپیکروں کے چلانے پر خوں ریزی ہو چکی اور ہو جانے کا شدید خدشہ ہے، جب کہ اگر نمازوں کے لئے اپنی اپنی مساجد کے محلوں میں اذانیں دی جائے تو کافی ہے، اور نمازوں کے اوقات متعینہ سب کو معلوم ہوتے ہیں، اور کچھ وجوہات وعلل واسباب اس طرح کے موجود ہیں۔ جواب طلب امر یہ ہے کہ آیا مذکورہ بالا حالات کے نہ ہوتے ہوئے نفس اسپیکر کا استعمال شرعاً جائز ہے یا مکروہ؟ اور بغیر اسپیکر والی اذان اسپیکر والی اذان سے بہتر ہے یا برابر یا کم؟ مطلع فرمائیں، اسپیکروں کی صدائے بازگشت کے تصادم سے الفاظ کا بے معنی ہو جانا اور دوسروں کے لئے بیک وقت اذانوں کی آوازوں سے منتشر ہونا اور نزاع کا سبب بن جانا جیسے امور کی وجہ سے اسپیکر کے استعمال میں شرعاً قباحت ہوگی یا نہیں؟ اور مذکورہ بالا حالات وکیفیات میں اسپیکر پر اذان دینا کیا ضروری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اَذان میں آواز کو بلند کرنا مطلوب ومقصود ہے، اسی مقصد سے لاؤڈ اسپیکر استعمال کیا جاتا ہے؛ تاہم اس کا استعمال شرعاً لازم اور ضروری نہیں، پس جہاں ضرورت نہ ہو یا اور کوئی مانع درپیش ہو، جیسا کہ سوال نامے میں اشارہ کیا گیا ہے، تو وہاں اذان میں لاؤڈ اسپیکر استعمال نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام ۵۵)

اور بہرحال ایسے معاملات میں جذباتیت کے بجائے حکمت وتدبر سے کام لینا بہتر ہے۔

عن عروۃ بن الزبیر عن امرأۃ من بني النجار قالت: کان بیتي من أطول بیت حول المسجد، فکان بلال یؤذن علیه الفجر......الخ. (سنن أبي داؤد، الصلاۃ / باب الأذان فوق المنارۃ رقم: ۵۱۹)

فیها أن یجهر بالأذان، فیرفع به صوته! لأن المقصود وهو الإعلام یحصل به، ألا تری أن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال لعبد اللّٰہ بن زید: علمه بلالا؛ فإنه

أنـدىٰ و أمـد صـوتـا مـنک، ولهٰذا كان الأفضل أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران كالمئذنة ونحوها. (بدائع الصنائع، الصلاة / بيان سنن الأذان ٦٤٢/١ بيروت، كذا في الفتاوىٰ التاتارخانية ١٣٨/٢ رقم: ١٩٦٥ زكريا، البحر الرائق، الصلاة / باب الأذان ٢٥٥/١ كوئٹه)

ويـنبـغـي أن يؤذن على المئذنة أو خارج المسجد ...... كذا في الخانية، والسنة أن يـؤذن فـي مـوضـع عـال يكون أسمع لجيرانه ويرفع صوته ولا يجهد نفسه، كذا في البحر. (الفتاوىٰ الهندية، الصلاة / الباب الثاني في الأذان، كلمات الأذان والإقامة وكيفيتهما ٥٥/١)

وفـي عمدة الـقـاري: ذكـر مـا يستـفـاد مـنه: فيه استحباب رفع الصوت بـالأذان ليـكثـر مـن يشهـد لـه ولـو أذن عـلـى مـكان مرتفع ليكون أبعد لذهاب الـصـوت وكـان بلال رضـ يؤذن على بيت امرأة من بني نجار بيتها أطول حول البيت المسجد. (عمدة القاري ١١٥/٥)

وفـي الـقـنية: ويسـن الأذان فـي مـوضع عـال والأقـامة في الأرض، وفي السراج: وينبغي للمؤذن أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران ويرفع صوته. (شامی، الصلاة / باب الأذان ٣٨٤/١ کراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۸/۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حدودِ مسجد سے باہر اذان پڑھنا

سـوال (٦٨): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسجد کے دائرہ صحن سے باہر وقتی نماز کے لئے اذان دینا کیسا ہے؟ اکثر مسجد اور مدرسہ کی چہار دیواری ایک ہی ہوتی ہے، مگر دائرۂ مسجد و مدرسہ الگ الگ ہوتے ہیں، مدرسہ کے دائرہ کے اندر سے ہی مائک سے اذان دے دی جائے تو وہ اذان معتبر ہوگی؟ مائک مسجد میں نہ رکھ کر مدرسہ میں رکھا جائے یہ کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ میں لاؤڈاسپیکر رکھ کراذان دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔(مستفاد:احسن الفتاویٰ ۲۹۵/۲)

عن عروۃ بن الزبیر عن امرأۃ من بني النجار قالت: کان بیتي من أطول بیت حول المسجد، فکان بلال یؤذن علیہ الفجر......الخ. (سنن أبي داؤد، الصلاۃ / باب الأذان فوق المنارۃ رقم: ۵۱۹)

وینبغي أن یؤذن علی المئذنۃ أو خارج المسجد ...... کذا في الخانیۃ، والسنۃ أن یؤذن في موضع عال یکون أسمع لجیرانہ ویرفع صوتہ ولا یجھد نفسہ، کذا في البحر. (الفتاویٰ الھندیۃ، ۵۵/۱، کذا في الفتاویٰ التاتارخانیۃ ۱۳۸/۲ رقم: ۱۹۶۵ زکریا، البحر الرائق، الصلاۃ / باب الأذان ۲۵۵/۱ کوئٹہ، الدر المختار مع الشامي، الصلاۃ / باب الأذان ۱۸٤/۱ کراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۱۱/۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ میں جماعت کی نماز کے لئے اذان دینے سے وہ مسجد کے حکم میں نہیں ہوگا؟

سوال (۶۹): -کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ عربیہ رحمانیہ واقع محلّہ افغانان سہس پور ضلع بجنور جوحضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کا قائم کردہ ہے، اس مدرسہ سے مسجدیں دور دور ہیں؛ اس لئے ہم اساتذہ مدرسہ ہی میں نماز باجماعت ادا کرتے ہیں، محلّہ کی مساجد کی اذان کی آواز کماحقہ لاؤڈ اسپیکر سے آجاتی ہے؛ اس لئے اذان دئے بغیر مدرسہ میں جماعت کی جاتی ہے، چوں کہ مدرسہ کے طلباء بھی نماز پڑھتے ہیں، اگروہ طلباء مسجد میں جائیں، تو بچے تو شرارت کرتے ہی ہیں؛ اس لئے اس پر مسجد کے نمازیوں کواعتراض

ہوگا، اس وجہ سے مدرسہ ہی میں نماز پڑھتے ہیں، کبھی کبھی کچھ لوگ محلّہ کے بھی شریک جماعت ہوجاتے ہیں، اگر اذان دی جائے تو مدرسہ مسجد کے حکم میں ہوجائے گا، جب کہ مدرسہ کی چھٹی کے ایام میں نماز نہیں ہوتی، مدرسہ بند رہتا ہے، آپ مہربانی فرما کر وضاحت فرمادیں کہ ہمیں مدرسہ میں نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے اذان دینا ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں مدرسہ میں جماعت کے لئے اذان ضروری نہیں ہے؛ اس لئے کہ محلّہ کی اذان کافی ہے؛ لیکن افضل اور مستحب یہ ہے کہ اذان دے کر جماعت سے نماز پڑھی جائے اور اس کے لئے لاؤڈ اسپیکر ضروری نہیں؛ بلکہ بلند آواز سے بغیر لاؤڈ اسپیکر کے اذان کافی ہے اور محض اذان دینے سے یہ مدرسہ مسجد کے حکم میں نہ ہوگا۔

فلا يكره تركهما إذ أذان الحي يكفيه (درمختار) لأن أذان المحلة وإقامتها كأذانه وإقامته؛ لأن المؤذن نائب أهل المصر كلهم كما يشير إليه ابن مسعود حين صلى بعلقمة والأسود بغير أذان ولا إقامة، حيث قال: أذان الحي يكفينا وقد علمت تصريح الكنز بِنُدُبه للمسافر وللمصلي في بيته في المصر، فالمقصود من كفاية أذان الحي نفي الكراهة المؤثمة. (شامي ٥٨/٢ بيروت، درمختار مع الشامي ٦٣/٢-٦٤ زكريا)

وكره تركهما للمسافر لا لمصل في بيته في المصر، وندباً لهما. (كنز الدقائق على هامش البحر الرائق ٢٦٥/١، تبيين الحقائق ٢٥٠/١ بيروت، النهر الفائق ١٨٠/١ ملتان)

ويكره أداء المكتوبة بالجماعة في المسجد بغير أذان وإقامة، ولا يكره في البيوت والكروم وضياع القرىٰ؛ لأن أذان القرية والمصر أذان لهم، وإن أذنوا كان أولىٰ. (الفتاویٰ التاتارخانية ١٥٢/٢ رقم: ٢٠٠٦ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۶/۱۰/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجد کی حد میں اذان دینا؟

سوال (۷۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حدودِ مسجد میں مائک رکھ کر اذان دینا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان میں اصل مقصود آواز بلند کرنا اور دور تک آواز پہنچانا ہے؛ لہٰذا جب لاؤڈ اسپیکر سے اذان دی جائے اور ہارن مسجد کے اوپر لگے ہوں، جیسا کہ عام معمول ہے، تو حدودِ مسجد میں مائک رکھ کر اذان دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور جن بعض فقہی عبارتوں میں مسجد کے اندر اذان دینے کو مکروہ لکھا گیا ہے، وہ اس صورت میں ہے جب کہ بغیر لاؤڈ اسپیکر کے اذان دی جارہی ہو، یا ایسی جگہ اذان دی جارہی ہو جس سے آواز دور نہ پہنچے۔

واعلم أن الأذان لا يكره في المسجد مطلقًا كما فهم بعضهم من بعض العبارات الفقهية وعمومه هٰذا الأذان؛ بل مقيدًا بما إذا كان المقصود إعلام ناس غير حاضرين كما في رد المحتار، وفي السراج: وينبغي للمؤذن أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران ويرفع صوته، ولا يجهد نفسه؛ لأنه يتضرر - إلى قوله - في الجلابي: أنه يؤذن في المسجد أو ما في حكمه لا في البعيد عنه. قال الشيخ: قوله في المسجد صريح في عدم كراهة الأذان في داخل المسجد وإنما هو خلاف الأولى إذا مست الحاجة إلى الإعلان البالغ وهو المراد بالكراهة المنقولة في بعض الكتب فافهم. (إعلاء السنن، أبواب الجمعة / باب التأذين عند الخطبة ٨٦/٨-٨٧ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۵/۱۱/۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خارجِ مسجد مائک رکھ کر اذان دینا؟

سوال (۷۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گاؤں میں ایک مسجد تعمیر ہوئی ہے، مسجد کے بالکل برابر نہ ہونے کی وجہ سے مائک اذان کو بیٹھک میں رکھ دیا گیا ہے، مگر ہارن مسجد کے مینار پر رکھے ہیں، تو اذان ہوسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریف احمد کی بیٹھک سے جہاں مائک رکھا ہوا ہے، اذان دینا درست ہے؛ اس لئے کہ اذان کا مقصد مسجد سے دور لوگوں تک آواز پہنچانا اور لوگوں کو نماز کی خبر دینا ہے، اور یہ مقصد اگر کسی قریبی جگہ سے حاصل ہو تو وہاں سے بھی اذان دینا بلاشبہ درست ہے۔

وينبغي أن يؤذن على المئذنة أو خارج المسجد ...... كذا في الخانية، والسنة أن يؤذن في موضع عال يكون أسمع لجيرانه ويرفع صوته ولا يجهد نفسه، كذا في البحر. (الفتاویٰ الهندية ۱/۵۵، شامي ۲/۴۸ زكريا، البحر الرائق ۱/۲۵۵)

وفي عمدة القاري: ذكر ما يستفاد منه: فيه استحباب رفع الصوت بالأذان ليكثر من يشهد له ولو أذن على مكان مرتفع ليكون أبعد لذهاب الصوت وكان بلال رضي الله عنه يؤذن على بيت امرأة من بني نجار بيتها أطول حول البيت المسجد. (عمدة القاری ۵/۱۱۵، كذا في الشامي ۱/۳۸۷ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۴/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا اذان دیتے وقت کانوں میں انگلیاں ڈالنا لازم ہے؟

سوال (۷۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اذان دیتے وقت کانوں میں انگلیاں ڈالنے کا حکم کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان دیتے وقت کان میں انگلی ڈالنا لازم تو نہیں؛ لیکن مستحب ہے، کیوں کہ اس کی وجہ سے آواز بلند ہوکر نکلتی ہے۔

أخرج ابن ماجة عن طریق عمار بن سعد أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أمر بلالاً أن یجعل إصبعیہ في أذنیہ، وقال: إنہ أرفع لصوتک. (سنن ابن ماجة، أبواب الأذان والسنة فیھا / باب السنة في الأذان ۱/۵۲ رقم: ۷۱۰ دار الفکر بیروت)

وأخرج البخاري تعلیقاً: ویذکر عن بلال أنہ جعل إصبعیہ في أذنیہ، وکان ابن عمر لا یجعل إصبعیہ في أذنیہ. (صحیح البخاري، کتاب الأذان رقم الباب: ۱۹، ۱/۸۸)

والأفضل للمؤذن أن یجعل إصبعیہ في أذنیہ، وإن ترک ذٰلک لم یضرہ.

(الفتاویٰ التاتارخانیة ۲/۱۴۱ رقم: ۱۹۷۱ زکریا)

ویستحب أن یجعل إصبعیہ في أذنیہ، لقولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لبلال رضي اللّٰہ عنہ: "إجعل إصبعیک في أذنیک فإنہ أرفع صوتک". (مراقي الفلاح ۱۹۷، حلبي کبیر ۳۷۵، مبسوط ۱/۱۳۰، الفتاویٰ الهندیة ۱/۵۶)

ویجعل ندبًا إصبعیہ في صماخ أذنیہ، فأذانہ بدونہ حسن وبہ أحسن.

(درمختار مع الشامي ۱/۳۸۸ کراچی) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۱/۶/۶ھ

اگر مؤذن اذان کے وقت کان میں انگلیاں نہ ڈالے تو اذان درست ہوگی یا نہیں؟

سوال (۷۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا اذان دیتے وقت کانوں میں انگلیاں ڈالنا ضروری ہے، اگر کوئی مؤذن جہری الصوت ہو

اور بغیر کان میں انگلی ڈالے اذان دے تو کیا کوئی کراہت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان دیتے وقت کان میں انگلی ڈالنا ضروری نہیں؛ بلکہ مستحب ہے؛ تاکہ اس سے آواز دور تک پہنچ جائے؛ لہٰذا اگر کوئی بلند آواز مؤذن بغیر کان میں انگلی ڈالے اذان دے دے، تو بھی اذان صحیح ہوجائے گی۔

أخرج ابن ماجة عن طريق عمار بن سعد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر بلالاً أن يجعل إصبعيه في أذنيه، وقال: إنه أرفع لصوتك. (سنن ابن ماجة، أبواب الأذان والسنة فيها / باب السنة في الأذان ٥٢/١ رقم: ٧١٠ دار الفكر بيروت)

ومنها أن يجعل إصبعيه في أذنيه وإن لم يفعل أجزأه لحصول أصل الأعلام بدونه. (بدائع الصنائع ٣٧٣/١)

ويجعل ندبا إصبعيه في صماخ أذنيه فأذنه بدونه حسن. (درمختار مع الشامي ٥٤/٢ زكريا)

ويجعل إصبعيه في أذنيه لما روى أبو الشيخ في كتاب الأذان له: أنه عليه السلام أمر بلالاً أن يدخل إصبعيه في أذنيه وقال إنه أرفع لصوتك. (سنن ابن ماجة ٥٢/١ رقم: ٧١٠، الفتاوىٰ الهندية ٥٦/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۱/۷/۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک مؤذن کا دو مسجدوں میں اذان پڑھنا؟

سوال (۴۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مؤذن کا دو مسجدوں میں اذان پڑھنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک مؤذن کا دو مسجدوں میں اذان پڑھنا مکروہ ہے۔

يكره له أن يؤذن في مسجدين (درمختار) وقال الشامي: لأنه إذا صلى في المسجد الأول يكون متنفلاً بالأذان في المسجد الثاني والتنفل بالأذان غير مشروع؛ لأن الأذان للمكتوبة وهو في المسجد الثاني يصلي النافلة فلا ينبغي أن يدعو الناس إلى المكتوبة وهو لا يساعدهم فيها. (درمختار مع الشامي ٢/٦٥ بيروت، ٢/١٧١ زكريا، أحسن الفتاوىٰ ٢/٢٩٠، فتاوىٰ رحيميه ٣/١٥، صغيري ١٩٧)

وكره أن يؤذن في مسجدين؛ لأنه يكون في إحداهما داعيًا إلى ما لا يفعل. (حلبي كبير ٣٧٦، الفتاوىٰ التاتارخانية ٢/١٤٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۲/۹/۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَکیلے نماز پڑھنے والے کے لئے اَذان واِقامت کا حکم

سوال (۷۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اکیلے نماز پڑھنے والے کے لئے اذان واقامت کا حکم کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر کوئی شخص اکیلے نماز پڑھے تو اس کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ اذان واقامت کہہ کر نماز فرض ادا کرے؛ لیکن اگر بستی میں اذان اور جماعت ہوچکی ہے اور اب بعد میں کوئی مقیم شخص نماز بلا اذان واقامت پڑھتا ہے تو اذان واقامت کا ترک اس کے لئے مکروہ نہیں ہے؛ اس لئے کہ شہر میں ہونے والی اذان سے سنت فی الجملہ ادا ہوگئی۔

عن نافع أن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما كان لا يزيد على الإقامة في السفر في الصلاة إلا في الصبح، فإنه كان يؤذن فيها ويقيم، ويقول: إنما الأذان للإمام الذي يجتمع إليه الناس. (السنن الكبرىٰ للإمام البيهقي، كتاب الصلاة / باب قول من اقتصر على الإقامة في السفر ١/٦٠٦ رقم: ١٩٤٤)

عن عطاء قال: دخلت مع علي بن الحسين على جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنهما قال: فحضرت الصلاة فأذن وأقام. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة / باب في الرجل يصلي في بيته يؤذن ويقيم أم لا ١٩٩/١ رقم: ٢٢٨٤)

عن علي قال: أيما رجل خرج إلى أرضٍ فيٍّ، فحضرت الصلاة...... فإن شاء أذن وأقام وإن شاء أقام إقامة واحدة وصلّٰى. (مصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة / باب في الرجل يكون وحده فيأذن أو يقيم ١٩٨/١ رقم: ٢٢٧٦)

وأما المنفرد فالأفضل له أن يأتي بهما ليكون أدائه على هيئة الجماعة.

(حلبي كبير ٣٧٢، بدائع الصنائع ٣٧٧/١، البسوط ١٣٣/١)

وندب الأذان و الإقامة للمسافر والمقيم فى بيته. (الفتاویٰ الهندية ٥٣/١)

ولا يكره تركهما للمقيم. (حلبي كبير٣٧٢)

وكره تركهما للمسافر لا لمصل في بيته في المصر وندبا لهما. (كنز على هامش البحر ٢٦٥/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۱/۶/۶ھ

گھر میں جماعت کرتے وقت اذان واقامت کا حکم

سوال (۷٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گھر میں جماعت کرتے وقت اذان واقامت پڑھنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر محلّہ کی مسجد میں اذانیں ہوچکی ہیں اور کوئی شخص اپنے گھر میں تنہا یا جماعت کے ساتھ وقتیہ نماز پڑھنا چاہتا ہے، تو اس کے لئے محلّہ کی اذان کافی ہے، الگ سے اذان دینا ضروری نہیں ہے (تاہم بہتر یہی ہے کہ ہر جماعت کے لئے اذان

واقامت کا اہتمام کیا جائے)اور اگر قضا نماز پڑھی جا رہی ہےتو اذان واقامت دونوں کا ترک مکروہ ہے،کم ازکم اقامت کہہ کر قضا نماز ادا کرنی چاہئے۔

عن أبي جعفر قال: سألته إذا كنت وحدي علي أذان؟ قال نعم! أذِّن وأقم. (مصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة / باب في الرجل يكون وحده فيأذن أو يقيم ۱/۱۹۹ رقم: ۲۲۸۲)

عن علقمة قال: صلى عبد الله بن مسعود رضي الله عنه بي وبالأسود بغير أذان ولا إقامة، وربما قال: يجزئنا أذان الحي وإقامتهم. (رواه البيهقي في السنن الكبرىٰ ۲/۱٦٦ رقم: ۱۹٤۸)

عن جعفر بن ميمون قال: إذا صلى الرجل في بيته كفته الإقامة. (مصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة / باب في الرجل يكون وحده فيأذن أو يقيم ۱/۱۹۹ رقم: ۲۲۸٦)

لكن لا يكره تركه لمصلٍ في بيته في المصر؛ لأن أذان الحي يكفيه كما سيأتي، وفي الإمداد أنه يأتي به ندبا. (شامي ۲/٤۹ زكريا)

قال الرافعي: قوله بخلاف مصلى أي أداء ويكره تركهما في القضاء. (تقريرات رافعي ۲/٤٦)

إذا صلى رجل في بيته و اكتفى بأذان الناس وإقامتهم أجزاه من غير كراهة، وفي التجريد: وإن أذن فهو أفضل. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۲/۱۵۰ رقم: ۲۰۰۵ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۶ھ

سفر میں اذان کہنا؟

سوال (۷۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سفر میں اذان پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سفر کے دوران خواہ رفقاء کے ساتھ ہوں یا اکیلے نماز پڑھنی ہو، دونوں صورتوں میں اذان واقامت کہنے کا اہتمام کرنا چاہئے؛ البتہ اگر اذان چھوڑ کر اقامت پر اکتفاء کیا تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

عن نافع أن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما كان لا يزيد على الإقامة في السفر في الصلاة إلا في الصبح، فإنه كان يؤذن فيها ويقيم، ويقول: إنما الأذان للإمام الذي يجتمع إليه الناس. (السنن الكبرىٰ للإمام البيهقي، كتاب الصلاة / باب قول من اقتصر على الإقامة في السفر ۱/۶۰۶ رقم: ۱۹۴۴)

عن أبي الزبير قال: سألت ابن عمر اؤذن في السفر؟ قال: لمن تؤذن للفأرة. (السنن الكبرىٰ للإمام البيهقي، كتاب الصلاة / باب قول من اقتصر على الإقامة في السفر ۱/۶۰۶ رقم: ۱۹۴۵)

فإن كان مسافرا يكره له تركهما معاً وإن ترك الأذان واكتفى بالإقامة جاز. (حلبى كبير ۳۷۲)

وكره تركهما للمسافر لا لمصل في بيته في المصر وندبا لهما. (كنز على هامش البحر ۱/۲۶۵)

والمسافر إذا صلى وحده وترك الأذان والإقامة، أو ترك الإقامة فإنه يكره له ذٰلك ...... فأما المسافر فقد صلى بغير أذان وإقامة حقيقة وحكماً فيكره له. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۲/۱۵۱ رقم: ۲۰۰۶ زكريا)

عن مالك بن الحويرث رضي اللّٰه عنه قال: أتيت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنا وابن عم لي فقال: إذا سافرتما فأذنا وأقيما وليؤمكما أكبركما. (سنن النسائي ۱/۷۴ رقم: ۶۳۰) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۱/۶/۶ھ

منفرد آدمی کا بیٹھ کراذان کہنا؟

سوال (۷۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر اکیلے نماز پڑھنے والا شخص بیٹھ کر اذان دے تو شرعاً کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جماعت کے لئے بیٹھ کر اذان کہنا مکروہ ہے اور اس کا اعادہ مستحب ہے؛ البتہ اگر کوئی منفرد اپنی نماز کے لئے اذان دے تو بیٹھ کر اذان دینے میں بھی حرج نہیں ہے؛ کیوں کہ اس سے مقصد صرف سنت کی ادائیگی ہے، دوسروں تک اطلاع مقصود نہیں ہے۔

ویکره أذان جنب وإقامته – إلی قوله – وقاعداً إلا إذا أذن لنفسه.

(درمختار مع الشامي ۱/ ۵۲۰ زکریا، ۲/ ۶۰۱، ۲/ ۵۵-۵۶ بیروت)

ویکره الأذان قاعداً إلا إذا أذن لنفسه، وفي الخانية: لو أذن لا یعاد.

عن عطاء أنه کره أن یؤذن وهو قاعد إلا من عذر. (المصنف لابن أبي شیبة ۲/ ۳۴۱ برقم ۲۲۱۸، الفتاویٰ التاتارخانیة ۲/ ۱۴۵ رقم: ۱۹۸۳ زکریا)

وإن أذن لنفسه قاعداً فلا بأس به؛ لأن المقصود مراعاة سنة الصلاة لا الإعلام. (بدائع الصنائع ۱/ ۳۷۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیٹھ کر اذان دینا؟

سوال (۷۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص مسجد میں یا جماعت کی نماز کے لئے بیٹھ کر اذان دے تو یہ اذان صحیح ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جماعت کی نماز کے لئے بلا عذر بیٹھ کر اذان دینا مکروہ

اورخلافِ سنت ہے؛ لہٰذا اگر کوئی شخص بیٹھ کر اذان دے تو مع الکراہت صحیح ہوجائے گی، اس کا اعادہ لازم نہیں۔

عن عطاء أنه كره أن يؤذن وهو قاعدٌ إلا من عذر. (المصنف لابن أبي شيبة ٣٤١/٢ رقم: ٢٢٣٢)

عن عبد الجبار بن وائل عن أبيه موقوفاً قال: حق وسنة مسنونة أن لا يؤذن إلا وهو طاهر، ولا يؤذن إلا وهو قائم. (السنن الكبرىٰ للإمام البيهقي، الصلاة / باب لا يؤذن إلا وهو طاهر ٥٨٣/١ رقم: ١٨٥٩)

ويكره أن يؤذن قاعداً. (حلبی کبیر ٣٧٥)

ولو اذن لا يعاد. (الفتاوىٰ التاتارخانية ١٤٥/٢ رقم: ١٩٨٣ زكريا، بدائع الصنائع ٣٧٤/١، درمختار مع الشامي ٦٠/٢ زكريا، البحر الرائق ٢٦٣/١ كوئٹه) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۷/۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عام نمازوں میں اَذان اور اِقامت کے درمیان فصل

سوال (۸۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مغرب کے علاوہ دیگر نمازوں کے درمیان اذان واقامت کے درمیان کتنا فصل ہونا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فجر، ظہر، عصر اورعشاء میں اذان اورا قامت کے درمیان اتنا فاصلہ رہنا چاہئے کہ جس میں دو چار رکعت نماز بآسانی پڑھ لی جائے اور نمازی بسہولت جمع ہوسکیں۔

ويفصل بين الأذان والإقامة مقدار ركعتين أو أربع يقرأ في كل ركعة نحوا من عشر اٰيات، كذا في الزاهدي. (الفتاوىٰ الهندية ٥٦/١، الفتاوىٰ التاتارخانية ٥٢١/١، البحر الرائق ٤٥٤/١)

يجب أن يعلم بأن الفصل بين الأذان والإقامة في سائر الصلوات مستحب، والأصل في ذٰلک قوله عليه السلام لبلال رضي الله عنه ...... عن جابر رضي الله عنه قال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لبلال: إذا أذنت فترسل، وإذا أقمت فأحدر، واجعل بين أذانک وإقامتک قدر ما يفرغ الآكل من أكله والشارب من شربه والمعتصر إذا دخل لقضاء حاجته. (سنن الترمذي ۴۸/۱ رقم: ۱۹۵، السنن الكبرىٰ للإمام البيهقي، كتاب الصلاة / باب ترسيل الأذان وحذم الإقامة ۶۲۸/۱ رقم: ۲۰۰۸، الفتاوىٰ التاتارخانية ۱۴۷/۲ رقم: ۱۹۹۰ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مغرب کی اذان اور اقامت میں کتنی تاخیر کی جائے؟

سوال (۸۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مغرب کی اذان اور اقامت میں کس قدر تاخیر مسنون ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مغرب کی اذان اور اقامت میں اتنی تاخیر کرنی چاہئے کہ جس میں تین چھوٹی آیتیں یا ایک لمبی آیت پڑھی جاسکے؛ تاہم رمضان میں نمازیوں کی رعایت کی وجہ سے اگر مغرب کی اذان اور جماعت میں ۱۰-۱۵ / منٹ کا بقدرِ ضرورت فصل کردیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وأما إذا كان في المغرب فالمستحب أن يفصل بينهما بسكتة يسكت قائماً مقدار ما يتمكن من قراءة ثلاث آيات قصار هكذا في النهاية. (الفتاوىٰ الهندية ۵۷/۱، بدائع الصنائع ۳۷۱/۱ زكريا، أحسن الفتاوىٰ ۳۸/۲، شامي ۳۹۹/۱ كراچی، مراقي الفلاح ۱۵۹ مصري)

ولم يعتبر الفصل في المغرب بالصلاة؛ لأن الفصل في المغرب يؤدي إلى تاخير المغرب عن أول وقته، وهو مكروه، وإذا لم يفصل بالصلاة في المغرب

بـمـا ذا يفصل؟ قال: أبو يوسف ومحمد: يفصل بجلسة خفيفة، وقال أبو حنيفة: يفصل بالسكوت. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/۱٤۸ رقم: ۱۹۹۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۲/۱٤۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نومولود بچہ کے کان میں اذان دینے کا طریقہ؟

سوال (۸۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نومولود بچہ کے کان میں اذان دینے کا کیا طریقہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نومولود بچہ کے کان میں اذان کے وقت استقبالِ قبلہ اور "حي علی الصلوٰة، وحي علی الفلاح" کے وقت چہرہ کا دائیں بائیں پھیرنا وغیرہ نماز کی اذان کی طرح مسنون ہے؛ البتہ کانوں میں انگلیوں کو دینا مسنون نہیں۔

ويترسل فيه ويلتفت فيه وكذا فيها مطلقاً يميناً ويساراً بصلوة وفلاح ولو وحده أو لمولود؛ لأنه سنة الأذان مطلقا، وفي الشامية: و في البحر عن السراج أنه من سنن الأذان، فلا يخل المنفرد بشيء منها، حتى قالوا في الذي يؤذن للمولود ينبغي أن يحول قوله مطلقاً: للمنفرد وغيره و المولود وغيره. (درمختار مع الشامي ۲/٤۹ بيروت، ۲/۵۳ زكريا)

وقال الشيخ عبد القادر الرافعي في تقريراته: قال السندي: فيرفع المولود عند الولادة على يديه مستقبل القبلة ويؤذن في أذنه اليمنىٰ ويقيم في اليسرىٰ ويلتفت فيهما بالصلاة لجهة اليمين وبالفلاح لجهة اليسار. (تقريرات الرافعي الملحقة بالفتاوىٰ الشامية ۲/٤۵ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۲/۱٤۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نومولود کے کان میں موبائل کے ذریعہ اَذان واِقامت؟

سوال (۸۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نومولود بچے کے کان میں ایک بزرگ مولانا صاحب نے دوسری جگہ سے فون کال کے ذریعہ اَذان اور اقامت دی، والد نے فون کو بچہ کے کان کے پاس رکھا، کیا یہ اذان اور اقامت شرعی اعتبار سے درست ہے یا دوبارہ بچے کے کان میں اذان اور اقامت دینا ضروری ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نومولود بچہ کے کان میں اذان اور اقامت بلا واسطہ دینا ہی بہتر ہے، اور اس میں کسی بزرگ یا کسی عظیم شخصیت سے اذان دلوانے کا تکلف کرنے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ جو حضرات بھی بروقت موجود ہوں، ان کے اذان دینے سے مستحب ادا ہو جائے گا، اور اس مقصد کے لئے موبائل کے توسط سے اذان دلوانا مناسب نہیں؛ کیوں کہ موبائل میں آنے والی اذان دراصل صدائے بازگشت کے مماثل ہے، اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ دور کھڑا ہوا کوئی شخص بات کر رہا ہو، تو اس اعتبار سے موبائل سے اذان دینا دور سے آنے والی لاؤڈ اسپیکر کی آواز کے درجہ میں ہوگا، اور ظاہر ہے کہ اس طرح دور سے اذان کی آنے والی آواز کو کافی نہیں سمجھا جاتا، اس لئے موبائل کی آواز کو بھی اس مستحب کی ادائیگی کے لئے کافی نہ سمجھنا چاہئے۔ اور اگر اس طرح اذان دلوادی گئی ہو تو دوبارہ اذان دینی چاہئے۔

عن أبي رافع رضي اللّٰه تعالیٰ عنه قال: رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وآله وسلم أذّن في أُذُن الحسن بن علي حين ولدته فاطمة بالصلاة. (سنن الترمذي ١/٢٧٨، مشكاة المصابيح ٣٦٣)

وفي شرح السنة: روي أن عمر بن عبد العزيز كان يؤذن في اليمنى ويقيم في اليسرىٰ إذا ولد الصبي. قلت: قد جاء في مسند أبي يعلى الموصلي

عن الحسين مرفوعاً: من ولد له ولد فأذن في أذنه اليمنىٰ وأقام في أذنه اليسرىٰ لم تضره أم الصبيان. والأظهر أن حكمة الأذان في الأذان أنه يطرق سمعه أول وهلة ذكر اللّٰه تعالىٰ على وجه الدعاء إلى الإيمان والصلاة التي هي أم الأركان.

(مرقاة المفاتيح ۱۵۹/۸ - ۱۶۰ أشرفية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۵/۶/۶ھ

شہر کی سب مسجدوں میں بذریعہ ریڈیو ایک ہی اذان دینا؟

سوال (۸۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ بعض خلیجی عرب ممالک مثلاً ابوظہبی (امارات) اور مصر میں وزارتِ اوقاف کے تحت مساجد میں پنج وقتہ نمازوں کی اذان ایک ہی مؤذن کے ذریعہ دی جاتی ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ شہر کی کسی بڑی مسجد کو مرکز بنا کر وہاں کی اذان کا ریڈیائی تعلق ہر مسجد کے اسپیکروں سے جوڑ دیا جاتا ہے، تو سب مسجدوں سے بیک وقت اسی اذان کی آواز بلند ہوتی ہے جو مرکزی مسجد میں دی جارہی ہے، تو سوال یہ ہے کہ:

(۱) اذان کا یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

(۲) اس طریقۂ اذان سے سنت اذان جو شعار اسلام ہے، وہ ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

(۳) اس طرح کی اذان کے بعد جو مسجد میں باجماعت نماز ادا ہوگی وہ درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) شہر کی ایک مسجد میں اذان دے کر اسے سب مسجدوں کے لاؤڈ اسپیکروں سے نشر کرنے کا طریقہ امت کے متوارث عمل کے خلاف اور نامناسب ہے، افضل یہی ہے کہ ہر مسجد کی جماعت کے لئے الگ مؤذن اذان دیا کرے؛ کیوں کہ ہر جماعت کے لئے مستقل طور پر اذان کم از کم مستحب ضرور ہے۔

وروى ابن أبي مالک عن أبي حنيفة في قوم صلوا في المصر في منزل أو في مسجد منزل فأخبروا بأذان الناس وإقامتهم أجزأهم وقد أساء وا بتركهما، فقد فرق بين الجماعة والواحد؛ لأن أذان الحي يكون أذاناً للأفراد ولا يكون أذانا للجماعة. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع للإمام الكاساني ۱/۳۷۸ زكريا)

وهو على البلد وليس بواجب في كل سجدة، ولكنه يستحب في مساجد الجماعات أكثر من العدد. (بناية شرح هداية ۲/۷۸)

(۲-۳) بعض فقہی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک آبادی میں دی جانے والی اذان کی آواز جہاں تک پہنچے وہ اس آبادی کے لئے کافی ہوجاتی ہے؛ لہٰذا ریڈیو کے ذریعہ شہر کی تمام مساجد میں بیک وقت اذان دینے سے پوری آبادی پر سے سنت مؤکدہ علی الکفایہ کا ذمہ ساقط ہوجائے گا، اور اس کے بعد مساجد میں جو جماعتیں ادا کی جائیں گی وہ خلافِ سنت نہ کہلائیں گی؛ تاہم ایسا کرنا خلافِ اولیٰ ہے، جیسا کہ جواب نمبر ایک میں گذرا۔

واستظهر في البحر كونه سنة على الكفاية بالنسبة إلى كل أهل بلدة بمعنى أنه إذا فعل في بلدة سقطت المقاتلة عن أهلها. قال: ولو لم يكن سنة على الكفاية بهٰذا المعنى لكان سنة في حق كل أحد، وليس كذٰلک، إذ أذان الحي يكفينا كما سيأتي. قال في النهر: ولم أر حكم البلدة الواحدة إن اتسعت أطرافها كمصر، والظاهر أن أهل كل محلة سمعوا الأذان ولو من محلة أخرىٰ يسقط عنهم لا إن لم يسمعوا. (شامي ۲/۴۹ زكريا)

وإذا قسّم أهل المحلة المسجد وضربوا فيه حائطاً ولكل منهم إمام على حدة ومؤذن واحد لا بأس به، والأولىٰ أن يكون لكل طائفة مؤذن. (البحر الرائق ۲/۶۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ٹیپ ریکارڈ کی اذان معتبر نہیں

سوال (۸۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی مسجد میں باقاعدہ مؤذن کے ذریعہ اذان دینے کے بجائے اذان کے وقت ٹیپ ریکارڈ چلادیا جائے، تو اس سے اذان کی سنت ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹیپ ریکارڈ سے بلند ہونے والی آواز صدائے بازگشت کے حکم میں ہے؛ کیوں کہ وہ آلہ غیر مختار سے نکل رہی ہے؛ لہٰذا ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ اذان دینے سے سنتِ اذان ادا نہ ہوگی، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ٹیپ شدہ آیتِ سجدہ کے سننے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا۔

مستفاد: لا تجب بسماعه من الصدیٰ (درمختار) هو ما یجیبک مثل صوتک في الجبال والصحاریٰ ونحوهما کما في الصحاح. (شامي ۵۸۳/۲ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اقامت کا مسنون طریقہ

سوال (۸۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اقامت کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اِقامت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اولاً ایک سانس میں چار مرتبہ ''اللّٰہ أکبر'' کہا جائے، اور ہر ''اللہ اکبر'' کی ''راء'' پر سکون کیا جائے، اور اگر ملا کر پڑھیں تو ''راء'' پر زبر کی حرکت ظاہر کریں، ''راء'' پر پیش پڑھنا خلافِ سنت ہوگا، اس کے بعد ایک سانس میں ''أشهد أن لا إله إلا اللّٰه، أشهد أن لا إله إلا اللّٰه'' پڑھیں، اور ''اللہ'' کی ''ہ''

پر سکون کریں، اس کے بعد ایک سانس میں ''أشهد أن محمداً رسول اللّٰه، أشهد أن محمداً رسول اللّٰه'' پڑھیں، اور ہر کلمہ پر اخیر میں سکون کریں، اعراب ظاہر نہ کریں، اسی طرح ایک ایک سانس میں حیعلتین (حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح) کہیں، اس کے بعد ''قد قامت الصلاۃ'' الگ الگ سانس میں کہیں، پھر ''اللّٰه أکبر، اللّٰه أکبر'' ایک سانس میں اور ''لا إلٰه إلا اللّٰه'' ایک سانس میں کہیں۔

عن عمار بن سعد عن أبيه سعد القرظ أنه سمعه يقول: إن هٰذا الأذان يعني أذان بلال الذي أمره به رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وإقامته وهو اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر، أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه، أشهد أن محمداً رسول اللّٰه أشهد أن محمداً رسول اللّٰه، ثم يرجع فيقول: أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه، أشهد أن محمداً رسول اللّٰه أشهد أن محمداً رسول اللّٰه، حي على الصلاة حي على الصلاة، حي على الفلاح حي على الفلاح، اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر، لا إلٰه إلا اللّٰه، والإقامة واحدة واحدة، ويقول: قد قامت الصلاة مرة واحدة.

(السنن الكبرىٰ للإمام البيهقي، كتاب الصلاة / باب الترجيع في الأذان ۱/۵۸۰ رقم: ۱۸۴۹ دار الكتب العلمية بيروت)

وفي الإمداد: ويجزم الراء: أي يسكنها في التكبير، قال الزيلعي: يعني على الوقف، لٰكن في الأذان حقيقة، وفي الإقامة ينوي الوقف أي للحدر الخ. وحاصلها أن السنة أن يسكن الراء من اللّٰه أكبر الأول أو يصلها بـ اللّٰه أكبر الثانية، فإن سكنها كفىٰ، وإن وصلها نوىٰ السكون فحرك الراء بالفتحة، فإن ضمها خالف السنة. (شامي ۲/۴۷-۴۸ بيروت، ۲/۵۱-۵۲ زكريا)

إلا ''الإقامة'' فيقول: ''قد قامت الصلاة'' في نفسين مترسلاً؛ لأنه هو روح الإقامة. (إعلاء السنن ۲/۵۸، فيض الباري ۲/۱۶۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۲/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز کے علاوہ دیگر مقاصد کے لئے اذان؟

سوال (۸۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز کے علاوہ دیگر مقاصد کے لئے اذان دینا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کے علاوہ بعض دیگر مواقع کے لئے بھی فقہاء نے اذان کا ذکر فرمایا ہے، مثلاً:

(۱) بچہ کے کان میں اذان دینا۔

(۲) جو شخص غم زدہ ہو اس کے کان میں اذان دینے سے اس کا غم ہلکا ہوجاتا ہے۔

(۳) جس شخص کو بیماری کے دورے پڑتے ہوں، اس کے لئے بھی اذان دینا مفید ہے۔

(۴) جس شخص پر غصہ غالب ہوجائے تو اذان دینا اس کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے میں معاون ہے۔

(۵) جو جانور بدک جائے یا جس انسان کے اخلاق بگڑ جائیں اس پر بھی اذان دینا مفید ہے۔

(۶) جب دشمن کی فوج حملہ آور ہو، اُس وقت اذان دی جائے۔ (فسادات کے موقع پر اذان کا بھی یہی حکم ہے)

(۷) آگ پھیل جانے کے وقت بھی اذان دینے کا حکم ہے۔

(۸) سرکش جنات کے شر سے بچنے کے لئے بھی اذان دینا ثابت ہے۔ (اس بارے میں ایک صحیح حدیث موجود ہے)

(۹) جو شخص جنگل میں راستہ بھٹک جائے وہ بھی اذان دے سکتا ہے۔ (تلخیص: شامی زکریا ۲؍۵۰)

وفي حاشية البحر للخير الرملي: رأيت في كتب الشافعية أنه قد يسن الأذان لغير الصلاة، كما في أذن المولود، والمهموم، والمصروع، والغضبان، ومن ساء خلقه من إنسان أو بهيمة، وعند مزدحم الجيش، وعند الحريق، قيل: وعند إنزال الميت القبر قياساً على أول خروجه للدنيا، لكن رده ابن حجر في

شـرح العباب، وعند تغول الغيلان: أي عند تمرد الجن لخير صحيح فيه. أقول: **ولا بعد فيه عندنا.** (شامي ٢/ ٥٠ زكريا، ١/ ٣٨٥ كراچی، منحة الخالق ١/ ٢٥٦ كوئٹه)

وكـذا يندب الأذان وقت الحريق ووقت الحرب، وخلف المسافر، وفي أذن المهموم والمصروع. (الفقه على المذاهب الأربعه مكمل ١٩٤ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زلزلہ کے وقت اذان دینا؟

سـوال (۸۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: پچھلے دنوں جو قہر زلزلہ پڑا تھا اکثر جگہوں پر لوگوں نے اذانیں پڑھیں، کیا اس کا کوئی ثبوت ہے؟ سلف وخلف سے اس طرح کی کوئی بات ملی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زلزلہ کے لئے اذان دینا شریعت میں مسنون نہیں ہے؛ لیکن اگر دہشت دور کرنے کی غرض سے اذان دی جائے تو گنجائش ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵/۴۰۶ ڈابھیل)

ولا يسن لغيرها: أي من الصلوات، وإلا فيندب للمولود، وفي حاشية البحر للخير الرملي: رأيت في كتب الشافعية: أنه قد يسن الأذان لغير الصلوٰة كما في أُذُنِ المولود و المهموم والمصروع، والغضبان، ومن ساء خلقه من إنسان أو بهيمة و عند مزدهم الجيش، وعند الحريق، وقيل: عند إنزال الميت القبر قياسا على أول خروجه للدنيا، لكن رده ابن حجر في شرح العباب. (شامي ١/ ٣٨٥ كراچي كذا في منحة الخالق ١/ ٢٥٦، شامي ٢/ ٥٠ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۳/۱۵ھ

خوف ودہشت کے وقت اذان دینا؟

سوال (۸۹): - کیافر ماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خوف ودہشت کے وقت اس عقیدے سے اذان دینا کہ اس سے خوف ودہشت دور ہو جائے درست ہے یانہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خوف ودہشت کے وقت اس عقیدے سے اذان دینا کہ خوف ودہشت دور ہو، جائز ہے۔ (امدادالفتاویٰ ۱/۱۰۷)

عن سهيل قال: أرسلني أبي إلى بني حارثة قال ومعي غلام لنا (أو صاحب لنا) فناداه مناد من حائط باسمه قال: فأشرف الذي معي على الحائط فلم ير شيئاً فذكرت لأبي، فقال: لو شعرتُ أنك تلقى لهٰذا لم أرسلك ولكن إذا سمعت صوتا فناد بالصلاة فإني سمعت أبا هريرة رضي اللّٰه عنه يحدث عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: إن الشيطان إذا نودي بالصلاة ولّي وله حُصاص.

(صحيح مسلم، الصلاة / فضل الأذان وهرب الشيطان عند سماعه ١٦٧/١ رقم: ٣٨٩)

قد يسن الأذان لغير الصلاة قالوا: يسن للمهموم أن يأمر غيره أن يؤذن في أذنه فإنه يزيل الهم. (شامي ٣٨٥/١ كراچی، شامي ٥٠/٢ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۷/۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جوتے پہن کر اذان دینا؟

سوال (۹۰): - کیافر ماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچی بغیر فرش والی مسجد ہے، مؤذن پاک جوتے پہن کر اذان کہہ سکتا ہے یانہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زمین پاک ہو تو پاک جوتے پہن کر اذان دینے

میں مضائقہ نہیں ہے۔

مستفاد: وينبغي لداخله تعاهد نعله وخفه، وصلاته فيهما أفضل أي في النعل والخف الطاهرين أفضل مخالفة اليهود، وفي الحديث: صلوا في نعالكم ولا تشتبهوا باليهود. (شامي ٢/٤٢٩ زكريا، مستفاد حاشية: فتاوىٰ دار العلوم ديوبند ٢/١٢١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۳/۸/۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ختم سحری کے فوراً بعد اذان دینا؟

سوال (۹۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ختم سحری ہوتے ہی اذان پڑھنا اور اس اذان پر نماز پڑھنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ جب کہ ہر نقشہ میں تحریر ہے کہ ختم سحری سے ۶/ منٹ کے بعد صبح صادق ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اوقاتِ نماز کے نقشوں میں ختم سحرا ور صبح صادق کا حقیقی وقت لکھا جاتا ہے اور اس کے بعد اذان دینے میں بطور احتیاط ۵-۶/ منٹ کا وقفہ دیا جاتا ہے، اس لئے احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ اس وقفہ کے گذرنے کے بعد ہی اذان فجر دی جائے، اس سے پہلے نہ دی جائے۔

عن أنس بن مالک رضي الله تعالىٰ عنه قال: أذن بلال قبل الفجر فأمره النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم أن يرجع. (مسند البزار ١٣/٢٠٢ رقم: ٦٦٦٧، سنن الدار قطني ١/٢٥٣ رقم: ٩٤٧)

فيعاد أذان وقع بعضه قبله كالإقامة خلافا للثاني في الفجر. (درمختار ٢/٥٠ زكريا)

أول وقت الفجر إذا طلع الفجر الثاني وهو المعترض في الأفق. (هداية ١/٨٠)

حتى لو أذن قبل دخول الوقت لا يجزيه، ويعيده إذا دخل الوقت في

الصلوات في قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالیٰ. (بدائع الصنائع، الصلاة / بیان وقت الأذان والإقامة ١/٦٥٨ بیروت)

إذا أذن قبل الوقت یکره الأذان والإقامة. (الفتاویٰ التاتارخانیة ٢/١٤٨ رقم: ١٩٩٤ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۹/۱۱/۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اذان میں آواز کی بلندی کے لئے "ECCO" لگانا؟

سوال (۹۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مساجد میں اذان کے لئے لاؤڈ اسپیکر مائک میں ایک آلہ جس کو ''ECCO'' اکّو کہا جاتا ہے، اس کے استعمال سے الفاظ اذان میں کچھ ایسی ندرت پیدا ہوجاتی ہے جو بہت اچھی لگتی ہے، ساتھ ساتھ پرکشش بھی ہوجاتی ہے، کیا اس آلہ کا استعمال درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان میں آواز کی بلندی اور حسنِ صوت مطلوب ہے، اس لئے اذان میں مذکورہ آلہ کو لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مستفاد: لقوله علیه السلام لبلال رضي اللّٰه عنه: اجعل إصبعیک في أذنیک، فإنه أرفع لصوتک. (شامی ٢/٥٤، والحدیث أخرجه ابن ماجة في سننه، أبواب الأذان والسنة فیها / باب السنة في الأذان ١/٥٢ رقم: ٧١٠)

وفي حدیث عبد اللّٰه بن زید بن عبد ربه فإنه أندیٰ صوتا منک وقال النووی: من هذا الحدیث یؤخذ استحباب کون المؤذن رفیع الصوت. (مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح ٢/١٣٢ باب الأذان)

منها أن یجهر بالأذان فیرفع به صوته؛ لأن المقصود وهو الإعلام یحصل

به. (بدائع الصنائع ۱/ ۳٦۹ زكريا)

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا يسمع مدى صوت المؤذن جن ولا إنس ولا شيء إلا شهد له يوم القيامة. (صحيح البخاري، الأذان / باب رفع لاصوت بالنداء ۱/ ۸۵-۸٦ رقم: ٦۰۹، سنن النسائي، الصلاة / باب الصوت بالأذان ۱/ ۷۵ رقم: ٦٤٤، ومالك في المؤطا رقم: ٤، ابن ماجة، كتاب الأذان والسنة / باب فضل الأذان وثواب المؤذنين رقم: ۷۲۳، مسند أحمد ۳/ ۳۵، مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح ۲/ ۳۲٦ رقم: ٦۵٦ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۸/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۶؍سال کے بچہ کی اذان کا حکم

سوال (۹۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک لڑکا جس کی عمر ۱۶؍سال ہے، وہ مسجد ہری چگووالی میں اذان پڑھتا ہے، کیا یہ لڑکا اذان پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ کچھ لوگ اس لڑکے کے اذان پڑھنے پر اعتراض کررہے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۱۶؍سال کا لڑکا شرعاً بالغ ہے، اس کا اذان دینا درست ہے، اس میں اعتراض کی کوئی بات نہیں ہے۔

أذان الصبي العاقل صحيح من غير كراهة في ظاهر الرواية ولكن أذان البالغ أفضل. (الفتاوىٰ الهندية ۱/ ۵٤، بدائع الصنائع ۱/ ۱۵۰ كراچی، الفتاوىٰ التاتارخانية ۲/ ۵٤ رقم: ۱۹۸۳ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۷/۳/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شیعوں کی اذان حضرت بلالؓ کی اذان نہیں ہے

سوال (۹۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شیعہ حضرات کے یہاں جو اذان پڑھی جاتی ہے اس میں چار بول زیادہ ہیں، اور ہمارے یہاں جو اذان پڑھی جاتی ہے اس میں چار بول کم ہیں، شیعہ حضرات کا کہنا ہے کہ ہماری اذان وہ ہے جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ پڑھتے تھے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شیعوں کا دعویٰ قطعاً غلط ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان وہی تھی جو سنی حضرات نے اختیار کی ہے، حدیث کی تمام مستند کتابوں میں اس کی صراحت اور تفصیل موجود ہے۔

عن أبي محذورة رضي اللّٰه عنه قال: لمّا رجع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من حنين خرجتُ عاشر عشرةٍ من مكة أطلبهم، فسمعتهم يؤذنون فقمنا نؤذن. فقام النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: لقد سمعت في هؤلاء تأذين إنسان حسن الصوت، فأرسل إلينا فأذنا رجلاً رجلاً، فكنت آخرهم، فقال: حين أذنت تعال ...... ثم قال: إذهب فأذن عند البيت الحرام، قلت: كيف يا رسول اللّٰه! فعلّمني الأذان كما يؤذن الآن بها. اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر، أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه، أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه، أشهد أن محمد رسول اللّٰه، أشهد أن محمد رسول اللّٰه، حي على الصلاة، حي على الصلاة، حي على الفلاح، حي على الفلاح، الصلاة خير من النوم، الصلاة خير من النوم – في الأولىٰ من الصبح – اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر، لا إلٰه إلا اللّٰه. (نخب الأفكار في تنقيح مباني الأخبار في شرح معاني الآثار للإمام بدر الدين العيني ١٦/٤ دار اليسر المدينة المنورة) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۱/۱۱/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَذان اور اِقامت میں غلطی کرنا

کلماتِ اذان میں بے محل مد کرنا؟

سوال (۹۵): - کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اذان میں ''أشهد أن لا إلٰه'' میں ''الـه'' کے ''ہ'' میں مد کرنے سے کیا خرابی ہے؟ اور ''حي علی الصلاة'' میں ''حيّ'' کی ''ی'' پر مد کرنے سے کیا خرابی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''إلٰه'' کے ''ہ'' میں اور ''حي'' کی ''ی'' میں مد کرنا بے محل ہونے کی وجہ سے منع ہے، اس سے معنی بگڑنے کا اندیشہ ہے؛ اس لئے اس سے احتراز لازم ہے۔

ومنها: ترک اللحن في الأذان، لما روي أن رجلا جاء إلی ابن عمر رضي اللّٰه عنهما فقال: إني أحبک في اللّٰه تعالیٰ، فقال ابن عمر رضي اللّٰه عنهما: إني أبغضک في اللّٰه تعالیٰ: فقال: لم! قال: لأنه بلغني أنک تغني في أذانک یعني التلحین. (بدائع الصنائع، الصلاۃ / سنن الأذان ۱/۳۷۱ زکریا، ۱/۶٤٤ بیروت، ۱/۱۵۰ کراچی)

ولا لحن فیه أي تغني بغیر کلماته فإنه لا یحل فعله و سماعه (درمختار) وقال الشامي: قوله بغیر کلماته أي بزیادة حرکة أو حرف أو مد أو غیرها في الأوائل والأواخر. (درمختار مع الشامي ۲/۵۲-۵۳ زکریا، ۱/۳۸۷ کراچی)

سن للفرائض بلا ترجیع و لحن (الکنز) قوله: ولحن: ...... ولهذا فسره ابن الملک بالتغني بحیث یؤدي إلی تغییر کلماته، وقد صرحوا بأنه لا یحل

فيـه، وتـحسيـن الـصـوت لا بأس به من غير تغنٍ، كذا في الخلاصة. (البحر الرائق ٤٢/١ رشيدية، ٢٥٦/١ كوئٹه)

ويكره التلحين وهو التطريب والخطاء في الأعراب. (مراقي الفلاح ١٠٧)

لأن اللحن حرام بلاخلاف. (الفتاویٰ الهندية ٣١٧/٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۵/۴/۱۰ھ

کلماتِ اذان کو بگاڑ کر ادا کرنا

سوال (۹۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب اذان وتکبیر غلط پڑھتے ہیں، جب کہ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ ہے، وہ پڑھتے ہیں: ’’اشہدو الا الہ لاہا اللہ‘‘ اور ’’حی علی الصلو ہاہا‘‘ اور ’’محمد الر‘‘ کی جگہ ’’موحامد الرسول اللہ‘‘، مسجد کے قریب پندرہ بیس دوکانیں ہیں، وہ لوگ بھی مذاق اڑاتے ہیں اور اگر کوئی اذان پڑھنے کا ارادہ بھی کرے تو اس سے پہلے مائک پر پہنچ کر غلط اذان پڑھتے ہیں، اتفاق سے کوئی دوسرا بھی پڑھ دے تو وہ حجرے سے آنے نہیں دے گا، اور امام کے مصلیٰ پر پہنچے بغیر تکبیر شروع کی، کتنی بار منع کیا؛ لیکن وہ نہیں مانتے، بہرا آدمی ہے ہر کسی پر فتویٰ دیتے ہیں، مثلاً پانچوں وقت کا نمازی مسجد میں آنے والا اگر کسی وجہ سے فجر میں نہ آسکے، تو کہتے ہیں اللہ ان کی نماز قبول نہیں کرتا، فتویٰ بھی امام کے سامنے ہر ایک سے اکڑنا، نمازی کہتے ہیں کہ اس کو کون منہ لگائے، یہ تو جاہل ہے، جہاں اذان وتکبیر ہی صحیح نہیں، تو کیا ہم دوسری مسجد میں جائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اعراب کی غلطی کی وجہ سے اذان واقامت مکروہ ہوجاتی ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں مسجد کے بااثر لوگوں کو چاہئے کہ مؤذن ایسے شخص کو بنائیں جو اذان کے الفاظ اچھی طرح ادا کرسکے، نیز وہ نیک ہو اور مسائل دینیہ سے بھی واقف ہو؛ تاہم اگر مؤذن تبدیل نہ ہو تو اس کی وجہ سے کسی مقتدی کے لئے اپنی مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں جانا اچھا نہیں ہے۔

عـن ابـن عباس رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ليؤذن لكم خياركم وليؤمكم قراؤكم. (سنن أبي داؤد ۸۷/۱ رقم: ۵۹۰)

إن المستحب كون المؤذن عالما بالسنة. (هداية ۹۰/۱)

وينبغي أن يكون المؤذن رجلا عاقلا صالحاً تقيا عالما بالسنة مواظبا عليه، وفي الكافي: والأولىٰ أن يتولى العلماء أمر الأذان، وفي الجامع الصغير الحسامي: قال يعقوب: رأيت أبا حنيفة يؤذن في المغرب ويقيم ولا يجلس، فهذا يدل على أن الحق أن المفتي هو المؤذن. (الفتاویٰ التاتارخانية ۱۴۴/۲ رقم: ۱۹۷۹ زکریا)

ويكره التلحين وهو التطريب والخطاء في الأعراب. (مراقي الفلاح ۱۰۷)

ومنها: ترک اللحن في الأذان، لما روي أن رجلا جاء إلى ابن عمر رضي اللّٰه عنهما فقال: إني أحبک في اللّٰه تعالیٰ، فقال ابن عمر رضي اللّٰه عنهما: إني أبغضک في اللّٰه تعالیٰ: فقال: لم؟ قال: لأنه بلغني أنک تغني في أذانک يعني التلحين. (بدائع الصنائع ۶۴۴/۱ بيروت، ۱۵۰/۱ کراچی، ۳۷۱/۱ زکريا)

ولا لحن فيه أي تغني بغير كلماته فإنه لا يحل فعله وسماعه (درمختار) وقال الشامي: قوله بغير كلماته أي بزيادة حركة أو حرف أو مد أو غيرها في الأوائل والأواخر. (درمختار مع الشامي ۵۲/۲-۵۳ زکريا، ۳۸۷/۱ کراچی، البحر الرائق ۴۴۲/۱ رشيديه، ۲۵۶/۱ کوئٹه، الفتاویٰ الهندية ۳۱۷/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۱۱/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اذان میں ''اللہ'' کے الف کو ایک الف سے زیادہ کھینچنا؟

سوال (۹۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اذان میں اللہ اکبر کے اللہ کے ''الف'' کو ایک الف مدہ سے زیادہ کھینچنا درست ہے کہ نہیں؟ نیز زیادہ کھینچنا سنت ہے یا ایک ہی الف کی مقدار سنت ہے؟ زیادہ کھینچنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان میں ’’اللہ‘‘ کے الف کو پانچ الف تک کھینچنا جائز ہے، اس سے زیادہ نہ کھینچا جائے۔

والحاصل أنه لايجوز الزيادة على مقدار خمس ألفات إجماعاً، فما يفعله بعض الأئمة، وأكثر المؤذنين، فمن أقبح البدعة. (المنح الفكرية شرح المقدمة الجزرية، بحواله: كمال الفرقان شرح جمال القرآن ١٤٩)

ويجوز إجراء وجه مد ”لا إلٰه إلا اللّٰه“ عندي من أجرى المد للتعظيم كما قدمنا في باب المد؛ بل كان بعض من أخذنا عند من شيوخنا المحققين يأخذون بالمد فيه مطلقًا مع كونهم لم يأخذوا بالمد للتعظيم في القرآن ...... وهو المدّ للتعظيم في الذكر. (النشر في القراءات العشر ٤٣٩/٢ بيروت، بحواله محموديه ميرٹھ ١٢٣/٩)

إعلم أن المد لا يخلو إما أن يكون في ”اللّٰه“ أو في ”أكبر“ وإن كان في ”ألـلّٰـه“ ...... وإن كان في وسطه فهو صواب، إلا أنه لا يبالغ فيه، فإن بالغ حتى حدث من إشباعه آلف بين اللام والهاء فهو مكروه. (منحة الخالق على هامش البحر الرائق للإمام ابن عابدين الشامي ٤٣١/١ كوئٹه) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۹/۶/۱۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اذان میں ”أشهد أنا محمدٌ“ اور ”حي ل السلاة“ پڑھنا

سوال (۹۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی جامع مسجد کا امام کلمات اذان میں ’’أشهد أن‘‘ کو أنا (الف زائد کے ساتھ) محمداً کی میم کو ضمہ کی جگہ فتحہ، اور ”حی علی الصلوٰۃ“ کو ”حی ل السلاۃ“ (عین محذوف وسین کے ساتھ) ’’حی علی الفلاح‘‘ کو ’’حی ل الفلاح‘‘ کہتے ہوں، تنبیہ کرنے کے باوجود بھی اپنی اصلاح نہ کرتے ہوں، تو ایسی اذان کا کیا حکم ہے، اور عوام وخواص میں اس کا کیا اثر پڑے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان میں کوئی حرف بڑھانا یا کم کرنا، اسی طرح حرکات وسکنات میں تبدیلی کرنا یہ غلط اور مکروہ ہے، اس سے احتراز کرنا چاہئے؛ البتہ اذان اداء ہوجائے گی۔

عن عمر بن سعيد ابن أبي حسين المكي: أن مؤذنا أذن فطرب في أذانه، فقال له عمر بن عبد العزيز: أذن أذانا سمحاً وإلا فاعتزلنا. (رواه ابن أبي شيبة في مصنفه ۳۸۷/۲ رقم: ۲۳۹۰)

ومنها: ترك اللحن في الأذان، لما روي أن رجلا جاء إلى ابن عمر رضي اللّٰه تعالىٰ عنهما فقال: إني أحبك في اللّٰه تعالىٰ، فقال ابن عمر رضي اللّٰه تعالىٰ عنهما: إني أبغضك في اللّٰه تعالىٰ: فقال: لم؟ قال: لأنه بلغني أنك تغني في أذانك يعني التلحين. (بدائع الصنائع ٦٤٤/١ بيروت، ١٥٠/١ كراچی، ٣٧١/١ زكريا، درمختار مع الشامي زكريا ٥٢/٢-٥٣، كراچی ٣٨٧/١، الفتاوىٰ الهندية ٣١٧/٥، البحر الرائق ٤٤٢/١ رشيديه، مراقي الفلاح ١٠٧)

ويترسل فيه أى يتمهل بلا لحن، قال بلا لحن: وهو التطريب، وقيل: الخطأ في الإعراب وكلاهما ممنوعان، فذٰلك أشار الشارح إلى منعهما، وقد صرح الفقهاء بأن لا يحل فيه. (السعاية ١٤٤/١، بحواله: فتاوىٰ محمودیه میرٹھ ١٤٤/٩) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۹/۱/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَذان واِقامت میں کسی کلمہ کا چھوٹ جانا؟

سوال (۹۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اذان یا تکبیر میں کوئی لفظ رہ جانے سے اذان ہوجائے گی یا نہیں؟ یا اذان میں کوئی لفظ غلط پڑھنے سے کوئی خرابی تو نہیں آئے گی؟ اذان درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان واقامت میں اگر کوئی کلمہ چھوٹ جائے تو اذان واقامت درست نہ ہوگی؛ بلکہ اس کا اعادہ ضروری ہوگا، اور چھوٹنے کا علم اگر اذان واقامت کے فوراً بعد ہوا ہو، تو جو کلمہ چھوٹ گیا ہے وہیں سے اعادہ کرے اور اگر کچھ دیر بعد ہوا ہو تو شروع سے لوٹائے۔ اور اگر اذان واقامت کے کلمات میں کوئی فحش غلطی کی تو اس کا بھی اعادہ ضروری ہوگا۔

(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۲/ ۱۲۰، احسن الفتاویٰ ۲/ ۲۸۵، کتاب المسائل ۱/ ۲۵۶)

ولا لحن فيه أي تغني بغير كلماته فإنه لا يحل فعله و سماعه (درمختار) و قال الشامي: قوله بغير كلماته أي بزيادة حركة أو حرف أو مد أو غيرها في الأوائل والأواخر. (درمختار مع الشامي ۲/ ۵۲-۵۳ زكريا، ۱/ ۳۸۷ کراچی، الفتاویٰ الهندية ۵/ ۳۱۷)

قال في العلائية: ويترسل فيه بسكتة بين كل كلمتين، ويكره تركه، وتندب إعادته. (شامي ۱/ ۳۵۹ کراچی)

ثم قال: ولو قدم فيها مؤخراً أعاد ما قدم فقط، ولا يتكلم فيهما أصلا، فإن تكلم استأنف، وقال الشامي: كما لو قدم الفلاح على الصلاة يعيده فقط أي ولا يستأنف الأذان من أوله. (شامي مع الدر ۱/ ۳۶۱ کراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اذان میں زیروزبر کی غلطی کرنا؟

سوال (۱۰۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص ”اشہد ان محمداً رسول اللہ“ کے بجائے ”اشہد ان محمدَ رسول اللہ“ رسول اللہ بفتح اللام پڑھتا ہے، تو کیا اس کی دی ہوئی اذان جس میں زیر زبر کی غلطی ہوئی ہے، صحیح کہلائے گی یا غلط؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان میں ایسی غلطی نہیں کرنی چاہئے، اور اگر وہ

مؤذن خود تصحیح پر قادر نہ ہو تو کسی دوسرے صحیح اذان دینے والے کو اذان دینی چاہئے؛ تاہم جو اذانیں اس زبر زیر کی غلطی کے ساتھ دی گئی ہیں، وہ درست سمجھی جائیں گی۔

فاتفقوا على أن الخطأ في الإعراب لا يفسد مطلقاً. (شامي ۱/۶۳۱ کراچی، ۲/۳۹۳ زکریا)

ويكره التلحين وهو التطريب والخطأ في الإعراب. (مراقي الفلاح ۱۰۷)

ولا لحن فيه أي تغني بغير كلماته فإنه لا يحل فعله وسماعه (درمختار) وقال الشامي: قوله بغير كلماته أي بزيادة حركة أو حرف أو مد أو غيرها في الأوائل والأواخر. (درمختار مع الشامي ۲/۵۲-۵۳ زکریا، ۱/۳۸۷ کراچی، الفتاویٰ الهندية ۵/۳۱۷)

لأن اللحن حرام بلا خلاف. (الفتاویٰ الهندية ۵/۳۱۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۲/۹/۱۴۱۷ھ

مکروہاتِ اَذان واِقامت

ایک مشت سے کم داڑھی رکھنے والے کی اذان واقامت؟

سوال (۱۰۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جو شخص ایک مشت سے قبل داڑھی کٹواتا ہو یا منڈواتا ہو، تو اس کی اذان واقامت کا حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک مشت سے کم داڑھی رکھنے والا شخص فاسق ہے، اس کی امامت واذان مکروہ ہے۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ليؤذن لكم خياركم……. (سنن أبي داؤد، الصلاة / باب من أحق بالإمامة ۸۷/۱ رقم: ۵۹۰)

إن المستحب كون المؤذن عالما بالسنة. (هداية ۹۰/۱)

وينبغي أن يكون المؤذن رجلا عاقلا صالحاً تقيا عالما بالسنة مواظبا عليه، وفي الكافي: والأولىٰ أن يتولى العلماء أمر الأذان، وفي الجامع الصغير للحسامي: قال يعقوب: رأيت أبا حنيفة يؤذن في المغرب ويقيم ولا يجلس، فهذا يدل على أن الحق أن المفتى هو المؤذن. (الفتاویٰ التاتارخانية ۱۴۴/۲ رقم: ۱۹۷۹ زكريا)

يحرم على الرجل قطع لحيته. (در مختار مع الشامي ۴۰۷/۶ كراچی)

وأما الآخذ منها وهي دون ذلك (أي دون القبضة) كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد وأخذ كلها كما يفعل يهود الهنود

ومجوس الأعاجم قبيح. (درمختار مع الشامي ۴۱۸/۲ کراچی، درمختار مع الشامي ۳۹۸/۳ زکریا، فتح القدير ۳۴۸/۲ بیروت، البحر الرائق ۲۸۰/۱)

ويكره أذان فاسق؛ لأن خبره لا يقبل في الديانات (مراقي الفلاح) قوله: أذان فاسق: هو الخارج عن أمر الشرع بارتكاب كبيرة كذا في الحموي قوله: لأن خبره لا يقبل في الديانات، فلم يوجد الإعلام المقصود الكامل. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح ۲۰۰ قديمی، ۱۹۹ دار الكتاب ديوبند، احسن الفتاویٰ ۲۶۰/۳)

وينبغي أن لا يصح أذان الفاسق بالنسبة إلى قبول خبره، والاعتماد عليه، أي لأنه لا يقبل قوله في الأمور الدينية، فلم يوجد الإعلام كما ذكره الزيلعي. (شامي ۳۹۳/۱ کراچی، البحر الرائق ۲۶۳/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۱/۳ھ

شرعی داڑھی والا مؤذن نہ ہونے کی وجہ سے امام کا خود ہی اذان وتکبیر کہنا؟

سوال (۱۰۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری مسجد میں ایک امام صاحب آئے ہیں جو خود ہی اذان دیتے ہیں اور خود ہی تکبیر کہتے ہیں اور پھر خود ہی مصلیٰ پر پہنچ کر نماز پڑھاتے ہیں، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کے آنے سے پہلے کوئی شخص اذان کہہ دیتا ہے؛ لیکن پھر بھی امام صاحب تکبیر خود ہی کہتے ہیں، دوسرے کسی کو تکبیر نہیں کہنے دیتے، جب کہ مقتدیوں میں پڑھے لکھے اور مستقل نمازی بھی ہوتے ہیں، کچھ کے داڑھی بھی مگر کٹی ہوئی ہے، اور کچھ کے مونڈی ہوئی ہے، جب کہ ان میں قرآن پڑھے ہوئے ہیں اور صحیح پڑھتے ہیں، اور ان امام صاحب کے آنے سے پہلے اکثر نماز بھی پڑھاتے رہے ہیں، اور ایک شخص جو بالکل اَن پڑھ ہے مگر داڑھی لمبی ہے اور وہ مستقل نمازی بھی نہیں ہے، جب وہ نماز میں ہوتے ہیں تو اُن سے تکبیر کہلواتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہتر ہے کہ تکبیر باشرع شخص ہی کہا کرے، اگر مقتدیوں میں ایسا کوئی شخص موجود نہ ہوتو امام خود بھی تکبیر کہہ سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں؛ تاہم اگرکوئی بے داڑھی والا بھی تکبیر کہہ دے تو وہ بکراہت صحیح ہوجاتی ہے، اس بارے میں زیادہ تشدد مصلحت کے خلاف ہے، نرمی کے ساتھ اور حکمت کے طور پر ہدایت کی کوشش کرنی چاہئے۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ليؤذن لكم خياركم .... (سنن أبي داؤد، الصلاة / باب من أحق بالإمامة ۱/۸۷ رقم: ۵۹۰)

إن المستحب كون المؤذن عالما بالسنة. (هداية ۱/۹۰)

وينبغي أن يكون المؤذن رجلا عاقلا صالحاً تقيًا عالمًا بالسنة مواظبًا عليه، وفي الكافي: والأولىٰ أن يتولى العلماء أمر الأذان، وفي الجامع الصغير للحسامي: قال يعقوب: رأيت أبا حنيفة يؤذن في المغرب ويقيم ولا يجلس، فهذا يدل على أن الحق أن المفتي هو المؤذن. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۲/۱۴۴ رقم: ۱۹۷۹ زكريا)

ويكره أذان الفاسق ولا يعاد. (الفتاوىٰ الهندية ۱/۵۴)

وحاصله أنه يصح أذان الفاسق وإن لم يحصل به الإعلام: أي الاعتماد على قبول قوله في دخول الوقت، بخلاف الكافر وغير العاقل فلا يصح أصلا.

(شامي ۲/۶۲ زكريا، شامي ۱/۳۹۲ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۵/۱۲/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا مقطوع اللحیہ کی اذان واقامت کولوٹانا ضروری ہے؟

سوال (۱۰۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگرکوئی بغیر داڑھی والا یا منڈانے والا شخص اذان واقامت کہتا ہے، تو ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: داڑھی منڈانے یا کتروانے والے شخص کی اذان واقامت مکروہ ہے؛ تاہم اگر ایسے شخص نے اذان واقامت کہہ دی ہے تو لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔

فلو أذن الفاسق صح مع الكراهة عند الحنفية والشافعية. (الفقه على المذاهب الأربعة مكمل: ۱۸۱ بيروت)

ويكره أذان الفاسق ولا يعاد. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۵٤، شامي ۱/ ۳۹۲ کراچي) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۸/۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

داڑھی والے کی موجودگی میں بے داڑھی والے کا اذان وتکبیر پڑھنا؟

سوال (۱۰۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: داڑھی والے حضرات کے ہوتے ہوئے اگر بغیر داڑھی والے حضرات نے اذان یا تکبیر پڑھی تو تمام نمازیوں کی نماز فاسد ہوجائے گی یا نماز ہوجائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بے داڑھی والے کی اذان وتکبیر کراہت کے ساتھ صحیح ہوجاتی ہے، بہتر ہے کہ باشرع آدمی اذان اور تکبیر کہا کرے۔

وينبغي أن يكون المؤذن رجلاً عاقلاً صالحاً تقياً عالماً بالسنة. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۵۳) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۵/۹/۲۵ھ

خش خشی داڑھی رکھنے والے کی اذان وامامت؟

سوال (۱۰۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ :ایک شخص صحت مند نو جوان ہے، داڑھی ایک مشت رکھنے میں شرعی عذر مانع نہیں ہے؛ لیکن داڑھی خش خشی رکھے ہوئے ہے اور عمداً تراشتا ہے، نیز اس کا لباس غیر شرعی ہے، کیا ایسا شخص جو اپنے آپ کو جمعیتی کہتا ہے، اپنی نسبت حضرت شیخ الاسلام کی طرف کرتا ہے، با شرع مؤذن اور نائب مؤذن صاحبان کی موجودگی میں شوقیہ اذان دیتا ہے، بعض احباب میں اس مسئلہ میں اختلاف ہوا، تو استاد دار العلوم دیوبند سے رجوع کیا گیا ہے، تو حضرت نے فرمایا کہ یہ شخص نہ صرف اذان دے سکتا ہے؛ بلکہ نماز بھی پڑھا سکتا ہے، اس معاملہ میں صحیح مسئلہ کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خش خشی داڑھی رکھنے والے کی اذان وا قامت مکروہ ہے، اس لئے مذکورہ شخص کو چاہئے کہ اگر اسے اذان کا شوق ہے تو سنت کے مطابق مکمل داڑھی رکھ کر ہی اذان دیا کرے؛ تاکہ کسی کو اشکال کا موقع نہ ہو۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/۲۵۷)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ليؤذن لكم خياركم....... (سنن أبي داؤد، الصلاة / باب من أحق بالإمامة ۱/۸۷ رقم: ۵۹۰)

إن المستحب كون المؤذن عالما بالسنة. (هداية ۱/۹۰)

وينبغي أن يكون المؤذن رجلا عاقلا صالحاً تقيا عالما بالسنة مواظبًا عليه، وفي الكافي: والأولىٰ أن يتولى العلماء أمر الأذان، وفي الجامع الصغير للحسامي: قال يعقوب: رأيت أبا حنيفة يؤذن في المغرب ويقيم ولا يجلس، فهذا يدل على أن الحق أن المفتى هو المؤذن. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۲/۱٤٤ رقم: ۱۹۷۹ زكريا)

ويكره أذان الفاسق ولا يعاد هٰكذا في الذخيرة. (الفتاوىٰ الهندية ۱/٥٤، شامي ۲/٦۰ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۱/۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حالتِ جنابت میں اذان دینا؟

سوال (۱۰۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام نے جنابت کی حالت میں اذان پڑھ دی، تو مقتدی نے امام صاحب سے کہا کہ اس حالت میں اذان نہیں پڑھنی چاہئے، تو امام نے کہا کہ میں شرم گاہ دھوتا ہوں اور لنگی کو بدل لیتا ہوں، تو کیا امام صاحب کے کہنے کے مطابق اذان اس صورت میں درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جنابت کی حالت میں اذان دینا سخت مکروہ ہے، پس مسئولہ صورت میں اگرچہ شرم گاہ پاک کرکے صاف کپڑے پہن لئے ہوں، پھر بھی غسل کئے بغیر اذان دینا مناسب نہ ہوگا، اور اگر ایسے شخص نے اذان دے دی تو اس اذان کا اعادہ مستحب ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا يؤذن إلا متوضئ.

وفي رواية: عن عبد الجبار بن وائل عن أبيه موقوفاً قال: حق وسنة مسنونة أن لا يؤذن إلا وهو طاهر. (السنن الكبرىٰ، الصلاة / باب لا يؤذن إلا طاهر ۵۸۳/۱ رقم: ۱۸۵۹-۱۸۸۵)

وكره أذان الجنب وإقامته باتفاق الروايات. (الفتاوىٰ الهندية ۵۴/۱)

ويكره أذان جنب، قال الشامي: وظاهره أن الكراهية تحريمية. (درمختار مع الشامي ۶۰/۲ زكريا، طحطاوي على مراقي الفلاح ۱۶۰ باب الآذان)

وأذان الجنب وإقامته يعادان على طريق الاستحباب، وفي رواية: لا يعادان. قال بعض مشائخنا: والأشبه أن يقال: يعاد أذان الجنب ولا يعاد إقامته؛ لأن تكرار الأذان مشروع في الجملة كما في الجمعة، فأما تكرار الإقامة فغير مشروع أصلاً، ثم إن محمداً قال في الجنب: أحب إلي أن يعيد. (الفتاوىٰ التاتارخانية

۱٤٤/۲ رقم: ۱۹۸۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۹/۴ھ

بغیر وضو کے اذان دینا؟

سوال (۱۰۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بغیر وضو کے اذان دینا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان وضو کر کے دینا چاہئے؛ لیکن بغیر وضو بھی اذان دے سکتا ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يؤذن إلا متوضئ. (سنن الترمذي ۱/۵۰)

وفي رواية: عن عبد الجبار بن وائل عن أبيه موقوفاً قال: حق وسنة مسنونة أن لا يؤذن إلا وهو طاهر. (السنن الكبرىٰ، الصلاة / باب لا يؤذن إلا طاهر ۱/۵۸۳ رقم: ۱۸۵۹-۱۸۸۵)

ولا يكره أذان المحدث في ظاهر الرواية هٰكذا في الكافي وهو الصحيح، كذا في الجوهرة النيرة. (الفتاویٰ الهندية ۱/۵٤)

يستحب أن يكون المؤذن صالحاً وأن يكون على وضوء، ويكره إقامة المحدث وأذانه لما روينا من قوله عليه السلام: "لا يؤذن إلا متوضئ". واتبعت هٰذه الرواية لموافقتها لفن الحديث وإن صح عدم كراهة أذان المحدث، وهو ظاهر الرواية والمذهب كما في الدر. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي ۱۰٦ كراچی)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۶/۲ھ

امام کا بغیر وضو اذان دینا؟

سوال (۱۰۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام اذان کے لئے صبح کو دیر سے جاگتے ہیں اور بغیر وضو کے اذان پڑھتے ہیں، مقتدی اذان سے پہلے مسجد پہنچ جاتے ہیں؛ اس لئے مقتدی باوضو اذان پڑھ دیتے ہیں، تو مذکورہ مقتدی کا اذان دینا صحیح ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں مذکورہ مقتدی کا اذان دینا درست ہے، اور امام صاحب کو چاہئے کہ وہ باوضو اذان دیا کریں؛ اس لئے کہ باوضو اذان دینا اولیٰ ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا يؤذن إلا متوضئ. (سنن الترمذي ۱/ ۵۰)

وفي رواية: عن عبد الجبار بن وائل عن أبيه موقوفاً قال: حق وسنة مسنونة أن لا يؤذن إلا وهو طاهر. (السنن الكبرىٰ، الصلاة / باب لا يؤذن إلا طاهر ۱/ ۵۸۳ رقم: ۱۸۵۹–۱۸۸۵)

وينبغي أن يؤذن و يقيم على طهر فإن أذن على غير وضوء جاز؛ لأنه ذكر وليس بصلاة فكان الوضوء فيه استحبابًا كما في القراءة. (هداية ۱/ ۸۹ بلال ديوبند، البحر الرائق ۱/ ۲٦٤، بدائع الصنائع ۱/ ۱٤۹ كراچی، الفتاوىٰ الهندية ۱/ ٥٤ –٥٣)

ويستحب أن يكون المؤذن صالحا وأن يكون على وضوء، ويكره إقامة المحدث وأذانه. (مراقي الفلاح على الطحطاوي ۱۵۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۵/۹/۴ھ

کیا بلا وضو اذان کہنے سے وبا پھیلتی ہے؟

سوال (۱۰۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا بلا وضو اذان کہنے سے وبا پھیلتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بے وضو اذان دینے سے وبا پھیلنے کی بات کا ہمیں علم نہیں؛ البتہ مسئلہ یہ ہے کہ باوضو اذان دینا مستحب ہے، اور جو اذان وضو کئے بغیر دی جائے وہ بھی شرعاً درست ہو جاتی ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا يؤذن إلا متوضئ. (سنن الترمذي ۱/۰۵)

يستحب أن يكون المؤذن صالحاً وأن يكون على وضوء، ويكره إقامة المحدث وأذانه لما روينا من قوله عليه السلام: "لا يؤذن إلا متوضئ". واتبعت هٰذه الرواية لموافقتها لفن الحديث وإن صح عدم كراهة أذان المحدث، وهو ظاهر الرواية والمذهب كما في الدر. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي ۱۰٦ كراچی)

ولا يكره أذان المحدث في ظاهر الرواية هٰكذا في الكافي وهو الصحيح. (الفتاویٰ الهندية ۱/٥٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۱۱/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نسبندی کرانے والے کی اذان؟

سوال (۱۱۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے بغیر کسی حکومتی دباؤ ومجبوری کے صرف انقطاعِ تولید (اولاد پیدا نہ ہو) کی غرض سے نسبندی کرائی اور ایک وہ شخص جس نے حکومتی دباؤ یا مجبوری کے تحت نسبندی کرائی ہے، کیا یہ دونوں اذان کہہ سکتے ہیں؟ اور نماز پڑھا سکتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنی خوشی سے نسبندی کرانا سخت گناہ ہے؛ تاہم اگر کسی

نے یہ گناہ کرلیا اور اب وہ دل سے نادم اور شرمندہ ہے اور نسبندی کھلوانے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے، تو اس کی امامت واذان صحیح ہے؛ لیکن اگر لوگوں میں اس کے اس عمل کی شہرت کی وجہ سے اس سے کبیدگی اور ناگواری پائی جاتی ہو، تو امامت مکروہ ہوگی۔

وکذا أعرج يقوم ببعض قدمه فالاقتداء بغيره أولیٰ......، والظاهر أن العلة النفرة. (شامي ۲/۲ ۳۰ زکریا)

الرسم بقطع أعضاء التناسل و استعمال الأدوية القامعة للباء ة، والتبتل وغيرها تغير لخلق اللّٰه عز وجل، وإهمال لطلب النسل، فنهى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عن كل ذٰلک. (حجة اللّٰه البالغة / باب آداب المباشرة ۳۴۹/۲ حجاز ديوبند)

عن سعد بن وقاص رضي اللّٰه عنه قال: رد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم على عثمان بن مظعون التبتل ولو أذن له لاختصينا. (مشکوٰة المصابيح ۲٦۷)

إن الاختصاء في الآدمي حرام صغيرا وكبيراً. (مرقاة المفاتيح ۲/۳ ۴۰ کتاب النكاح)

قال الشامي: وأما خصاء الآدمي فحرام؛ فإنه يراد به المعاصي فيحرم.

(درمختار مع الشامي ۵۵۷/۹ زکریا، البحر الرائق ۲۰۴/۸، الفتاویٰ الهندية ۳۵۷/۵)

التوبة من جميع المعاصي واجبة و إنها واجبة على الفور (روح المعاني) تحت قوله: ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَصُوْحًا﴾ (روح المعاني ۲۳٦/۱۵ بيروت)

عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: التائب من الذنب كمن لا ذنب له. (سنن ابن ماجة، کتاب الزهد / باب ذکر التوبة رقم: ۴۲۵۰، مشکوٰة المصابيح ۲۰۳)

ولو أم قوما وهم له كارهون إن الكراهة لفساد فيه أو لأنهم أحق بالإمامة منه كره له ذٰلک تحريما لحديث أبي داؤد، لا يقبل اللّٰه صلاة من تقدم قوماً وهم له كارهون وإن هو أحق لا، والكراهة عيهم. (درمختار مع الشامي ۵۵۹/۱ كراچی)

﴿وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ﴾ [بنی اسرائیل: ۳۱]

ومرتكب الحرام فاسق. (طحطاوي على المراقي ۲۷ مصري)

وكره أذان جنب ...... **وفاسق.** (درمختار مع الشامي ۲/ ۶۰ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۷/۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بدنظری کرنے والے کا اذان دینا؟

سوال (۱۱۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام صاحب کے ساتھ ایک مقتدی جس کی نظر بد ہے، اذان دے سکتا ہے، تکبیر کہہ سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: بدنظری کرنا اور نامحرم کو قصداً دیکھنا گناہ ہے، ایسے شخص کی اذان واقامت مکروہ ہے، اس لئے بہتر ہے کہ باعمل اور متقی شخص اذان اور تکبیر کہے؛ لیکن اگر غیر متقی شخص بھی اذان یا تکبیر کہہ دے، تو بھی اذان وتکبیر کراہت کے ساتھ درست ہوجاتی ہے۔

ويكره أذان ...... **فاسق ولو عالمًا.** (درمختار ۲/ ۶۰ زكريا)

عن الحسن قال: وبلغني أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لعن اللّٰه الناظر والمنظور إليه. (شعب الإيمان للبيهقي، الحياء/ فصل في الحمام ۶/ ۱۶۲ رقم: ۷۷۸۸ بيروت، مشكوٰة المصابيح ۲/ ۲۷۰)

ويكره أذان فاسق: وهو الخارج عن أمر الشرع بارتكاب كبيرة كذا في الحموي، لأن خبره لا يقبل في الديانات، فلم يوجد الإعلام المقصود الكامل.

(طحطاوي على مراقي الفلاح ۱۹۹ قديمی، كذا في الشامي مع الدر المختار ۱/ ۴۵۸ كراچی، والتبيين ۱/ ۲۵۰ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/ ۱۱/ ۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فلم دیکھنے والے کا اذان دینا؟

سوال (۱۱۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مسجد میں مؤذن اذان دیتا ہے اور کئی سال سے مستقل اذان دیتا آرہا ہے، لیکن وہ فلم بھی دیکھتا ہے، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا اس مؤذن کو اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اذان ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فلم دیکھنا شرعاً گناہ ہے، اور فلم کا عادی شخص فاسق ہے، بہتر ہے کہ ایسا شخص اذان نہ دے؛ لیکن اگر وہ اذان دے گا، تو کراہت کے ساتھ اذان درست ہوجائے گی۔

عن صفوان بن سليم رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال لبني خطمة من الأنصار: يا بني خطمة اجعلوا مؤذنكم أفضلكم في أنفسكم.

(السنن الكبرىٰ للبيهقي، الصلاة / باب لا يؤذن إلا عدل ثقة ٦٢٧/١ رقم: ٢٠٠١)

ويكره أذان جنب وفاسق ولو عالماً لكنه أولى بإمامة وأذان من جاهل تقي أي حيث لم يوجد عالم تقي. (درمختار مع الشامي ٦٠/٢ زكريا، الفتاوىٰ التاتارخانية ١٤٤/٢ رقم: ١٩٧٩ زكريا)

استماع صوت الملاهي كضرب الدف بالقضيب ونحوه حرام، قال عليه السلام: استماع صوت الملاهي معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر.

(بزازية على هامش الفتاوىٰ الهندية ٣٥٦/٦، در مختار مع الشامي ٥٠٤/٩ زكريا، فتح القدير ١٦/١٠ بيروت)

الملاهي كلها حرام حتى التغني بضرب القضيب. (هداية ٤٥٥/٤)

أما التلفزيون والفديو: فلا شك في حرمة استعمالها بالنظر إلى ما يشتملان عليه من المنكرات الكثيرة من الخلاعة والمجون، والكشف عن

النساء المتبرجات أو العاريات، وما إلى ذٰلك من أسباب الفسوق. (تكملة فتح الملهم ٤/١٦٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۴/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس شخص پر تہمت لگائی گئی ہو اس کا اذان وتکبیر پڑھنا؟

سوال (۱۱۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک لڑکا مسلمان جس کا نام شمیم احمد ہے، وہ بچپن میں یتیم ہوگیا تھا، بچپن ہی سے شریف احمد کے یہاں رہتا ہے، اس وقت اس کی عمر ۴۶ / سال ہے، مخالفین یہ تہمت لگاتے ہیں کہ وہ لڑکا شمیم احمد ہیجڑا ہے اور شریف احمد کے اس لڑکے سے ناجائز (لواطت) تعلقات ہیں، اور یہ بھی تہمت لگاتے ہیں کہ شریف احمد اس کی کمائی سے گھر کا خرچ چلاتے ہیں، جب شریف احمد سے ان باتوں کے بارے میں معلوم کیا گیا، تو انہوں نے کہا میرا شمیم احمد سے کسی طرح کا ناجائز تعلق نہیں ہے، اور نہ میں اس کی کمائی کھاتا ہوں، میرے بچے مجھے خرچ دیتے ہیں، میں اس سے گھر کا خرچ چلاتا ہوں، جب کہ شریف احمد مسجد کی دیکھ بھال بھی کرتے ہیں، اور اذان وتکبیر بھی پڑھتے ہیں، تو جواب طلب امر یہ ہے کہ شریف احمد کا اذان وتکبیر پڑھنا کیسا ہے؟ اور ان کے اذان وتکبیر پڑھنے سے نماز میں کوئی خلل واقع تو نہ ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلاتحقیق کسی شخص پر گناہ کی تہمت لگانا جائز نہیں ہے؛ لہٰذا جب تک مسئولہ صورت میں شریف احمد پر لگایا ہوا الزام ثابت نہ ہوجائے، اُن کا مسجد کی دیکھ بھال کرنا اور اذان وتکبیر پڑھنا منع نہ ہوگا۔

القذف أيضا من الكبائر. (ملخصاً شرح طيبي ١/١٨٨ كراچی، مرقاة المفاتيح، باب الكبائر ١/١٠٥)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يَاۤأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِنْ جَآءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوْا أَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِيْنَ. [الحجرات: ٦]

ومحل التحذير والنهي إنما هو تهمة لا سبب لها يوجبها، كمن يتهم بالفاحشة أو بشرب الخمر ولم يظهر عليه ما يقتضي ذٰلك. (تفسير القرآن الكريم للقرطبي ٣٣١/١٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۲/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس کے زخموں سے خون رستا ہو اس کا اذان دینا اور مسجد میں قیام کرنا؟

سوال (۱۱۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری مسجد جس کے ہم لوگ پنج وقتہ نمازی ہیں، میں مؤذن صاحب کو ایک ایسی بیماری ہے جس کی وجہ سے ہم لوگوں کا دل ان کے برابر میں کھڑے ہونے کو گوارا نہیں کرتا، اور ایسے کافی حضرات ہیں جو اس وجہ سے مسجد میں نماز پڑھنے سے کتراتے ہیں، اور ان کا دل گواہی نہیں دیتا؛ کیوں کہ ان کے ہاتھوں اور پیروں پر کچھ اس طرح کے زخم ہیں جن سے پانی رستا رہتا ہے، اور اس پر مکھیاں بیٹھتی ہیں؛ لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ اس کا فتویٰ دیں کہ ان حالات میں موذن صاحب کا مسجد میں قیام کرنا اور مسجد کا انتظام سنبھالنا کہاں تک درست ہے؟ کیا ان حالات میں ایسا مؤذن مسجد میں رہ سکتا ہے، جس کو ایسی بیماری ہے، جس کے دوسرے لوگوں کو بھی لگ جانے کا خطرہ ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مؤذن پاک صاف متقی ہونا چاہئے، نیز مسجد کے احترام کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ رستے ہوئے زخم کے ساتھ مسجد میں نہ رہا جائے، اس لئے اہل محلّہ کو چاہئے کہ وہ اس کی جگہ کسی مناسب مؤذن کو مقرر کرلیں۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليؤذن لكم خياركم......الخ. (سنن أبي داؤد، الصلاة / باب من أحق بالإمامة ۱/۸۷ رقم: ۵۹۰)

كما يستفاد بما روي عن ابن مسعود رضي الله عنه قال: ما أحب أن يكون مؤذنوكم عميانكم. (المعجم الكبير للطبراني ۹/۲۵۶ رقم: ۹۲۶۹)

ويجوز أذان العبد القروي وأهل المفاوز والأعمى من غير كراهة، ولكن غير هؤلاء أولىٰ. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/۱۴۶ رقم: ۱۹۸۶ زكريا)

من سنن المؤذن كونه رجلاً عاقلاً صالحاً عالماً بالسنن والأوقات مواظباً عليه محتسباً ثقة متطهراً مستقبلاً. (شامي ۱/۹۳ کراچی، شامي ۲/۶۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۳/۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دوسرے محلّہ کی مسجد میں باجماعت نماز پڑھ کر اپنے محلّہ کی مسجد میں اذان دینا؟

سوال (۱۱۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نماز پنج وقتہ کا پابند ہے؛ بلکہ نماز تہجد کا بھی پابند ہے اور اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز تہجد پڑھ کر فجر کی نماز کسی دوسرے محلّہ کی مسجد میں باجماعت ادا کرتا ہے، اس کے بعد اپنے محلّہ کی مسجد میں فجر کی مستقل طور پر اذان دینے کا معمول بنالیتا ہے، جب کہ مسجد ہٰذا میں دیگر حضرات محلّہ بھی موجود ہوں، علاوہ جن صاحب نے اذان دینے کا یہ طریقہ اختیار کیا ہے، اذان کے الفاظ تک کی ادائیگی میں غلطیاں ہیں، اصلاح کے بعد بھی درست نہیں کر سکے، اذان میں ''اللہ اکبر'' کے بجائے ''اللہ اکبار'' پڑھتے ہیں، تو ایسے شخص کا عمل اور اذان دینے کا مذکورہ معمول شریعت مطہرہ کی روشنی میں کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں مذکورہ شخص کا ایک مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کے بعد دوسری مسجد میں جاکر اذان دینا مکروہ ہے؛ اس لئے کہ اس اذان سے جس نماز کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہا ہے، یہ خود بعد میں اس میں شریک نہ ہوگا، اور اس کے لئے ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔

نیز کلمات اذان میں ایسی فحش غلطی جس سے معنی بدل جائیں، اس سے بھی اجتناب لازم ہے، مؤذن ایسا شخص ہونا چاہئے جو صحیح مخارج اور آداب کے ساتھ اذان کے کلمات ادا کرے۔

عن زياد بن الحارث الصدائي رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أذن فهو يقيم. (سنن الترمذي، أبواب الصلاة / باب ما جاء أن من أذن فهو يقيم ١/ ٥٠، سنن أبي داؤد ١/ ٨٣)

وإن أذن وأقام ولم يصل مع القوم يكره؛ لأنه إن كان صلى فهٰذا تنفل بالأذان وإنه غير مشروع، وإن كان لم يصل فقد جمعهم على الخير وفارقهم فيكره. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٢/ ١٤٦ رقم: ١٩٨٨ زكريا)

ويكره له أن يؤذن في مسجدين. (درمختار) لأنه إذا صلى في المسجد الأول يكون متنفلا بالأذان في المسجد الثاني، والتنفل بالأذان غير مشروع، ولأن الأذان للمكتوبة وهو لا يساعدهم فيها. (شامي ٢/ ٧١ زكريا)

ولا لحن فيه أي تغنى بغير كلماته، أي بزيادة حركة، أو حرف، أو مد وغيرها في الأوائل والأواخر. (شامي ٢/ ٥٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱۱/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بے نمازی کی اذان وتکبیر سے پڑھی گئی نماز کولوٹانا؟

سوال (۱۱۶): - کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید پنج وقتہ نمازی نہیں ہے؛ لیکن اکثر پڑھ لیتا ہے اور زید جب بھی اذان پڑھتا ہے، تو ایک نابینا شخص اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ زید پنج وقتہ نمازی نہیں ہے، تو اذان کیوں دیتے ہیں، پھر وہ نابینا شخص زید کی تکبیر پر نماز میں شرکت تو کر لیتے ہیں، مگر پھر اعادہ کرتے ہیں، تو کیا زید کی اذان درست ہے یانہیں؟ اور نابینا کا نماز لوٹانا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کا چھوڑنا بہت بڑا گناہ ہے، جو شخص جان بوجھ کر نماز چھوڑتا ہو وہ شرعاً فاسق ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ پنج وقتہ نمازی شخص ہی اذان دیا کرے؛ لیکن اگر بے نمازی شخص اذان دیدے تب بھی وہ اذان وتکبیر شرعاً معتبر ہوجاتی ہے؛ اس لئے ایسی اذان وتکبیر سے پڑھی جانی والی نماز کا اعادہ نہیں کیا جائے گا؛ لہٰذا جو شخص اس بنیاد پر نماز کا اعادہ کرتا ہے وہ شرعی حکم سے ناواقف ہے۔

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضي اللّٰہ عنه يقول: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ عليه وسلم: يقول: بين الرجل وبين الشرك والكفر ترك الصلاة. (صحيح مسلم ۱/ ۶۱ رقم: ۲۴۷، الأحاديث المنتخبة للعلامة الكاندهلوي ۸۰)

ويكره أذان الفاسق ولا يعاد. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۵۴، الدرالمختار مع الشامي ۲/ ۶۰ زكريا، كتاب المسائل ۱/ ۲۴۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۳/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَذان دے کر مسجد سے گھر جانا؟

سوال (۱۱۷): - کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ایک شخص بغیر وضو مسجد میں اذان کہہ کر اپنے گھر چلا جاتا ہے اور پھر جب جماعت کا وقت ہوتا ہے تو وہ شخص آکر وضو کرتا ہے اور پھر نماز پڑھتا ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اذان دینے کے بعد مسجد سے باہر جانا منع ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ایسا کرنا جائز ہے، اصل مسئلہ کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بے وضو اذان دینا خلافِ اولیٰ ہے، اس لئے مذکورہ شخص کو چاہئے کہ وضو کرکے ہی اذان دیا کرے اور اگر وہ شخص کسی ضرورت سے اذان کے بعد گھر جاتا ہے اور اس کا پختہ ارادہ اسی مسجد میں آکر باجماعت نماز پڑھنے کا ہے، تو اس کا مسجد سے باہر جانا مکروہ نہیں ہے، کراہت اس وقت ہے جب کہ اس مسجد میں نماز کے لئے آنے کا ارادہ نہ ہو۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا يؤذن إلا متوضئ. (سنن الترمذي ۱/ ۵۰)

وفي رواية: عن عبد الجبار بن وائل عن أبيه موقوفاً قال: حق وسنة مسنونة أن لا يؤذن إلا وهو طاهر. (السنن الكبرىٰ، الصلاة / باب لا يؤذن إلا طاهر ۱/ ۵۸۳ رقم: ۱۸۵۹-۱۸۸۵)

وكره تحريما للنهي خروج من لم يصل من مسجد أذن فيه إلا لمن ينتظم به أمر جماعة أخرىٰ، أو كان الخروج لمسجد حية ولم يصلوا فيه، أو لأستاذه لدرسه، أو لسماع الوعظ ومن عزمه أن يعود. (شامي ۲/ ۵٤ كراچی، تبيين الحقائق ۱/ ٤۵۱، النهر الفائق ۱/ ۳۰۹)

كره خروجه من مسجد أذن فيه أو في غيره حتى يصلي لقوله عليه السلام: لا يخرج من المسجد بعد النداء إلا منافق، أو رجل يخرج لحاجة يريد الرجوع. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي باب إدراك الفريضة ٤۵۷)

أو لحاجة ومن عزمه أن يعود . (درمختار على الشامي ۲/ ۵۰۸ زكريا، البحر الرائق ۲/ ۷۲، فتح

القدير ۱/ ٤٧٤، الفتاویٰ الهندية ١/ ١٢٠، تحفة الأحوذي ١/ ٥١٩، بذل المجهود ١/ ٣٠٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۲/۳/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَذان دے کر مؤذن کا مسجد سے نکلنا؟

سوال (۱۱۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک پابند صوم وصلوٰۃ شخص ایک مسجد میں بلا اجرت اَذان دیتے ہیں، مسجد کے تھوڑے فاصلہ پر اُن کی دوکان ہے، عمومی طور پر ان کی عادت بن گئی ہے کہ وہ اذان دے کر مسجد سے باہر دوکان پر بلاضرورت بھی جاتے ہیں، اور بعض اوقات صرف باتوں میں مشغول رہتے ہیں، جب کہ اذان جماعت میں صرف پندرہ منٹ کا وقفہ ہوتا ہے، اسی میں ان سے جماعت بھی چھوٹ جاتی ہے وہ مسبوق ہوجاتے ہیں، اور کبھی تکبیر بھی آ کر کہہ دیتے ہیں، ان کا یہ عمل شرائط اذان کے لئے خود ان کے لئے کیسا ہے؟ بعض اوقات ان کی وجہ سے دیگر لوگ بھی اذان کے بعد مسجد پہنچنے سے رک جاتے ہیں، اُن کا یہ عمل ظاہری طور پر ذمہ دار ہونے کی وجہ سے دوسروں کے لئے رکاوٹ بن جاتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کوئی خاص ضرورت ہو، اور نماز میں دیر ہو، تو اذان کے بعد مسجد سے باہر جانے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن اگر جماعت کا وقت قریب ہو اور کوئی خاص ضرورت بھی نہ ہو اور مسجد سے باہر جانے میں جماعت یا رکعت چھوٹنے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں اذان کے بعد مسجد سے باہر جانا مکروہ ہوگا، اس لئے حسب تحریر سوال مذکورہ مؤذن صاحب کا عمل قابلِ اصلاح ہے۔

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: لا یخرج من المسجد بعد النداء إلا المنافق، أو رجل یخرج لحاجة یرید الرجوع، من أدرک الأذان في المسجد ثم

خـرج لـم يـخرج لحاجة وهو لايريد الرجوع فهو منافق. (سنن ابن ماجة، كتاب الأذان والسنة / باب إذا أذن وأنت في المسجد فلا تخرج رقم: ٧٣٣، وسنن أبي داؤد، تفريع أبواب الأذان / باب الخروج من المسجد بعد الأذان رقم: ٥٣٦، مسند أحمد ٥٣٧/٢، مراسيل أبي داؤد رقم: ٢٤، المعجم الأوسط للطبراني، كذا في الترغيب والترهيب للمنذرى مكمل ٨١ رقم: ٤١١ بيروت، شامي ٥٤/٢ كراچى)

أو لحاجة ومن عزمه أن يعود . (درمختار على الشامي ٥٠٨/٢ زكريا، البحر الرائق ٧٢/٢، فتح القدير ٤٧٤/١، الفتاوىٰ الهندية ١٢٠/١، تحفة الأحوذي ٥١٩/١، بذل المجهود ٣٠٦/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۲/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِقامت سے متعلق مسائل

مسجد میں تنہا نماز پڑھنے والے کا اقامت کہنا؟

سوال (۱۱۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی آدمی تنہا مسجد میں فرض نماز پڑھنا چاہے تو اس صورت میں اقامت کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر کوئی مقیم شخص ایسی مسجد میں فرض نماز ادا پڑھنی چاہے جہاں پہلے اذان واقامت کے ساتھ جماعت ہوچکی ہو، تو اب اسے اپنی نماز کے لئے اذان واقامت کہنا مکروہ ہے۔

عن علقمة رضي الله عنه قال: صلى عبد الله بن مسعود رضي الله عنه بي وبالأسود بغير أذان ولا إقامة، وربما قال: يجزئنا أذان الحي وإقامتهم. (رواه البيهقي في السنن الكبرىٰ ۲/۱٦٦ رقم: ۱۹٤۸)

أو مصل في مسجد بعد صلاة جماعة فيه يكره فعلهما. (درمختار مع الشامي ۱/۳۹۵ کراچی، شامي ۲/٦۳ زکریا)

إذا صلى رجل في بيته واكتفى بأذان الناس وإقامتهم أجزاه من غير كراهة وفي التجريد: وإن أذن فهو أفضل. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/۱۵۱ رقم: ۲۰۰۵ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۹/۱۱/۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا مؤذن کے علاوہ دوسرا شخص اقامت کہہ سکتا ہے؟

سوال (۱۲۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: صرف مؤذن ہی نماز کے لئے اقامت کہہ سکتا ہے یا کوئی اور بھی پڑھ سکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس نے اذان پڑھی ہے اسی کو اقامت کہنا افضل ہے، اُس کی اجازت کے بغیر دوسرے کا پڑھنا خلافِ اولیٰ ہے۔

الأفضل أن يكون المؤذن هو المقيم أي لحديث "من أذن فهو يقيم".

(شامي ۳۹٦/۱ كراچى، شامي ٦٥/۲ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ٥٤/۱، البحر الرائق ٤٤٧/۱، بدائع الصنائع ۳۷٥/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۹/۱۲ھ

مؤذن کے علاوہ دوسرے شخص کا تکبیر کہنا؟

سوال (۱۲۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا مؤذن اذان پڑھنے سے پہلے کسی دوسرے شخص کو تکبیر پڑھنے کی اجازت دے سکتا ہے؟ جب کہ اذان دے کر ہی تکبیر پڑھنے کا استحقاق یا حق ہوتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصل حکم تو یہی ہے کہ جو شخص اذان دے وہی تکبیر کہے؛ اس لئے کہ دوسرے شخص کے تکبیر کہنے سے عموماً اصل مؤذن کو ناگواری ہوتی ہے؛ لیکن اگر مؤذن کسی شخص کو پہلے ہی تکبیر کی اجازت دے دے، تو ایسے شخص کے تکبیر کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

عن زياد بن الحارث الصدائي رضي الله عنه قال: أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم: ومن أذن فهو يقيم. (سنن أبي داؤد ۷٥/۱ رقم: ٥۱۲، السنن الكبرىٰ للبيهقي،

الصلاة / باب الرجل يؤذن ويقيم غيره ۱/ ۵۸٦ رقم: ۱۸٦۹ بيروت)

قال المحدث السهارنفوري: لأنه إذا لم يقيم المؤذن يلحقه الوحشة والحزن غالباً. (بذل المجهود ۳/ ۳۱۲، دار البشائر)

من سنن الأذان أن من أذن فهو الذي يقيم وإن أقام غيره، فإن كان يتأذى بذلک يكره؛ لأن اكتساب أذى المسلم مكروه، وإن كان لا يتأذى به لايكره.

(بدائع الصنائع ۱/ ۳۷۵ بيروت)

إن كان حاضراً ويلحقه الوحشة بإقامة غيره يكره، وإن رضي به لايكره.

(الفتاویٰ الهندية ۱/ ۵٤، شامي ۲/ ٦٤ زكريا، البحر الرائق ۱/ ۲۵۷ كوئٹه) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۲/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مؤذن کو چھوٹا بتا کر اس کی اجازت ومرضی کے بغیر دوسرے کا تکبیر کہنا؟

سوال (۱۲۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک مسجد میں مؤذن ہے اور ایک سال کئی ماہ تک مستقل اذان واقامت زید نے خود پڑھی ہے، اور اب صرف ایک شخص کا اعتراض ہے کہ زید چھوٹا ہے اس کی وجہ سے وہ شخص زید کو روکتا ہے کہ آپ تکبیر نہیں پڑھیں گے، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا وہ شخص خود بغیر زید کی رضامندی کے تکبیر پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: افضل یہی ہے کہ جس نے اذان دی وہی تکبیر کہے، اور اگر تکبیر کے وقت مؤذن موجود نہ ہو، تو دوسرے شخص کے تکبیر کہنے میں کوئی کراہت نہیں ہے، اور اگر مؤذن حاضر ہو تو اس کی مرضی کے بغیر دوسرے شخص کا تکبیر کہنے کو بہت سے فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے۔

اور مذکورہ صاحب کا محض چھوٹا ہونے کی وجہ سے زید کو تکبیر پڑھنے سے روکنا درست نہیں؛ اس لئے کہ زید مؤذن اگرچہ نابالغ ہی کیوں نہ ہو تب بھی اس کی تکبیر بلا کراہت درست ہے۔

اور اگر زید کو تکبیر سے منع کر کے خود تکبیر پڑھنے والے تکبیر صحیح طور پر نہیں پڑھ سکتے تو بھی ان کے لئے تکبیر پڑھنا مناسب نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۲/ ۱۰۰)

عن زياد بن الحارث الصدائي رضي اللّٰه عنه قال: أتيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فأذنت بالفجر، فجاء بلال يقيم، فقال له رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: يا بلال إن أخا صداء أذن ومن أذن فهو يقيم. (سنن أبي داؤد ۱/ ۷۵ رقم: ۵۱۲، السنن الكبرىٰ للبيهقي، الصلاة / باب الرجل يؤذن ويقيم غيره ۱/ ۵۸٦ رقم: ۱۸٦۹ بيروت)

أقام غير من أذن بغيبته أي المؤذن لا يكره مطلقاً، وإن بحضوره كره إن لحقه وحشة أي بأن لم يرض به......، ولكن الأفضل أن يكون المؤذن هو المقيم إلى لحديث ''من أذن فهو يقيم''. (درمختار مع الشامي ۲/ ٦٤ زكريا)

وإن أذن رجل وأقام الآخر إن غاب الأول جاز من غير كراهة، وإن كان حاضراً ويلحقه الوحشة بإقامة غيره يكره، وإن رضي به لا يكره عندنا. (الفتاوىٰ الهندية ۱/ ۵٤، البحر الرائق ۱/ ۲۵۷ كوئٹه، بدائع الصنائع ۱/ ۳۷۵، شامی، الصلاة / باب الأذان، قبيل مطلب كراهة تكرار الجماعة ۲/ ٦٤ زكريا)

ويجوز بلاكراهة أذان صبي مراهق، قال الشامي قوله: صبي مراهق المراد به العاقل وإن لم يراهق. (درمختار مع الشامي ۲/ ۵۹ زكريا، ۱/ ۳۹۱ كراچی، الفتاوىٰ الهندية ۱/ ۵٤، بدائع الصنائع ۱/ ۱۵۰ كراچی)

عن عطاء قال: لا بأس أن يؤذن الغلام قبل أن يحتلم. (رواه ابن أبي شيبة في مصنفه عنه وعن الشعبي مثله ۲/ ۳۷۸ رقم: ۲۳۵٤-۲۳۵۵) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۰/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اقامت کس جگہ کھڑے ہوکر کہنا چاہئے؟

سوال (۱۲۳): -کیافرماتے ہیں علماءدین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مؤذن صاحب کوئی سی بھی جگہ پر اقامت کہہ سکتے ہیں، شریعت میں کوئی جگہ متعین ہے یانہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تکبیر کے لئے کوئی جگہ متعین نہیں ہے، مسجد کے اندر کسی بھی صف میں کھڑے ہوکر تکبیر کہی جاسکتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۵/۴۶۵ ڈابھیل، فتاویٰ دار العلوم ۲/۸۶، کتاب المسائل ۱/۲۶۳، احسن الفتاویٰ ۲/۲۸۲)

ویقیم علی الأرض، هكذا في القنية، وفي المسجد، هكذا في البحر الرائق. (الفتاویٰ الهندية ١/٥٦)

ويسن الأذان في موضع عالٍ والإقامة على الأرض. (البحر الرائق، الصلاة / باب الأذان ١/٢٥٥ كوئٹه، ١/٤٤٣ رشيديه) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۲/۴/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

امام کے کس طرف کھڑے ہوکر اِقامت کہنی چاہئے؟

سوال (۱۲۴): -کیافرماتے ہیں علماءدین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام کے بائیں جانب سے اقامت کہنا کیسا ہے اور اس کا صحیح محل کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اقامت کے لئے شریعت میں کوئی جگہ متعین نہیں ہے؛ لہٰذا دائیں اور بائیں کہیں بھی کھڑے ہوکر اقامت کہہ سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲/۶۱، ۱۶/۲۱۷، احسن الفتاویٰ ۲/۲۸۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۵/۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دوسری تیسری صف سے تکبیر کہنا

سـوال (۱۲۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شخص نے کسی بھی نماز میں جماعت کی نماز پڑھنے کی صورت میں بالکل امام کے پیچھے تکبیر پڑھنے کے بجائے ایک دو صف پیچھے یا اس سے بھی زیادہ فاصلہ پر تکبیر پڑھ دی تو کیا یہ تکبیر پڑھنا صحیح ہوگا یا نہیں؟ اگر صحیح ہے یا نہیں تو اس کی وضاحت فرمائیں، بہتر اور اولیٰ کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عین امام کے پیچھے کھڑے ہوکر تکبیر پڑھنا ضروری نہیں ہے، کسی بھی صف میں مکبر تکبیر پڑھ سکتا ہے، تکبیر سے مقصود یہ اعلان کرنا ہے کہ اب نماز شروع ہورہی ہے، یہ مقصود پچھلی صفوں میں تکبیر پڑھنے سے بھی حاصل ہوسکتا ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۲۸۲/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۸/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تکبیر میں حیعلتین پر چہرہ گھمانا؟

سـوال (۱۲۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا اقامت میں بھی ''حی علی الصلوٰۃ'' پر التفات کرنا چاہئے، زید کہتا ہے کہ التفات کرنا چاہئے اور عمر کہتا ہے کہ نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تکبیر میں بھی حیعلتین پر دائیں بائیں چہرہ پھیرنا چاہئے، زید کا عمل صحیح ہے۔

ویلتفت فیه یمیناً ویساراً وکذا فیها أي في الإقامة. (شامي ۳۸۷/۱ کراچی، شامي ۵۳/۲ زکریا، امداد الفتاویٰ ۱۶۶/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۲/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اقامت کے دوران حیعلتین پر دائیں بائیں چہرہ پھیرنا؟

سوال (۱۲۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ندائے شاہی شمارہ ستمبر۱۹۹۴ء مطابق ربیع الاول ۱۴۱۵ھ کے صفحہ ۴۲ پر تحریر فرمایا گیا ہے کہ اقامت میں بھی مکبر کو حیعلتین پر دائیں بائیں چہرہ پھرانا چاہئے، یہ مستحب ہے، جب کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے کتاب ''دین کی باتیں صفحہ ۶۸'' پر تحریر فرماتے ہیں: ''اور اقامت میں حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہتے وقت دائیں اور بائیں جانب منہ پھرانا بھی نہیں ہے''۔ مہربانی فرما کر اس تعارض کو دور فرمائیں، اور ایک راہ عمل متعین فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس مسئلہ میں فقہی روایات مختلف ہیں، بعض سے اقامت میں تحویل کی سنیت کا ثبوت ہوتا ہے، جیسا کہ صاحب درمختار وغیرہ نے ترجیح دی ہے، اور اسی پر حضرت حکیم الامتؒ نے امداد الفتاویٰ میں فتویٰ دیا ہے، امداد الفتاویٰ میں حضرت کی عبارت درج ذیل ہے:

''التفاتِ یمین ویسار جیسا اذان میں مسنون ہے، ویسا ہی اقامت میں'' الخ۔ (امداد الفتاویٰ ۱/۱۶۶)

اور دوسری روایت عدم سنیت کی ہے، جسے ''السراج الوہاج'' اور ''النہر الفائق'' میں اختیار کیا گیا ہے۔ حضرت تھانویؒ کی وہ عبارت جو کتاب ''دین کی باتیں'' میں ہے، وہ غالبًا اسی روایت پر محمول ہے، بہر حال اس سے اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ اقامت میں تحویل کی اتنی اہمیت نہیں ہے جتنی اذان میں ہے، اور اس مسئلہ میں تشدد روا نہیں ہے۔

وأطلق في الالتفات، ولم يقيده بالأذان، و قدمنا عن القنية: أنه يحول في الإقامة أيضاً، وفي السراج الوهاج: لا يحول فيها؛ لأنها إعلام الحاضرين، بخلاف الأذان فإنه إعلام للغائبين، وقيل: يحول إذا كان الموضع متسعاً. (البحر الرائق ۱/۴۵۰ رشيدية، كذا في النهر الفائق ۱/۱۷۴ ملتان)

فرع: هل يحول وجهه في الإقامة أيضاً؟ فيه ثلاثة أقوال: الأول: أنه

لايحول؛ لأنه لإعلام الغائبين، بخلاف الأذان فإنه يكون للغائبين، والثاني: أنه يحول فيها لو المحل متسعا وإلا فلا، والثالث: أنه يحول فيها مطلقا متسعا كان أو لا، وهو الذي اختاره الحصكفي، قلت: والحق الصريح هو القول الأول.

(السعاية في كشف ما في الوقاية ۱۸/۲ لاهور، حاشية: فتاویٰ محمودیه ۴۶٦/۵ ڈابھیل) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۱۰/۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حیعلتین کے وقت دائیں بائیں جانب منہ پھیرنا؟

سوال (۱۲۸): - کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۱ء کے شمارہ میں ''کتاب المسائل'' کے تحت مسئلہ اقامت میں ''حي علی الصلوٰة وحي علی الفلاح'' پر منہ دائیں و بائیں طرف پھیرنا چاہئے، یہ مسئلہ جب مؤذن صاحب کو بتایا گیا تو انہوں نے اس پر عمل شروع کر دیا، کچھ لوگوں اور امام صاحب نے اعتراض کیا اور کہا کہ یہ غلط ہے، یہ نئی بات ہے، بہشتی زیور کا حوالہ دیا گیا کہ بہشتی زیور حصہ ۱۱/ باب اذان کا بیان مسئلہ نمبر ۴ میں منہ پھیرنے کو منع کیا گیا ہے، برائے مہربانی واضح فرمائیں کہ بہشتی زیور کی عبارت کا کیا مطلب ہے، اور ''حي علی الصلوٰة وحي علی الفلاح'' پر دائیں بائیں جانب منہ پھیرنے کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصل بات یہ ہے کہ حیعلتین کے وقت دائیں بائیں جانب منہ پھیرنا خاص طور پر اذان کی سنتوں میں ہے، اقامت کے وقت اس کی اتنی تاکید نہیں ہے جتنی اذان کے وقت ہے؛ البتہ یہ عمل اقامت میں استحبابی درجہ کا ہے، یعنی کرلیں تو اچھا ہے اور نہ کریں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ ''بہشتی زیور'' میں سنیت کی نفی بھی اپنی جگہ درست ہے، اور

''ندائے شاہی'' کے مسئلہ میں جو فقہی عبارات کی روشنی میں اس کی ترغیب دی گئی ہے وہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے، دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/۱۶۶)

عن أبي جحيفة رضي اللّٰه عنه قال: أتيت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم بمكة وهو بالأبطح – وطرفه – قال: فتوضأ وأذن بلال، قال: فجعلت أتتبع فاه هٰهنا، وهٰهنا يقول: يميناً وشمالاً يقول: حي على الصلاة حي على الفلاح......الخ.

(صحيح مسلم، الصلاة / باب سترة المصلي ۱/۱۹۵ رقم: ۵۰۳ بيت الأفكار)

وفي رواية أبي داؤد عن عون بن أبي جحيفة عن أبيه مرفوعاً فيه: فلما بلغ حي على الصلاة حي على الفلاح لوّى عنقه يميناً وشمالاً. (سنن أبي داؤد، تفريع أبواب الأذان / باب في المؤذن يستدير في أذانه رقم: ۵۲۰)

ويلتفت فيه وكذا فيها مطلقًا يمينًا ويساراً ...... بصلاة وفلاح ولو وحده أو لمولود؛ لأنه من سنة الأذان مطلقاً (درمختار) وقال في الشامي: قوله: وكذا فيها مطلقاً أي في الإقامة، سواء كان المحل متسعاً أو لا. (شامی ۱/۳۸۷ کراچی، ۲/۵۳ زکريا، مجمع الأنهر ۱/۱۱۶ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۲/۱/۱۰ھ

دورانِ تکبیر امام مصلیٰ پر کھڑا ہو یا بیٹھے؟

سوال (۱۲۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اِقامت کے وقت امام کا مصلیٰ پر ہونا چاہئے یا نہیں؟ اور دورانِ تکبیر امام مصلیٰ پر کھڑا رہے یا بیٹھا رہے؟ کون سا طریقہ اچھا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شروع تکبیر سے ہی امام کو مصلیٰ پر کھڑا ہو جانا چاہئے؛

تا کہ صفوں کی درستگی کا واجب انجام دیا جاسکے، تکبیر کے وقت امام کا مصلیٰ پر بیٹھنے پر اصرار والتزام درست نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲/ ۳۱۱)

عن عبد الرحمن بن عوف سمع أبا هريرة رضي اللّٰه عنه يقول: أقيمت الصلاة فقمنا فعدلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فأتى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر ذكر فانصرف، وقال لنا: مكانكم، فلم نزل قياماً ننتظره حتى خرج إلينا وقد اغتسل ينطف رأسه ماء فكبر فصلىٰ بنا. (صحيح مسلم ۱/ ۲۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۱/ ۷/ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

امام کا حجرے سے نکل کر مصلیٰ پر بیٹھنا؟

سوال (۱۳۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام کا حجرہ سے آ کر مصلیٰ پر بیٹھنا اور بعد میں کھڑا ہونا حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے ثابت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: امام کا اقامت کے وقت مصلیٰ پر جا کر بیٹھ جانا اور حی علی الصلوٰۃ پر کھڑا ہونا کسی بھی دلیل سے ثابت نہیں؛ بلکہ حضورا کرم ﷺ حضراتِ خلفاء راشدین اور جمہور صحابہ کے عمل کے بالکل برخلاف ہے، اور کھلی ہوئی بدعت ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

إن بلالاً كان يراقب خروج النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فأول ما رآه يشرع في الإقامة قبل أن يراه غالب الناس ثم إذا رأوه قاموا فلا يقوم مقامه حتى تعدل صفوفهم. (فتح الباري شرح صحيح البخاري ۲/ ۱۲۰ بيروت)

یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حجرۂ مبارکہ سے تشریف آوری

پر نگاہیں جمائے رکھتے تھے، جیسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے فوراً تکبیر شروع فرما دیتے تھے۔ (اسی طرح دیگر صحابہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب آتا دیکھتے تو فوراً کھڑے ہو جاتے) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلیٰ تک پہنچتے پہنچتے صفیں درست ہو جاتی تھیں۔

اس روایت نے معاملہ بالکل واضح کر دیا، اتنی صریح روایت کے ہوتے ہوئے امام کا تکبیر کے وقت مصلیٰ پر جا کر بیٹھنے کا اہتمام کرنا سوائے ہٹ دھرمی اور جہالت کے کچھ نہیں ہے، جو شخص بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت رکھے گا وہ آپ کے طریقہ کو چھوڑ کر دوسرا من گھڑت طریقہ اختیار کرنا ہرگز پسند نہ کرے گا۔

یہاں یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ کتبِ فقہ میں جس طرح حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کو آداب میں سے لکھا ہے، بعینہٖ اسی طرح ’’قد قامت الصلوٰۃ‘‘ پر امام کے تکبیر تحریمہ کو بھی آداب میں سے لکھا ہے، مگر مؤذن کے تکبیر تحریمہ کے فوت ہونے کے اندیشہ سے کوئی امام بھی اس پر عمل نہیں کرتا؛ بلکہ مذہب میں راجح بھی یہی ہے کہ ’’قد قامت الصلوٰۃ‘‘ پر تکبیر تحریمہ نہ کہیں۔

قوله إذا فرغ من الإقامة أي بدون فصل وبه قالت الأئمة الثلاثة وهٰذا عدل المذهب شرح المجمع وهو الأصح، قهستاني عن الخلاصة وهو الحق نهر. (طحطاوي ۱۵۱)

تو جب مؤذن کی رعایت میں ’’قد قامت الصلوٰۃ‘‘ پر تکبیر کے ادب کو چھوڑا جا سکتا ہے، تو کیا عام نمازیوں کی رعایت میں ’’حی علی الفلاح‘‘ پر کھڑے ہونے کے ادب کو ترک نہیں کیا جا سکتا؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۳/۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تکبیر کے وقت امام کا مصلیٰ پر بیٹھنا؟

سوال (۱۳۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچھ لوگ تکبیر کے وقت بیٹھتے ہیں اگر بیٹھنا حدیث سے ثابت ہے تو ٹھیک اور اگر نہیں ہے تو

جواب عنایت فرمائیں، اور اگر کچھ لوگ منع کرتے ہیں اور کچھ کہتے ہیں، تو کیا یہ جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تکبیر کے وقت امام یا مقتدیوں کو مصلیٰ پر بالقصد بیٹھنے کا التزام کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، صحیح مسئلہ یہ ہے کہ تکبیر شروع ہوتے ہی امام ومقتدی کھڑے ہوجائیں؛ تاکہ صفوں کی درستگی کی سنت ادا کی جاسکے، اور جو پہلے سے بیٹھا ہوا ہو وہ بھی ''حی علی الفلاح'' کہنے تک کھڑا ہوجائے، اس سے تاخیر نہ کرے فقہ کی کتابوں میں جہاں ''حی علی الفلاح'' تک بیٹھنے کا ادب بتایا گیا ہے، اس کا مطلب یہی ہے کہ اس سے تاخیر نہ کی جائے۔

والظاهر أنه احتراز عن التاخير لا التقديم حتى لو قام أول الإقامة لا بأس.

(طحطاوي على الدر ۱۸۹/۱، بحواله: أحسن الفتاوىٰ ۳۰۶/۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۶/۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مصلیٰ پر امام کے جانے کے بعد تکبیر کہنا؟

سوال (۱۳۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا مصلیٰ پر امام کے جانے کے بعد تکبیر کہنی ضروری ہے یا مسجد میں امام موجود ہوا ور مؤذن نے تکبیر کہہ دی تو مؤذن نے غلطی کی، صحیح کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مصلیٰ پر امام کے جانے کے بعد ہی تکبیر کہنی ضروری نہیں ہے؛ بلکہ وقت ہونے پر جب مؤذن امام صاحب کو مصلیٰ پر آتے ہوئے دیکھ لے یا امام صاحب مسجد میں موجود ہوں تو تکبیر کہہ دے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۱۶/۲)

إن بلالاً كان يرقب خروج النبي ﷺ فأول ما يراه يشرع في الإقامة. (بذل المجهود ۱۱۵/٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۷/۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تکبیراتِ اقامت بیٹھ کر سننا مستحب ہے یا کھڑے ہوکر؟

سوال (۱۳۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تکبیراتِ اقامت بیٹھ کر سننا مستحب ہے یا کھڑے ہوکر؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جماعت میں صفوں کی درستگی کا اہتمام لازم ہے اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے جب کہ شروع تکبیر سے ہی کھڑے ہوکر صفیں بنائی جائیں، لہٰذا جیسے ہی مؤذن تکبیر شروع کرے نمازیوں کو صفیں درست کرنے کے امر میں لگ جانا چاہئے، البتہ اگر پہلے سے تمام لوگ صف بنائے بیٹھے ہوں اور امام بھی وہیں موجود ہو، تو اس خاص صورت میں فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ **حي علی الصلاۃ** پر سب لوگ کھڑے ہوں؛ تاکہ **حي علی الصلاۃ** کی دعوت اور نماز کے لئے کھڑے ہونے کے عمل میں مطابقت ہوجائے، یہ حکم ایک ادب اور استحباب کی حیثیت رکھتا ہے، اور اس کا صحیح محمل یہ ہے کہ نماز کے لئے کھڑے ہونے میں **حي علی الصلاۃ** سے تاخیر نہیں ہونی چاہئے، اگر پہلے کھڑے ہوجائیں تو ادب کے خلاف نہیں ہے، نیز اگر کسی ادب پر اس طرح اصرار کیا جانے لگے کہ لوگ اسے واجب یا فرض سمجھیں، تو یہ ادب بدعت کے دائرہ میں آجاتا ہے جس سے بہرحال اجتناب لازم ہے۔ (طحطاوی علی الدر المختار ۱/۲۱۵، بحوالہ: فتاویٰ محمودیہ ۷/۳۱، عالمگیری ۱/۵۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۰/۳/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تکبیر بیٹھ کر سننی چاہئے یا کھڑے ہوکر؟

سوال (۱۳۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تکبیرِ اولیٰ بیٹھ کر سننا چاہئے یا کھڑے ہوکر شروع سے ہی کھڑا ہونا چاہئے؟ یا حی علی الصلوٰۃ پر کھڑا ہونا چاہئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تکبیر کے وقت شروع سے کھڑے ہوجانا چاہئے؛ تاکہ صفوں کی درستگی کا اہتمام ہوسکے، اور کتبِ فقہ میں ''حی علی الصلوٰۃ'' پر کھڑے ہونے کی جو بات لکھی گئی ہے، اس کا مطلب علامہ طحطاویؒ نے یہ بیان کیا ہے کہ مقصود یہ ہے کہ کھڑے ہونے میں حی علی الصلوٰۃ سے تاخیر نہ کی جائے۔

والظاهر أنه احتراز عن التاخير لا التقديم. (طحطاوي على الدر بحواله: أحسن الفتاویٰ ۲/۳۰٦)

اور پھر یہ زیادہ سے زیادہ ادب ہے، اور ادب کو واجب کا درجہ دینا اور اسے اپنا شعار بنالینا یہ کسی طرح درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۹/۸/۱۹ھ

اِقامت کھڑے ہوکر سننی چاہئے یا بیٹھ کر؟

سوال (۱۳۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اقامت کھڑے ہوکر سننی جائز ہے یا بیٹھ کر؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اَحادیث وآثار واعمال صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے یہی بات واضح ہوتی ہے کہ ابتداءِ اقامت ہی سے مقتدیوں کو کھڑا ہوجانا چاہئے؛ تاکہ اقامت کے اختتام تک صفیں مکمل طور پر درست ہوجائیں، اور حاضرین میں سے سب لوگ تکبیرِ اُولیٰ کے ساتھ نماز میں شرکت کرسکیں۔

الصلاة كانت تقام لرسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي مقامه. (صحيح مسلم ۱/۲۲۰)

أقيمت الصلاة فقمنا فعدلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر. (صحيح مسلم ۲۲۰/۱)

إذا قال المؤذن الله أكبر وجب القيام. (عمدة القاري ۲۱۵/۵، فتح الباري ۱۲۰/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۶/۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا کھڑے ہوکر اقامت سننی مکروہ ہے؟

سوال (۱۳۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے محلّہ کی مسجد میں ہمیشہ سے اقامت مقتدی اور امام کھڑے ہوکر سنتے تھے؛ لیکن ابھی کچھ عرصہ سے امام صاحب ہماری مسجد میں آئے ہیں وہ مصلیٰ پر بیٹھ کر تکبیر سنتے ہیں، نیز کھڑے ہوکر اقامت سننے کو مکروہ قرار دیتے ہیں، کیا کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کی روشنی میں اقامت کھڑے ہوکر سننا مکروہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أقيمت الصلاة فلا تقوموا حتى تروني. (صحيح البخاري ۸۸/۱)

والقيام لإمام ومؤتم حين قيل حي على الفلاح، إن كان الإمام بقرب المحراب وإلا فيقوم كل صف ينتهي إليه الإمام على الأظهر، وإن دخل من قدام قاموا حين يقع بصرهم عليه إلا إذا قام الإمام بنفسه في مسجد، فلا يقفوا حتى يتم إقامته. (درمختار مع الشامي ۱۷۷/۲)

والقيام حين قيل حي على الفلاح؛ لأنه أمر به فيستحب المسارعة إليه أطلقه فشمل الإمام والماموم إن كان الإمام بقرب المحراب، وإلا فيقوم كل صف ينتهي إليه الإمام وهو الأظهر، وإن دخل من قدام وقفوا حين يقع بصرهم

عليه. (البحر الرائق ١/ ٤ ٣٠ كراچی)

عن عبد الرحمن بن عوف رضي اللّٰه عنه سمع أبا هريرة رضي اللّٰه عنه قال: أقيمت الصلاة وصف الناس صفوفهم، وخرج رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، فقام مقامه فأومأ إليهم بيده أن مكانكم، فخرج وقد اغتسل، ورأسه ينظف الماء فصلى بهم. الحديث. (صحيح مسلم ١/ ٢٢٠)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه يقول: أقيمت الصلاة فقمنا فعدلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، فأتى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر ذكر فانصرف، وقال لنا مكانكم: فلم نزل قياماً ننتظره حتى خرج إلينا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، وقد اغتسل ينطف راسه مائةً، فكبر فصلى بنا. (صحيح مسلم ١/ ٢٢٠)

مذکورہ بالا اَحادیث وجزئیات سے معلوم ہوگیا کہ کھڑے ہوکر تکبیر سننا منع نہیں ہے، اور جن جزئیات میں ''حی علی الصلوٰۃ'' پر کھڑے ہونے کو مستحب کہا گیا ہے، ان کا مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے پہلے ضرور کھڑے ہوجائیں، اور کھڑے ہونے میں اس سے تاخیر نہ کریں؛ لہٰذا اصرار کرنا بالکل بے دلیل ہے، اور موجودہ دور میں اہلِ بدعت کا شعار بن گیا ہے، اس لئے اس پر نکیر کرنی چاہئے، اور شروع تکبیر ہی سے کھڑے ہوکر صف بندی کا واجب ادا کرنا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۹/۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مقتدی نماز کے لئے کب کھڑے ہوں؟

سوال (۱۳۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مقتدی نماز کے لئے کب کھڑے ہوں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقہاءِ احناف نے اس مسئلہ میں مختلف صورتوں میں

الگ الگ استحبابی حکم بیان فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) اگر امام صف کے درمیان موجود نہ ہو اور پیچھے سے مصلیٰ کی طرف آرہا ہو، تو جس صف تک پہنچتا جائے وہ صف کھڑی ہوتی جائے۔

فأما إذا كان الإمام خارج المسجد فإن دخل المسجد من قبل الصفوف فكلما جاوز صفاً قام ذٰلک الصف. (الفتاویٰ الهندیة ۵۷/۱، درمختار ۱۷۷/۲ زکریا)

(۲) اور اگر امام سامنے سے آرہا ہو تو اس پر نظر پڑتے ہی جماعت کھڑی ہو جائے۔

وإن كان الإمام دخل المسجد من قدامهم يقومون كما رأوا الإمام.

(الفتاویٰ الهندیة ۵۷/۱، درمختار ۱۷۷/۲ زکریا، خانیة ۵۳۰/۱)

(۳) اور اگر امام پہلے ہی سے صف میں موجود ہو (اور صفیں بھی سب درست ہوں) اور اقامت کا وقت ہو جائے تو اس خاص صورت میں مکبر کی اقامت سے پہلے کسی کا کھڑا ہونا مکروہ ہے، اور افضل یہ ہے کہ جب مکبر حی علی الفلاح تک پہنچے تو امام سمیت پوری جماعت کھڑی ہو جائے، کھڑے ہونے میں حی علی الفلاح سے تاخیر کرنا اور اس کے بعد تک بیٹھا رہنا مکروہ ہے۔

إن كان المؤذن غير الإمام وكان القوم مع الإمام في المسجد فإنه يقوم الإمام والقوم إذا قال المؤذن حي على الفلاح عند علمائنا الثلاثة وهو الصحيح.

(الفتاویٰ الهندیة ۵۷/۱، درمختار ۱۷۷/۲ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۷/۹/۲۴ھ

امام اور مقتدی جماعت میں کب کھڑے ہوں؟

سوال (۱۳۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام اور مقتدی جماعت میں کس وقت کھڑے ہوں؟ بعض لوگ حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے کو ضروری خیال کرتے ہیں اور اس کو اسلام کا شعار قرار دیتے ہیں، آخر اس کی کیا حقیقت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تکبیر کے وقت حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے کو ضروری سمجھنا اور اسے اسلامی شعار قرار دینا صحیح نہیں ہے؛ بلکہ ابتداء تکبیر سے ہی کھڑے ہوکر صفوں کی درستگی کرنا اور نماز کی طرف مسارعت کا ثبوت دینا چاہئے؛ اس لئے کہ:

الف:- صفوں کا سیدھا کرنا واجب ہے اور حی علی الصلوٰۃ پر کھڑا ہونا زیادہ سے زیادہ مستحب ہے؛ لہٰذا واجب کی ادائیگی کے وقت مستحب کی رعایت نہیں کی جائے گی۔

ب:- حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے کو فقہی عبارتوں میں محض مستحب قرار دیا گیا ہے اور شرعی ضابطہ یہ ہے کہ جب کسی مستحب کا درجہ بڑھا کر واجب سمجھا جانے لگے تو وہ مستحب بھی مکروہ کے درجہ میں آجاتا ہے۔

إن المندوب ربما انقلب مکروهاً إذا خيف أن يرفع عن رتبته. (مجمع الأنهر ٢٤٤/٢)

آج کے زمانہ میں چوں کہ ایک خاص فرقہ نے حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے کے ادب اور استحباب کو واجب اور فرض کا درجہ دے دیا ہے؛ لہٰذا مذکورہ فقہی ضابطہ کی روشنی میں یہ مستحب بھی مکروہ کے درجہ میں آکر قابلِ ترک ہوگیا ہے۔

ج:- جن عبارتوں میں حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے کو مستحب کہا گیا ہے، اُن کا مطلب خود علامہ طحطاویؒ نے درمختار کے حاشیہ میں یہ بیان کیا ہے کہ مقصود یہ ہے کہ کھڑے ہونے میں حی علی الفلاح سے تاخیر نہ کی جائے، یہ مطلب نہیں کہ اس سے پہلے کھڑے ہی نہ ہوں۔ (طحطاوی علی الدر ۳۲۲/۱، بحوالہ فتاویٰ محمودیہ ۱۱۶/۲)

د:- احادیثِ طیبہ اور تعاملِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دورِ نبوی اور دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ابتداء تکبیر سے ہی قیام کا دستور تھا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ تکبیر پڑھی گئی اور ہم کھڑے ہوگئے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارکہ سے تشریف لانے سے پہلے ہم نے صفیں درست کرلیں۔ (مسلم شریف ۲۲۰/۱)

مشہور محدث علامہ ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں کا یہ معمول تھا کہ مؤذن کے اللہ اکبر کہتے ہی وہ نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے تھے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلیٰ پر تشریف لانے سے پہلے ہی صفوں کی درستگی کا کام پورا ہوجاتا تھا۔ (فتح الباری ۲/۹۵)

ان کے علاوہ بھی بہت سی روایتوں سے یہی مضمون مستفاد ہوتا ہے؛ لہٰذا ان احادیث وآثار کے مقابلہ میں مضمرات قہستانی کی وہ فقہی عبارت معمول بہا نہیں ہوگی جس میں اقامت کے وقت مسجد میں داخل ہونے والے کو بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیل دیکھنے کے لئے ملاحظہ کریں: (جواہر الفقہ ۱/۴۱۳، امداد الفتاویٰ ۱۸۴، فتاویٰ دار العلوم ۲/۱۱۳، احسن الفتاویٰ ۲/۳۰۶، فتاویٰ محمودیہ ۲/۱۱۶، فتاویٰ رحیمیہ ۴/۳۱۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۳/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

امام محراب کے قریب ہو تو مقتدی کب کھڑے ہوں؟

سوال (۱۳۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام اپنی قوم کے ساتھ مسجد کے اندر محراب کے قریب موجود ہے، تو کیا معتبر کتبِ حنفیہ کے نزدیک تکبیر شروع ہوتے ہی کھڑے ہونے کا حکم ایسا موجود ہے، جس کو ائمہ ثلاثہ نے اپنا مذہب بنایا ہو، اور بیٹھے رہنے کو مکروہ، حوالہ اصل عبارت سے مع ترجمہ کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام پہلے سے محراب کے قریب بیٹھا ہو اور صفیں بھی پہلے ہی سے بنی ہوئی ہوں، صفوں کی درستگی کے لئے پہلے سے کھڑے ہونے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہو، تو ایسی شکل میں ادب یہ ہے کہ ابتداءِ تکبیر سے نہ کھڑے ہوں؛ بلکہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تب کھڑے ہوں؛ تاکہ مؤذن جس بات کی دعوت حی علی الفلاح سے دے رہا ہے، کھڑے ہونے سے اس کا عملی جواب بھی ہوجائے، اتنی بات ائمہ ثلاثہ سے ثابت ہے، جب کہ

حوالہ اس سے پہلے جواب میں گذر چکا ہے؛ لیکن یہ محض ادب ہے، اس کے خلاف کرنے والے پر ملامت نہ کی جائے۔ اور امام اگر محراب کے قریب نہ ہو تو جیسے ہی وہ صفوں میں داخل ہو، ہر صف کھڑی ہوتی جائے، اس طرح اگر صفیں پہلے سے درست نہ ہوں، تو ابتداءِ تکبیر سے کھڑے ہوکر صفوں کی درستگی کا کام انجام دیا جائے؛ اس لئے کہ صفوں کی درستگی واجب ہے، واجب کی ادائیگی کے لئے ادب پر عمل کی رعایت نہیں کی جائے گی۔

هذا إذا كان الإمام في المسجد فإن كان خارج المسجد لايقومون ما لم يحضر لقول النبي صلى الله عليه وسلم: لاتقوموا في الصف ما لم تروني خرجت. (بدائع الصنائع ۱/ ۴۶۸)

وإن لم يكن الإمام حاضراً لاتقوموا حتى يصل إليهم، وفي أخرى يقومون إذا اختلط بهم. (تبيين الحقائق ۱/ ۲۸۳)

فأما إذا كان الإمام خارج المسجد، فإن دخل المسجد من قبل الصفوف فكلما جاوز صفا قام ذلک الصف، وإليه مال شمس الأئمة الحلواني والسرخسي وشيخ الإسلام، خواهر زاده. وإن كان الإمام دخل المسجد من قدامهم يقومون كما رأوا الإمام. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۵۷، درمختار ۱/ ۴۷۸ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۴/ ۹/ ۱۴۱۷ھ

تکبیر کے وقت مقتدی حضرات کب کھڑے ہوں؟

سوال (۱۴۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تکبیر کے وقت امام مقتدی کھڑے ہوتے ہیں، حی علی الصلوٰۃ پر، آیا یہ طریقہ حضور سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور تکبیر کے وقت صحابہ کس حالت پر رہتے تھے؟ اور ہمیں کیا کرنا چاہئے؛ اس لئے کہ بعض جگہ حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہوتے ہیں اور بعض جگہ مکبر کے ساتھ کھڑے ہوجاتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تکبیر کے وقت امام ومقتدی سب کو کھڑا ہونا چاہئے؛ تاکہ صفوں کی درستگی کا واجب ادا کیا جاسکے، حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں تشریف لاتے دیکھ کر کھڑے ہوجاتے تھے، اور اسی وقت حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تکبیر شروع فرماتے تھے۔ (مسلم شریف ۱/۲۲۰)

اور کتبِ حنفیہ میں حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے کا جو حکم مذکور ہے، اس کے بارے میں علامہ طحطاویؒ نے صراحت کی ہے کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ حی علی الصلوٰۃ سے تاخیر نہ ہو، پہلے کھڑے ہونے سے ممانعت نہیں ہے۔ (کما نقل فی احسن الفتاویٰ ۲/۳۰۶)

اور اگر بالفرض یہی حکم ہو کہ ابتدا سے کھڑے نہ ہوں تو زیادہ سے زیادہ ایک امر مستحب ہوگا؛ لہٰذا اس کے تارک پر نکیر کرنا اور اسے واجب کے درجہ میں رکھنا جائز نہ ہوگا؛ کیوں کہ جب امر مستحب کو واجب سمجھا جانے لگے تو مستحب مکروہ میں بدل جاتا ہے۔

إن المندوب ربما انقلب مکروهاً إذا خیف أن یرفع عن رتبته. (مجمع البحار ۲/ ۲٤٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴/۳/۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا ابتداءِ اقامت سے کھڑا ہونا مکروہ ہے؟

سوال (۱۴۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض لوگ تکبیر کے وقت شروع میں ہی کھڑے ہوجاتے ہیں اور بعض لوگ شہادتین تک بیٹھے رہتے ہیں، پہلے لوگ کھڑے ہونے کو سنت اور بیٹھے رہنے کو مستحب کہتے ہیں، کیا مسئلہ ایسا ہی ہے، بحوالہ تحریر فرمائیں، اور اگر کوئی حدیث ہو تو اس کی نشان دہی فرمائیں؟ اس سلسلہ میں کا ایک فتویٰ بھی ہم رشتہ ہے، جو درج ذیل ہے:

الجواب بعون الملک الوهاب نحمده ونصلی علی حبیبه الکریم: حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا ہی مستحب ہے اور ابتداءِ اقامت سے کھڑا ہوجانا مکروہ ہے، درمختار میں ہے:

(ومن الأدب) القيام لإمام ومؤتم حين قيل حي على الفلاح.

(درمختار) وتحته في الشامية: كذا في الكنز ونور الإيضاح والظهيرية والبدائع وغيرها: والذي قال في الذخيرة: يقوم الإمام والقوم إذا قال المؤذن حي على الفلاح عند علمائنا الثلاثة. (درمختار مع الشامي ١٧٧/٢ زكريا)

طحطاوی علی المراقی الفلاح میں ہے:

وإذا أخذ المؤذن في الإقامة ودخل رجل المسجد فإنه يقعد ولا ينتظر قائماً فإنه مكروه كما في المضمرات. قهستاني. ويفهم منه كراهة القيام ابتداء الإقامة والناس عنه غافلون. (طحطاوي على مراقي الفلاح ١٥١ لاهور)

یعنی جب مؤذن اقامت شروع کرے اور کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو بیٹھ جائے کھڑا رہ کر انتظار نہ کرے کہ یہ مکروہ ہے۔ (المضمرات قہستانی) اس سے ابتداءِ اقامت سے ہی کھڑے ہوجانے کی کراہت معلوم ہوئی اور لوگ اس سے غافل ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

اس فتویٰ کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کے بارے میں مجیب نے جو جواب لکھا ہے اس میں چشم پوشی سے کام لیا ہے، جب کہ حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کے سلسلہ میں حضرت امام اعظمؒ کے یہاں تفصیل ہے؛ لیکن مجیب نے تفصیل سے قطع نظر کرتے ہوئے جواب لکھا ہے، دیکھئے فقہ کی معتبر کتاب: بدائع، البحر الرائق، عالمگیری، تاتارخانیہ وغیرہ میں اس کی تفصیل ذکر کی گئی ہے، اور اسی کو صحیح قول کہا گیا ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو:

إن كـان الـمـؤذن غير الإمام وكان القوم مع الإمام في المسجد فإنه يقوم الإمـام والـمـؤتم إذا قال حي على الفلاح عند علمائنا الثلاثة وهو الصحيح، فأما إذا كـان الإمـام خارج المسجد فإن دخل من قبل الصفوف فكلما جاوز صفاً قام ذٰلک الـصف وإليـه مال شمس الأئمة السرخسي وشيخ الإسلام، خواهر زاده. وإن كـان الإمـام دخـل الـمسـجـد من قدامهم يقومون كما روا الإمام، وإن كان الـمـؤذن والإمـام واحـداً فـإن أقام في المسجد فالقوم لا يقومون ما لم يفرغ من الإقـامة وإن أقـام خـارج الـمسـجـد فـمشائخنا اتفقوا على أنهم لا يقومون مالم يـدخل الإمام المسجد. (الـفتـاوىٰ الهـنـدية ۱/ ۵۷، بـدائع الصنائع ۱/ ۲۰۰، الفتاوىٰ التاتارخانية ۱/ ۵۳۰، درمختار مع الشامي ۱/ ۴۷۹ كراچی، شامي ۲/ ۱۷۷ زكريا، البحر الرائق ۱/ ۳۴۱)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ ’’امام ومقتدی اگر اقامت سے قبل مسجد میں موجود تھے تو صحیح روایت کے مطابق حی علی الفلاح پر اٹھ جانا چاہئے اور اگر امام باہر سے آرہا ہے تو وہ محراب کے کسی دروازہ سے یا اگلی صف کے سامنے سے آئے، بہر صورت جیسے ہی مقتدی امام کو دیکھیں اسی وقت کھڑے ہو جائیں اور اگر امام پچھلی صفوف کی طرف سے آرہا ہے تو جس صف سے گزرے وہ صف کھڑی ہوتی چلی جائے‘‘۔

تو حنفیہ کے یہاں کھڑا ہونے میں اسی تفصیل کو پیش نظر رکھنا ہوگا، اور مذکورہ عبارت میں صرف ایک صورت ایسی ہے جس میں حی علی الفلاح پر کھڑا ہوا جاتا ہے، یعنی جب کہ امام ومقتدی مسجد میں موجود ہوں، بقیہ تمام صورتوں میں حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کا قول خود حنفیہ کا مسلک نہیں، جیسا کہ عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا۔ اب علامہ ابن نجیم مصریؒ حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کی علت تحریر فرماتے ہیں، جس سے بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کو فقہاء نے مستحب جو کہا ہے اس کا کیا مطلب ہے، چناں چہ عبارت دیکھئے:

والـقيـام حيـن قيـل حي على الفلاح لأنه أمر به فيستحب المسارعة إليه.

(البحر الرائق ۱/ ۳۰۴)

یعنی حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا اس لئے افضل ہے کہ لفظ حی علی الفلاح امر ہے جو حکم دیتا ہے کہ کامیابی کی طرف آؤ، لہٰذا اس کی طرف جلدی کرنا مستحب ہوگا، اب جس کے پاس بھی ادنیٰ سی سوچنے کی صلاحیت ہے، وہ یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوگا کہ حی علی الفلاح کے بعد بیٹھے رہنا **المسارعة إلی الطاعة** کے خلاف ہونے کی وجہ سے خلافِ ادب ہے؛ لیکن حی علی الفلاح سے قبل کھڑے ہونے میں اور بھی زیادہ مسارعت پائی جاتی ہے؛ لہٰذا اس کو مکروہ یا خلافِ ادب کہنا صحیح نہیں۔

نیز خود فقہی اصطلاح کے اعتبار سے شروع اقامت میں کھڑے ہونے کو مکروہ یا باعثِ عتاب گردانا اور نہ کرنے والے پر نکیر کرنا درست نہیں ہے، چناں چہ علامہ علاء الدین حصکفیؒ فرماتے ہیں:

ولها اٰداب ترکه لا یوجب إساءةً لا عتاباً کترک سنة الزوائد. (درمختار مع الشامي ۱/۴۷۷ کراچی، شامي ۲/۱۷۵ زکریا)

یعنی نماز کے کچھ آداب ہیں، جن کے چھوڑنے سے گناہ نہیں ہوگا اور نہ ملامت ہوتی ہے، انہیں آداب کے ضمن میں حی علی الفلاح پڑ کھڑے ہونے کا ذکر کیا گیا ہے، اس لئے مذکورہ عبارت کے اعتبار سے اس وقت سے پہلے کھڑے ہونے والے پر نکیر کرنے کی اجازت نہ ہوگی؛ بلکہ ادب کو ادب ہی کے درجہ میں رکھا جائے گا، پس اگر کوئی شخص آداب واستحباب کو اپنے رتبہ سے بڑھا کر وجوب کی طرف مداومت وغیرہ کرنے لگے جیسا کہ حی علی الفلاح پر مداومت بعض حضرات کرتے ہیں اور نہ کرنے والے کو برا جانتے ہیں، تو اس کو حافظ ابن حجرؒ مکروہ تحریر فرماتے ہیں:

قال ابن المنیر: إن المندوبات قد تنقلب مکروهات إذا رفعت عن رتبتها فإن التیامن مستحب في کل شيء أي من أمور العبادة؛ لکن لما خشی ابن مسعود أن یعتقدوا وجوبه أشار إلی کراهته. (فتح الباري شرح بخاري ۲/۲۸۱ مصری)

ابن منیر سے روایت ہے کہ کبھی کبھی مندوبات مکروہ کے دائرہ میں آ جاتا ہے مثلاً تمام امور عبادت میں داہنی طرف سے البتہ مستحب ہے؛ لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو جب اندیشہ ہونے لگا کہ لوگ وجوب کا درجہ دے دیں گے تو اس کو مکروہ قرار دیا۔

حاصل یہ کہ حی علی الفلاح سے قبل کھڑا ہونا بلاکراہت وجائز درست ہے، اور یہی تعامل حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی رہا ہے، چناں چہ ابتداءا قامت میں کھڑے ہونے کومکروہ قرار دینا گویا عمل صحابہ کومکروہ قرار دینا ہے۔ دیکھئے مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز کھڑی کی گئی تھی، پس ہم لوگ کھڑے ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمارے درمیان تشریف لانے سے پہلے ہی ہم نے صفیں درست کرلیں۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه يقول: أقيمت الصلاة فقمنا فعدلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول اللّٰه ﷺ. (صحيح مسلم ١/ ٢٢٠)

اس حدیث کے ذیل میں علامہ نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہی ان کے نزدیک سنت ہے۔

إشارة أنه هٰذه سنة معهودة عندهم. (نووي شرح لمسلم ١/ ٢٢١)

حضرت علامہ حافظ ابن حجرؒ اپنی کتاب فتح الباری شرح بخاری میں ابن شہاب کی روایت نقل فرماتے ہیں جس میں بالکل صریح ہے کہ وہ لوگ تکبیر کہتے ہی کھڑے ہوجایا کرتے تھے۔

رویٰ عبد الرزاق عن ابن جريج عن ابن شهاب أن الناس كانوا ساعة يقول المؤذن: اللّٰه أكبر يقومون إلىٰ الصلاة فلا يأتي النبي ﷺ مقامه حتى تعتدل الصفوف. (فتح الباري ٢/ ٩٥)

یعنی ابن شہاب سے مروی ہے جس وقت مؤذن اللہ اکبر کہتا تھا لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوجایا کرتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے تک صفیں درست ہوجاتی تھیں، ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ صحابہ کا یہی عمل رہا ہے کہ شروع اقامت سے صفوں کی درستگی کا عمل شروع ہوجاتا تھا، اسی بنا پر مشہور تابعی حضرت سعید ابن المسیبؒ نے ابتداء اقامت میں کھڑے ہونے کوواجب قرار دیا ہے۔

وعن سعيد ابن المسيب قال: إذا قال المؤذن التكبير وجب القيام. (عون المعبود ١/ ٢١١)

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت تک نماز کی تکبیر نہ کہتے تھے، جب تک کہ ان کو یہ نہ معلوم ہو جائے کہ صفیں درست ہو گئیں۔

ورُوِيَ عن عمر رضي الله عنه أنه كان يوكّل رجلاً بإقامة الصفوف ولا يكبر حتى يخبر أن الصفوف قد استوت. (ترمذي مع العرف الشذي ۵۳/۱)

معلوم ہوا کہ یہ جب ہی ہوگا جب کہ شروع اقامت میں کھڑا ہوا جائے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حی علی الفلاح سے پہلے کھڑا ہونا بلا کراہت درست وجائز ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل ہے اور فقہاء کا حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کو مستحب کہنا بایں معنی ہے کہ اس کے بعد بیٹھے رہنا خلاف ادب ہے، جیسا کہ ''البحر الرائق'' کی عبارت سے معلوم ہوا۔

البتہ مجیب نے علامہ طحطاوی کے قول سے ابتداء اقامت میں کھڑے ہونے کو کراہت لکھا ہے، جو حنفیہ کی متون وشروح کی تفصیل کے مخالف اور آثار صحابہ اور سنت خلفاء راشدین کے معارض ہے، نیز کسی بھی امام سے کراہت کا ثبوت نہیں؛ لہٰذا طحطاوی کی عبارت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے تعامل اور حنفیہ کی تمام کتابوں کے بظاہر معارض ہونے کی وجہ سے مرجوح سمجھی جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۳/۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ابتداءِ تکبیر سے کھڑا ہونے والوں کو خلافِ سنت کہنا؟

سوال (۱۴۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اقامت کے وقت امام اور مقتدیوں کا حی علی الفلاح تک بیٹھے رہنا کہاں تک درست ہے؟ اور کیا شریعت نے اس کی تاکید کی ہے؟ اِقامت شروع ہونے پر کھڑے ہوکر صفوں کو درست کرنا کیا خلافِ سنت ہے؟ کیا امام ان کھڑے ہونے والوں کو بیٹھنے کی ہدایت کرسکتا ہے؟ نہ کھڑے ہونے والوں کو خلافِ سنت بتانا کہاں تک درست ہے؟ ایسے امام کے بارے میں کیا رائے ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اقامت کے شروع میں ہی امام ومقتدیوں کا کھڑا ہوجانا خلافِ سنت نہیں ہے، اس بارے میں احادیثِ صحیحہ موجود ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر ابتداء اقامت ہی سے حضراتِ صحابہ کھڑے ہوکر صفیں بنالیا کرتے تھے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالیٰ عنه أن الصلاة كانت تقام لرسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم: فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي صلی اللّٰه عليه وسلم مقامه. (صحیح مسلم ۱/۲۲۰)

لہٰذا جو امام اس طرح کھڑے ہونے کو خلافِ سنت کہتا ہے وہ خود سنت کے خلاف کرنے والا ہے اور کتبِ فقہ میں آداب کے ذیل میں جو ''حی علی الفلاح'' پر کھڑے ہونے کی بات آئی ہے، تو اولاً یہ محض ادب ہے، اس کے خلاف کرنے پر نکیر کی اجازت نہیں۔

ولها أداب تركه لا يوجب إساءة ولا عتاباً كترك السنة الزوائد؛ ولكن فعله أفضل. (درمختار مع الشامي ۱/۴۷۷ کراچی)

دوسرے اس کا مطلب یہ ہے کہ ''حی علی الفلاح'' سے تاخیر نہ کرنی چاہئے۔

والقيام لإمام ومؤتم حين قيل حي على الفلاح (درمختار) والظاهر أنه احتراز عن التاخير لا التقديم، حتى لو قام أول الإقامة لا بأس به. (طحطاوي علی الدر بحواله: إعلاء السنن ۴/۳۲۸)

وقال القاضي عياض رحمه اللّٰه: يجمع بين مختلف هذه الأحاديث بأن بلالاً كان يراقب خروج النبي صلى اللّٰه عليه وسلم من حيث لا يراه غيره أو إلا القليل، فعند أول خروجه يقيم، ولا يقوم الناس حتى يروه، ثم لا يقوم مقامه حتى يعدلوا الصفوف. (شرح النووي على الصحيح لمسلم ۱/۲۲۱)

تیسرے یہ کہ اب یہ طریقہ اہل بدعت کا شعار بن گیا ہے؛ اس لئے اب اس کا ترک

ضروری ہے۔ (دیکھئے: احسن الفتاویٰ ۱/ ۳۰۶، امداد الفتاویٰ ۱/ ۱۸۴، فتاویٰ محمودیہ ۲/ ۱۱۶، فتاویٰ رحیمیہ ۴/ ۳۱۷، فتاویٰ دارالعلوم ۲/ ۱۱۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/ ۴/ ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اقامت کے وقت ''حی علی الفلاح'' پر کھڑا ہونا؟

سوال (۱۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اقامت کے وقت مکبر کھڑے ہوکر تکبیر کہتا ہے اور امام صاحب اور بقیہ نمازی بیٹھے رہتے ہیں، اور جب مکبر حی علی الفلاح کہتا ہے، تو سب کھڑے ہوجاتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ اگر حدیث سے ثابت ہے تو صحیح اور راجح حدیث کیا ہے؟ تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اقامت کے شروع ہوتے ہی امام اور مقتدیوں کو کھڑے ہوکر صفوں کی درستگی کرنا اور نماز کی طرف مسارعت کا ثبوت دینا چاہئے؛ اس لئے کہ صفوں کا سیدھا کرنا واجب ہے، اس بارے میں احادیثِ صحیحہ موجود ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر ابتداء اقامت ہی سے حضراتِ صحابہ کھڑے ہوکر صفیں درست کیا کرتے تھے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالیٰ عنه يقول: أقيمت الصلاة فقمنا فعدلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم. (صحيح مسلم ۱/ ۲۲۰، فتح الباري ۲/ ۱۵۳ بيروت)

اور کتبِ فقہ میں آداب کے ذیل میں جو حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کی بات آئی ہے، تو وہ اولاً محض ادب ہے، اس کے خلاف کرنے والے پر نکیر کی اجازت نہیں۔

ولها آداب تركه لا يوجب إساءة ولا عتاباً كترك السنة الزوائد ولكن فعله أفضل. (درمختار ٤٧٧ كراچی، درمختار مع الشامي ۲/ ١٥٤ بيروت)

ثانیاً اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حی علی الفلاح سے تاخیر نہ کی جائے، جیسا کہ علامہ طحطاوی نے وضاحت فرمائی ہے۔

قال العلامة الطحطاوي: والظاهر أنه احتراز عن التاخير لا التقدم حتى لو قام أول الإقامة لا بأس. (طحطاوی علی الدر ۱/ ۳۳۱ بحواله: إعلاء السنن ٤/ ٣٤٥ بيروت)

ثالثاً یہ بات ہے کہ اب یہ طریقہ اہلِ بدعت کا شعار بن گیا ہے؛ اس لئے اس کا ترک لازم اور ضروری ہے۔

إن المندوب ربما انقلب مكروهًا إذا خيف أن يرفع عن رتبته. (مجمع بهار الأنوار ٢/ ٢٤٤)

اس مسئلہ کو ہمارے اکابر نے بھی بڑے شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے، جس کی تفصیل درج ذیل کتبِ فتاویٰ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۱/۱۸۴، جواہر الفقہ ۱/۳۱۴، فتاویٰ دار العلوم ۲/۱۱۳، احسن الفتاویٰ ۲/۳۰۶، فتاویٰ رحیمیہ ۴/۳۲۷، کفایۃ المفتی ۳/۱۴، فتاویٰ محمودیہ ۲/۱۱۶) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۶/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کے سلسلہ میں امام محمدؒ کے قول کا مطلب؟

سوال (۱۴۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: **قال محمد ينبغي للقوم إذا قال المؤذن حي على الفلاح أن يقوموا إلى الصلاة، إذا أقيمت الصلاة فلا تقوموا حتى تروني.** (مؤطا إمام محمد ٨٨-٨٩)

اس قول اور حدیث کی تشریح فرمایئے، یہ حدیث اور قول صحیح نہیں ہے، تو امام محمد کا قول لغو اور بیکار ہو جائے گا، اگر یہ قول صحیح ہے تو اثبات فرمایئے ورنہ منفیت کا حکم دیجئے۔ زید مثبت کہتا ہے اور بکر منفی کہتا ہے، ان دونوں کے بارے میں شریعت کیا حکم دیتی ہے؟ اس حدیث کے بارے میں

آپ مفصل لکھئے؟ زید یہ کہتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور ضعیف حدیث پر عمل کرنا فضائل میں صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو عمل کرنا چاہئے، اور تارکِ حدیث اور تارکِ قول محمدؒ کے بارے میں حکم فرمایئے، کافر ہیں یا منکر؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: امام محمدؒ نے جہاں مذکورہ عبارت لکھی ہے وہیں آگے یہ بھی تحریر فرمایا ہے: **فإذا أقام المؤذن للصلاة كبر الإمام.** (مؤطا إمام محمدؒ ۸۹) یعنی جب مؤذن "**قد قامت الصلاة**" کہے تو فوراً امام تکبیر تحریمہ کہہ دے؛ لیکن ظاہر ہے کہ امام محمدؒ کے بتائے ہوئے اس ادب پر کہیں عمل نہیں کیا جاتا، اور تکبیر پوری ہونے کے بعد ہی نماز شروع کی جاتی ہے، اور اس تاخیر کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ مؤذن کی تکبیر اولیٰ نہ فوت ہوجائے، تو جب ایک مؤذن کی رعایت میں اس ادب کو چھوڑا جاسکتا ہے تو صفیں درست کرنے کے لئے پہلے ادب کو بھی چھوڑنے کی اجازت ہونی چاہئے۔ ایک ادب پر تو اس قدر اصرار کہ نہ کرنے والے پر نکیر ہو، اور دوسرے ادب سے پہلو تہی انصاف کے خلاف ہے۔

نیز احادیث سے اس بات کا ثبوت ہے کہ شروع تکبیر سے حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم صفیں بنا کر کھڑے ہوگئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نکیر نہیں فرمائی؛ لہٰذا شروع تکبیر سے کھڑے ہونے کو خلافِ سنت ہرگز نہیں کہا جاسکتا، اور حدیث: **إذا أقيمت الصلاة فلا تقوموا حتى تروني** صحیح ہے، اور یہ حکم اُمت پر شفقت کے لئے آپ نے دیا تھا کہ کہیں آپ کو آنے میں کوئی عارض پیش آجائے اور لوگ کھڑے کھڑے انتظار کرتے رہیں۔

قال العلماء: والنهي عن القيام قبل أن يرده لئلا يطول عليهم القيام؛ لأنه قد يعرض له عارض فيتأخر بسببه. (عمدة القاري ١٥٣/٥-١٥٤)

نیز فقہاء حنفیہ کے نزدیک یہ حکم (امام کو دیکھ کر کھڑے ہونے) کا حکم اس وقت ہے جب

امام مسجد کے باہر سے حجرہ وغیرہ سے آرہا ہو،اس اعتبار سے تو جب امام مسجد میں آئے تو اسے دیکھ کر کھڑے ہو جانا چاہئے؛ لیکن امام کے آتے وقت جماعت کا نہ کھڑا ہونا اور امام کا آکر سیدھے مصلیٰ پر بیٹھ جانا، پھر مؤذن کا تکبیر کہنا، اور حی علی الفلاح پر سب مقتدیوں کا کھڑے ہونا اس تفصیل کے ساتھ کسی ضعیف حدیث سے بھی ثبوت نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجرۂ مبارکہ سے تشریف لاکر سیدھے مصلیٰ پر قیام فرما ہوتے تھے، اور آپ کو دیکھتے ہی تکبیر شروع ہو جاتی تھی، آپ کا تشریف لاکر مصلیٰ پر بیٹھنا پھر کھڑا ہونا کہیں ثابت نہیں ہے، اسی طرح جمعہ کے دن خطبہ کے بعد مصلیٰ پر بیٹھنا اور پھر حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا حدیث وفقہ کہیں سے ثابت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۷/۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر بریلوی مسجد میں نماز پڑھانے کا اتفاق ہو تو کیا ان کے طریقوں پر عمل کیا جائے گا؟

سوال (۱۴۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر زید کسی بدعتی کی مسجد میں چلا جائے اور وہاں کے لوگ اس کو امام بنا دیں اور تکبیر کے وقت سب لوگ بیٹھے رہیں، اور یہ خوف ہو کہ اگر زید تکبیر کے وقت نہیں بیٹھا، تو لوگ فساد کریں گے یا کسی مسجد میں فجر کی نماز کے بعد سلام ہوتا ہو اور زید اپنا ذکر کر رہا ہو یا بیٹھا ہوا ہو اور یہ خوف ہو کہ اگر زید سلام میں نہ شریک ہوا تو لوگ اس سے جھگڑیں گے، تو ایسے موقع پر زید کو کیا کرنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تکبیر کے وقت باقاعدہ مصلیٰ پر بیٹھنا اور حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا، اسی طرح سلام کے وقت کھڑے ہونے کا التزام حدیث سے ثابت نہیں ہے؛ لہٰذا کوئی ایسا عمل نہ کیا جائے جو حدیث کے خلاف ہو اور جو لوگ فساد کریں، انہیں حکمتِ عملی سے سمجھایا جائے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۳۰۵/۲)

﴿ادْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ﴾ [النحل: ۱۲۵]

فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص مكروهاً. (سباحة الفكر مع مجموعة الرسائل الست ۷۲، فتح الباري ۶۰۹/۲ بيروت، مرقاة المفاتيح ۱۴/۲، فتاویٰ محمودیہ ۳۰۱/۱۱ میرٹھ) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۷/۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اقامت سے پہلے صفیں درست کرنا؟

سوال (۱۴۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم نے سنا ہے کہ نماز کے واسطے اقامت سے قبل صفیں درست کرنا واجب ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ثابت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صفوں کی درستگی واجب کے درجہ کی چیز ہے، بخاری شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

سوّوا صفوفكم فإن تسوية الصفوف من إقامة الصلاة. (صحيح البخاري ۱۰۰/۱)

یعنی صفیں درست کیا کرو؛ اس لئے کہ صفوں کا درست کرنا نماز کے قائم کرنے میں شامل ہے، تاہم یہ ضروری نہیں ہے کہ اقامت شروع ہونے سے قبل تمام صفیں درست ہوجائیں؛ بلکہ مقصود یہ ہے کہ تکبیرِ اولیٰ سے قبل صفیں ٹھیک ہوجانی چاہئیں اور یہ اسی وقت ہوگا جب کہ ابتداء اقامت سے مقتدی کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کرنے کا اہتمام کریں۔ **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۵/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

صفوں کی درستگی کے لئے ابتداءِ اقامت سے کھڑا ہونا؟

سوال (۱۴۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید امام ہے اور خالد، بکر، عمر وغیرہ مقتدی ہیں، اور جب مکبر اقامت کہنا شروع کرتا ہے تو مکبر کے ساتھ ہی امام اور مقتدی بھی کھڑے ہوجاتے ہیں، ان حضرات کے لئے کس وقت کھڑا ہونا سنت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز میں صفوں کی درستگی کی بڑی اہمیت ہے اس کا پوری طرح لحاظ جبھی ہوسکتا ہے جب کہ ابتداء اقامت سے ہی نماز میں کھڑا ہوجائے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کا ابتداء اقامت سے کھڑا ہونا منقول ہے، اور فقہاء نے حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے کو جو مستحب لکھا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کھڑے ہونے میں اس سے تاخیر نہ کی جائے؛ لہٰذا مقتدیوں کا امام کے ساتھ ابتداء تکبیر سے کھڑے ہوجانا صحیح اور شریعت کے مطابق ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۳۰۶/۲-۳۱۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۴/۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَذان واِقامت کا جواب دینا

اَذان کا جواب دینا باعثِ ثواب ہے

سوال (۱۴۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا اذان کا جواب دینا ضروری ہے؟ اگر کوئی شخص اذان سن کر جواب نہ دے، تو کیا وہ گنہگار ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان کا جواب دینا بہت ثواب کا عمل ہے۔ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''جو شخص اخلاص کے ساتھ مؤذن کے کلمات اذان دہرائے اور حي علی الصلاۃ اور حي علی الفلاح کے جواب میں لا حول ولا قوۃ إلا باللّٰہ العلي العظیم کہے، تو ان شاء اللہ وہ جنت میں داخل ہوگا''۔

عن حفص بن عاصم بن محمد بن خطاب عن أبیه عن جده عمر بن خطاب رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إذا قال المؤذن اللّٰه أکبر اللّٰه أکبر، فقال أحدکم: اللّٰه أکبر اللّٰه أکبر، ثم قال: أشهد أن لا إله إلا اللّٰه، قال: أشهد أن لا إله إلا اللّٰه، ثم قال: أشهد أن محمد رسول اللّٰه، قال: أشهد أن محمد رسول اللّٰه، ثم قال: حي علی الصلاة، قال: لا حول ولا قوة إلا باللّٰه، ثم قال: حي علی الفلاح، قال: لا حول ولا قوة إلا باللّٰه، ثم قال: اللّٰه أکبر اللّٰه أکبر، قال: اللّٰه أکبر اللّٰه أکبر، ثم قال: لا إله إلا اللّٰه، قال: لا إله إلا اللّٰه من قلبه دخل الجنة. (صحیح مسلم ۱/۱۶۷، سنن بیهقي ۱/۶۰۲)

اور جو شخص اذان کے بعد یہ دعائے وسیلہ پڑھے اس کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کی شفاعت نصیب ہوگی:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَانِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَاماً مَّحْمُوْدَانِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ. (صحيح البخاري ١/٨٦)

ترجمہ: ''اے اللہ! اے اس مکمل دعوت اور قائم شدہ نماز کے مالک! محمد ﷺ کو مقام وسیلہ (جو جنت کا سب سے اعلیٰ مقام ہے) اور فضیلت اور برتری سے سرفراز فرمایئے، اور آپ کو اس مقام محمود پر فائز فرمایئے جس کا آپ نے وعدہ فرمایا ہے''۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''یہ بڑے ظلم کی بات ہے کہ آدمی مؤذن کی اذان سن کر اس کا جواب نہ دے''۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من الجفاء أن تسمع المؤذن فلا تقول مثل ما يقول. (رواه الطبراني في كتاب الدعاء ١٦٥ رقم: ٤٨١ بيروت)

تاہم فقہاء احناف نے اس بارے میں بحث فرمائی ہے کہ زبان سے اذان کے جواب دینے کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟ تو اس بارے میں دو نقطۂ نظر پائے جاتے ہیں:

(۱) علامہ ابن الہمامؒ اور صاحبِ درمختار علامہ علاء الدین حصکفیؒ وغیرہ حضرات کے نزدیک اذان سننے والے کے لئے زبان سے جواب دینا واجب ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جو شخص بلا عذر جواب نہ دے، وہ ایک واجب کا ترک کرنے کی وجہ سے گنہگار رہوگا۔

(۲) اس کے برخلاف علامہ شمس الائمہ حلوائیؒ وغیرہ حضرات کا موقف یہ ہے کہ اذان سننے پر مسجد یا جماعت کی طرف چل کر جانا یعنی عملاً جواب دینا لازم ہے؛ لیکن زبان سے جواب دینا مسنون اور مستحب ہے، اس قول کے اعتبار سے جو شخص اذان سن کر بلا عذر جواب نہ دے، وہ صرف خلافِ اولیٰ کا مرتکب ہوگا، گنہگار نہ کہلائے گا۔ علامہ شامیؒ نے بحث کر کے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

والظاهر وجوبها باللسان لظاهر الأمر في حديث ''إذا سمعتم المؤذن

فقولوا مثل ما يقول'' كما بسط في البحر، وأقره المصنف، وقواه في النهر ناقلاً عن المحيط وغيره. (درمختار ۲/ ۶۹- ۷۰ زکریا)

وفي الشامي: قوله: (والظاهر وجوبها باللسان) كذا قاله في فتح القدير معللاً بأنه لم تظهر قرينة تصرف الأمر عن الوجوب ...... الخ. نعم! أخرج الإمام أبو جعفر الطحاوي في كتابه شرح الآثار: بسنده إلى عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: كنا مع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في بعض أسفاره فسمع منادياً، وهو يقول: ''اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر''، فقال صلى اللّٰه عليه وسلم: ''على الفطرة''، فقال: ''أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه''، فقال صلى اللّٰه عليه وسلم: ''خرج من النار''. فابتدرناه، فإذا صاحب ماشية أدركته الصلاة، فنادىٰ بها. قال أبو جعفر: فهٰذا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: غير ما قال المنادي، فدل أن الأمر للاستحباب والندب كأمره بالدعاء في أدبار الصلوات ونحوه، فهٰذه قرينة صارفة للأمر عن الوجوب، وبهٖ تأيد ما صرح به جماعة من أصحابنا من عدم وجوب الإجابة باللسان، وأنها مستحبة، وهٰذا ظاهرٌ في ترجيح قول الحلواني، وعليه مشىٰ في الخانية والفيض، ويدل عليه قوله صلى اللّٰه عليه وسلم ''إذا سمعتَ النداء فأجب داعي اللّٰه''، وفي رواية: ''فأجب وعليك السكينة''. ويكفي في ترجيحه الأدلة على وجوب الجماعة، فإنك علمت أن قول الحلواني مبني على أن الإجابة لقصد الجماعة، والذي ينبغي تحريره في هٰذا المحل أن الإجابة باللسان مستحبة، وأن الإجابة بالقدم واجبة، إن لزم من تركها تفويت الجماعة ...... الخ. (شامي ۲/ ۶۹ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۶/۳/۲ ۱۴۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اذان پوری ہونے کے بعد ایک ساتھ جواب دینا؟

سوال (۱۴۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حدیث میں جو اذان کے جواب دینے کی فضیلت آئی ہے، تو میرا سوال یہ ہے کہ مؤذن کے کلمہ کو سن کر فوراً جواب دینے ہی سے یہ فضیلت حاصل ہوگی یا اگر کوئی شخص پوری اذان ہونے تک خاموش رہے یا اپنے کام میں مشغول رہے، اور پھر اذان ختم ہونے پر ایک ساتھ سب کلمات دہرادے، تو کیا اس کو بھی جواب دینے کی فضیلت ہو جائے گی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اولیٰ بات تو یہی ہے کہ جو کلمہ مؤذن سے سنتا رہے، فوراً جواب دیتا رہے؛ تاہم اگر شروع میں خاموش رہا اور اذان کی تکمیل کے بعد زیادہ فصل کئے بغیر اذان کے کلمات دہرالئے، تو امید ہے کہ اس کو بھی اذان کے جواب دینے کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔

ولو لم يجبه حتى فرغ لم أر، وينبغي تدارك إن قصر الفصل. (درمختار)

وفي الشامي: وصرح به ابن حجر في شرح المنهاج حيث قال: فلو سكت حتى فرغ كل الأذان ثم أجاب قبل فاصل طويل، كفى في أصل سنة الإجابة، كما هو ظاهر. (شامي ٦٧/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۳/۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کن حالتوں میں اذان کا جواب دینا منع ہے؟

سوال (۱۵۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کن کن حالتوں میں اذان کا جواب دینا منع ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آٹھ حالتوں میں اذان کا جواب دینا منع ہے:

(۱) حالت نماز میں (۲) جمعہ وعیدین کے خطبہ کے دوران (۳) نماز جنازہ کے دوران (۴) دینی تعلیم کے وقت (۵) ہم بستری کی حالت میں (۶) غسل خانہ میں (۷) پیشاب کرتے وقت (۸) قضاء حاجت کے وقت۔

وفي المجتبى: في ثمانية مواضع إذا سمع الأذان لا يُجيب: في الصلوٰة وثلاث خطب الموسم، والجنازة، وفي التعلم العلم وتعليمه، والجماع، والمستراح وقضاء الحاجة والتغوط. (البحر الرائق ۱/ ۲٦۰)

ويجيب وجوباً مع سمع الأذان ولو جنباً لا حائضاً ونفساء وسامع خطبة وفي صلاة جنازة وجماع، ومستراح وأكل وتعليم علم وتعلمه (درمختار) قال الشامي: قوله: لا حائضًا ولا نفساء: لأنهما ليسا من أهل الإجابة بالفعل بخلاف الجنب؛ لأن حدثه أخف من الحيض والنفاس لا مكان إزالته شريعا، قوله: مستراح: أي بيت الخلاء، قوله: وتعليم علم، أي شرعي فيما يظهر ولذا عبر في الجوهرة: بقراءة الفقه. (درمختار مع الشامي ۱/ ۳۹٦ كراچی، ۲/ ٦۵-٦٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۱۶/۸/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دورانِ تلاوت اَذان شروع ہوجائے تو کیا کرے؟

سوال (۱۵۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر قرآنِ کریم کی تلاوت کے دوران اذان شروع ہو جائے تو کیا جواب دینا ضروری ہے؟ یا تلاوت کو جاری رکھنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اذان کے وقت مسجد میں تلاوت کر رہا ہے تو تلاوت جاری رکھنے کی اجازت ہے، اذان کا جواب دینا اس پر لازم نہیں؛ البتہ مستحب ہے، اور اگر

اذان کے وقت مکان میں ہو تو یہ دیکھے کہ اس کے محلّہ کی مسجد کی اذان ہے یا دوسری مسجد کی، اگر دوسرے محلّہ کی مسجد کی اذان ہے تو اس کا جواب نہ دے اور اگر اسی محلّہ کی مسجد کی اذان ہے تو تلاوت موقوف کر کے اذان کا جواب دینا چاہئے۔

عن أبی سعید الخدری ﷺ أن رسول اللّٰہ ﷺ قال: إذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما یقول المؤذن. (صحیح البخاري ۱/۸٦)

ولا یشتغل بقراءۃ القرآن، ولا بشيء من الأعمال سوی الإجابۃ، ولو کان في القراءۃ ینبغي أن یقطع ویشتغل بالاستماع والإجابۃ، کذا في البدائع.

(الفتاویٰ الهندیة ۱/۵۷)

فیقطع قراءۃ القرآن لو کان یقرأ بمنزله ویجیب لو أذان مسجده، وأما عندنا فیقطع ویجیب باللسان مطلقاً، والظاهر وجوبها باللسان لظاهر الأمر في حدیث: ''إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول''. (درمختار مع الشامي ۱/۳۹۸ کراچی، شامي ۲/٦۹ زکریا، بدائع الصنائع، الصلاۃ / فصل فیما یجب علی السامعین ۱/٦٦۰ بیروت، الفتاویٰ التاتارخانیة ۲/۱۵٤ رقم: ۲۰۱۱ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۳٦/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

وضو کے درمیان اذان کا جواب دینا؟

سوال (۱۵۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: وضو کے درمیان اذان کا جواب دینا ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وضو کرتے ہوئے اذان شروع ہو جائے تو وضو کرتے ہوئے بھی اذان کا جواب دینا چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۹/۱۳۳ میرٹھ)

عن أبي سعيد الخدري ﷺ أن رسول الله ﷺ قال: إذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما يقول المؤذن. (صحيح البخاري ۸٦/۱)

المستفاد: ولا يشتغل بقراءة القرآن، ولا بشيء من الأعمال سوى الإجابة، ولو كان في القراءة ينبغي أن يقطع ويشتغل بالاستماع والإجابة، كذا في البدائع. (الفتاویٰ الهندية ۵۷/۱)

فيقطع قراءة القرآن لو كان يقرأ بمنزله ويجيب لو أذان مسجده.

(درمختار مع الشامي ۳۹۸/۱ کراچی، شامي ۶۹/۲ زکریا، بدائع الصنائع ۶۶۰/۱ بیروت، الفتاویٰ التاتارخانية ۱۵٤/۲ رقم: ۲۰۱۱ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۶/۶ھ

کھانے کے دوران اَذان کا جواب دینا؟

سوال (۱۵۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر ہم کھانا کھارہے ہیں اور درمیان میں اذان ہوجائے، تو کیا کھانا کھانے کے درمیان اذان کا جواب دے سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کھانے کے دوران اذان ہونے کی صورت میں جواب دینا ضروری نہیں ہے؛ لیکن اگر کھاتے ہوئے جواب دے دیں، تو کوئی حرج بھی نہیں۔

وكذا لا تجب الإجابة عند الأكل. (البحر الرائق ۲٦۰/۱ کوئٹہ)

ويجيب من سمع الأذان لا حائضا ونفساء ...... وأكل. (درمختار مع الشامي ۳۹٦/۱ کراچی، ۶۵/۲-۶۶ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۴/۲۳ھ

دورانِ اذان دعا میں مشغول رہنا؟

سوال (۱۵۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص قبل الاذان دعا میں مشغول تھا تو کیا اذان سننے کے بعد اس کو فوراً دعا منقطع کرنا چاہئے یا اسی طرح اپنی مناجات میں مشغول رہے، نیز ایسے شخص کے لئے اذان کا جواب دینا ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان سن کر دعا روک کر اذان کا جواب دینا چاہئے، مستحب یہی ہے۔

ولا يشتغل بقراءة القرآن، ولا بشيء من الأعمال سوى الإجابة، ولو كان في القراءة ينبغي أن يقطع ويشتغل بالاستماع والإجابة، كذا في البدائع.

(الفتاویٰ الهندية ۱/ ۵۷)

فيقطع قراءة القرآن لو كان يقرأ بمنزله ويجيب لو أذان مسجده.

(درمختار مع الشامي ۱/ ۳۹۸ کراچی، شامي ۲/ ۶۹ زکریا، بدائع الصنائع ۱/ ۶۶۰ بیروت، الفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ۱۵۴ رقم: ۲۰۱۱ زکریا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۴/۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اذان سننے والے کو سلام کرنا؟

سوال (۱۵۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اذان سننے والے کو سلام کرنا کیسا ہے؟ فتاویٰ دارالعلوم میں عدم کراہت کی صراحت ہے؛ لیکن اگر حالتِ اذان میں سوائے مؤذن کے اور کسی کو سلام کرے تو مکروہ نہیں ہے۔

حاصلها أنه يأثم بالسلام على المشغولين بالخطبة ...... أو الأذان

والإقامة. (شامی ۱/۶۱۸ بیروت)

اورشامی میں باب **شروط الصلاۃ** سے پہلے:

قوله: لایرد السلام لم أره في النهر، وفي التحفة: ینبغي للسامع أن لا یتکلم، ولایشتغل بشيء في حالة الأذان والإقامة، ولا یرد السلام أیضا؛ لأن الکل یخل بالنظم. (شامي ۱/۳۹۹ بیروت)

شامی کی مذکورہ عبارت سے سلام کا جواب نہ دینا چاہئے، اس بارے میں مفتی بہ قول کیا ہے؟ آیا سلام کرسکتے ہیں یانہیں؟ اگر جواب مثبت میں ہے تو اب سامع پرسلام کا جواب دینا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: بہتر یہی ہے کہ جوآدمی غور سے اذان سن رہا ہے اور اس کے جواب میں مشغول ہو، تو اسے سلام نہ کیا جائے، اوراگرسلام کرلیا جائے تو اس کے لئے اجازت ہے کہ جواب نہ دے۔

ولایرد السلام أیضاً. (شامي ۲/۷۰ زکریا، فتاویٰ دار العلوم ۲/۱۳۰، أحسن الفتاویٰ ۲/۲۸۳)

نقل العلاء رحمه اللّٰه عن النهر معزیا إلی المحیط وغیره أنه لا یرد السلام ولا یسلم ولا یقرأ؛ بل یقطعهما ویجیب ولا یشتغل بغیر الإجابة. (شامي ۱/۱۷۱ کراچی، أحسن الفتاویٰ ۱/۲۸۸)

حاصلها أنه یأثم بالسلام علی المشغولین بالخطبة ...... أو الأذان والإقامة. (شامي ۱/۶۱۸ بیروت)

قوله: لایرد السلام لم أره في النهر، وفي التحفة: ینبغی للسامع أن لایتکلم، ولایشتغل بشيء في حالة الأذان والإقامة، ولا یرد السلام أیضا؛ لأن الکل یخل بالنظم. (شامی ۱/۳۹۹ بیروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۷/۳/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَذان کے دوران وظیفہ پڑھنا اور دعا مانگنا؟

سوال (۱۵٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اذان کے دوران کوئی وظیفہ پڑھنا یا دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہتر ہے کہ اذان کے وقت دیگر کسی وظیفے وغیرہ میں مشغول نہ رہا جائے۔

ولا يشتغل بقراءة القرآن، ولا بشيء من الأعمال سوى الإجابة. (الفتاویٰ الهندية ۵۷/۱)

فيقطع قراءة القرآن لو كان يقرأ بمنزله ويجيب لو أذان مسجده.

(درمختار مع الشامي ۳۹۸/۱ كراچی، شامي ٦۹/۲ زكريا، بدائع الصنائع ٦٦٠/۱ بيروت، الفتاویٰ التاتارخانية ۱۵٤/۲ رقم: ۲۰۱۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۳/۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اقامت کا جواب دینا؟

سوال (۱۵۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا جس طرح اذان کا جواب دیا جاتا ہے، اسی طرح اقامت کا جواب بھی دینا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں! تکبیر کا بھی جواب دینا مستحب ہے۔

ويجيب الإقامة ندبا إجماعاً كالأذان ويقول عند قد قامت الصلاة "أقامها اللّٰه وأدامها". (درمختار مع الشامي، الصلاة / باب الأذان، قبيل شروط الصلاة كراچی ٤۰۰/۱، ۷۱/۲ زكريا)

وفي فتح القدير: أن إجابة الإقامة مستحبة. (البحر الرائق ۲۵۹/۱، الفتاویٰ الهندية ۵۷/۱)

وشـروع الإمـام في الصلاة مذ قيل "قد قامت الصلاة" ولو أخر حتى أتمها لا بـأس به إجماعا وهو أعدل المذاهب ...... وفي القهستاني معزياً للخلاصة أنه الأصح (درمـختـار) لأن فيـه مـحافظة على فضيلة المؤذن وإعانة له على الشروع مع الإمام.

(درمختار، باب صفة الصلاة / آداب لاصلاة ۱۷۷/۲-۱۷۸ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴/۱۱/۱۴۱۹ھ

اَذان واِقامت میں شہادتین کے بعد جواب میں درود شریف پڑھنا؟

ســوال (۱۵۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اذان واقامت میں جواب میں **أشهد أن محمداً رسول اللّٰه** کے جواب میں اگر "صلی اللہ علیہ وسلم" کہہ دیا اور بعینہٖ اسی کلمہ کو نہ دہرایا، تو کیا شرک ہوجائے گا، نیز اذان واقامت میں شہادتین کے جواب میں درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟ سنت ہے یا مستحب یا صرف ادب ہے؟

(۲) کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے بعد بھی اگر "صلی اللہ علیہ وسلم" کہا، تو کیا یہ بھی شرک ہوجائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجـواب وباللّٰه التوفيق: (۱-۲) شہادت اذان اور کلمہ طیبہ میں ذکرِ نبوی "صلی اللہ علیہ وسلم" کے بعد درود شریف پڑھنا شرک نہیں ہے۔

البتہ اَحادیثِ صحیحہ میں کلماتِ اذان کے جواب میں بعینہٖ اُنہیں کلمات کو دہرانے کی بڑی فضیلت وارد ہوتی ہے، اس لئے اذان واقامت میں شہادتین کے جواب میں شہادتین ہی کو دہرانا مسنون ہے، درود شریف پڑھنا مسنون نہیں، درود شریف پر مشتمل دعا اذان کے بعد پڑھنی مسنون ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲۷۸/۲، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۹۴۲/۲)

عن عبد اللّٰه بن عمرو بن العاص رضي اللّٰه تعالیٰ عنه أنه سمع النبي صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم یقول: إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول: ثم صلوا عليّ. (صحیح مسلم ۱/۱۶۶)

یستحب أن یقال عند سماع الأول من الشهادة "صلی اللّٰه علیک یا رسول اللّٰه" وعند الثانیة منها: قرت عیني بک یا رسول اللّٰه. (شامي ۱/۳۹۸ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۴/۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اذان میں "اشہدان محمد رسول اللہ" کے جواب میں درود شریف پڑھنا ثابت نہیں

سوال (۱۵۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر مؤذن نے اذان کے دوران "اشہدان محمد رسول اللہ" پڑھا، تو کیا عوام کے لئے "صلی اللہ علیہ وسلم" کہنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان میں "اشہدان محمدا رسول اللہ" کے جواب میں درود شریف پڑھنا مسنون نہیں ہے؛ بلکہ صرف اسی کلمہ کو دہرانا مسنون ہے؛ البتہ پوری اذان ختم ہونے کے بعد دعاء وسیلہ (جو اعلیٰ درجہ کا درود شریف ہے) کی تاکید وارد ہے، اس لئے عوام وخواص سب کو چاہئے کہ وہ شہادتین کے وقت درود شریف پڑھنے کے بجائے اذان کے ختم ہونے کے بعد درود شریف پڑھنے کا اہتمام کریں۔

وعن عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إذا قال المؤذن : "اللّٰه أکبر" فقال أحدکم: اللّٰه أکبر اللّٰه أکبر، ثم قال:

''أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه'' قال: أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه، ثم قال: ''أشهد أن محمد رسول اللّٰه'' قال: ''أشهد أن محمدا رسول اللّٰه'' ثم قال: ''حي على الصلاة'' قال: لا حول ولا قوة إلا باللّٰه، ثم قال: ''حي على الفلاح'' قال: لا حول ولا قوة إلا باللّٰه، ثم قال: ''اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر'' قال: اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر، ثم قال: ''لا إلٰه إلا اللّٰه'' قال: لا إلٰه إلا اللّٰه من قلبه دخل الجنة. (صحيح مسلم ١٦٧/١، السنن الكبرىٰ ٦٠٢/١ رقم: ١٩٢٦، الترغيب والترهيب ٢٥٤/١، رقم: ٣٨٦)

عن عبد اللّٰه بن عمرو بن العاص رضي اللّٰه عنه أنه سمع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول، ثم صلوا علي، فإنه من صلى علي صلاة صلى اللّٰه عليه بها عشرا، ثم سلوا اللّٰه لي الوسيلة، فإنها منزلة في الجنة لا ينبغي إلا لعبد من عباد اللّٰه، وأرجو أن أكون أنا هو، فمن سأل اللّٰه لي الوسيلة حلت عليه الشفاعة. (سنن أبي داؤد ٧٧/١-٧٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۴/۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حیعلتین کے جواب میں ''لاحول ولاقوۃ'' پڑھنا؟

سوال (۱۶۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اذان کے جواب میں حی علی الصلوٰۃ کے جواب میں ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ'' پڑھتے ہیں، اگر مسجد کے اندر ہو تو کیا پڑھنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اذان میں ''حی علی الصلوٰۃ'' اور ''حی علی الفلاح'' کے جواب میں مطلقاً ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ'' کہنا مستحب اور مسنون ہے، اور جو شخص اذان کے وقت مسجد میں موجود ہو، اس کے لئے اگر چہ زبانی جواب دینے کی زیادہ تاکید نہیں ہے؛ لیکن پھر بھی اگر

وہ جواب دیتے ہوئے ''لاحول ولاقوۃ الاباللہ'' پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا قال المؤذن ...... حي على الصلاة قال: لا حول ولا قوة إلا باللّٰه، ثم قال: حي على الفلاح قال: لا حول ولا قوة إلا باللّٰه ...... من قلبه دخل الجنة.

(صحيح مسلم ١٦٧/١ رقم: ٣٨٥)

ولو كان في مسجده حين سمعه ليس عليه الإجابة، ولو كان خارجه أجاب بالمشي إليه بالقدم ...... الخ، كما هو قول الحلواني. وعليه فيقطع قراءة القرآن لو كان يقرأ بمنزله، ويجيب لو أذان مسجده كما يأتي ولو بمسجد لا؛ لأنه أجاب بالحضور، وهٰذا متفرع على قول الحلواني، وأما عندنا فيقطع ويجيب بلسانه مطلقاً (درمختار) وقال الشامي بحثًا: والذي ينبغي تحريره في هٰذا المحل أن الإجابة باللسان مستحبة، وأن الإجابة بالقدم واجبة إن لزم من تركها تفويت الجماعة ...... الخ. (شامي ٦٩/٢ زكريا)

وأما الحوقلة عند الحيعلة فهو وإن خالف ظاهر قوله عليه السلام: فقولوا مثل ما يقول، لكنه ورد فيه حديث مفسر لذٰلك رواه مسلم واختاره المحقق ابن الهمام في فتح القدير: الجمع بين الحوقلة والحيعلة عملاً بالأحاديث. (البحر الرائق ٢٥٩/١، فتح القدير ٢٤٨/١، مراقي الفلاح ١٦٤، شامي ٦٧/٢ زكريا)

وعند قوله: حي على الصلاة حي على الفلاح يقول: لا حول ولا قوة إلا باللّٰه ما شاء اللّٰه كان. (الفتاویٰ التاتارخانية ١٥٣/٢ رقم: ٢٠٠٨ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۴/۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کا جواب؟

سوال (۱۶۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کے جواب میں کیا پڑھنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فجر کی اذان میں جب مؤذن ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کہے تو اس کے جواب میں کیا کہا جائے؟ اس کے متعلق حدیث میں کوئی صراحت منقول نہیں ہے؛ البتہ بعض سلف سے منقول ہے کہ سننے والوں کو جواب میں ''**صدقتَ وبررتَ**'' (تونے سچ کہا اور تونے نیکی کا کام کیا) کے الفاظ کہنے چاہئیں اور بعض علماء نے اس میں یہ بھی بڑھایا ہے: **وبالحق نطقتَ** (تونے حق بات زبان سے نکالی)

وفي ''الصلاة خير من النوم'' فيقول: صدقت وبررت. (درمختار) ونقل الشيخ اسماعيل عن شرح الطحاوي زيادة ''وبالحق نطقت''. (شامي ٢/٦٧ زكريا، شامي ٢/٦٢ بيروت)

قال الرافعي: ولم يرد حديث اٰخر في ''صدقت وبررت''؛ بل نقلوه عن بعض السلف. (تقريرات رافعي ٢/٤٧)

وفي التحفة: وإذا قال المؤذن ''الصلاة خير النوم'' لا يقوله السامع؛ لأن فيه شبه المحاكاة كما في قوله ''حي على الصلاة، حي على الفلاح'' بل يقول: صدقت وبررت. (الفتاویٰ التاتارخانية ٢/١٥٣ رقم: ٢٠٠٨ زكريا، الفتاویٰ الهندية ١/٥٠٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اذان کے بعد پڑھی جانے والی دعا

سوال (۱۶۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اذان میں ان تینوں دعاؤں کو پڑھنا سنت ہے، جسے مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی نے ''مسائل اذان'' میں صفحہ ۹۸ / پر لکھا ہے، یا صرف **اللّٰهم رب هٰذه الخ** دعا پڑھنا سنت ہے، اور اگر کوئی صرف **اللّٰهم الخ** دعاء پڑھے تو کیا حکم ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان کے بعد اللّٰھم رب ھٰذہ الدعوۃ التامۃ الخ، حدیث سے ثابت ہے، اگر صرف اسی دعا پر اکتفاء کیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ ساری ثابت شدہ دعائیں پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

ویدعو ...... **رواہ البخاري وغیرہ، من قال حین یسمع النداء: اللّٰھم رب ھٰذہ الدعوۃ التامۃ والصلاۃ القائمۃ اٰت محمد ن الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاماً محموداً ن الذي وعدتہ حلت لہ شفاعتي یوم القیامۃ، وزاد البیھقي في اٰخرہ: إنک لا تخلف المیعاد.** (شامي ۲/۶۸ زکریا)

عن جابر بن عبد اللّٰہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: من قال حین یسمع النداء: اللّٰھم رب ھٰذہ الدعوۃ التامۃ والصلاۃ القائمۃ اٰت محمد ن الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاماً محموداً الذي وعدتہ. حلت لہ شفاعتي یوم القیامۃ. (صحیح البخاري ۱/۸۶ رقم: ۶۰۶، سنن الترمذي ۱/۵۱، سنن أبي داؤد ۱/۷۸، سنن النسائي ۱/۷۹، مشکوٰۃ المصابیح ۶۵، إعلاء السنن ۲/۱۱۰)

دلالۃ أحادیث الباب ظاھرۃ، والأمر محمول علی الاستحباب. إعلاء السنن ۲/۱۱۰ إدارۃ القرآن کراچی، ملتقی الأبحر ۱/۷۸ بیروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۱/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَذان کی دعا کی فضیلت

سوال (۱۶۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اذان کی دعا کی فضیلت کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان کی دعا کے بارے میں حدیث شریف میں بہت بڑی فضیلت آئی ہے، چناں چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ جوشخص اذان سننے کے بعداس کی دعاپڑھے گا،تو ایسے شخص کے لئے قیامت کےدن میری شفاعت واجب ہوجائے گی۔

عن جابر بن عبد اللّٰہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: من قال حین یسمع النداء: اللّٰہم رب ہٰذہ الدعوۃ التامۃ والصلاۃ القائمۃ اٰت محمدن الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاماً محموداً الذي وعدتہ. حلت لہ شفاعتي یوم القیامۃ. (صحیح البخاري ۱/۸۶ رقم: ٦٠٦، سنن الترمذي ۱/۵۱، سنن أبي داؤد ۱/۷۸، سنن النسائي ۱/۷۹، مشکوٰۃ المصابیح ٦۵، إعلاء السنن ۲/۱۱۰) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۴/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیراحمد عفا اللہ عنہ

شرائطِ نماز

نماز صحیح ہونے کے لئے کتنی شرطیں ہیں؟

سوال (۱۶۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز کے صحیح ہونے کے لئے کتنی شرطیں ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کی صحت کے لئے کل سات شرطیں ہیں: (یعنی جن کا نماز کے شروع کرنے سے پہلے اہتمام کرنا ضروری ہے)

(۱) حدثِ اکبر (جنابت) اور حدثِ اصغر سے پاک ہونا۔

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُئُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَی الْكَعْبَیْنِ﴾ [المائدة جزء آیت: ٦]

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ [المائدة جزء آیت: ٦]

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه يقول: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: لا تقبل صلاة من أحدث حتى يتوضأ. (صحيح البخاري، الوضوء / باب لا تقبل صلاة بغير طهور ۲۵/۱ رقم: ۱۳۵، سنن الترمذي، الطهارة / باب لا تقبل الصلاة بغير طهور ۳/۱ رقم: ۱)

(۲) نمازی کے بدن، کپڑے اور جگہ کا پاک ہونا۔

قال تعالیٰ: ﴿وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ [المدثر: ٤]

قال تعالیٰ: ﴿وَعَهِدْنَا اِلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْمَاعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعَاكِفِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴾ [البقرة: ١٢٥]

ومن جملة ذٰلک: طهارة موضع الصلاة، فإن كان موضع قدميه وركبتيه وجبهتيه وأنفه طاهر، أجازت صلاته بلا خلاف. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/۲۸ رقم: ۵۷۷ زكريا)

ومن جملتها: طهارة ما يستر به عورته. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/۲٦ رقم: ۵٦۹ زكريا)

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: يا عمار إنما يغسل الثوب من خمس: من الغائط، والبول، والقيء، والدم، والمني. (سنن الدارقطني، طهارة / باب نجاسة البول والأمر بالتنزه عنه ۱/۱۳٤ رقم: ٤۵۲)

(۳) ستر ڈھانکنا (یعنی مرد کے لئے ناف سے لے کر گھٹنے تک اور آزاد عورت کے لئے چہرہ، ہتھیلیاں اور قدم چھوڑ کر بقیہ پورا بدن چھپانا)

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ خُذُوا۟ زِينَتَكُمۡ عِندَ كُلِّ مَسۡجِدٍ﴾ [الأعراف: ۳۱]

عن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا تقبل صلاة حائض إلا بخمار. (سنن الترمذي / باب ما جاء لا تقبل صلاة المرأة الحائض إلا بخمار ۱/۸٦ رقم: ۳۷۷، سنن أبي داؤد / باب المرأة تصلي بغير خمار ۱/۱۰۱ رقم: ٦٤۱)

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: مروا أولادكم بالصلاة لسبع سنين واضربوهم عليها لعشر سنين وفرقوا بينهم في المضاجع، وإذا أنكح أحدكم عبده أو آجره فلا ينظرن إلى شيء من عورته فإن ما أسفل من سرته إلى ركبته من عورته. (مسند أحمد ۲/۱۸۷ رقم: ٦۷۵٦)

عن علي رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الركبة عورة. (سنن الدارقطني ۱/۲۳ رقم: ۸۷۸)

فمن جملتها: ستر العورة، العورة للرجل من تحت سرته حتى يجاوز ركبته. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفرائض ۲/۲۱ رقم: ۱۰۳۷ زكريا)

(۴) قبلہ کی طرف رخ کرنا۔

قال تعالیٰ: ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ﴾ [البقرة: ١٤٤]

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: الحرم قبلة لأهل الأرض في مشارقها ومغاربها من أمتي. (السنن الکبریٰ، الصلاة / أبواب استقبال القبلة ٢/ ٢٨٠ رقم: ٢٢٧٦)

عن عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنه قال: إن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قد أنزل علیه اللیلة قراٰن، وقد أمر أن یستقبل الکعبة فاستقبلوها وکانت وجوههم إلی الشام، فاستداروا إلی الکعبة. (صحیح البخاري / باب ما جاء ومن لم یر الإعادة علی من سهی فصلی إلی غیر القبلة ١/ ٥٨ رقم: ٤٠٣)

ومن جملة ذٰلک: استقبال القبلة، قال بعضهم: معرفة القبلة فرض. (الفتاویٰ التاتارخانیة ٢/ ٣٢ رقم: ١٦٠٧ زکریا)

(۵) نماز کا وقت ہونا۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿اِنَّ الصَّلاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتبًا مَوْقُوْتًا﴾ [النساء: ٣١]

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿اَقِمِ الصَّلاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ﴾ [طٰه: ٣١]

ومن جملة ذٰلک: الوقت؛ حتی لو صلی قبل دخول الوقت لا یجوز. (الفتاویٰ التاتارخانیة ٢/ ٣٣ رقم: ١٦٠٦ زکریا)

(٦) نماز شروع کرنے سے پہلے نماز کی نیت کرنا۔

وأما الکلام في کیفیتها فنقول: المصلي لا یخلو إما أن یکون متنفلاً أو مفترضا، فإن کان متنفلاً یکفیه نیة مطلق الصلاة؛ لأن الصلاة أنواع في منازلها، وأدناها منزلة النفل فانصرف مطلق النیة إلیه. (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الصلاة / الفرائض ٢/ ٣٩ زکریا)

(۷) تکبیرِ تحریمہ کہنا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ﴾ [المدثر: ۳]

عن علي رضي اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: مفتاح الصلاۃ الطھور، وتحریمھا التکبیر، وتحلیلھا التسلیم. (سنن أبي داؤد، الصلاۃ / باب ما جاء في تحریم الصلاۃ وتحلیھا ۱/۹۱ رقم: ۶۱۸، سنن الترمذي، الطھارۃ / باب ما جاء مفتاح الصلاۃ الطھور ۱/۶ رقم: ۳)

وھي عندنا سبعۃ: الطھارۃ من الأحداث والطھارۃ من الأنجاس وستر العورۃ واستقبال القبلۃ والوقت والنیۃ والتحریمۃ. (الفتاویٰ الھندیۃ ۱/۵۸، تاتارخانیۃ ۲/۷ ۴- ۲۱ زکریا، درمختار مع الشامي زکریا ۲/۱۲۸-۷۳، فتاویٰ دار العلوم ۲/۴۹ ۱- ۱۳۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بدن پر معمولی سی نجاستِ غلیظہ لگے رہنے کے ساتھ نماز پڑھنا؟

سوال (۱۶۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی نمازی کے بدن یا کپڑے پر معمولی نجاست خون پیشاب استنجا وغیرہ لگی رہے اور اس کے ساتھ نماز پڑھ لے، تو کیا نماز صحیح ہوجائے گی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کسی نمازی کے بدن یا کپڑے پر ایک درہم یعنی تقریباً ساڑھے تین ماشہ کے بقدر یا اس سے کم کوئی نجاستِ غلیظہ مثلاً خون پیشاب وغیرہ لگی رہ جائے تو کراہت کے ساتھ نماز درست ہوجائے گی، اس لئے بہتر یہی ہے کہ اگر پہلے سے نجاست کا علم ہوجائے تو اسے زائل کرنے کے بعد ہی نماز پڑھیں۔ اور اگر یہ نجاست ساڑھے تین ماشہ سے زیادہ ہو تو اس کے ساتھ نماز درست نہ ہوگی۔

ومن أصابتہ من النجاسۃ المغلظۃ کالدم والبول والغائط والخمر مقدار

الـدرهـم فـمـا دونـه جـازت صـلاتـه معه، وإن زاد لم يجز. (قدوري مع الهداية ١/١٣٠-١٣١ كراچی)

وعـفـا الشـارع عـن قـدر درهم وإن كره تحريماً، فيجب غسلهٗ وما دونهٗ تـنـزيهـاً فيسن، وفوقه مبطل فيفرض. (در مختار) **وفي الشامية: وقدر الدرهم لا يـمـنـع ويكون مسيئاً وإن قل فالأفضل أن يغسلها ولا يكون مسيئًا.** (شامي ١/٤٥٢ كراچی، شامي ١/٥٢٠ زكريا، شرح وقاية ١/١٢٤، الفتاویٰ الهندية ١/٥٨، الأوزان المحمودة ١٧، فتاویٰ دارالعلوم ٢/١٣٣)

قال محمد في الجامع الصغير: الدرهم الكبير أكبر ما يكون من الدراهم، ولم يبين أنه أراد به الكبير من حيث العرض والمساحة أو من حيث الوزن، وذكر في النوادر: أن الدرهم الكبير أكبر ما يكون من الدراهم، كالدراهم السود الزبرقانية، درهم كبير ضربه الزبرقان، وقال في موضع آخر: الدرهم الكبير ما يكون عرض الكف كالدرهم الشهليلي، وهٰذا اعتبار التقدير من حيث العرض. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الطهارة / باب معرفة النجاسات وأحكامها ١/٤٤٠ رقم: ١١٢٠ زكريا) ***فقط واللہ تعالیٰ اعلم***

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۲/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نجاستِ خفیفہ کے ساتھ نماز

سوال (۱۶۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر نجاست خفیفہ کپڑے یا بدن پر لگی رہ جائے تو اس کے ساتھ نماز پڑھنا کیسا ہے نماز ہوگی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر نجاستِ خفیفہ (جیسے حلال جانوروں کا پیشاب

وغیرہ) کپڑے یا بدن پر لگے رہنے کی حالت میں نماز پڑھی، تو اس نماز کا حکم یہ ہے کہ یہ نجاستِ خفیفہ اگر چوتھائی بدن یا کپڑے کے برابر یا اس سے متجاوز ہو تو نماز درست نہ ہوگی، اور اگر اس سے کم ہو تو نماز درست ہو جائے گی۔

وعفي دون ربع جميع بدن وثوب وكبيراً هو المختار، وعليه الفتوىٰ من نجاسة مخففة كبول مأكول. (درمختار مع الشامي ٥٢٦/١ زكريا، شامي ٤٥٦/١ بيروت، الفتاوىٰ الهندية ٥٨/١، هداية ١٣٢/١ مكتبة البشرىٰ كراچی)

وعن محمد أنه قال: الكثير الفاحش هو ربع الثوب، قال مشائخنا: التقدير بالربع أصح؛ لأن الربع أقيم مقام الكل في كثير من الأحكام كمسح ربع الرأس أقيم مقام الكل. ونجاسة ما يؤكل لحمه على قول من يقول بنجاسة خفيفة حتى لو أصاب الثوب لا يمنع جواز الصلاة ما لم يكن كثيراً فاحشا.

(الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الطهارة / باب معرفة النجاسات وأحكامها ٤٤٠/١-٤٤١ رقم: ١١٢١-١١٢٣-١١٢٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جیب میں گندہ انڈا رکھ کر نماز پڑھنا؟

سوال (۱۶۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص جیب میں گندہ انڈا رکھ نماز پڑھے درست ہو جائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کوئی شخص جیب میں گندہ انڈا (جو خراب خون بن گیا ہو) رکھ کر نماز پڑھے، تو اس کی نماز درست ہے (کیوں کہ یہ نجاست اپنے محل میں ہے اور اپنے محل میں رہتے ہوئے شئ پر نجاست کا اطلاق نہیں ہوتا، جیسے انسان کے معدے میں نجاست کا

ہونا مانعِ نماز نہیں)

كما لو صلى حاملا بيضة قذرةً صار مخها دمًا جاز؛ لأنه في معدنه والشيء ما دام في معدنه لا يعطى له حكم النجاسة. (شامي ۲/ ٦٨ بيروت، شامي ۲/ ٧٤ زكريا، البحر الرائق ۱/ ۲٦٧، صغيرى ۱۱۰، الفتاوىٰ الهندية ۱/ ٦۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ناپاک بدن والے بچہ کا نمازی پر چڑھ جانا؟

سوال (۱٦٨): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر نماز کے دوران چھوٹا کھیلتا بچہ نمازی کے اوپر چڑھ جائے اور اس کے بدن اور کپڑوں سے مل جائے، جب کہ اس بچے کے جسم پر پیشاب وغیرہ کوئی ناپاک چیز لگی ہوئی ہو تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر نماز کی حالت میں پاؤں چلتا بچہ ناپاک بدن یا کپڑوں کے ساتھ نمازی پر چڑھ جائے تو نمازی کی نماز فاسد نہ ہوگی؛ لیکن اگر بچہ اتنا چھوٹا ہو جو خود نہیں چل سکتا ہو اور اسے کوئی اٹھا کر نماز کی حالت میں نمازی پر رکھ دے، اور اس بچے کے بدن یا کپڑے پر نجاست لگی ہو، تو ایسی صورت میں اگر ایک رکن ادا کرلیا، تو نمازی کی نماز فاسد ہوجائے گی۔

كصبي عليه نجاسة إن لم يستمسك بنفسه منع وإلَّا لا (درمختار) وفي الشامي عن الظهيرية: لو جلس على المصلي صبي ثوبه نجس وهو يستمسك بنفسه أو حمام نجس جازت صلاته؛ لأن الذي على المصلي مستعمل للنجس، فلم يصر المصلي حاملاً للنجاسة. (شامي ۲/ ٦٨ بيروت، شامي ۲/ ٧٤ زكريا، البحر الرائق ۱/ ۲٦٧، صغيرى ۱۰٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایسی جائے نماز پرنماز پڑھنا جس کا ایک حصہ ناپاک ہو؟

سوال (۱۶۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایسی جائے نماز پر نماز پڑھنا کیسا ہے جس کا ایک حصہ ناپاک ہو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کسی جائے نماز کا ایک کنارہ ناپاک ہو، لیکن نمازی جس جگہ کھڑا ہے وہ اور سجدہ کی جگہ پاک ہے تو اس پر نماز پڑھنا درست ہے۔

بخلاف ما لم يتصل كبساط طرفه نجس وموضع الوقوف والجبهة طاهر فلا يمنع مطلقًا. (شامي ٦٨/٢ بيروت، شامي ٧٤/٢ زكريا، البحر الرائق ٢٦٨/١، الفتاوىٰ الهندية ٦٢/١، الفتاوىٰ التاترخانية ٣٠/٢ رقم: ١٥٨٧ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایسی چادر اوڑھ کر نماز پڑھنا جس کا ایک کونہ ناپاک ہو؟

سوال (۱۷۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایسی چادر اوڑھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے جس کا ایک کونہ ناپاک ہو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ایسی چادر اوڑھ کر نماز پڑھے جس کا ایک کونہ ناپاک ہو اور رکوع اور سجدہ میں جاتے ہوئے اس ناپاک حصہ میں بھی حرکت ہوتی ہو، تو اس چادر میں نماز درست نہ ہوگی، اور اگر چادر اتنی طویل وعریض ہو کہ اوڑھنے کے باوجود نمازی کی حرکات سے ناپاک حصہ حرکت میں نہ آتا ہو، تو نماز درست ہوجائے گی۔

أي شيء متصل به يتحرك بحركته كمنديل طرفه على عنقه وفي الآخر نجاسة مانعة إن تحرك موضع النجاسة بحركات الصلوة منع وإلا لا. (شامي

٦٨/٢ بيروت، شامي ٧٣/٢-٧٤ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ٦٢/١، الفتاوىٰ التاترخانية ٢٧/٢ رقم: ١٥٧٣ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۲/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خشک ناپاک زمین پر نماز پڑھنا؟

سوال (۱۷۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایسی زمین پر نماز پڑھنا کیسا ہے جونجاست لگنے کے بعد خشک ہوچکی ہو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ناپاک زمین خشک ہوجائے اور اس پر نجاست کا اثر اور بدبو ظاہر نہ ہوتو اس پر نماز پڑھنا جائز ہے؛ لیکن اس جگہ پر تیمّم کرنا درست نہیں۔

عن أبي جعفر قال: ذكاة الأرض يبسها. (المصنف لابن أبي شيبة ٤٣٠/١ رقم: ٦٢٤)

وتطهر الأرض بيبسها أي جفافها وذهاب أثرها لأجل الصلوة لا ليُتَمَّم بها. (درمختار ٤٤٤/١-٤٤٥ بيروت، درمختار مع الشامي ٥١٢/١-٥١٣ زكريا، ٣١١/١ كراچی، الفتاوىٰ التاترخانية ٣٢/٢ رقم: ١٦٠٠ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ٦٢/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۲/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گٹر کے اوپر نماز پڑھنا

سوال (۱۷۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گٹر کے اوپر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ گٹر کے اوپر فرش بچھا ہوا ہے، اور گھر میں زیادہ جگہ بھی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گٹر کے اوپری حصہ پر جب کہ کوئی ناپاکی ظاہر نہ ہو

اور پاک فرش بچھا ہوا ہو تو اس کے اوپر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ولو صلیٰ علیٰ زجاجٍ یصف ما تحتهٗ قالوا جمیعا یجوز. (شامي ٦٨/٣ بیروت، شامي ٧٤/٢ زکریا، کبیري ٢٠٢)

بخلاف غیر مضرب و مبسوط علی نجس إن لم یظهر لون أو ریح (درمختار) وکذا الثوب إذا فرش علی النجاسة الیابسة، فإن کان رقیقًا یشف ما تحته أو توجد منه رائحة النجاسة علی تقدیر أن لها رائحة، لا یجوز الصلاة علیه، وإن کان غلیظا بحیث لا یکون کذلک جاز. (درمختار مع الشامي، الصلاة / باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، قبیل مطلب في المشي في الصلاة کراچی ٦٢٦/١، زکریا ٣٨٧/٢، حلبي کبیر ٢٠٢، الفتاویٰ التاتارخانیة ٣٢/٢ رقم: ١٦٠١ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۵/۶/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ناپاک زمین پر کپڑا یا چٹائی بچھا کر نماز پڑھنا؟

سوال (۱۷۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص ناپاک زمین پر کپڑا یا چٹائی بچھا کر نماز پڑھے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ناپاک تر یا خشک زمین پر ایسا موٹا کپڑا یا چٹائی یا پلاسٹک بچھا کر نماز پڑھیں جس سے نجاست کا اثر اوپر ظاہر نہ ہو، تو نماز درست ہو جائے گی۔

بخلاف غیر مضرب و مبسوط علی نجس إن لم یظهر لون أو ریح (درمختار) وکذا الثوب إذا فرش علی النجاسة الیابسة، فإن کان رقیقًا یشف ما تحته أو توجد منه رائحة النجاسة علی تقدیر أن لها رائحة، لا یجوز الصلاة علیه، وإن کان غلیظا بحیث لا یکون کذلک جاز. (درمختار مع الشامي، الصلاة / باب ما یفسد

الصلاة وما يكره فيها، قبيل مطلب في المشي في الصلاة كراچی ۱/ ٦٢٦، زكريا ۲/ ۳۸۷، حلبي كبير ٢٠٢، الفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ۳۲ رقم: ١٦٠١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۲/ ۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَخبار بچھا کر نماز پڑھنا؟

سوال (۱۷۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر سفر میں کپڑا میسر نہ ہو تو اخبار بچھا کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سفر میں پاک کپڑا میسر نہ ہو تو بلا تصویر والے اخبارات بچھا کر نماز پڑھنا درست ہے؛ اس لئے کہ اخبارات کی نجاست کا یقین نہیں ہے۔

ولو شک في نجاسة ماءٍ وثوبٍ لم يعتبر. (درمختار ١/ ٢٥٤ کراچی، ١/ ٢٨٣ زكريا)

لأن اليقين لا يزول بالشک (درمختار) من شک في إنائه أو ثوبه أو بدنه أصابته نجاسة أو لا فهو طاهر ما لم يستيقن وكذا ما يتخذه أهل الشرک أو الجهلة من المسلمين كالسمن والخبز والأطعمة والثياب. (الدر المختار مع الشامي، الطهارة / قبيل أبحاث الغسل ١/ ٢٨٤ زكريا، فتاویٰ دارالعلوم ديو بند ٢/ ١٣٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۲/ ۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گوبر سے لپی ہوئی زمین پر نماز پڑھنا؟

سوال (۱۷۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایسی زمین جس کو گوبر سے لیپا گیا ہو اور اوپر سے پاک مٹی لیپی گئی ہو، جس سے گوبر دکھائی نہ دیتا ہو اور بو وغیرہ بھی محسوس نہ ہوتی ہو، تو اس زمین پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زمین کو پہلے گوبر سے لیپا گیا ہو اور بعد میں پاک مٹی اس پر اتنی مقدار میں لیپ دی کہ گوبر بالکل چھپ گیا اور اس کی بو وغیرہ اوپر سے محسوس نہیں ہورہی ہے، تو اس جگہ پر نماز پڑھنا جائز ہے اور اگر گوبر کی بو محسوس ہورہی ہے، تو وہاں کوئی پاک چیز بچھائے بغیر نماز پڑھنا درست نہ ہوگا۔

إذا أراد أن يصلي على أرض عليها نجاسة فكبسها بالتراب ينظر إن كان التراب قليلاً بحيث لو استشمه يجد رائحة النجاسة لايجوز، وإن كان كثيراً لا يجد الرائحة يجوز. (الفتاویٰ الهندية ٦٢/١، الفتاویٰ التاتارخانية ٣٢/٢ رقم: ١٦٠٠ زكريا، حلبي كبير ٢٠٢، نفع المفتي والسائل من مجموعة رسائل اللكنوي: ٨٠ كراچی)

بخلاف غير مضرب ومبسوط على نجس إن لم يظهر لون أو ريح (درمختار) وكذا الثوب إذا فرش على النجاسة اليابسة، فإن كان رقيقًا يشف ما تحته أو توجد منه رائحة النجاسة على تقدير أن لها رائحة، لا يجوز الصلاة عليه، وإن كان غليظا بحيث لا يكون كذلک جاز. (درمختار مع الشامي، الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، قبيل مطلب في المشي في الصلاة ٦٢٦/١ كراچی، شامي ٧٤/٢ زكريا، خانية على الفتاویٰ الهندية ٢٣/١ رشيدية) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مٹی اور گوبر سے لیپنے کے بعد گیلی زمین پر کپڑا بچھا کر نماز پڑھنا؟

سوال (۱۷۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ گھر کے اندر مٹی اور گوبر ملا کر زمین پر پھیرتے ہیں، اب اگر وہ زمین گیلی ہے، یعنی خشک نہیں ہوئی ہے تو اس پر کپڑا وغیرہ بچھا کر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ جیسے چٹائی یا

فرش وغیرہ جب کہ اس میں کپڑے کے اوپری حصہ پر کوئی تری بھی محسوس نہیں ہوتی ہے، اگر تری محسوس ہو جائے تو اس پر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی گیلی اور تر زمین پر چٹائی وغیرہ بچھا کر نماز پڑھنا جب کہ اس پر اس کا اثر نہ آئے تو درست ہے، اور اگر اس کا اثر اس میں ظاہر ہو، تو اس صورت میں اگر گوبر زیادہ تھا اور اس کی بو آئے تو نماز پڑھنا درست نہیں ہے، اور اگر مٹی زیادہ تھی اور ساتھ ہی بو بھی نہ آنے لگے، تو نماز درست ہے۔

إذا أراد أن يصلي على أرض عليها نجاسة فكبسها بالتراب ينظر إن كان التراب قليلاً بحيث لو استشمه يجد رائحة النجاسة لايجوز، وإن كان التراب كثيراً لايجد الرائحة يجوز. (الفتاویٰ الهندية، الطهارة / الفصل الثاني في طهارة ما يستر به العورة وغيره ۱/ ٦٢، خانية على هامش الفتاویٰ الهندية ۱/ ۲۳ كوئٹه، الفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ۳۲ رقم: ١٦٠٠ زكريا، حلبي كبير ٢٠٢، نفع المفتي والسائل من مجموعة رسائل اللكنوي: ٨٠ كراچی، شامي ۱/ ٦٢٦ كراچی، شامي ۲/ ۳۸۷ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۷/ ۲/ ۱۴۲۷ھ

پرال یا گھاس پر نماز پڑھنا؟

سوال (۱۷۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تر گھاس، جنگل کی ہو یا پارک کی، اسی طرح دھان کے پرال پر نماز پڑھنے سے نماز ادا ہوگی یا نہیں؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پرال (دھان کے خشک پودے جنہیں سردی کے زمانہ

میں گرمی کے لئے کمروں میں بچھایا جاتا ہے)اسی طرح تر گھاس پر نماز پڑھنا درست ہے بشرطیکہ وہ پاک ہو، اوراس پر سجدہ کرنے سے سر، زمین پر ٹک جائے۔

وشرط سجودٍ فالقرار لجبهةٍ. (شرح منظومة ابن وهبان، درمختار)

أي يفترض أن يسجد على ما يجد حجمه . (شامی، الصلاة / باب صفة الصلاة ١٢٧/٢ بيروت، شامي ١٤٣/٢-١٤٤ زكريا)

والسجود على ما يجد حجمه وتستقر عليه جبهته بحيث لو بالغ لا تتسفل رأسه أبلغ مما كان حال الوضع فلا يصح السجود على القطن والثلج والقبن والأرز والذرة وبرز الكتان . (طحطاوي على مراقي الفلاح / كتاب الصلاة ٨٥ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ستر کے احکام

نماز میں مرد کو کن اعضاء کو چھپانا ضروری ہے؟

سوال (۱۷۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز میں مرد کو کن اعضاء کو چھپانا ضروری ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرد کو نماز میں درج ذیل اعضاء کو چھپانا فرض ہے:

(۱) پیشاب کا مقام اور اس کے اردگرد۔

(۲) خصیتین اور اس کے اردگرد۔

(۳) پائخانہ کا مقام اور اس کے آس پاس۔

(۴-۵) دونوں کولہے۔

(۶-۷) دونوں رانیں گھٹنے سمیت۔

(۸) ناف سے لے کر زیر ناف بالوں اور ان کے مقابل میں کوکھ پیٹ اور پیٹھ کا حصہ۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: مروا أولادكم بالصلاة لسبع سنين واضربوهم عليها لعشر سنين وفرقوا بينهم في المضاجع، وإذا أنكح أحدكم عبده أو آجره فلا ينظرن إلى شيء من عورته فإن ما أسفل من سرته إلى ركبته من عورته. (مسند أحمد ۱۸۷/۲ رقم: ۶۷۵۶)

أعضاء عورة الرجل ثمانية: الأول: الذكر وما حوله. الثاني: الأنثيان وما حولهما. الثالث: الدبر وما حوله. الرابع والخامس: الإليتان. السادس والسابع:

الفخذان مع الركبتين. الثامن: ما بين السرة إلى العانة مع ما يحاذي ذٰلك من الجنبين والظهر والبطن. (شامي ۷۵/۲ بيروت، الفتاویٰ التاتارخانية ۲۱/۲ رقم: ۱۵۳۸ زكريا، الفتاویٰ الهندية ۵۸/۱، البحر الرائق ۲۶۹/۱، هداية ۱۷۲/۱ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں عورت کے اعضاء مستورہ

سوال (۱۷۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز میں عورت کے لئے کن کن اعضا کا چھپانا ضروری ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: نماز میں آزاد عورت کے لئے درج ذیل چوبیس اعضاء بدن کا چھپانا فرض ہے:

(۱) پیشاب کا مقام۔

(۲) پاخانہ کا مقام۔

(۳-۴) دونوں کولہے۔

(۵-۶) دونوں رانیں گھٹنوں سمیت۔

(۷) پیٹ۔

(۸) پیٹھ (دونوں پہلوؤں سمیت)

(۹-۱۰) دونوں پنڈلیاں (ٹخنوں سمیت)

(۱۱-۱۲) دونوں اُبھرے ہوئے پستان۔

(۱۳-۱۴) دونوں کان۔

(۱۵-۱۶) دونوں بازو (کہنیوں سمیت)

(۱۷-۱۸) دونوں کلائیاں (گٹوں سمیت)

(۱۹) سینہ۔

(۲۰) سر۔

(۲۱) سر کے بال۔

(۲۲) گردن۔

(۲۳-۲۴) دونوں مونڈھے۔

اور بعض حضرات نے عورت کی دونوں ہتھیلیوں کے ظاہری حصہ اور دونوں قدموں کے نچلے حصہ کو بھی اس کے ستر میں داخل کیا ہے، مگر اکثر فقہاء کے نزدیک یہ اعضاء ستر میں داخل نہیں۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها أن أسماء بنت أبي بكر دخلت على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وعليها ثياب رقاق، فأعرض عنها رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وقال: يا أسماء إن المرأة إذا بلغت المحيض لم يصلح لها أن يرى منها إلا هٰذا وهٰذا، وأشار إلى وجهه وكفيه. (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس / باب فيما تبدي المرأة من زينتها ٢/٥٦٧ رقم: ٤١٠٤ دار الفكر بيروت)

وفي الأمة ثمانية أيضا: الفخذان مع الركبتين والإليتان والقبل مع ماحوله والدبر كذٰلک والبطن والظهر مع ما يليهما من الجنبين، وفي الحرة هذه الثمانية ويزاد فيها ستة عشر: الساقان مع الكعبين والثديان المنكسران والأذنان والعضدان مع المرفقين والذراعان مع الرسغين والصدر والرأس والشعر والعنق وظهر الكفين وينبغي أن يزاد فيه الكتفان. (شامي ٢/٧٥ بيروت، شامي ٢/٨٣ زكريا)

وفي التنوير: وللحرة جميع بدنها خلا الوجه والكفين والقدمين. (التنوير مع الشامي ٢/٧١ بيروت، شامي ٢/٧٨ زكريا)

فظهر الكف عورة على المذهب. (درمختار) وفي الشامي: أي ظاهر الرواية، وفي مختلفات قاضيخان وغيرها أنه ليس بعورة، وأيده في شرح المنية بثلاثة أوجه، وقال: فكان هو الأصح وإن كان غير ظاهر الرواية. (شامي ٢/٧٨ زكريا)

وفي المنية وإلا قدميها أيضا فأنهما ليسا بعورة ولكن في القدمين اختلاف المشائخ، وذكر في المحيط: أن الأصح أنهما ليسا بعورة. (غنية المستملي شرح منية المصلى ۲۱۰، البحر الرائق زكريا ۴٦۹/۱، الفتاوىٰ التاترخانية ۲۳/۲ رقم: ۱۵۴٦ زكريا، شامى مع الدر المختار، الصلاة / باب شروط الصلاة ۷۸/۲ زكريا، شامى ۷۵/۲ زكريا، هداية ۷۳/۱-۱۷۲ كراچى) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳٦/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورت کا آدھی آستین پہن کر دوپٹے سے چھپا کر نماز پڑھنا؟

سوال (۱۸۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عورت کا آدھی آستین پہن کر دوپٹے سے چھپا کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آدھی آستین پہننے والی عورت اگر دبیز دوپٹے وغیرہ سے اپنے ہاتھ کا کھلا ہوا حصہ چھپالے، تو شرعاً اس کی نماز درست ہوجائے گی؛ البتہ اگر دوپٹہ اتنا باریک ہو کہ اندر کا بدن صاف جھلکتا ہو تو اس کی نماز درست نہ ہوگی، اور بہرصورت عورت کا نامحرموں کے سامنے آدھی آستین پہن کر آنا درست نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴۰۳/۳)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ [الأعراف: ۲٦]

عن عائشة رضي اللّٰه عنها أن أسماء بنت أبي بكر دخلت على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وعليها ثياب رقاق، فأعرض عنها رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وقال: يا أسماء إن المرأة إذا بلغت المحيض لم يصلح لها أن يرى منها إلا هٰذا وهٰذا، وأشار إلى وجهه وكفيه. (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس / باب فيما تبدي المرأة من زينتها ۵٦۷/۲ رقم: ۴۱۰۴ دار الفكر بيروت)

والثوب الرقيق الذي يصف ما تحته لا تجوز الصلاة فيه؛ لأنه مكشوف العورة معنى. (تبيين الحقائق ٢٥٢/١-٢٥٣ زكريا، الفتاوىٰ الهندية، الطهارة / الفصل الأول في الطهارة وستر العورة ٥٨/١ كوئٹه)

إذا كان الثوب رقيقاً بحيث يصف ما تحته أي لون البشرة لا يحصل به ستر العورة إذ لا ستر مع رؤية لون البشرة. (حلبي كبير ٢١٤ أشرفي لاهور، عمدة القاري ٢٤٦/٢ زكريا)

أما لو كان غليظاً لا يرىٰ منه لون البشرة إلا أنه التصق بالعضو وتشكل بشكله فصار شكل العضو مرئياً فينبغي أن لا يمنع جواز الصلاة لحصول الستر. (كبيري ٢١٤ لاهور، البحر الرائق ٤٦٧/١ رشيديه، الفتاوىٰ الهندية ٢٦٨/١ كوئٹه) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورت کا گیلے بال باندھے بغیر نماز پڑھنا؟

سوال (۱۸۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی عورت غسل کر کے آئی اور نماز کا وقت ختم ہو جانے کا اندیشہ ہے اور بال گیلے ہیں، تو کیا وہ بال ایسے ہی کھلے چھوڑ کر نماز پڑھ سکتی ہے یا بال باندھنا ضروری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئلہ میں مذکورہ عورت کو چاہئے کہ گیلے بالوں کو اچھی طرح دوپٹے میں چھپا کر نماز ادا کرلے اور بال باندھنا ضروری نہیں ہے۔

وأعضاء عورة ...... في الأمة ثمانية: ...... الرأس والشعر، وللحرة جميع بدنها خلا الوجه والكفين والقدمين. (درمختار مع تنوير الأبصار ٧٨/٢ زكريا، ٧٥/٢ بيروت)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۱۲/۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کتنا حصہ ستر کھلنا مانع نماز ہے؟

سوال (۱۸۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ستر کا کتنا حصہ کھلنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اگر شروع ہی سے اتنا حصہ ستر کا کھلا رہے تو نماز کا شروع کرنا صحیح ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرد اور عورت کے لئے نماز میں جن اعضاء مستورہ کو ڈھانکنا ضروری ہے، اُن میں سے اگر کسی ایک عضو (مثلاً ایک ران یا ایک کولہے) کا ایک چوتھائی حصہ بھی نماز کے کسی رکن میں تین مرتبہ (رکوع یا سجدہ والی) تسبیح پڑھنے کے بقدر خود بخود کھل جائے تو نماز صحیح نہ ہوگی اور اگر شروع نماز میں یہ کیفیت ہو تو نماز شروع ہی نہ ہوگی۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها أن أسماء بنت أبي بكر دخلت على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وعليها ثياب رقاق، فأعرض عنها رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وقال: يا أسماء إن المرأة إذا بلغت المحيض لم يصلح لها أن يرى منها إلا هٰذا وهٰذا، وأشار إلى وجهه وكفيه. (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس / باب فيما تبدي المرأة من زينتها ٥٦٧/٢ رقم: ٤١٠٤ دار الفكر بيروت)

ويمنع كشف ربع عضو قدر أداء ركن بلا صنعه. (درمختار) قال شارحها: وذلك قدر ثلث تسبيحات الخ. قال ح: واعلم أن هذا التفصيل في الإنكشاف الحادث في أثناء الصلوٰة، أما المقارن لابتدائها فإنه يمنع انعقادها مطلقاً اتفاقاً بعد أن يكون المكشوف ربع العضو. (درمختار مع الشامي / باب شروط الصلاة، مطلب: في النظر إلى وجه الأمرد ٧٤/٢-٧٥ بيروت، شامي ٨٢/٢ زكريا، نور الايضاح ٦٨، البحر الرائق ٤٧١/١ زكريا، الفتاوىٰ التاتارخانية ٢٣/٢ رقم: ١٥٤٧ زكريا، هداية ١٧٣/١ كراچی) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۲/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دورانِ نماز پیٹھ کی جانب سے ناف کے نیچے کا حصہ کھل جانا؟

سوال (۱۸۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض لوگ جینس کی پینٹ اور بنیان پہن کر نماز پڑھتے ہیں، بسا اوقات رکوع یا سجدے میں بنیان اوپر ہوجاتا ہے، اور پینٹ نیچے جس کی بنا پر پیٹھ کا نیچے کا وہ حصہ کھل جاتا ہے جو ناف سے نیچے آتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسے شخص کی نماز ہوجاتی ہے، اگر چوتھائی عضو کے کھلنے سے نماز ٹوٹتی ہے، تو یہ پورا عضو کہاں تک ہوگا اور چوتھائی کتنا ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں ناف اور اس کے بالمقابل سے لے کر شرم گاہ تک اور پیچھے کی جانب اس کے بالمقابل تک ایک عضو شمار ہوگا، اور اس حصہ کا چوتھائی یا اس سے زائد مقدار کے بہ قدر ایک رکن تک کھلا رہ جانا نماز کے لئے مفسد ہوگا، اور اگر اس مقدار سے کم کھلا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/۲۵۴)

أعضاء عورة الرجل ثمانية: الأول: الذكر وماحوله، الثانی: الأنثيان وماحوله، الثالث: الدبر وماحوله، الرابع والخامس: الإليتان، السادس والسابع: الفخذان مع الركبتين، الثامن: ما بين السرة الى العانة، مع ما يحاذي ذلک من الجنبين والظهر والبطن. (شامی ۲/ ۸۲ زکریا)

ويمنع حتى انعقادها كشف ربع عضو قدر أداء ركن بلا صنعه، وفي الشامي قال شارحها: وذلک قدر ثلاث تسبيحات الخ، واعلم أن هذا التفصيل في الإنكشاف الحادث في أثناء الصلاة، أما المقارن لابتدائها؛ فإنه يمنع انعقادها مطلقاً اتفاقاً بعد أن يكون المكشوف ربع العضو. (درمختار مع الشامي ۲/ ۸۲ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۷/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں جان بوجھ کرستر کھولنا؟

سوال (۱۸۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص نماز میں جان بوجھ کر اپنا ستر کھول دے تو اس شخص کی نماز کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر نماز پڑھتے ہوئے کوئی شخص جان بوجھ کر ایک سکنڈ کے لئے بھی اعضاء مستورہ میں سے کوئی عضو چوتھائی کے بقدر کھول دے، تو فوراً نماز باطل ہو جائے گی، تین تسبیح کے بقدر بھی مہلت نہ ہوگی۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: لا تقبل صلاة حائض إلا بخمار. (سنن الترمذي ۸۶/۱ رقم: ۳۷۷، سنن أبي داؤد ۱۰۱/۱ رقم: ۶۴۱)

قوله بلا صنعه فلو به فسدت في الحال عند هم، قنية. قال ح: أي وإن كان أقل من أداء ركن. (شامي ۷۵/۲ بیروت، ۸۲/۲ زکریا، الفتاویٰ الهندیة ۵۸/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اندھیرے کمرے میں بھی ستر ضروری ہے

سوال (۱۸۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر نماز پڑھنے والے کو کوئی نہ دیکھ رہا ہو، مثلاً وہ اندھیرے میں ہو یا بند کمرے میں ہو، تو ایسی حالت میں ستر کا چھپانا ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص کے پاس ستر کے لئے کپڑا وغیرہ موجود ہو اس کے لئے نماز میں ستر چھپانا مطلقاً ضروری ہے، خواہ دوسرا دیکھ سکتا ہو یا نہیں، یا جگہ روشن ہو یا اندھیری، بہر حال ستر لازم ہے۔

عن ابن عباس رضي الله عنه أنه قال: الذي يصلي في السفينة والذي يصلي عريانا يصلي جالساً، وعن ميمون بن مهران قال: سئل علي رضي الله عنه عن صلاة العريان، فقال: إن كان حيث يراه الناس صلّى جالسا، وإن كان حيث لا يراه الناس صلّى قائماً. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الصلاة / باب صلاة العريان ۲/ ٥٨٤ رقم: ٤٥٦٥ - ٤٥٦٦)

ولو صلى عرياناً فى الظلمة بلا عذرٍ لا تجوز إجماعاً. (منحة الخالق ۱/ ٤٦٨)

في الخلوة أما لو صلى عريانا لو في بيت مظلم وله ثوب طاهر، لا يجوز إجماعا كما في البحر. (شامي ۲/ ۷٦ بيروت، ۲/ ۸۳ زكريا، ۱/ ٤٤٠ كراچی، الفتاویٰ الهندية ۱/ ۵۸، البحر الرائق ۱/ ۲٦۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/ ۵/ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر ستر کے لئے کوئی چیز دستیاب نہ ہوتو نماز کیسے پڑھے؟

سوال (۱۸٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر ستر چھپانے کے لئے کوئی چیز کپڑا وغیرہ دستیاب نہ ہوتو ایسا شخص نماز کیسے پڑھے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر ستر کے لئے کپڑا، درخت کے بڑے پتے، اخبار، پلاسٹک، یا چٹائی وغیرہ کچھ بھی دستیاب نہ ہو یا کپڑا وغیرہ تو ملے مگر وہ سارا کا سارا نجس ہو اور اسے پاک کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو اور نماز کا وقت ختم ہونے کا خطرہ ہو، تو ایسا شخص بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع سجدہ بھی اشارے سے کرے؛ تاکہ حتی الامکان ستر کا لحاظ ہوسکے۔

عن ابن عباس رضي الله عنه أنه قال: الذي يصلي في السفينة والذي يصلي عريانا يصلي جالساً، وعن ميمون بن مهران قال: سئل علي رضي الله عنه عن صلاة العريان، فقال: إن كان حيث يراه الناس صلّى جالسا، وإن كان حيث لا يراه الناس صلّى قائماً. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الصلاة / باب صلاة العريان ۲/ ٥٨٤ رقم: ٤٥٦٥ - ٤٥٦٦)

وفي الحجة: إذا وجد العاري حصيراً أو بساطاً صلیٰ فيه ولا يصلي عرياناً. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۵۹)

وكذا إن أمكنه أن يستر عورته بالحشيش وأوراق القرع. (الفتاویٰ التاتارخانية ۱/ ۴۱۶ قديم، ۲/ ۲۵ رقم: ۱۵۶۲ زكريا)

وعادم ساتر يصلي قاعداً مومياً بركوعٍ وسجودٍ وهو أفضل من صلوته قائماً بركوعٍ وسجودٍ؛ لأن الستر أهم من أداء الأركان. (درمختار ۲/ ۷۶-۷۷ بيروت، التنوير والدر المختار ۲/ ۸۴ زكريا، صغيری ۱۲۱، هداية ۱/ ۱۷۶ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر پورے ستر کو چھپانے کے لئے کوئی چیز نہ ملے تو کیا کرے؟

سوال (۱۸۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شخص کے پاس اس قدر کپڑا نہ ہو کہ اسے پورے ستر پر چھپا سکے؛ بلکہ اس قدر کپڑے سے جسم کا کوئی نہ کوئی حصہ کھلا رہتا ہے، تو کیا ایسا شخص اتنے ہی کپڑے کو پہن کر نماز پڑھے گا یا اس کے لئے کیا حکم ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر پاک صاف کپڑا (یا کوئی اور ڈھانپنے والی چیز) صرف اس قدر دستیاب ہو کہ اس سے ستر کا کچھ حصہ ہی ڈھانکا جا سکتا ہو، وہ پورے ستر کے لئے کافی نہ ہو، تو اسی کپڑے کا استعمال کرنا لازم ہے، اولاً اس سے شرم گاہ چھپائے پھر جہاں تک ہو سکے ستر ڈھانکے، اس کے بعد ہی نماز پڑھے۔

ولو وجد ما يستر به بعض العورة وجب استعماله وإن قل، ويقدم في الستر ما هو أغلظ كالسوء تين. (صغيري ۱۲۱، تنوير الأبصار مع الدر المختار ۲/ ۸۰ بيروت،

شامي ۲/ ۸۸ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ۱/ ۵۹) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۲/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ستر کے لئے صرف ریشم کا کپڑا مہیا ہو؟

سوال (۱۸۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسلمان مردوں کے لئے ریشم کا کپڑا پہننا حرام ہے؛ لیکن اگر کسی کے پاس ریشم کے کپڑے علاوہ ستر چھپانے کے لئے دوسرا کپڑا موجود نہ ہو، تو کیا وہ ریشم کو پہن کر نماز پڑھ سکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر مرد کے پاس ستر کے لئے ریشم کے کپڑے کے سوا کوئی چیز مہیا نہ ہو، تو اسی ریشم کے کپڑے سے ستر چھپا کر نماز پڑھنا اس کے لئے لازم ہے، ایسی صورت میں ننگے بدن نماز پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی؛ کیوں کہ ریشم کا استعمال مرد کے لئے حرام ہونے کے باوجود اس کو پہن کر نماز پڑھنے سے فرض ادا ہو جاتا ہے۔

ولو وجد ثوب حرير لا يصلي عرياناً عندنا؛ لأن الصلوٰة فيه صحيحة وإن كان حراماً. (غنية المستملي شرح منية المصلي ۲۱۶، الفتاوىٰ الهندية ۱/ ۵۹، الفتاوىٰ التاتارخانية ۱/ ۴۱۸ قديم، ۲/ ۲۸ رقم: ۱۵۷۶ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۲/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

انتہائی باریک کپڑے پہن کر نماز پڑھنا

سوال (۱۸۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: انتہائی باریک کپڑے جس میں ستر چھپانے کے باوجود اندر کا حصہ صاف باہر جھلکتا رہتا ہے، ایسے کپڑے کو پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ایسے باریک کپڑے سے ستر چھپایا جس سے بدن کا اندرونی حصہ باہر سے صاف جھلکتا ہے، تو ایسے باریک کپڑے کو پہن کر نماز پڑھنا درست نہ ہوگا۔

عن علقمة بن أبي علقمة عن أمه قالت: دخلت حفصة بنت عبد الرحمن علی عائشة وعليها خمار رقيق، فشقته عائشة وكستها خماراً كثيفاً. (رواه مالك، مشكوٰة المصابيح / باب الخاتم ۲۷۷)

والثوب الرقيق الذي يصف ما تحته لاتجوز الصلاة فيه، كذا في التبيين.

(الفتاویٰ الهندية ۱/ ۵۸، درمختار مع الشامي ۲/ ۷٦-۷۷ بيروت، شامي ۲/ ۸٤ زكريا)

وحد الستر أن لا يرى ما تحته، حتى لو سترها بثوب رقيق يصف ما تحته، لايجوز. (البحر الرائق ۱/ ٤٦۷، رشيدية، ۱/ ۲٦۸ كوئٹه)

والثوب الرقيق الذي يصف ما تحته، لا تجوز الصلاة فيه؛ لأنه مكشوف العورة معنى. (تبيين الحقائق ۱/ ۲۵۲ بيروت) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۲/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں باریک دوپٹہ کا استعمال

سوال (۱۹۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عورت کا ایسا باریک دوپٹہ پہن کر نماز پڑھنا جس سے بال صاف نظر آتے ہوں، کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کا ایسا باریک دوپٹہ پہن کر نماز پڑھنا درست نہیں، جس سے بال صاف نظر آتے ہوں۔

دخلت حفصة بنت عبد الرحمن على عائشة وعليها خمار رقيق، فشقته عائشة وكستها خماراً كثيفا. (الموطأ لمالك، مشكوٰة المصابيح / كتاب الباس ۳۷۷)

وعـادم ساتر لايصف ما تحته. (درمـختار ۲/ ٦٦-٧٧ بيروت، درمختار ۲/ ٨٤ زكريا، البحر الرائق ٤٦٧/١ زكريا)

والثـوب الرقيق الذي يصف ما تحته لاتجوز الصلاة فيه، كذا في التبيين.

(الفتاوىٰ الهندية ٥٨/١، درمختار مع الشامي ۲/ ٦٦-٧٧ بيروت، شامي ۲/ ٨٤ زكريا)

وحـد الستر أن لا يرى ما تحته، حتى لو سترها بثوب رقيق يصف ما تحته لا يجوز. (البحر الرائق ٤٦٧/١ رشيدية، ٢٦٨/١ كوئٹه)

والثـوب الـرقيق الذي يصف ماتحته، لا تجوز الصلاة فيه؛ لأنه مكشوف العورة معنى. (تبيين الحقائق ٢٥٢/١ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورت کی چٹیا بھی ستر ہے

سوال (۱۹۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا عورت کی چٹیا کے بال بھی ستر میں داخل ہیں اور نماز میں ان کا چھپانا بھی ضروری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجـواب وبـاللّٰـه التوفيق: عورت کی چٹیا کے بال بھی ستر ہیں؛ لہٰذا چٹیا کے بالوں کو بھی چھپانا عورت پر لازم ہے۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها أن أسماء بنت أبي بكر دخلت على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وعليها ثياب رقاق، فأعرض عنها رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وقال: يا أسماء إن المرأة إذا بلغت المحيض لم يصلح لها أن يرى منها إلا هٰذا وهٰذا، وأشار إلى وجهه وكفيه. (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس / باب فيما تبدي المرأة من زينتها ٥٦٧/٢ رقم: ٤١٠٤ دار الفكر بيروت)

وأما المسترسل ففيه روايتان، الأصح أنه عورة. (درمختار ۲/۷۱ بيروت، شامي ۷۸/۲ زكريا، هندية ۵۸/۱، صغيري ۱۱۹، شرح الوقاية ۱۳۷/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ساڑی پہن کر نماز پڑھنا

سوال (۱۹۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ساڑی پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ساڑی مکمل ساتر بلاؤز کے ساتھ پہنی کہ اعضاء مستورہ کا کوئی حصہ کھلا ہوا نہیں رہا، تو ایسی ساڑی پہن کر نماز درست ہو جائے گی، لیکن جن علاقوں میں ساڑی غیر مسلموں کا خاص لباس شمار ہوتا ہے، جیسا کہ مغربی اتر پردیش کا علاقہ، تو یہاں کی مسلمان عورتوں کے لئے ساڑی کا استعمال تشبہ کی وجہ سے مطلقاً ناجائز ہے۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد، الباس / باب في لبس الشهرة رقم: ۴۰۳۱)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها أن أسماء بنت أبي بكر دخلت على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وعليها ثياب رقاق، فأعرض عنها رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وقال: يا أسماء إن المرأة إذا بلغت المحيض لم يصلح لها أن يرى منها إلا هٰذا وهٰذا، وأشار إلى وجهه وكفيه. (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس / باب فيما تبدي المرأة من زينتها ۵۶۷/۲ رقم: ۴۱۰۴ دار الفكر بيروت)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: صنفان من أهل النار......ونساء كاسيات عاريات. (صحيح مسلم، اللباس والزينة / باب النساء الكاسيات العاريات ۲۰۵/۲)

قال الإمام النووي رحمه اللّٰه: معناه تلبس ثوبا رقيقا يصف لون بدنها.

(شرح النووي على مسلم ۲/۲۰۵)

والرابع ستر عورته للحرة جميع بدنها خلا الوجه والكفين والقدمين على المعتمد. (درمختار ۲/۶۹-۷۱ بيروت، درمختار ۲/۷۵-۷۸ زكريا، نور الايضاح ۶۹، الفتاویٰ التاتارخانية ۲/۲۳ رقم: ۱۵۴۵ زكريا، هداية ۱/۸۳ كراچی، البحر الرائق ۱/۴۶۹ رشيدية، ۱/۲۶۹ كوئٹه، الفتاویٰ الهندية ۱/۵۸ كوئٹه) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دھوتی باندھ کر نماز پڑھنا؟

سوال (۱۹۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دھوتی باندھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دھوتی اس طرح باندھی کہ اعضاء مستورہ میں سے کوئی عضو چوتھائی سے زیادہ کھلا رہ گیا (جیسا کہ غیر مسلموں کا طریقہ ہے کہ اکثر ان کی دھوتی میں رانیں کھلی رہتی ہیں) تو ایسی دھوتی پہن کر نماز درست نہ ہوگی، اور اگر دھوتی اس طرح باندھی کہ ستر نہیں کھلا تو نماز تو ہوجائے گی، مگر غیر مسلموں کا شعار ہونے کی وجہ سے یہ لباس مسلمانوں کے لئے استعمال کرنا مکروہ ہے۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: مروا أولادكم بالصلاة لسبع سنين واضربوهم عليها لعشر سنين وفرقوا بينهم في المضاجع، وإذا أنكح أحدكم عبده أو آجره فلا ينظرن إلى شيء من عورته فإن ما أسفل من سرته إلى ركبته من عورته. (مسند أحمد ۲/۱۸۷ رقم: ۶۷۵۶)

وهـي للـرجـل مـا تحت سرته إلى ما تحت ركبته. (درمختار مع الشامي ۲/ ۷۰ بيروت، شامي ۲/ ۷٦ زكريا، هداية ۱/ ۱۸۲ كراتشي، الفتاوىٰ التاتارخانية ۲/ ۲۱ رقم: ۱۵۳۷ زكريا، البحر الرائق ۱/ ۲٦۹ كوئٹه)

والـرابـع: ستـر عورته ووجوب عام، ولو في الخلوة على الصحيح. (تنوير الأبصار مع الدر المختار ۱/ ٤۰٤ كراچی، شامی ۲/ ۷٥ زكريا)

لـقوله تعالىٰ: ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ قيل في التاويل: الزينة ما يواري العورة، المسجد الصلاة، فقد أمر بمواراة العورة في الصلاة. (بدائع الصنائع ۱/ ٥٤۳ بيروت، فتاوىٰ دار العلوم ديو بند ۲/ ۱٤۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جارجٹ کا باریک دوپٹہ اوڑھ کر نماز پڑھنا؟

سوال (۱۹۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل باریک جارجٹ کے دوپٹے چل رہے ہیں، جن کو اوڑھ کر سر کے بالوں کی رنگت صاف دکھائی دیتی ہے، کیا اتنا باریک دوپٹہ اوڑھ کر عورت کی نماز درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کے سر سے لگے ہوئے بال بھی ستر میں داخل ہیں، اس لئے اتنا باریک دوپٹہ جس سے سر کے بالوں کی رنگت صاف ظاہر ہو جاتی ہو، پہن کر نماز درست نہیں ہوتی ہے؛ البتہ اگر باریک دوپٹہ کو دوہرا کر کے اوڑھ لیا جائے جس سے مکمل ستر ہو جائے، تو اسے اوڑھ کر نماز پڑھنا درست ہوگا۔

عـن أبـي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: صـنـفان من أهل النار......ونساء كاسيات عاريات. (صحيح مسلم، اللباس والزينة / باب النساء الكاسيات العاريات ۲/ ۲۰٥)

عن علقمة بن أبي علقمة عن أمه قالت: دخلت حفصة بنت عبد الرحمن على عائشة وعليها خمار رقيق، فشقته عائشة وكستها خماراً كثيفاً. (رواه مالك، مشكوٰة المصابيح / باب الخاتم ۲۷۷)

وشعر المرأة ما على الرأس عورة، وأما المسترسل ففيه روايتان: الأصح أنه عورة. (الفتاویٰ الهندية ۱/۵۸)

والثوب الرقيق الذي يصف ما تحته لا تجوز الصلاة فيه، كذا في التبيين.

(الفتاویٰ الهندية ۱/۵۸، درمختار مع الشامي ۲/۷٦-۷۷ بيروت، شامي ۲/۸٤ زكريا)

وحد الستر أن لا يرى ما تحته، حتى لو سترها بثوب رقيق يصف ما تحته لا يجوز. (البحر الرائق ۱/٤٦٧)

والثوب الرقيق الذي يصف ما تحته، لا تجوز الصلاة فيه؛ لأنه مكشوف العورة معنى. (تبيين الحقائق ۱/۲۵۲ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۱۰/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورت کا آدھی آستین پہن کر نماز پڑھنا؟

سوال (۱۹۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا عورت آدھی آستین پہن کر نماز پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟ (جیسا کہ آج کل رواج چل رہا ہے کہ آدھی آستین پہنتی ہیں) حالانکہ اپنے دوپٹہ سے اپنی دونوں کہنیوں کو چھپا لیتی ہیں، اگر نہیں پڑھ سکتی ہے تو جو نمازیں پڑھ چکی ہے اس کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کے لئے نماز کے تمام ارکان میں کہنیوں اور کلائیوں کو گٹوں سمیت چھپانا ضروری ہے؛ اس لئے پوری آستین کی قمیص پہن کر ہی نماز پڑھنی

چاہئے، اگر آدھی آستین پہن کر نماز پڑھی؛ لیکن کلائیوں کو دوپٹہ سے اس طرح چھپائے رکھا کہ کسی بھی رکن میں وہ ظاہر نہیں ہوئیں تو نماز درست ہوگئی، اور اگر کسی بھی رکن میں کلائیوں کا چوتھائی حصہ تین تسبیح کہہ لینے کے بقدر کھلا رہ گیا تو نماز فاسد ہوگئی، ایسی نماز کا دوبارہ پڑھنا ضروری ہے، اندازہ لگا کر ایسی جتنی بھی نمازیں پڑھی گئی ہیں ان کا اعادہ کیا جائے۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها أن أسماء بنت أبي بكر دخلت على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وعليها ثياب رقاق، فأعرض عنها رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وقال: يا أسماء إن المرأة إذا بلغت المحيض لم يصلح لها أن يرى منها إلا هٰذا وهٰذا، وأشار إلى وجهه وكفيه. (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس / باب فيما تبدي المرأة من زينتها ٥٦٧/٢ رقم: ٤١٠٤ دار الفكر بيروت)

وفي الحرة هذه الثمانية ويزاد فيها ستة عشر – إلى قوله – والعضدان مع المرفقين والزرعان مع الرسغين. (شامي ٨٣/٢ زكريا)

وبدن الحرة عورة إلا وجهها وكفيها وقدميها. (الفتاوىٰ الهندية ٥٨/١، البحر الرائق ٢٦٩/١ كراچى)

ويمنع حتى انعقادها كشف ربع عضو قدر أداء ركن بلا صنعه. (درمختار مع الشامي ٨١/٢ زكريا)

قليل الإنكشاف عفو بالإجماع، فقال أبو حنيفة ومحمد: الربع وما فوقه كثير – إلى قوله – الصحيح قولهما. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٣٣/٢ رقم: ١٥٤٧ زكريا) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۳۱/۱/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسائلِ استقبالِ قبلہ

استقبالِ قبلہ کی شرعی حیثیت

سوال (۱۹۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شریعت میں قبلہ کی حیثیت کیا ہے؟ اور استقبالِ قبلہ نماز میں کیوں ضروری ہے؟ نیز قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے میں اصل مقصد کعبہ اور قبلہ ہے یا رضائے الٰہی مطلوب ہے اور کعبہ کسے کہتے ہیں؟ کیا بیت اللہ شریف کی عمارت کا نام قبلہ ہے، نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ قبلہ کی تبدیلی کا حکم کب نازل ہوا؟ اور اس کی کیا حکمت تھی؟ اور قبلہ کی اس تبدیلی سے بندوں کو کیا سبق دینا مقصود تھا؟ وضاحت کے ساتھ جواب مرحمت فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلامی شریعت میں قبلہ متعین کرنے کی خاص حکمت یہ ہے کہ اجتماعی عبادات میں یکسانیت اور اتحاد کی صورت پیدا کی جائے؛ کیوں کہ اگر ہر شخص کو ایک ہی جگہ رہتے ہوئے الگ الگ قبلہ متعین کرنے کا اختیار دیا جائے گا تو نہایت ناگوار افتراق کا منظر سامنے آئے گا، جو کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے، اس لئے اجتماعیت پیدا کرنے کی غرض سے تمام ہی اہل ایمان کو ایک ہی قبلہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(بیان القرآن ۱/۸۲-۸۷، معارف القرآن ۱/۸۸-۳۵۷)

قبلہ کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہم جس معبودِ حقیقی کی عبادت کررہے ہیں وہ نعوذ باللہ قبلہ کی جہت میں محدود ہے؛ بلکہ اسلامی عقیدہ کے اعتبار سے معبودِ حقیقی اللہ رب العالمین کی ذات والا صفات ہر قسم کی جہت اور زمان ومکان کی حدوں سے بالاتر ہے، وہ ہر جگہ وجود کی صفت سے متصف

ہے، اور کوئی بھی جگہ اس کے وجود سے خالی نہیں، کیا مشرق، کیا مغرب، کیا شمال، کیا جنوب، یہ سب سمتیں پوری طرح اس کے احاطہ میں ہیں، اسی لئے اس نے قرآنِ کریم میں اعلان فرمایا:

قال تعالیٰ: ﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ، فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ [البقرة: ۱۱۵]

اس سے معلوم ہوگیا کہ قبلہ کی طرف رخ کرنا محض اس وجہ سے ہے کہ حکم خداوندی یہی ہے، اس نے جب اور جس طرف رخ کرنے کا حکم دیا اس کی تعمیل ہی اصل مقصود ہے، ارشاد خداوندی ہے:

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ﴾ [البقرة: ۱۷۷]

گویا کہ قبلہ وکعبہ اصل مقصود نہیں؛ بلکہ رضائے حق اصل مطلوب ہے، اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ مسلمانوں کے نزدیک کعبۂ مشرفہ بجائے خود معبود اور قابل پرستش نہیں (جیسا کہ بعض غیر مسلم اعتراض کرتے ہیں) بلکہ اس کی طرف رخ کرنے سے صرف اجتماعیت کی شان باقی رکھنا منظور ہے۔ اسی لئے حضرات علماء لکھتے ہیں کہ بیت اللہ شریف کی عمارت قبلہ نہیں؛ بلکہ اس جگہ کے خلاء ہی کو آسمانوں تک قبلہ کی حیثیت حاصل ہے، اگر بالفرض کسی وجہ سے کعبۂ مشرفہ کی موجودہ عمارت نہ رہے پھر بھی قبلہ باقی رہے گا۔ یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ ''مسلمان ہرگز کعبہ پرست نہیں ہیں'' کیوں کہ اگر وہ کعبہ پرست ہوتے تو اس کی عمارت باقی نہ رہنے کی صورت میں وہ اس کی جگہ کو قبلہ نہ بناتے۔

اسی طرح کے شبہات کو دفع فرمانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے قبلہ کو تبدیلی کے مرحلہ سے گذارا تاکہ یہ بات آشکارا ہوجائے کہ قبلہ اصل نہیں؛ بلکہ حکم خداوندی اصل ہے۔ چناں چہ ہجرت سے قبل تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظّمہ میں حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کے سامنے نماز ادا فرماتے تھے؛ تاکہ بیت اللہ کے ساتھ بیت المقدس کی طرف بھی رخ ہوسکے، لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرماکر مدینہ منورہ فروکش ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل کتاب کی موافقت کی غرض سے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا، جس کا رخ مکہ معظّمہ کے بالکل جانب مخالف تھا۔ ۱۶-۱۷ رمہینہ آپ نے اور مسلمانوں نے حکم خداوندی کی تعمیل میں بیت

المقدس کی طرف نمازیں پڑھیں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی خواہش پر بیت المقدس کے بجائے مسجد حرام بیت اللہ شریف کو دائمی قبلہ بنانے کا اعلان کردیا گیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَحَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ﴾ [البقرة: ١٤٤]

یہ تبدیلی اس حقیقت کی روشن دلیل ہے کہ عبادت کسی خاص قبلہ کی نہیں؛ بلکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی کی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ نماز میں استقبال قبلہ کی شرط ایسی نہیں کہ ہر حال میں لازماً ضروری ہو؛ بلکہ بعض خاص حالت میں مثلاً شدید مرض یا سفر کے دوران غیر قبلہ کی طرف بھی نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر تحری کر کے نماز پڑھی اور بعد میں معلوم ہوا کہ رخ غلط تھا پھر بھی نماز معتبر قرار پاتی ہے، نیز دور سے عین قبلہ کا نہیں؛ بلکہ سمت قبلہ کی طرف رخ کرنے کا م ہے جس میں اگر کچھ ڈگری اِدھر اُدھر رخ ہو جائے پھر بھی نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

أخرج البيهقي عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما بألفاظ مختلفة أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: البيت قبلة لأهل المسجد، والمسجد قبلة لأهل الحرم، والحرم قبلة لأهل الأرض في مشارقها ومغاربها من أمتي. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٢/ ٢٨٠ رقم: ٢٢٧٦)

والمعتبر في القبلة العرصة لا البناء فهي من الأرض السابعة إلى العرش (درمختار) أي ليس المراد بالقبلة الكعبة التي هي البناء المرتفع على الأرض ولذا لو نقل البناء إلى موضع اٰخر وصلىٰ إليه لم يجز؛ بل تجب الصلوة إلى أرضها. (شامي ٢/ ١٠٢ بيروت، شامي ٢/ ١١٤ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ١/ ٦٣، طحطاوی على المراقي ٢١٢، البحر الرائق ١/ ٢٨٥ كوئٹه)

سواء كانت الكعبة مبنية أو منهدمة يتوجه إليها؛ لأن الكعبة ليست بإسم

للحيطان، ألا أنه لو وضع الحيطان في موضع آخر و صلى إليها لا يجوز. (الفتاویٰ التارتاخانية ٢/٣٦ رقم: ١٦١٦ زكريا، البحر الرائق ١/٢٨٤ كوئٹه)

فيعلم منه أنه لو انحرف عن العين انحرافاً لا تزول منه المقابلة بالكلية جاز، ويؤيده ما قال في الظهيرية: إذا تيامن أو تياسر تجوز؛ لأن وجه الإنسان مقوس، لأن عند التيامن أو التياسر يكون أحد جوانبه إلى القبلة. (شامی ٢/ ٩٨ بيروت، ٢/ ١٠٩ زكريا، البحر الرائق ١/ ٢٨٤ كوئٹه)

استقبال القبلة شرط إن قدر عليه، وإلا فيكفي بالجهة، والمعتبر التوجه إلى مكان البيت دون البناء. (الفتاویٰ التاتارخانية ٢/٣٦ رقم: ١٦١٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبلہ؛ عمارتِ کعبہ کا نام نہیں

سوال (۱۹۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبلہ کسے کہتے ہیں؟ کیا عمارتِ کعبہ کا نام قبلہ ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیت اللہ شریف کی عمارت اصل میں قبلہ نہیں؛ بلکہ جس جگہ میں وہ عمارت قائم ہے وہی زمین سے آسمان تک قبلہ ہے؛ لہٰذا اگر عمارت نہ بھی رہے پھر بھی قبلہ باقی رہے گا۔

والمعتبر في القبلة العرصة لا البناء فهي من الأرض السابعة إلى العرش (درمختار) أي ليس المراد بالقبلة الكعبة التي هي البناء المرتفع على الأرض ولذا لو نقل البناء إلى موضع اٰخر وصلىٰ إليه لم يجز؛ بل تجب الصلوة إلى أرضها. (شامي ٢/ ١٠٢ بيروت، شامي ٢/ ١١٤ زكريا، الفتاویٰ الهندية ١/ ٦٣، طحطاوی علی المراقي ٢١٢، البحر الرائق ١/ ٢٨٥ كوئٹه)

سواء كانت الكعبة مبنية أو منهدمة يتوجه إليها؛ لأن الكعبة ليست بإسم للحيطان، ألا أنه لو وضع الحيطان في موضع آخر و صلى إليها لا يجوز. (الفتاویٰ التارتاخانية ٣٦/٢ رقم: ١٦١٦ زكريا، البحر الرائق ٢٨٤/١ كوئٹه) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبلہ کی سمت جاننے کے ذرائع

سوال (۱۹۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبلہ کی سمت جاننے کے معتبر ذرائع کیا ہے اور قبلہ کا رخ کس طریقہ سے صحیح طور پر جانا جائیگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن شہروں اور آبادیوں میں پرانی مساجد موجود ہوں انہی مساجد کی محرابوں کو قبلہ کا معیار بنایا جائے گا، اور جہاں پہلے سے مساجد تعمیر شدہ نہ ہوں، تو وہاں کے آس پاس رہنے والے مسلمانوں سے قبلہ کی تحقیق کی جائے گی، اور جن جگہوں پر کوئی بتانے والا نہ ملے مثلاً جنگلات یا نو تعمیر آبادیاں تو ان میں قطب نما اور چاند سورج وغیرہ کے ذریعہ سمت کی پہچان کر کے غور وفکر کے بعد قبلہ متعین کیا جائے گا۔

وجهة الكعبة تعرف بالدليل، والدليل في الأمصار والقرىٰ المحاريب التي نصبها الصحابة والتابعون فعلينا اتباعهم، فإن لم تكن فالسوال من أهل ذٰلك الموضع، وأما في البحار والمفاوز فدليل القبلة النجوم، هكذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاویٰ الهندية ٦٣/١)

وعلى ما وضعوه لها من الاٰلات كالربع والاصطرلاب، فإنها إن لم تفد اليقين تفيد غلبة الظن للعالم بها وعليه الظن كافية في ذٰلك. (شامي ١٠٠/٢ بيروت، شامي ١١٢/٢ زكريا، مجمع الأنهر ٨٣/١ بيروت، الجوهرة النيرة ٦٨/١، الفتاویٰ التاتارخانية

۳۵-۳٤/۲ رقم: ۱٦۱۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳٦/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

برصغیر ہندو پاک میں قبلہ کا صحیح رخ جاننے کا آسان طریقہ

سوال (۱۹۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: برصغیر ہندو پاک میں قبلہ کا صحیح رخ جاننے کا آسان طریقہ کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برصغیر ہندو پاک اور اس سے جانب مشرق میں واقع تمام علاقہ جات میں سمتِ قبلہ معلوم کرنے کا آسان اور محتاط طریقہ یہ ہے کہ گرمی کے سب سے بڑے دن (۲۲/جون) اور موسم سردی کے سب سے چھوٹے دن (۲۲/دسمبر) سورج غروب ہونے کی جگہ دیکھ لی جائے، تو قبلہ ان دونوں مقامات کے درمیان ہوگا، یعنی اس درمیانی رخ میں کسی طرف بھی نماز پڑھنا درست رہے گا۔ (جواہر الفقہ ۱/ ۲۷٦)

وقال العلامة الشامي: أقربها إلى الصواب قولان، الأول: أن ينظر من مغرب الصيف في أطول أيامه ومغرب الشتاء في أقصر أيامه فليدع الثلثين في الجانب الأيمن والثلث في الأيسر والقبلة عند ذٰلك ولو لم يفعل هٰكذا وصلىٰ فيما بين المغربين يجوز، وإذا وقع خارجاً منها لايجوز بالإتفاق. (شامي ۲/ ۹۹ بيروت، شامي ۲/ ۱۱۱ زكريا، حلبى كبير ۲۱۸، البحر الرائق ۱/ ۲۸۵ كوئٹه) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳٦/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا قبلہ کی تعیین میں غیر مسلم کا قول معتبر ہے؟

سوال (۲۰۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا قبلہ کی تعیین میں غیر مسلم کا قول معتبر ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر کوئی ایسی جگہ ہو جہاں یہ پتہ ہی نہ ہو کہ قبلہ کس سمت میں ہے، یعنی مثلاً یہ معلوم نہ ہو کہ یہاں سے قبلہ مشرق کی جانب ہے یا مغرب کی؟ تو اگر کوئی غیر مسلم ایسی جگہ قبلہ کی سمت بتائے تو محض اس کی خبر کا اعتبار نہ ہوگا، جب تک کہ قرائن سے اس کی تصدیق نہ ہو جائے، اور اگر ایسی جگہ ہے جہاں اتنا تو معلوم ہے کہ قبلہ یہاں مثلاً جانبِ مغرب ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ مغرب کدھر ہے تو مغرب کا رخ جاننے کے لئے کسی غیر مسلم سے بھی تحقیق کی جا سکتی ہے اور محض رخ بتانے میں اس کی خبر معتبر ہوگی جب کہ اس کی سچائی کا غالب گمان ہو جائے۔

ولا يقبل خبر الكافر والفاسق والصبي لعدم قبول خبرهم في أمور الديانات إلا إذا غلب علىٰ ظنه صدقهم. (الفقه الحنفي في ثوبه الجديد ١٩٧/١)

لأن قول الكافر مقبول في المعاملات. (هداية ٤٣٧/٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سمتِ قبلہ معلوم نہ ہو تو کیا کرے؟

سوال (۲۰۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص مثلاً سفر میں ہو اور اسے سمتِ قبلہ معلوم نہ ہو اور نہ ہی کوئی بتانے والا موجود ہو، تو ایسا شخص نماز کس طرف منہ کر کے پڑھے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر کوئی شخص مثلاً سفر میں ہو اور اسے سمتِ قبلہ معلوم نہ ہو اور نہ ہی کوئی بتانے والا موجود ہو تو تحری کرنا اس پر فرض ہے، یعنی قبلہ کی تعیین میں غور وفکر اور علامات وقرائن کا جائزہ لے کر نماز پڑھنا اس پر لازم ہے۔

وإن اشتبهت عليه القبلة وليس بحضرته من يسأله عنها اجتهد وصلىٰ.

(الفتاوىٰ الهندية ١/ ٦٤)

(ويتحرىٰ) هو بذل المجهود لنيل المقصود (عاجز عن معرفة القبلة) بما مر: **فإن ظهر خطأ، لم يعد مما مرَّ.** (شامي مع الدر المختار ١/ ٤٣٢ كراچی، ٢/ ١١٥ زكريا، البحر الرائق ١/ ٢٨٦ كوئٹه، ١/ ٤٩٩ رشيدية، الفتاوىٰ السراجية ٦٠) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۲/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فرض نمازوں میں استقبالِ قبلہ سے عاجز رہ جانے والے کا حکم

سوال (۲۰۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص معقول عذر کی وجہ سے قبلہ رخ نماز پڑھنے سے قاصر ہو، تو ایسے شخص کے لئے استقبال قبلہ کا کیا حکم ہے، کیا اس پر بھی قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا ضروری ہے یا اپنی معذوری اور بیماری کے سبب سہولت کے مطابق استقبالِ قبلہ کی رعایت کئے بغیر نماز پڑھ سکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کوئی شخص معقول عذر کی وجہ سے قبلہ رخ نماز پڑھنے سے قاصر ہو، تو اس سے استقبالِ قبلہ کی شرط ساقط ہو جاتی ہے اور وہ حسبِ سہولت کسی طرف بھی رخ کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔ معقول عذر درج ذیل ہو سکتے ہیں:

(۱) مریض اتنا کمزور ہے کہ وہ خود قبلہ رو نہیں ہو سکتا اور اس کا کوئی تیماردار بھی نہیں ہے جو اسے قبلہ رخ کر سکے۔

(۲) قبلہ رخ نماز پڑھنے میں جانی یا مالی نقصان کا شدید خطرہ ہو۔

(۳) آدمی سواری پر سوار ہو اور نیچے زمین پر کیچڑ ہی کیچڑ ہو، کوئی پاک جگہ نماز کے لئے میسر نہ ہو۔

(۴) سواری سے اتر کر چڑھنے کی قدرت نہ ہو خواہ اپنی کمزوری کی وجہ سے یا سواری کے

سرکش ہونے کی وجہ سے۔

(۵) مسافر سواری رکوانے پر قادر نہ ہو اور نماز کا وقت نکلا جا رہا ہو۔

(۶) سواری روک کر نماز پڑھنے میں بقیہ قافلہ والوں سے بچھڑ کر اکیلے رہ جانے کا خطرہ ہو

ان جیسی صورتوں میں فرض نماز قبلہ کے علاوہ رخ پر پڑھنا بھی درست ہے۔

وقبلة العاجز عنها لمرض وإن وجد موجها عند الإمام أوخوف مال، وكذا كل من سقط عنه الأركان جهة قدرته ولو مضطجعاً بإيماء لخوف رؤية عدو ولم يعد؛ لأن الطاعة بحسب الطاقة. (در مختار) **ويشترط في الصلوة على الدابة إيقافها إن قدر وإلا بأن خاف الضرر كان تذهب القافلة وينقطع فلا يلزمه إيقافها ولا استقبال الكعبة.** (شامي ۱۰۳/۲ بيروت، شامي ۱۱۵/۲ زكريا، كبيرى ۲۱۹، تبيين الحقائق ۲٦٥/۱، الفتاوىٰ الهندية ٦۳/۱، الفتاوىٰ التاتارخانية ۳۸/۲ رقم: ۱٦۲۸ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بغیر تحری کے نماز پڑھنا؟

سوال (۲۰۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص سفر میں ہو اور اس پر قبلہ مشتبہ ہو جائے، تو کیا ایسے شخص کے لئے کیف ما اتفق کسی بھی رخ نماز پڑھنا جائز ہے یا اس کے لئے تحری کر کے قبلہ معلوم کرنا ضروری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص پر قبلہ مشتبہ ہو اس کے لئے تحری کے بغیر نماز شروع کرنا درست نہیں ہے؛ تاہم اگر تحری کے بغیر نماز شروع کر دی اور فراغت کے بعد معلوم ہوا کہ واقعی قبلہ رخ نماز پڑھی ہے تو نماز درست ہو گئی، اور اگر دوران نماز ہی یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ قبلہ کا رخ صحیح یا غلط ہے تو نماز فاسد قرار پائے گی اور از سرِ نو پڑھنی ہوگی۔

فإن شرع بلا تحر فعلم بعد فراغه أنه أصاب صحت وإن علم بإصابة فيها فسدت. (نور الإيضاح ٦٩)

وإن شرع بلا تحر لم يجز وإن أصاب؛ إلا إذا علم أصابته بعد فراغه فلا يعيد اتفاقاً. (درمختار) **بخلاف صورة عدم التحري فإنه لم يعتقد الفساد؛ بل هو شاك فيه وفي عدمه فإذا ظهرت أصابته بعد التمام زال أحد الاحتمالين وتقرر الأخر بلا لزوم بناء القوى على الضعيف بخلاف ما إذا علم الإصابة قبل التمام.**

(درمختار مع الشامي ١٠٦/٢ بيروت، شامي ١١٩/٢ زكريا، غنية المستملي شرح منية المصلي ٢٢٢، تبيين الحقائق ٢٦٩/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دورانِ نماز معلوم ہوا کہ قبلہ دوسری طرف ہے

سوال (۲۰۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر تحری کر کے نماز شروع کی پھر دورانِ نماز میں ہی معلوم ہوا کہ قبلہ دوسری جانب ہے تو اب نماز پڑھنے والا کیا کرے اسی رخ پر پڑھتا رہے یا دوسری سمت گھوم جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر تحری کر کے نماز شروع کی پھر دورانِ نماز میں ہی معلوم ہوا کہ قبلہ دوسری جانب ہے، تو نماز ہی میں اس جانب گھوم جائے، ازسرِ نو لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

وإن علم وهو في الصلوة استدار إلى القبلة وبنى عليها. (الفتاویٰ الهندية ٦٤/١، درمختار مع الشامي ١١٦/٢ زكريا، ١٠٣/٢ بيروت، تبيين الحقائق ٢٦٨/١)

وإن علم في الصلاة أنه أصاب يستقبل. (البحر الرائق ٢٨٧/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز کے بعد قبلہ کی غلطی کا علم ہوا؟

سوال (۲۰۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شخص نے غور وفکر کرکے ایک جانب قبلہ سمجھتے ہوئے رخ کرکے نماز پڑھ لی بعد میں معلوم ہوا کہ قبلہ صحیح نہیں تھا تو اب ایسے شخص کی نماز کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کسی شخص نے تحری کرکے کسی طرف نماز پڑھی، پھر نماز سے فراغت کے بعد علم ہوا کہ اس نے غلط رخ پر نماز پڑھی ہے تو نماز صحیح ہوگئی لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

فإن علم أنه أخطأ بعد ما صلیٰ لا یعیدها. (الفتاویٰ الهندية ٦٤/١، درمختار مع الشامي ١١٦/٢ زكريا، شامي ١٠٣/٢ بيروت، تبيين الحقائق ٢٦٧/١)

رجل صلی في المسجد في ليلة مظلمة بالتحری فتبين أنه صلی إلی غير القبلة جازت صلاته. (البحر الرائق ٢٨٧/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۲/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبلہ سے معمولی انحراف مضر نہیں

سوال (۲۰۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر نماز پڑھتے ہوئے قبلہ سے معمولی سا انحراف ہو جائے اور دائیں بائیں تھوڑا سا سینا اور چہرا مڑ جائے تو نماز کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مکہ سے باہر رہنے والے شخص نے اگر قبلہ کی سمت سے معمولی طور پر ہٹ کر نماز پڑھی تو بھی نماز درست ہو جائے گی۔ معمولی انحراف کا مطلب یہ ہے کہ صرف اس قدر انحراف ہو کہ نمازی کی پیشانی کا کوئی نہ کوئی حصہ قبلہ کی سیدھ میں باقی رہے، اس کی

مقدار فقہاء نے دونوں جانب ۴۵-۴۵ درجہ مقرر کی ہے۔ (امداد المفتین ۳۱۳/۲، جواہر الفقہ ۲۴۲/۱، احسن الفتاویٰ ۳۱۳/۲)

فيعلم منه أنه لو انحرف عن العين انحرافاً لا تزول منه المقابلة بالكلية جاز، ويؤيده ما قال في الظهيرية: إذا تيامن أو تياسر تجوز؛ لأن وجه الإنسان مقوس، لأن عند التيامن أو التياسر يكون أحد جوانبه إلى القبلة. (شامي ٩٨/٢ بيروت، شامي ١٠٩/٢ زكريا، البحر الرائق ٢٨٤/١ كوئٹه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز کے دوران سینہ قبلہ سے پھر جانا؟

سوال (۲۰۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر دوران نماز سینہ قبلہ سے پھر گیا تو نماز کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر نماز کے دوران نمازی کا سینہ قبلہ کے رخ سے بلا عذر پوری طرح پھر گیا تو فوراً نماز فاسد ہوجائے گی، اور اگر بھول سے بلا عذر پھر گیا تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر فوراً صحیح رخ پر کرلیا تو نماز فاسد نہ ہوگی، اگر ایک رکن یعنی تین تسبیحات پڑھنے کے بقدر رخ پھرا رہا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔

والحاصل أن المذهب أنه إذا حول صدره فسدت وإن كان في المسجد إذا كان من غير عذر كما عليه عامة الكتب وأطلقه فشمل ما لو قل أو كثر وهذا لو باختياره وإلا فان لبث مقدار ركن فسدت وإلا فلا. (شامي ٣٤/٢ بيروت، شامي ٣٨/٢ زكريا، الفتاوىٰ التاتارخانية ٣٨/٢ رقم: ١٦٣٠ زكريا، حلبي كبير ٢٢٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز کے دوران چہرہ قبلہ سے پھر جانا؟

سوال (۲۰۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز کے دوران چہرہ اگر قبلہ سے پھر جائے تو کیا نماز فاسد ہوجائے گی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز میں صرف چہرہ قبلہ سے پھر جانے سے اگر چہ نماز فاسد نہیں ہوتی، مگر یہ فعل مکروہ تحریمی اور گناہ ہے۔

والالتفات بوجهه كله أو بعضه للنهي. (درمختار) وينبغي أن تكون تحريمية كما هو ظاهر الأحاديث. (شامي ٢/ ٤٣٥ بيروت، شامي ٢/ ٤١٠ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ١/ ٦٣)

ولو حول وجهه عنها كان عليه واجبا أن يستقبل القبلة من ساعة، ولا تفسد صلاته بذل التحويل، ولكن يكره أشد الكراهة، لما روى البخاري عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: سألت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن الالتفات في الصلاة، فقال هو اختلاس بحتک الشيطان. (حلبي كبير ٢٢٤-٢٢٣ لاهور) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کس طرح کی سواری پر نفل نماز پڑھتے وقت استقبالِ قبلہ نہ کرنے کی رخصت ہے؟

سوال (۲۰۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سواری پر چلتے ہوئے نفل نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اگر چلتی سواری پر سمت قبلہ کی رعایت کئے بغیر جس رخ گاڑی چل رہی ہو اس رخ پر نفل نماز پڑھ لی تو نماز صحیح ہوجائے گی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دورانِ سفر جس رخ پر سواری جارہی ہو اس رخ پر نفل نماز پڑھنا بلا عذر بھی مطلقاً جائز ہے، مگر اس سے وہ سواری مراد ہے جس میں چلتے ہوئے قبلہ رخ نماز پڑھنے کی رعایت نہ رکھی جاسکتی ہو، جیسے اونٹ، گھوڑا، موٹر سائیکل وغیرہ؛ لیکن اگر سواری وسیع ہو جیسے ریل، ہوائی جہاز اور بس وغیرہ، تو اس میں نماز نفل کے لئے بھی قبلہ رخ ہونا ضروری ہوگا؛ کیوں کہ یہ بڑی سواریاں کشتیوں کے حکم میں ہیں اور ان میں قبلہ کا لحاظ کرنا متعذر نہیں ہے۔

وأما في النفل فتجوز على المحمل والعجلة مطلقا. (تنوير) **أي سواء كانت واقفة أو سائرة على القبلة أولا، قادر على النزول أولا، طرف العجلة على الدابة أولا.** (شامي ٤٢٨/٢ بيروت، شامي ٤٩١/٢ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ٦٣/١)

ومن أراد أن يصلي في سفينةٍ تطوعاً أو فريضةً فعليه أن يستقبل القبلة ولا يجوز له أن يصليَ حيث ما كان وجهه. (الفتاوىٰ الهندية ٦٤/١، البحر الرائق / باب صلاة المريض ٢٠٧/٢ رشيدية، ١١٧/٢ كوئٹه) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفر لہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

ریل اور جہاز میں استقبالِ قبلہ؟

سوال (۲۱۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ریل، ہوائی جہاز، کشتی اور سمندری سواریوں میں نماز پڑھنے کے لئے استقبالِ قبلہ کیسے کیا جائے گا؟ کیا سواری کی سمت رخ کرکے نماز پڑھ سکتے ہیں؟ فرض اور نفل نماز کے بارے میں استقبالِ قبلہ کی کیا تفصیل ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ریل، کشتی، بحری جہاز اور ہوائی جہاز جیسی سواریوں

میں نماز فرض یا نفل پڑھتے وقت قبلہ کی طرف رخ کرنا ضروری ہے، بعض ناواقف لوگ بلاعذر کے ریل وغیرہ کے سفر میں قبلہ کا لحاظ کئے بغیر جدھر چاہتے ہیں حسبِ سہولت نماز پڑھ لیتے ہیں، یہ جائز نہیں ہے۔

ومن أراد أن يصلي في سفينةٍ تطوعاً أو فريضةً فعليه أن يستقبل القبلة ولا يجوز له أن يصليَ حيث ما كان وجهه. (الفتاویٰ الهندية ٦٤/١، البحر الرائق / باب صلاة المريض ٢٠٧/٢ رشيدية، ١١٧/٢ كوئٹه)

وإن شرع بلا تحر لم يجز وإن أصاب. (درمختار ١١٩/٢ زكريا، ١٠٦/٢ بيروت)

ويلزم استقبال القبلة عند الافتتاح وكلما دارت. (درمختارمع الشامي / باب صلاة المريض، قبيل: باب سجود التلاوة ١٠٢/٢ كراچی، شامي ٥٧٣/٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہوائی جہاز میں سمت قبلہ؟

سوال (۲۱۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جہاز کے لمبے سفر کے دوران قبلہ کی سمت کا تعین مشکل ہوتا ہے اور بعض اوقات کھڑے ہوکر نماز پڑھنا مشکل ہوتا ہے، ایسے میں کیا کیا جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موجودہ دور میں جہاز میں سمت قبلہ متعین کرنا کوئی مشکل نہیں ہے، اس بارے میں عملہ سے بھی معلومات کی جاسکتی ہے، اور یہ ممکن نہ ہوتو خود غور وفکر کرکے جس جانب قلبی رجحان ہو اس سمت رخ کرکے نماز پڑھ لی جائے اور ہر جہاز کے پیچھے اور درمیانی حصہ میں کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کی گنجائش ہوتی ہے، اس لیے جو شخص کھڑے ہوکر نماز پڑھنے پر قادر ہو، اس کے لیے جہاز میں بیٹھ کر نماز پڑھنا درست نہ ہوگا، البتہ کوئی شخص کھڑے

ہونے سے معذور ہو یا جہاز اس قدر حرکت کرنے والا ہو کہ کھڑا رہنا مشکل ہو تو ایسی صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کی گنجائش ہوگی۔

وإن اشتبهت عليه القبلة، وليس بحضرته من يسأله عنها اجتهد وصلى.

(الفتاویٰ الهندية ٦٤/١)

ويتحرى عاجز عن معرفة القبلة (در مختار ١١٥/٢ زكريا)

ومن أراد أن يصلي في سفينة تطوعا أو فريضة فعليه أن يستقبل القبلة، ولا يجوز له أن يصلي حيث ما كان وجهه (الفتاویٰ الهندية ٦٤/١)

وإن شرع بلاتحر لم يجز وإن أصاب (در مختار ١١٩/٢ زكريا، كتاب المسائل ٢٨٣/١، ٢٨٤)

القيام في الصلاة بإجماع المفسرين وهو فرض في الصلاة للقادر عليه في الفرض. (البحر الرائق ٢٩٢/١)

ومنها القيام في فرض القادر عليه. (در مختار ١٣١/٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۳/۱۰/۵ھ

دورانِ نماز ریل اور جہاز کا گھوم جانا؟

سوال (۲۱۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دورانِ سفر ریل یا ہوائی جہاز میں تحری کر کے ایک رخ پر نماز پڑھنا شروع کرتے ہیں، پھر دوران نماز ہی ریل یا ہوائی جہاز دوسری طرف گھوم جاتے ہیں، تو ایسی صورت میں نماز پڑھنے والا کیا کرے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر نماز کے دوران ریل یا جہاز وغیرہ کا رخ قبلہ سے

پھر جانے کا علم ہو جائے تو نمازی پر لازم ہے کہ وہ بھی گھوم کر اپنا رخ قبلہ کی طرف کرلے، اگر گھوم جانے کا اندازہ نہ ہو تو اسی طرح نماز درست ہو جائے گی۔

حتى لو دارت السفينةُ وهو يصلي توجه إلى القبلة حيث دارت. (الفتاویٰ الهندية ٦٤/١)

وإن علم به في صلاته ...... استدار وبنى. (تنوير الأبصار مع الدر المختار ١١٦/٢ زكريا، درمختار ١٠٣/٢ بيروت)

وقيد بترك القيام؛ لأنه لو ترك استقبال وجهه إلى القبلة وهو قادر عليه، لا يجزيه في قولهم جميعا، فعليهم أن يستقبلوا بوجههم القبلة كلما دارت السفينة يحول وجهه إليها كذا في الاستيجابي. (البحر الرائق ٢٠٧/٢ رشيدية، ١١٧/٢ باب صلاة المريض كوئٹه) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مکہ مکرمہ میں رہنے والوں کا قبلہ کیا ہے؟

سوال (۲۱۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جو شخص مکہ معظّمہ میں قیام پذیر ہو اور مسجد حرام یا کسی ایسی جگہ نماز پڑھتا ہو جہاں سے بیت اللہ شریف صاف نظر آتا ہو، تو ایسے شخص کے لئے نماز میں بیت اللہ شریف کی عین مواجہت ضروری ہے یا اس سمت رخ کرکے نماز پڑھنا کافی ہوگا، اور جو شخص مکہ معظّمہ سے باہر کا رہنے والا ہو اور اس کے لئے عین کعبہ کی طرف رخ کرنا ممکن نہ ہو، تو اس کے لئے استقبالِ قبلہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مکہ معظّمہ میں مسجدِ حرام کے اندر نماز پڑھنے والے یا ایسی اونچی عمارت یا پہاڑی پر نماز پڑھنے والے کے لئے جہاں سے بیت اللہ شریف صاف نظر آتا

ہو،عین کعبۂ مشرفہ کی طرف نماز پڑھنا ضروری ہے، اور حرم شریف سے باہر جو شخص نماز پڑھے اور عمارات اور مکانات کی آڑ کی وجہ سے کعبۂ مشرفہ کو نہ دیکھ سکتا ہو، تو اس کے لئے کعبہ کی جہت کی طرف نماز پڑھنا کافی ہے، عین کعبہ کی طرف رخ کرنا لازم نہیں۔ حج اور بھیڑ کے زمانے میں حرم شریف کے اندر اور باہر بسا اوقات قبلہ کی طرف توجہ کرنے میں کوتاہی ہوجاتی ہے اس لئے وہاں خاص طور پر استقبالِ قبلہ کا خیال رکھا جائے۔

اور مکہ معظّمہ کے علاوہ دنیا کے دیگر مقامات پر رہنے والوں کے لئے عین کعبہ کی طرف رخ کرنا لازم نہیں؛ بلکہ سمت قبلہ کی طرف رخ کرلینا کافی ہے، جیسے ہمارے ہندوستان میں جانب مغرب۔

أخرج البيهقي عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما بألفاظ مختلفة أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: البيت قبلة لأهل المسجد، والمسجد قبلة لأهل الحرم، والحرم قبلة لأهل الأرض في مشارقها ومغاربها من أمتي. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٢/ ٢٨٠ رقم: ٢٢٧٦)

فللمكي......، إصابة عينها يعم المعاين وغيره، لكن في البحر أنه ضعيف والأصح أن من بينه وبينها حائل كالغائب. (درمختار مع الشامي ٢/ ٩٧ بيروت، شامي ٢/ ١٠٨ زكريا، الفتاوىٰ التاتارخانية ٢/ ٣٣ رقم: ١٦٠٨ زكريا، البحر الرائق ١/ ٢٨٤ كوئٹه)

ومن كان بمكة وبينه وبين الكعبة حائل يمنع المشاهدة كأبنيَّةٍ، فالأصح أن حكمه حكم الغائب. (طحطاوي على المراقي ١١٦، غنية المتملي شرح منية المصلي ٢١٨، مجمع الأنهر ١/ ٨٣ بيروت)

ومن كان خارجاً عن مكة فقبلته جهة الكعبة، وهو قول عامة المشائخ وهو الصحيح. (الفتاوىٰ الهندية ١/ ٦٣)

حتى لو أزيلت الموانع لايشترط أن يقع استقباله على عين الكعبة لا

محالة. (غنية المتملي ٢١٨، شامی ١٠٩/١ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۲/۵/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجدِ حرام میں امام سے آگے اُسی رخ میں نماز پڑھنا؟

سوال (۲۱۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حج کے موقع پر حجاجِ کرام کی کثرت اور بھیڑ کی وجہ سے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعض ناواقف لوگ مسجدِ حرام میں مطاف کے اندر امام سے آگے بڑھ کر نیت باندھ لیتے ہیں، تو ایسے لوگوں کی نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا مسجدِ حرام میں امام سے آگے اس رخ میں نماز پڑھنا نا جائز ہے، اگر پڑھ لی تو نماز کا کیا حکم ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجدِ حرام میں امام جس جانب امامت کررہا ہو اس رخ میں امام سے آگے نماز پڑھنے والوں کی نماز درست نہ ہوگی؛ البتہ دوسرے رخ میں اگر بالکل کعبۂ مشرفہ کی دیوار کے قریب نماز پڑھے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ آج کل ناواقفیت کی وجہ سے مسجدِ حرام میں اس سلسلہ میں بڑی کوتاہی ہوتی ہے، امام صاحب دھوپ کے وقت یا زیادہ بھیڑ کی وجہ سے یا نماز تراویح میں رکنِ یمانی اور حجر اسود کے بالمقابل مکبرہ (شیشے والے کمرے) کے نیچے نماز پڑھاتے ہیں، اور بہت سے حضرات اسی جانب آگے مطاف میں نماز کی نیت باندھ لیتے ہیں جو صحیح نہیں ہے، ایسے لوگوں کی نماز درست نہیں ہوتی، ان پر بعد میں قضا لازم ہے۔

ولو تقدم على الإمام من غير عذر فسدت صلا ته. (الفتاویٰ الهندية ١٠٣/١)

قال القدوري رحمه الله: إن صلوا جماعة استدار وا حول الكعبة بهٰذا جرت العادة، ومن كان منهم أقرب إلى الكعبة في الإمام، فإن كان في الجهة التي يصلى إليها الإمام لم يجز، وإن كان في جهة أخرىٰ جاز. (الفتاویٰ التاتارخانية ٣٦/٢

رقم: ١٦١٧ زكريا)

وإذا صلى الإمام في المسجد الحرام وتخلف الناس حول الكعبة وصلوا صلاة الإمام فمن كان منهم أقرب إلى الكعبة من الإمام جازت صلاته، إذا لم يكن في جانب الإمام كذا في الهداية. (الفتاوىٰ الهندية ١/٦٥، هداية ١/٤٣٥ مكتبة البشرىٰ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۲۱/۲/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کعبہ کے اندر یا چھت پر نماز پڑھنے والے کا قبلہ؟

سوال (۲۱۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کعبہ کے اندر یا چھت پر نماز پڑھنے والا کس طرف منہ کر کے نماز پڑھے گا اور اس کا قبلہ کیا ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''کعبۂ مشرفہ'' کے اندر یا اس کی چھت پر تنہا نماز پڑھنے والا شخص کسی جانب بھی رخ کر کے نماز پڑھ سکتا ہے، وہاں رہتے ہوئے ہر جانب اس کے لئے قبلہ ہے۔

ولو صلى في جوف الكعبة أو على سطحها جاز إلى أيّ جهةٍ توجه.

(الفتاوىٰ الهندية ١/٦٣، النتف في الفتاوىٰ ٤٣، الفتاوىٰ التاتارخانية ٢/٣٧ رقم: ١٦٢٣ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۲۱/۲/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کعبہ کے اندر نماز باجماعت میں صفوں کی ترتیب؟

سوال (۲۱۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کعبہ کے اندر نماز باجماعت میں صفوں کی ترتیب کس طرح بنائی جائے گی؟ تفصیل کے

ساتھ جتنی بھی صورتیں نکلتی ہوں، ہر ایک کو تحریر فرمائیں، نیز ہر ایک کا حکم بھی واضح فرمادیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بیت اللہ شریف میں نماز با جماعت ادا کی جائے تو امام اور مقتدیوں کے مقام اور صفوں کی ترتیب کے اعتبار سے کل سات صورتیں نکلتی ہیں، جن میں سے چھ جائز اور ایک ناجائز ہے۔ تفصیل یہ ہے:

(۱) امام دیوار کی طرف پشت کر کے اور مقتدیوں کی طرف چہرہ کر کے کھڑا ہو اور سب مقتدیوں کا رخ امام کی طرف ہو۔

(۲) امام دیوار کی طرف رخ کرے اور سب مقتدی اس کے بالمقابل دوسری دیوار کی طرف رخ کریں گویا کہ امام کی پشت مقتدیوں کی پشت کی طرف اور مقتدیوں کی پشت امام کی پشت کی طرف۔

(۳) مقتدیوں کا رخ امام کی پشت کی طرف ہو جیسا کہ عام جماعت میں ہوتا ہے۔

(۴) سب مقتدی امام کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہوں۔

(۵) مقتدیوں کا رخ امام کے دائیں بائیں پہلو کی طرف ہو۔

(۶) امام کا رخ مقتدیوں کے پہلو کی طرف ہو۔

مذکورہ سب صورتوں میں جماعت درست ہے؛ اس لئے کہ خاص اس رخ میں جس کی طرف امام نماز پڑھ رہا ہے کوئی مقتدی اس رخ میں اس سے آگے نہیں بڑھ رہا ہے؛ کیوں کہ بقیہ مقتدیوں کا رخ دوسری جانب ہے جو ممنوع نہیں۔

(۷) اور اگر امام کا رخ مقتدیوں کی پشت کی طرف ہو تو ان مقتدیوں کی نماز درست نہ ہوگی؛ اس لئے کہ وہ خاص اسی رخ میں امام سے آگے واقع ہو رہے ہیں۔

وإن صلوا جماعة فإنها على سبعة أوجه: أحدها: أن يكون وجه الإمام إلىٰ وجه القوم ووجه القوم إلىٰ وجه الإمام. والثاني: أن يكون ظهر الإمام إلىٰ ظهر

القوم وظهر القوم إلیٰ ظهر الإمام. والثالث: أن یکون وجه القوم إلیٰ ظهر الإمام. والرابع: أن یکون جنب القوم إلیٰ جنب الإمام. والخامس: أن یکون وجه القوم فی جنب الإمام. والسادس: أن یکون وجه الإمام في جنب القوم، ففي کل هٰذه الوجوه جازت صلاتهم متفقاً علیه. والسابع: أن یکون وجه الإمام في ظهر القوم، فعند الفقهاء لا تجوز صلاته؛ لأنه غایة الخلاف والانحراف. (النتف في الفتاویٰ ۴۳، الفتاویٰ التاتارخانیة ۲/۳۷ رقم: ۱۶۲۵ زکریا) *فقط واللہ تعالیٰ اعلم*

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نیت سے متعلق مسائل

نیت کی تعریف

سوال (۲۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نیت کسے کہتے ہیں؟ نیت کا معنی اور مطلب کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول اور اس کے حکم کی تعمیل کی غرض سے کسی کام کو انجام دینے کا ارادہ کرنا شرعاً نیت کہلاتا ہے۔

عن عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: إنما الأعمال بالنيات. (صحيح البخاري ۱/۱ رقم: ۱)

وعرفها القاضي البيضاوي: بأنها شرعاً الإرادة المتوجهة نحو الفعل ابتغاءً لوجه اللّٰه تعالیٰ وامتثالاً لحكمه. (الأشباه والنظائر قديم ۱/٥٦، جديد ۱۰۹ زكريا)

والنية: إرادة الصلاة للّٰه تعالیٰ على الخلوص، والاستدلال على اشتراطها بقوله تعالیٰ: ﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ (البحر الرائق ۱/۲۷٦ كوئٹه، درمختار مع الشامي / باب شروط الصلاة ۱/٣٨٥ كراچی، ۲/۹۰ زكريا)

وفي نور الإيضاح: حقيقتها عقد القلب على الفعل. (قواعد الفقه ٥٣٧)

وتشترط النية: وهي الإرادة الجازمة لتتميز العبادة عن العادة ويتحقق الإخلاص فيها للّٰه سبحانه وتعالیٰ. (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح ۸۲ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۲/۱۴۳٦ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نیت کیوں کی جاتی ہے؟

سوال (۲۱۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نیت کیوں کی جاتی ہے؟ شریعت میں نیت کو کیوں مشروع کیا گیا؟ اور اس کا کیا مقصد ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نیت کرنے سے مقصود شرعاً دو چیزیں ہیں:

(۱) عبادات کو عادات سے امتیاز کرنا (مثلاً کھڑا ہونا کبھی محض طبعی خواہش کی بنا پر ہوتا ہے اور یہی کھڑا ہونا جب نماز کی نیت سے ہو تو عبادت بن جاتا ہے)

(۲) بعض عبادات کو بعض سے ممتاز کرنا (مثلاً ظہر اور عصر کی رکعات ایک جیسی ہیں، مگر نیت الگ الگ ہونے سے یہ الگ الگ عبادتیں قرار پاتی ہیں)

المقصود منها تمييز العبادات من العادات، وتمييز بعض العبادات عن بعض. (الأشباه والنظائر قديم ۵۷/۱، جديد ۱۰۹ زكريا)

قال ابن رجب: النية تقع بمعنيين أحدهما: تمييز العبادات بعضا عن بعض، كتميز صلاة الظهر من صلاة العصر، والثاني: تمييز المقصود بالعمل هل هو لله وحده. (قواعد الفقه ۵۳۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا زبان سے نیت کرنا ضروری ہے؟

سوال (۲۱۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا نیت کے تحقق کے لئے زبان سے نیت کرنا ضروری ہے، یا صرف دل کا ارادہ ہی کافی ہے؟ اگر کسی نے زبان سے الفاظِ نیت ادا نہ کئے، صرف دل میں ارادہ کیا کہ میں فلاں وقت کی نماز پڑھ رہا ہوں؟ تو کیا صرف اس کا ارادہ تحقق نیت کے لئے کافی ہوجائے گا؟ یا اسے زبان سے الفاظ

بھی کہنا ضروری ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نیت صرف دل سے ارادہ کر لینے کا نام ہے؛ لہٰذا نیت کی صحت کے لئے زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرنا لازم نہیں ہے؛ لیکن جو شخص زبان سے الفاظِ نیت ادا کئے بغیر اپنے دل کو مستحضر کرنے پر قادر نہ ہوتو اس کے لئے زبانی نیت کرنا بھی کافی ہے؛ بلکہ بہتر ہے۔

لایشترط مع نیة القلب التلفظ في جمیع العبادات. (الأشباہ والنظائر قدیم ۱/۸۸، جدید ۱۶۳ زکریا)

وفي القنیة والمجتبی: ومن لایقدر أن یحضر قلبه لینوي بقلبه أو یشک في النیة یکفیه التکلم بلسانه؛ لأنه لایکلف اللّٰه نفساً إلا وسعها. (الأشباہ والنظائر قدیم ۱/۸٤، جدید ۱۵٦ زکریا)

فالحاصل أن حضور النیة بالقلب من غیر احتیاج إلی اللسان أفضل وأحسن، وحضورها بالتکلم باللسان إذا تعسر بدونه حسن والاکتفاء بمجرد التکلم من غیر حضورها رخصة عند الضرورة وعدم القدرة علی استحضارها.

(شرح المنیة ۲۵۵، شامي ۲/۹۱ زکریا، البحر الرائق ۱/۱۷۷، الفتاویٰ السراجیة ٦۱، دار العلوم زکریا افریقیه الجنوبیه) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۲/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عربی زبان میں نیت کو ضروری سمجھنا؟

سوال (۲۲۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عربی زبان میں نماز کی نیت کرنا بعض لوگ افضل کہتے ہیں اور بعض لوگ ضروری سمجھتے ہیں یہ کہنا اور ضروری سمجھنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نیت کا مطلب دل سے ارادہ کرنا ہے اگر زبان سے بھی کہہ لے تو بہتر ہے ضروری نہیں ہے، اور غیر عربی شخص کے لئے عربی میں کلمات نیت کہنے کی ضرورت نہیں اردو میں کہہ دے گا، تو بھی استحباب کا درجہ حاصل ہوجائے گا۔

النية إرادة الدخول في الصلاة ...... ولا عبرة بالذكر باللسان فإن فعله لتجتمع عزيمة قلبه فهو حسن. (الفتاویٰ الهندية، الصلاة/ الفصل الرابع في النية ۱/ ٦٥)

لايشترط مع نية القلب التلفظ في جميع العبادات. (الأشباه والنظائر قديم ۱/ ۸۸، جديد ۱٦۳ زكريا)

وفي القنية والمجتبى: ومن لايقدر أن يحضر قلبه لينوي بقلبه أو يشك في النية يكفيه التكلم بلسانه؛ لأنه لايكلف اللّٰه نفساً إلا وسعها. (الأشباه والنظائر قديم ۱/ ۸٤، جديد ۱٥٦ زكريا)

فالحاصل أن حضور النية بالقلب من غير احتياج إلى اللسان أفضل وأحسن، وحضورها بالتكلم باللسان إذا تعسر بدونه حسن والاكتفاء بمجرد التكلم من غير حضورها رخصة عند الضرورة وعدم القدرة على استحضارها.

(شرح المنية ۲٥٥، شامی ۲/ ۹۱ زكريا، البحر الرائق ۱/ ۱۷۷، الفتاویٰ السراجية ٦۱، دار العلوم زكريا افريقيه الجنوبيه) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/ ۴/ ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا نماز شروع کرنے کے بعد کی جانے والی نیت معتبر ہے؟

سوال (۲۲۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نیت کب کرنی چاہئے؟ کیا عین نماز شروع کرنے سے پہلے نیت کرنا ضروری ہے؟ یا تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد بھی نیت کرسکتے ہیں؟ مثلاً اگر کوئی شخص رکعت پانے کی وجہ سے بغیر نیت کے

استحضار کے جلدی سے یوں ہی نماز میں شریک ہوگیا، نیت باندھنے کے بعد اسے یاد آیا کہ نیت تو کی نہیں، اب اگر وہ نماز شروع کرنے کے بعد نیت کرلے تو اس کی نیت درست ہوجائے گی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نیت کے لئے زبان سے الفاظ کہنے ضروری نہیں؛ بلکہ دل کا ارادہ کافی ہے؛ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر کوئی شخص نماز کے ارادہ سے گھر سے چلا اور فوراً آکر نماز میں شریک ہوگیا، الگ سے نیت نہیں کی تو یہ ارادہ ہی نیت کے لئے کافی ہے، اور اس کی نماز صحیح ہے؛ لیکن اگر پہلے سے ارادہ کچھ نہیں تھا، بغیر کسی نیت کے تکبیر تحریمہ کہہ لی، اور اب نماز کی نیت کر رہا ہے تو یہ نیت معتبر نہیں، اس طرح نماز درست نہ ہوگی۔ اور بہرحال افضل یہی ہے کہ تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے باقاعدہ نیت کا استحضار کیا جائے۔

فالحاصل جواز الصلوٰة عندنا بنية متقدمة إذا لم يفصل بينها و بين التكبير عمل ليس للصلوٰة. (حلبي كبير ٢٥٥)

أجمع أصحابنا أنَّ الأفضل أن تكون مقارنةً للشروع ولا يكون شارعاً بنية متأخرة. (الأشباه والنظائر قديم ٨١/١، جديد ١٥٠ زكريا)

وجاز تقديمها على التكبيرة ما يوجد بينهما قاطعها من عمل غير لائق للصلاة، وفي الشامي: وأما اشتراطهم عدم الفاصل بين النية والتكبيرة، فالمراد به ما كان من أعمال الدنيا كما في التاتارخانية، وفي البحر: المراد به الفاصل الأجنبي. (درمختار مع الشامي ٩٣/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نیت کے مستحضر ہونے کی کیا علامت ہے؟

سوال (۲۲۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دل میں تو نیت ہوتی ہے کہ میں ظہر کے وقت میں ظہر کی نماز پڑھنے کے لئے تکبیر کہہ رہا ہوں؛ لیکن دل کے خیال میں غلطی ہورہی ہے، کبھی خیال آتا ہے کہ یہ عشاء کی نماز ہے، پھر ایک دم یہ خیال آتا ہے کہ نہیں عصر کی نماز ہے، پھر عین تکبیر کہتے کہتے یہ خیال مستحکم ہوتا ہے کہ نہیں ظہر کی نماز ہے، جب کہ نیت پہلے سے ظہر ہی کی نماز پڑھنے کی ہے؛ لیکن خیال میں غلطی ہورہی ہے، تو کیا اس خیال کی غلطی کا استحضار نیت پر کوئی فرق تو نہیں پڑے گا، کیا اس طریقے پر نماز شروع کرنے سے نماز درست ہوجائے گی یا نہیں؟ نیت کے مستحضر ہونے کی کیا علامت ہے؟ نیز کیا پوری نماز میں اس نیت کا حاضر رکھنا ضروری ہے یا شروع کی نیت کافی ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نیت مستحضر ہونے کی علامت یہ ہے کہ مثلاً نماز شروع کرنے سے پہلے کسی شخص سے پوچھا جائے کہ بتاؤ کون سی نماز پڑھنے کا ارادہ ہے؟ تو وہ بلا کسی تأمل کے فوراً صحیح جواب دیدے، اگر ذرا بھی توقف کرے گا اور سوچنے کی ضرورت پڑے گی تو سمجھا جائے گا کہ اس کی نیت حاضر نہیں ہے۔ نیت کی ضرورت صرف نماز کے شروع کرنے سے قبل پڑتی ہے، بعد میں ارکانِ نماز ادا کرتے وقت نیت کا استحضار ضروری نہیں ہے، یعنی بعد میں استحضار نہ بھی رہے تو بھی نماز ادا ہوجائے گی؛ البتہ افضل یہی ہے کہ اخیر نماز تک خشوع وخضوع اور استحضار باقی رکھا جائے۔

وعلامة التعيين للصلوٰة أن تكون بحيث لو سئل أي صلوٰة تصلي يمكنه أن يجيب بلا تأمل. (الأشباه والنظائر ۱/۵۸ قديم)

والشرط أن يعلم بقلبه أي صلاة يصلي وأدناها ما لم يسئل لأمكنه أن يجيب بالبديهة، وإن لم يقدر على أن يجيب إلا بالتأمل لم تجز صلاته. (الفتاویٰ الهندية ۱/۶۵)

قالوا في الصلاة لا تشترط النية في البقاء للحرج. (الأشباه والنظائر قديم ۱/۸۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سنتوں میں رسول اللہ ﷺ اور فرائض میں اللہ کے لئے نیت کر کے ہاتھ باندھنا؟

سوال (۲۲۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سنت نماز کی نیت یوں کرتا ہے کہ ''نیت کرتا ہوں میں نماز کی، نماز پڑھتا ہوں اللہ تعالیٰ کے لئے دو رکعت نماز سنت، سنت رسول کی، وقت فجر منہ میرا کعبہ شریف کی طرف اللہ اکبر''۔

اور فرضوں کی نیت یوں کرتا ہے کہ ''فرض اللہ تعالیٰ کے''۔ اور نفل کی یوں کہ ''دو رکعت نماز نفل''۔

بہت دنوں سے اکثر مصلیان مذکورہ طرز پر نیت کرتے ہیں؛ لیکن بہت سے علماء حضرات نے اس کی تردید کی؛ لیکن لوگ نہیں مانتے کہ کیا حرج ہے؟

زیر بحث وزیر غور مسئلہ دریافت یہ ہے کہ سنت کی نسبت رسول کی طرف اور فرضوں کی اللہ کی طرف کرنا، اور نفل کی نسبت کسی کی طرف نہ کرنا، نہ اللہ کی طرف نہ رسول کی طرف کیسا ہے؟، دوسرے مشابہت رضا خانیوں کی پوری کی پوری پائی جاتی ہے، جب کہ نیت دل کے ارادہ کو کہتے ہیں، مگر لوگوں نے سنتِ رسول کے لئے خاص کر دی ہے، منع کرنے پر مصلیان مانتے نہیں ہیں، تو اس طرح نیت کرنا کیسا ہے؟ شرک کی آمیزش ہے یا نہیں، یا شرک پایا جاتا ہے یا اس طرح کوئی حرج نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کی نیت کے لئے زبان سے تلفظ ضروری نہیں ہے؛ بلکہ دل سے جو بھی نیت کرے گا اس کے مطابق نماز درست ہو جاتی ہے؛ البتہ اگر کوئی شخص دل کے استحضار کو مزید پختہ کرنے کے لئے زبان سے بھی نیت کے الفاظ ادا کر لے تو شرعاً کوئی حرج نہیں، اور سنتوں کی ادائیگی میں یہ کہنے میں بھی حرج نہیں ہے کہ میں اتنی رکعت سنت رسول پڑھتا ہوں، یہ کلام واقعہ کے خلاف نہیں ہے؛ لیکن اگر یہ کہے گا کہ میں رسول اللہ کے لئے سنت پڑھ رہا ہوں، جیسا کہ بعض جاہل بدعتیوں کا طریقہ ہے، تو یہ جائز نہیں؛ اس لئے کہ نماز اللہ کے علاوہ کسی کے لئے نہیں پڑھی جا سکتی۔

الاکتفاء بنية القلب وهو مجزئ. (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية ١٣٩/١)

وكفى مطلق نية الصلاة وإن لم يقل لله لنفل وسنة راتبة وتراويح على المعتمد. (الدر المختار مع الشامي ٩٤/٢ زكريا)

ويكفيه مطلق النية للنفل والسنة و التراويح هو الصحيح، كذا في التبيين، وهو ظاهر الجواب واختيار عامة المشائخ كذا في التجنيس. (الفتاویٰ الهندية ٦٥/١)

وعرفها القاضي البيضاوي: بأنها شرعاً الإرادة المتوجهة نحو الفعل ابتغاءاً لوجه الله تعالىٰ وامتثالاً لحكمه. (الأشباه والنظائر قديم ٥٦/١، جديد ١٠٩ زكريا)

والنية: إرادة الصلاة لله تعالىٰ على الخلوص، والاستدلال على اشتراطها بقوله تعالىٰ: ﴿وَمَا اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ (البحر الرائق ٢٧٦/١ کوئٹہ)

وفي نور الإيضاح: حقيقتها عقد القلب على الفعل. (قواعد الفقه ٥٣٧)

وتشترط النية: وهي الإرادة الجازمة لتتميز العبادة عن العادة ويتحقق الإخلاص فيها لله سبحانه وتعالىٰ. (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح ٨٢ بيروت)

والخامس النية: وهي الإرادة المرجحة. (درمختار مع الشامي ٣٨٥/١ کراچی) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۷/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اکیلا نماز پڑھنے والا نیت کیسے کرے گا؟

سوال (۲۲۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اکیلا نماز پڑھنے والا نیت کس طرح کرے گا؟ آیا زبان سے کہے گا یا صرف دل میں نیت کر لینا کافی ہوگا کہ میں فلاں وقت کی نماز پڑھ رہا ہوں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اکیلے نماز پڑھنے والے کے لئے صرف دل سے یہ ارادہ کرلینا کافی ہے کہ میں فلاں وقت کی فرض نماز (مثلاً ظہر، عصر) ادا کررہا ہوں، تعداد رکعات اور قبلہ رخ ہونے کی نیت لازم نہیں۔

والمفترض المفرد لایکفیه نیة مطلق الفرض الخ، ما لم یقل في نیة الظهر أو العصر مثلاً الخ. فإن نوی فرض الوقت الخ، أجزأه الخ، ولایشترط نیة أعداد الرکعات. (غنیة المتملي شرح منیة المصلي ۲۴۹، الفتاویٰ التاتارخانیة ۲/ ۴۰ رقم: ۱۶۳۵ زکریا)

وأما استقبال القبلة فشرط الجرجاني لصحته النیة والصحیح خلافه.

(الأشباه والنظائر قدیم ۱/ ۳۶، جدید زکریا ۷۶، البحر الرائق ۱/ ۱۷۷، الفتاویٰ الهندیة ۱/ ۶۵) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

امام کے پیچھے نماز پڑھنے والا کس طرح نیت کرے گا؟

سوال (۲۲۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جماعت کے ساتھ پڑھنے والا مقتدی امام کے پیچھے اپنی نماز کی نیت کس طرح کرے گا اور اس کے لئے کتنی چیزوں کی نیت کرنا ضروری ہے، کیا صرف نماز کی نیت کرے گا یا اقتداء کی بھی نیت کرنا ضروری ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جماعت میں شامل ہونے والے مقتدی کے لئے دو باتوں کی نیت ضروری ہے: اول یہ کہ متعین کرے کہ کون سی نماز پڑھ رہا ہے؟ دوسرے یہ نیت کرے کہ میں اس محراب میں کھڑے ہوئے امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا ہوں۔

وأما المقتدى فينوى الاقتداء أيضاً ولايكفيه فى صحة الاقتداء نية الفرض والتعيين أى تعيين الفرض ؛ بل يحتاج فى صحته إلى نيتين نية الصلوٰة مطلقاً إن تطوعاً، ومعينةً إن غيره ونية المتابعة للإمام. (شرح المنية ۲۵۱)

وذكر شمس الأئمة السرخسي: إن نوى صلاة الإمام جاز عن نية ذاتية الصلاة، وعن نية الاقتداء ...... ولو نوى الاقتداء بالإمام، ولكن لم ينو صلاة الإمام، إنما نوى الظهر، فإذا هى جمعة لا يجوز لأن اختلاف الفرضين يمنع الاقتداء. (الفتاویٰ التاتارخانية ۴۱/۲ رقم: ۱٦٤٨ زكريا)

وإذا أراد المقتدي بتيسير الأمر على نفسه، ينبغي أن ينوي صلاة الإمام والاقتداء به. (الفتاویٰ التاتارخانية ٤٢/٢ رقم: ١٦٤٩ زكريا، الفتاویٰ الهندية ٦٦/١، شامي مع الدر المختار ٩٧/٢ زكريا)

ولايصح الاقتداء بإمام إلاّ بنية. (الأشباه والنظائر قديم ٣٤/١، جديد ٧٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا امام نماز پڑھاتے ہوئے اپنی نماز کے ساتھ امامت کی نیت کرسکتا ہے؟

سوال (۲۲۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید امام ہے نماز پڑھاتا ہے، کیا زید نماز پڑھاتے وقت امامت کی نیت بھی کرلے؟ بہشتی زیور حصہ ۱۱ ص: ۳۱ پر لکھا ہے کہ امام کو صرف اپنی نماز کی نیت کرنا شرط ہے، امامت کی نیت کرنا شرط نہیں ہے، جب کہ فتاوی محمودیہ ۸۸/۲ پر لکھا ہے: البتہ تحصیلِ ثواب جماعت کے لئے امامت کی نیت کرنا بھی ضروری ہے، ان دونوں حوالوں کو سامنے رکھ کر زید امامت کی نیت

کرے یانہیں، شرعاً کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہشتی زیورا ورفتاویٰ محمودیہ کے مسئلوں میں کوئی تعارض نہیں ہے؛ اس لئے کہ اصل مسئلہ یہی ہے کہ امامت کی صحت کے لئے نیتِ امامت اصالۃً شرط نہیں ہے؛ لیکن بہتر یہی ہے کہ امام اس کی نیت کرلیا کرے؛ تاکہ اسے امامت کا ثواب حاصل ہو جائے۔

والإمام ینوي صلوتہ فقط، ولا یشترط لصحۃ الاقتداء نیتہ إمامتہ المقتدي؛ بل لنیل الثواب، وفي الشامي: أي بل یشترط نیۃ إمامۃ المقتدي لنیل الإمام ثواب الجماعۃ. (شامي ۲/ ۱۰٤ زکریا)

ولا یحتاج الإمام في صحۃ الاقتداء بہٖ إلی نیۃ الإمامۃ حتی لو شرع علی نیۃ الانفراد فاقتدی بہٖ یجوز. (شرح المنیۃ ۲۵۱)

وتصح الإمامۃ بدون نیتھا. (الإشباہ والنظائر جدید ۷۲)

إلا أنّہ لایکون مثاباً علیھا لما تقدم أنہ لا ثواب إلا بالنیۃ. (غمز عیون البصائر ۱/ ۳٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۲/ ۲/ ۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا امام کے لئے امامت کی نیت لازم ہے؟

سوال (۲۲۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا جماعت کی نماز میں امام کے امام بننے کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ وہ نماز کے ساتھ اپنے امام ہونے کی بھی نیت کرے، یا امامت کی نیت کے بغیر مقتدیوں کی نماز اس کے پیچھے صحیح ہو جائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جماعت کی نماز میں امام کے امام بننے کے لئے یہ لازم

نہیں ہے کہ وہ نماز کے ساتھ اپنے امام ہونے کی بھی نیت کرے؛ بلکہ امامت کی نیت کے بغیر بھی مقتدیوں کے لئے اس کی اقتدا کرنا درست ہوجائے گا، تاہم امام کو امامت کا ثواب اسی وقت ملے گا جب کہ امامت کی نیت کرے۔

ولایحتاج الإمام في صحة الاقتداء بہٖ إلی نیة الإمامة حتی لو شرع علی نیة الانفراد فاقتدی بہٖ یجوز. (شرح المنیة ۲۵۱)

وتصح الإمامة بدون نیتھا. (الإشباہ والنظائر جدید ۷۲)

إلا أنّہ لایکون مثاباً علیھا لما تقدم أنہ لا ثواب إلا بالنیة. (غمز عیون البصائر ۳٤/۱، درمختار مع الشامي ٤/۲-۱۰۳ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا امام کے لئے عورتوں کی اقتداء کی بھی نیت کرنا ضروری ہے؟

سوال (۲۲۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر جماعت کی نماز میں عورتیں بھی شامل ہوں اور امام ان کی اقتدا کی نیت نہ کرے، تو کیا ان کی نماز امام کے پیچھے صحیح ہوجائے گی؟ نیز جمعہ، عیدین اور حرمین شریفین میں امام کی نیت کے بغیر عورتوں کی اقتداء کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عام نمازوں میں (جن میں مجمع زیادہ نہیں ہوتا) عورتوں کی نماز باجماعت میں شمولیت اسی وقت درست ہوگی جب کہ امام (عموماً یا خصوصاً) ان کی اقتداء کی بھی نیت کرے، اگر امام نے عورتوں کی نیت نہیں کی تو مقتدی عورتوں کی نماز درست نہ ہوگی؛ البتہ جمعہ وعیدین (یا جہاں مجمع کثیر ہو مثلاً حرمین شریفین) میں امام کی نیت کے بغیر بھی عورتوں کی اقتداء درست ہے؛ لیکن عورتوں کے لئے جماعت سے نماز پڑھنے کے مقابلہ میں اپنے

گھروں میں ہی تنہا نماز پڑھنا افضل ہے، جیسا کہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔

ولا يصير إماما للنساء إلا بالنية هٰكذا في المحيط. (الفتاویٰ الهندية ٦٦/١، شامي ٣٩٤/١ نعمانية، ١٠٤/٢ زكريا)

فإن اقتداء هن به لايجوز ما لم ينو أن يكون إماماً لهن أو لمن تبعه عموماً. (شرح المنية ٢٥١، الأشباه والنظائر قديم ٣٥/١، جديد ٧٣ زكريا)

واستثنىٰ بعضهم الجمعة والعيدين وهو الصحيح كما في الخلاصة. (الأشباه والنظائر قديم ٣٥/١، جديد ٧٣ زكريا)

عن عمرة بنت عبد الرحمن أن عائشة رضي اللّٰه عنها زوج النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قالت: لو أدرك رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ما أحدث النساء لمنعهن المسجد، كما منعت نساء بني إسرائيل. (صحيح البخاري / باب خروج النساء إلى المساجد بالليل والغلس رقم: ٨٦٩، صحيح مسلم رقم: ٤٤١، سنن الترمذي / باب في خروج النساء في العيدين رقم: ٥٤٠)

وعن عبد اللّٰه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: صلاة المرأة في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها، وصلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها. (سنن أبي داؤد ٨٤/١ / باب ما جاء في خروج النساء إلى المسجد) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قضاء عمری کی نیت کیسے کی جائے گی؟

سوال (۲۲۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی شخص پر اگر لمبی مدت کی نمازیں قضا ہوں پھر وہ ان کو ادا کرنے کا ارادہ کرے تو ان کی ادائیگی کے لئے نیت کس طرح کی جائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی شخص پر اگر لمبی مدت کی نمازیں قضا ہوں تو ان کو ادا کرتے وقت نیت کا آسان طریقہ یہ ہے کہ نیت کرے کہ میں مثلاً قضا شدہ ظہر کی نمازوں میں سے پہلی یا آخری ظہر ادا کر رہا ہوں، ہر قضا نماز میں اسی طرح نیت کرتا رہے تو اسی نیت سے اس کی نمازیں ادا ہوتی رہیں گی۔

ولو نوى أول ظهر عليه أو آخر ظهر عليه جاز، وهٰذا هو المخلص لمن لم يعرف أوقات الفائتة أو اشتبهت عليه أو أراد التسهيل على نفسه. (الأشباه والنظائر قديم ۱/ ۶۰)

ولو انفرض قضاء لكنه يعين ظهر يوم كذا على المعتمد، والأسهل نية أول ظهر عليه أو أخر ظهر. (درمختار مع الشامي ۲/ ۹۶ زكريا، الفتاویٰ التاترخانية ۲/ ۴۰ رقم: ۶۴۰ زكريا، الفتاویٰ الهندية ۱/ ۶۶) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

واجب الاعادہ نماز کی نیت

سوال (۲۳۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز ادا کر لینے کے بعد اگر اس کا لوٹانا واجب ہو جائے، مثلاً کسی مکروہ تحریمی کا ارتکاب ہو جائے یا کوئی واجب چھوٹ جائے، تو اس کی ادائیگی میں نیت کس طرح کی جائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کوئی نماز کسی مکروہِ تحریمی کے ارتکاب یا ترکِ واجب کی بنا پر واجب الاعادہ ہونے کی وجہ سے لوٹائی جائے، تو اس میں یہ نیت کی جائے گی کہ میں فرض میں نقصان کی تلافی کے لئے نماز پڑھ رہا ہوں؛ اس لئے کہ فرض تو پہلی نماز سے ساقط ہوگیا۔ اور یہ دوسری نماز اصل میں نفل ہے، جس کا مقصد نقصانِ فرض کی تلافی ہے۔

وأما الصلاة المعادة لارتكاب مكروه أو ترك واجب فلا شك أنها جابرة لا فرض لقولهم بسقوط الفرض بالأولى، فعلى هذا ينوي كونها جابرة لنقص الفرض على أنها نفل تحقيقاً. (الأشباه والنظائر قديم ۷۲/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز وتر کی نیت

سوال (۲۳۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز وتر میں نیت کس طرح کی جائے گی؟ کیا وتر کی نماز میں نیت کرتے وقت واجب کہنا ضروری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وتر پڑھتے وقت صرف یہ نیت کافی ہے کہ میں نماز وتر پڑھ رہا ہوں، وتر واجب کہنے کی ضرورت نہیں۔

وينوي الوتر لا الوتر الواجب للاختلاف فيه. (الأشباه والنظائر قديم ۶۲/۱)

ولا بد من التعيين عند النية لفرض وواجب أنه وتر (درمختار) قوله: أنه وتر: إشارة إلى أنه لا ينوي فيه أنه واجب. (درمختار مع الشامي ۲/۹۷-۹۵ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا سننِ مؤکدہ میں تعیین نیت شرط ہے؟

سوال (۲۳۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سننِ مؤکدہ جیسے فجر اور ظہر کی سنتیں ان کی ادائیگی کے وقت تعیین شرط ہے یا نہیں؟ یعنی اگر

کوئی شخص محض یہ نیت کرلے کہ میں دو یا چار رکعت سنت پڑھ رہا ہوں، تو کیا اس کی یہ نیت کافی ہوگی اور متعینہ سنتیں ادا ہو جائیں گی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سننِ مؤکدہ میں صرف یہ نیت کافی ہے کہ میں اتنی رکعت نماز پڑھ رہا ہوں، یہ کہنا لازم نہیں کہ میں مثلاً فجر یا ظہر کی سنت ادا کر رہا ہوں، اس تعیین کے بغیر بھی سنتیں ادا ہو جاتی ہیں؛ تاہم اگر کوئی متعین کرلے تو کوئی حرج بھی نہیں۔

المصلي إذا كان متنفّلا سواء كان ذٰلک النفل سنة مؤكدة أو غيرها يكفيه مطلق نية الصلاة ولا يشترط تعيين ذٰلک النفل بأنه سنة الفجر مثلا. (غنية المتملي شرح منية المصلي ۲۴۷، الأشباه والنظائر قديم ۶۳/۱)

وكفىٰ مطلق نية الصلاة لنفل وسنة راتبة ولو سنة فجر؛ وكذا الأربع المنوي بها أخر ظهر أدركته عند الشك في صحة الجمعة، وبه تتأدى السنة كما بسطه في الفتح، وأخره في البحر والنهر. (درمختار مع الشامي ۹۴/۲ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ۶۷/۱، الفتاوىٰ التاتارخانية ۳۹/۲ رقم: ۱۶۳۴ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

نماز تراویح کی نیت کس طرح کی جائے گی؟

سوال (۲۳۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا تراویح کی نماز مطلق نماز کی نیت سے ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ یا تراویح کے لئے الگ سے نیت کرنا ضروری ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح کی نماز اگرچہ محض مطلق نماز کی نیت سے بھی

ہوسکتی ہے؛ تاہم متعین کر کے تراویح کی نیت کر لی جائے تو بہتر ہے۔

واختلف التصحيح في التراويح هل تقع التراويح بمطلق النية أولا بد من التعيين فصحح قاضي خان الاشتراط والمعتمد خلافه كالسنن الرواتب. (الأشباه والنظائر قديم ٦٣/١، شرح المنية ٢٤٨)

وكفى مطلق نية الصلاة لنفل وسنة راتبة وتراويح على المعتمد، والتعيين أحوط (درمختار) أي بالنية أحوط، أي لاختلاف في الصحيح. (درمختار مع الشامي ٩٤/٢ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ٦٦/١، الفتاوىٰ التاتارخانية ٣٩/٢ رقم: ١٦٣٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نوافل کی نیت

سوال (۲۳۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نوافل کی نیت کس طرح کی جائے گی؟ کیا نوافل کی نیت میں تعداد رکعات، وقت وغیرہ کی تعیین ضروری ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نفل نمازوں میں صرف یہ نیت کافی ہے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں وقت وغیرہ کی تعیین ضروری نہیں ہے۔

وأما النوافل فاتفق أصحابنا أنها تصح بمطلق النية. (الأشباه والنظائر قديم ٦٢/١، درمختار مع الشامي ٩٤/٢ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ٦٦/١، الفتاوىٰ التاتارخانية ٣٩/٢ رقم: ١٦٣٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نمازِ جنازہ کی نیت

سوال (۲۳۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز جنازہ کی نیت کس طرح کی جائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نمازِ جنازہ میں نماز کی نیت کے ساتھ میت کے لئے دعاء اور سفارش کی بھی نیت کی جائے گی۔

وفي صلاة الجنازة ينوي الصلوٰة للّٰه تعالى و الدعاء للميت. (الأشباه والنظائر قديم ۱/ ٦٢)

وللجنازة ينوي الصلاة و الدعاء للميت. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ٤٣ رقم: ١٦٥٧ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ١/ ٦٦، درمختار مع الشامي ٢/ ١٠٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سجدۂ تلاوت کی نیت؟

سوال (۲۳۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سجدۂ تلاوت کی نیت کس طرح کی جائے گی؟ نیز کیا ہر آیتِ سجدہ کے لئے الگ سے سجدۂ تلاوت کی نیت کرنا ضروری ہے یا ایک ہی نیت سے متعدد آیات کے سجدے کئے جاسکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سجدۂ تلاوت میں بھی نیت ضروری ہے، اس میں یہ نیت کی جائے کہ آیتِ سجدہ پڑھنے سے جو سجدہ مجھ پر واجب ہوا ہے وہ ادا کررہا ہوں۔

سجدۂ تلاوت ادا کرتے وقت یہ لازم نہیں کہ آیتِ سجدہ کی تعیین کی جائے؛ بلکہ مطلق نیت سے بھی سجدۂ تلاوت ادا ہوجاتا ہے۔

وسجود التلاوة كالصلوٰة. (الأشباه والنظائر قديم ۱/۳۵)

ولا بد من التعيين عند النية لفرو واجب أنه ...... أو سجد تلاوة. (درمختار مع الشامي ۲/۹۷ زكريا)

ولا يلزمه التعيين في سجود التلاوة لأيِّ تلاوةٍ سجد لها كما في القنية. (الأشباه والنظائر قديم ۱/۶۲)

ولا يجب تعيين السجدات التلاوة لو تكررت التلاوة. (شامي ۲/۹۷ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نیت کرتے وقت رکعات کی تعداد میں غلطی ہوگئی؟

سوال (۲۳۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شخص سے نیت کرتے وقت نماز کی رکعتوں کی تعداد میں غلطی ہوجائے، مثلاً کہا کہ میں ظہر کی نماز ۳؍رکعت پڑھ رہا ہوں یا فجر کی نماز چار رکعت پڑھ رہا ہوں، تو کیا تعداد رکعات میں غلطی سے اصل نماز پر کچھ فرق پڑے گا یا نماز صحیح ہوجائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کسی شخص سے نیت کرتے وقت نماز کی رکعتوں کی تعداد میں غلطی ہوجائے (مثلاً کہا کہ میں ظہر کی نماز ۳؍رکعت پڑھ رہا ہوں) تو بھی نماز درست ہوجائے گی؛ اس لئے کہ تعداد رکعات کا بیان ضروری نہیں؛ لہٰذا اس میں غلطی مضر بھی نہیں۔

فلو عيّن عدد ركعات الظهر ثلٰثاً أو خمساً صح؛ لأن التعيين ليس بشرط فالخطأ فيه لا يضر. (الأشباه والنظائر قديم ۱/۶۶، الفتاویٰ الهندية ۱/۶۶)

دون تعيين عدد ركعات محصولها ضمناً فلا يضر الخطأ في عددها، وفي

الأشباه: الخطأ فيما لا يشترط له التعيين لا يضر كتعيين مكان الصلاة وزمانها وعدد الركعات. (درمختار مع الشامي ۲/ ۹۸-۹۷ زكريا، الفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ٤٤ رقم: ۱٦٦٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اداء اور قضاء کی نیت میں اُلٹ پلٹ؟

سوال (۲۳۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شخص نے ادا نماز پڑھتے وقت قضاء کی نیت کر لی، یا قضا پڑھتے وقت ادا کی نیت کر لی تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ادا نماز پڑھتے وقت قضاء کی نیت کر لی، یا قضا پڑھتے وقت ادا کی نیت کر لی پھر بھی نماز صحیح ہوجائے گی۔

أما جواز القضاء بنية الأداء وعكسه فمجمع عليه عندنا. (شرح المنية ۲۵۳، الأشباه والنظائر قديم ۱/ ٦٦)

لصحة القضاء بنية الأداء كعكسه هو المختار. (درمختار مع الشامي، مطلب: يصح القضاء بنية الأداء وعكسه ۲/ ۱۰۰ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز کے فرائض

جس عمر میں احتلام ہوتا ہے اس عمر میں نماز چھوڑنا؟

سوال (۲۳۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جس عمر میں احتلام ہوتا ہے اس میں نماز کو چھوڑنا یا قضا کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احتلام ہونا بالغ ہونے کی علامت ہے، اور بالغ ہونے کے بعد کسی بھی مسلمان کے لئے نماز چھوڑنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جس شخص نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی تو اس نے کافروں جیسا عمل کیا''۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جب بچہ سات سال کا ہو تو اسے نماز کا حکم کرو اور جب دس سال کا ہوجائے تو نماز نہ پڑھنے پر اس کی تادیب وتنبیہ کی جائے''، یہ سب احکام اس لئے ہیں؛ تاکہ بالغ ہونے سے پہلے آدمی نماز کا پکا عادی بن جائے، اور بالغ ہونے کے بعد اس کی کوئی نماز قضا نہ ہو۔

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضي اللّٰہ عنہ یقول: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: بین الرجل وبین الشرک والکفر ترک الصلاۃ. (صحیح مسلم ۱/۶۱)

عن أنس بن مالک رضي اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من ترک الصلاۃ متعمداً فقد کفر جهاراً. (المعجم الأوسط ۴/۲۱۱)

عن عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ''مروا الصبیان بالصلاۃ بسبع سنین واضربوهم علیها في عشر سنین''.

(المستدرک للحاکم ۱/۳۱۲)

هي فرض عين على كل مكلف. (درمختار مع الشامي، كتاب الصلاة ١/١ ٣٥ كراچی، ٤/٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۵/۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فرائضِ نماز

سوال (۲۴۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز میں کتنی چیزیں فرض ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نماز کے فرائض چھ ہیں:

(۱) تحریمہ: کلماتِ ذکر (جیسے اللہ اکبر) سے نماز شروع کرنا۔

قال الله تعالىٰ: ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ [المدثر: ٣]

عن علي رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ...... **وتحريمها التكبير.** (سنن أبي داؤد، الصلاة / باب في تحريم الصلاة وتحليلها ١/١ ٩ رقم: ٦١٨)

عن زياد بن أبي مسلم قال: سمعت أبا العالية سئل: بأي شيء كان الأنبياء يستفتحون الصلاة؟ قال: بالتوحيد والتسبيح والتهليل. (مصنف بن أبي شيبة، الصلاة / باب ما يجزي من افتتاح الصلاة ٢/٠ ٤٢ رقم جديد: ٢٤٧٨-٢٤٧٩)

(۲) قیام: فرض، واجب اور نذر کی نمازوں میں کھڑا ہونا۔

قال الله تعالىٰ: ﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ [البقرة: ٢٣٨]

ومنها القيام في فرض لقادر عليه. (تنوير الأبصار مع الشامي ١٣١/٢ زكريا)

(۳) قرأت: یعنی فرض نماز کی دو رکعتوں اور سنن، نوافل اور وتر کی ہر رکعت میں قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھنا۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿فَاقْرَءُ وْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ [المزمل: ۲۰]

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا صلاة إلا بقراء ة. (صحيح مسلم / الصلاة رقم: ۳۹٦)

عن عبد اللّٰه بن أبي قتادة عن أبيه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يقرأ في الركعتين الأوليين بفاتحة الكتاب وسورة، وفي الأخريين بفاتحة الكتاب.

(مصنف لابن أبي شيبة، الصلاة / باب من كان يقرأ في الأوليين بفاتحة الكتاب وسورة ۳/۲٦۱ رقم: ۳۷٦۲)

يجب أن يعلم بأن القراء ة في الصلاة ركن، قال تعالىٰ: ﴿فَاقْرَءُ وْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ الأمر للوجوب، والمراد به حالة الصلاة، إذ هي لا تجب خارج الصلاة فتعينت حالة الصلاة. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/۵۹ رقم: ۱۷۲۱ زكريا)

وهي فرض عملي في جميع ركعات النفل والوتر وفي ركعتين من الفرض. (شامي / مبحث القراء ة ۲/۱۳۳ زكريا، طحطاوي على مراقي الفلاح ۲٦٦)

محل القراء ة في التطوع الركعات حتى يفترض القراء ة في الركعات كلها، وفي الفرائض محل القراء ة الركعتان. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/۵٦ رقم: ۱۷۲٤ زكريا)

(۴) رکوع کرنا۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا﴾ [الحج: ۷۷]

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَارْكَعُوْا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ﴾ [البقرة: ٤۳]

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم دخل المسجد ...... الخ، وفيه: ثم اركع حتى تطمئن راكعاً. (سنن الترمذي، الصلاة / باب ما جاء في وصف الصلاة ۱/٦٦ رقم: ۳۰۲)

(۵) سجدہ کرنا۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا﴾ [الحج: ۷۷]

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم دخل المسجد ثم ذكر الحديث بطوله، وفيه: ثم أسجد حتى تطمئن ساجداً، ثم أجلس حتى تطمئن جالساً. (سنن أبي داؤد، تفريع أبواب الصفوف / حديث المسيئ صلاته رقم: ٨٥٦)

(٦) تشہد پڑھنے کے بقدر قعدۂ اخیرہ میں بیٹھنا۔

أخرج أبوداؤد عن القسم بن مخيمرة قال: أخذ علقمة بيديّ، فحدثني أن عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه أخذ بيده وأن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أخذ بيد عبد اللّٰه، فعلمه التشهد في الصلاة، فذكر مثل دعا حديث الأعمش، إذا قلت هٰذا أو قضيت هٰذا، فقد قضيت صلاتک إن شئت أن تقوم فقم، وإن شئت أن تقعد فاقعد. (سنن أبي داؤد، الصلاة / باب التشهد ١٣٩/١ رقم: ٩٧٠ دار الفكر بيروت)

يجب أن يعلم بأن القعدة الأخيرة فرض عندنا. (الفتاوىٰ التاتارخانية ١٢٨/٢ رقم: ١٩٣٩ زكريا)

فرائض الصلوٰة ستة: التحريمة والقيام والقراءة والركوع والسجود والقعدة في اٰخر الصلوٰة مقدار التشهد. (هداية ٩٨/١، الجوهرة النيرة ٦٩/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اللہ اکبر کے ساتھ تکبیرِ تحریمہ فرض ہے یا واجب؟

سوال (۲۴۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تکبیرِ تحریمہ شرطِ نماز ہے یا واجب وفرض ہے؟

مفتی حبیب الرحمٰن صاحب نے تکبیر تحریمہ کو شرطِ نماز قرار دیا ہے۔ (مسائل سجدۂ سہو ۲۰)

اور دوسری جگہ واجب لکھا ہے اور خاص لفظ اللہ اکبر کے ساتھ واجب ہے۔ (مسائل سجدہ سہو ۲۲)

اور بہشتی زیور میں ہے کہ تکبیر تحریمہ فرض ہے اور خاص اسی لفظ اللہ اکبر کے ساتھ نہیں کچھ اور بھی الفاظ تکبیر تحریمہ کہتے وقت ادا کر سکتے ہیں۔ (حاشیہ بہشتی زیور اختری سطر ۱۳-۱۸)

خود مفتی صاحب کی عبارت میں تعارض معلوم ہورہا ہے اور بہشتی زیور اور مفتی صاحب کی بات میں بالکل تعارض ہے، صحیح قول تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فرض کا اطلاق رکن اور شرط دونوں پر ہوتا ہے؛ لہٰذا نفس تحریمہ کو فرض بھی کہہ سکتے ہیں اور شرط بھی کہہ سکتے ہیں۔

قوله: من فرائضها جمع فريضة أعم من الركن الداخل الماهية والشرط الخارج عنها فيصدق على التحريمة. (شامی ۱/ ۴۴۲ کراچی، ۲/ ۱۲۷ زکریا)

اوراس مسئلہ میں مفتی صاحب کی عبارت میں کوئی تعارض نہیں ہے؛ اس لئے کہ نفسِ تحریمہ خواہ ''اللہ اکبر'' کے لفظ کے ساتھ ہو یا ''اللہ اَجل'' اور ''اللہ اعظم'' وغیرہ الفاظ کے ساتھ ہو، یہ فرض اور شرط ہے، اور لفظ اللہ اکبر کے ساتھ خاص کر تحریمہ یہ واجب کے درجہ کی چیز ہے، حاصل یہ کہ نفس تحریمہ فرض ہے اور اللہ اکبر کی خصوصیت واجب ہے، اسی کو مفتی صاحب مذکور نے واضح کیا ہے۔

اور بہشتی زیور کی نقل شدہ عبارت میں صرف تحریمہ کی فرضی حیثیت سے بحث کی گئی ہے، واجبی حیثیت کی وضاحت وہاں نہیں ہے؛ لہٰذا دونوں مسئلوں میں کوئی تعارض نہ رہا۔

عن علي رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: مفتاح الصلاة الطهور، وتحريمها التكبير، وتحليلها التسليم. (سنن أبي داؤد، الصلاة / باب في تحريم الصلاة وتحليلها ۱/ ۹۱ رقم: ۶۱۸ دار الفكر بيروت)

ومن فرائضها التي لا تصح بدونها التحريمة قائماً (درمختار) ثم قال في صفة الصلاة: وإذا أراد الشروع في الصلاة كبر لو قادراً على الافتتاح أي قال وجوباً اللّٰه أكبر. وفي الشامي: فإن الأصح أنه يكره الافتتاح بغير اللّٰه أكبر عند أبي حنيفة، وعليه فلو افتتح بأحد الألفاظ الأخيرة لا يحصل الواجب. (درمختار مع الشامي / باب صفة الصلاة ۲/ ۱۲۷–۱۲۸ زكريا، ۱/ ۴۸۰ كراچی)

ثم تكبير ة الافتتاح ليس من جهة أركان الصلاة؛ بل هي شرط الدخول في الصلا ة، وفي الكافي: وعدت التحريمة من فرائض الصلاة؛ لأنها تتصل بالأركان فالتحقت بها، على أن عند بعض أصحابنا ركن. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ۵۰ رقم: ۱٦۹۵ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳/ ۱۲/ ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تکبیرِ تحریمہ کا مصداق ''اللہ اکبر'' ہے

سوال (۲۴۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز اسلام کا ایک اہم رکن ہے، اور اس کی اصلاح کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت فکر فرمائی تھی، اسلام میں صحتِ صلاۃ کے لئے نماز کو بے شمار قیود وشروط سے مقید کیا؛ کیوں کہ صحیح نماز ہی بہتر نتائج مرتب کرتی ہے، بصورتِ دیگر منہ پر ماردی جاتی ہے، ہمارے ایک دوست نے یہ سوال کیا ہے کہ نماز میں تکبیرِ تحریمہ کا مصداق کیا ہے؟ یعنی کن الفاظ کے ساتھ اس کی ادائیگی ضروری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حدیث میں تکبیرِ تحریمہ سے مراد لفظ ''اللہ اکبر'' ہے، اور نماز بعینہٖ اسی لفظ کے ساتھ شروع کرنا واجب ہے، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت بھی ثابت ہے۔

عن أبي حميد الساعدي رضي الله عنه قال: كان رسول الله ﷺ إذا قام إلى الصلاة استقبل القبلة ورفع يديه، وقال: الله أكبر. (مشكوة المصابيح ۷۷)

قال المؤلف: دلالته على أنه صلى الله عليه وسلم كان يواظب على قوله الله أكبر ظاهرةٌ. (إعلاء السنن ۲/ ۱۷٤ دار الكتب العلمية بيروت)

والتكبير معناه التعظيم فيجوز بلفظ ''الله أكبر'' وقوله عليه السلام: في

أوائل صلاته الله أكبر مع المواظبة عليه يدل على كونه واجبا لا على كونه ركنا. (مرقاة المفاتيح ٢/ ٤٦٠ بيروت)

وتكبيرة الإحرام واجبة عند أبي حنيفة والشافعي ومالك والثوري وأحمد والعلماء كافة من الصحابة والتابعين فمن بعدهم، إلا ما حكاه القاضي عياض رحمه الله وجماعة عن ابن المسيب والحسن والزهري وقتادة والحكم والأوزاعي أنه سنة ليس بواجب ...... ولا أظن هٰذا يصح عن هٰؤلاء الأعلام مع هٰذه الأحاديث الصحيحة مع حديث علي رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ''مفتاح الصلاة الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم'' ولفظة التكبير الله أكبر فهٰذا يجزي بالإجماع. (نووي على مسلم / باب استحباب رفع اليدين حذو المنكبين مع تكبيرة الإحرام الخ ١/ ١٦٨، الفقه على المذاهب الأربعة مكمل ١٢٩، الفقه الإسلامي وأدلته ١/ ٦٧٩، فتح القدير ١/ ٢٨٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۲/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

امام تکبیرِ تحریمہ میں آواز کتنی بلند کرے؟

سوال (۲۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام صاحب جماعت کی نماز میں تکبیرِ تحریمہ کتنی آواز سے ادا کریں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تکبیرِ تحریمہ میں امام کے لئے یہ حکم ہے کی اتنی زور سے کہے کہ مقتدی اس کی آواز سن کر اس کی اتباع کریں؛ البتہ اگر امام کی آواز پست ہو، تو مکبر تیار کرلیا جائے؛ تاکہ امام کی اتباع ہوتی رہے۔

عن سعيد ابن الحارث قال: اشتكى أبو هريرة رضي الله عنه أو غاب،

فصلى لنا أبو سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه فجهر بالتكبير حين افتتح الصلاة...... (رواه أحمد و رجاله رجال الصحيح ۱۸/۳، مجمع الزوائد)

قال المؤلف: دلالته على الجهر بالتكبير ظاهرة . (إعلاء السنن ۱۷۵/۲ رقم: ٦٦٢ بيروت)

عن جابر رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: صلى بنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم الظهر و أبو بكر خلفه فإذا كبر كبر أبوبكر يسمعنا. (صحيح مسلم رقم: ٤١٣، سنن النسائي ١٢٠٠)

قال المؤلف: استدل به على جواز رفع الصوت بالتكبير ليسمعه الناس ويتبعوه وعلى أنه يجوز للمقتدي اتباع صوت المكبر. (إعلاء السنن ۱۷۵/۲ بيروت)

وسننها جهر الإمام بالتكبير لحاجته إلى الإعلام بالدخول و الانتقال.

(تبيين الحقائق ۲۷۸/۱، الفتاویٰ الهندية ۷۲/۱، شامي ۱۷۱/۲ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۲/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا پوری تکبیرِ تحریمہ کا زور سے تلفظ ضروری ہے؟

سوال (۲۴۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا پوری تکبیرِ تحریمہ کا زور سے تلفظ ضروری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام کو پوری تکبیرِ تحریمہ ''اللہ اکبر'' کو جہراً ادا کرنا واجب تو نہیں؛ لیکن مسنون ہے؛ تاکہ مقتدی حضرات کو نماز شروع ہونے کی اطلاع ہو جائے۔

وسننها جهر الإمام بالتكبير لحاجته إلى الإعلام بالدخول و الانتقال.

(تبيين الحقائق ۲۷۸/۱، هندية ۷۲/۱، شامي ۱۷۱/۲ زكريا)

وفيه إشارة إلى أنه لا بد لصحة الشروع من جملة تامة وهو ظاهر الرواية.
(حاشية الطحطاوي ٢٧٩-٢٨٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۲/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تکبیرِ تحریمہ میں لفظ ''اللہ'' زور سے کہہ کر ''اکبر'' آہستہ سے کہا؟

سوال (۲۴۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر امام صاحب تکبیرِ تحریمہ میں لفظ ''اللہ'' اتنی زور سے بولیں کہ سارے مقتدی سن لیں اور لفظ ''اکبر'' اس طرح کہ بالکل پیچھے کھڑا رہنے والا مقتدی بھی نہ سنے، تو نماز کی ابتدا صحیح ہو جائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر امام نے تکبیرِ تحریمہ میں صرف لفظ ''اللہ'' کہا اور ''اکبر'' چھوڑ دیا، یعنی اس لفظ کا تلفظ بھی نہیں کیا، نہ سراً نہ جہراً، تو ایسی صورت میں اگرچہ نماز کا شروع کرنا صحیح ہو جائے گا؛ لیکن ترک واجب کی وجہ سے اس کا لوٹا نا ضروری ہوگا؛ کیوں کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک لفظ ''اللہ'' سے نماز کی ابتدا درست ہو جاتی ہے؛ لیکن اس کے ساتھ لفظ ''اکبر'' کا ملانا واجب ہے، اور اگر صورت یہ پیش آئی جیسا کہ سوال سے واضح ہوتا ہے کہ امام نے لفظ ''اللہ'' تو جہراً کہا اور لفظ ''اکبر'' سراً کہا تو نماز درست ہو جائے گی؛ اس لئے کہ نفس تکبیر پائی گئی، اور امام کے لئے تکبیر کا جہر لازم نہیں؛ بلکہ مسنون ہے۔

وسننها جهر الإمام بالتكبير لحاجته إلى الإعلام بالدخول والانتقال.

(تبيين الحقائق ١/٢٧٨، هندية ١/٧٢، شامي ٢/١٧١ زكريا)

ويصح الشروع بكل ذكر خالص لله تعالى عن اختلاطه بحاجة الطالب، وإن كره أي تحريما لترك الواجب وهو لفظ التكبير وفيه إشارة إلى أنه لا بد لصحة الشروع من جملة تامة وهو ظاهر الرواية. (طحطاوي) وفي المراقي:

والـمختار والأشبـه كـمـا فـي ابـن أميـر حاج، وروى الحسن عن الإمام أنه يصير شـارعًـا بـالـمُفرد. وفي الدرر: ولو ذكـر الإسـم بـلا صـفة صح عند الإمام خلافا لمحمد. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح / فصل في كيفية تركيب أفعال الصلاة ٢٧٩ - ٢٨٠)

قال أبـو حنيفةؒ بإسم من اسمائه كلفظة اللّٰه أو الرحمٰن يصير شارعًا وهو الـصـحيـح الأظهر، والأصح أنه بكل اسم من اسمائه كذا ذكره الكرخي، وافتى به المرغيناني. (كفاية على فتح القدير ١/١ ٢٩)

بـاب اتـمـام التـكبير ؛ لأن حقيقة التكبير لا تزيد ولا تنقص ...... يجوز أن يـكون المراد من إتمام التكبير في الركوع ...... هو تبيين حروفه من غير حذفيه، فـإن قـلـت هـذا لابد فيه في سائر تكبيرات الصلاة فما معنى تخصيصه بالركوع ...... قـلـت: لـما كان الركوع والسجود من أعظم أركان الصلاة خصها بالذكر، وإن كان الحكم في تكبيرات غيرهما مثله. (عمدة القاري ٦/٦٥٧٥)

ولـو قـال: الـلّٰـه يـصير شارعًا عند أبي حنيفةؒ في رواية الحسن عنه. وفي ظـاهر رواية الأصل لا يصير شارعًا، وفي رواية الحسن عنه: اكتفى بذكرالاسم، وفي ظاهر الرواية الأصل: اعتبر الصفة مع الاسم. (الفتاویٰ التاتارخانية ٢/١ ٥ زكريا)

الحنفية قالوا: إنما الافتتاح بهٰذا اللفظ واجب لايترتب على تركه بطلان الصلاة فـي ذاتهـا؛ بـل يتـرتـب عـليه إثم تارک الواجب ...... ومن هذا تُعُلِّمَ أن افتتـاح الصلاة بهـذه الـصـفة مـطـلـوب عـند الحنفية ...... إلا أن الحنفية قالوا: لاتبـطل الصلاة بتركه، ولكن تركه يوجب إعادة الصلاة؛ فإن لم يعدها سقط عنه الـفـرض وأثم ذلک الإثم التي لايوجب العذاب. (الـفـقـه عـلى المذاهب الأربعة مكمل ١٢٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۲/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَن پڑھ اور گونگا آدمی نماز کیسے شروع کرے؟

سوال (۲۴۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص بالکل اَن پڑھ اور جاہل ہو، اس طرح کہ تکبیرِ تحریمہ کے الفاظ جانتا ہی نہ ہو، یا ایسا گونگا جس کی زبان سے حروف نکل ہی نہ سکیں، تو ایسا معذور شخص نماز کس طرح شروع کرے گا؟ آیا اس کے لئے تکبیرِ تحریمہ کے الفاظ کا ادا کرنا ہی ضروری ہے یا صرف اشارہ بھی نماز شروع کرنے کے لئے کافی ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کوئی شخص بالکل اَن پڑھ اور جاہل ہو کہ الفاظِ تحریمہ جانتا ہی نہ ہو، یا گونگا ہو کہ حروف اس کی زبان سے نکل ہی نہ سکیں، تو ایسے معذور افراد کے لئے زبان سے تکبیرِ تحریمہ کے الفاظ ادا کرنا لازم نہیں؛ بلکہ صرف تحریمہ کی نیت ہی سے ان کی نماز شروع ہوجائے گی۔

أما الأمي والأخرس لو افتتحا بالنية جاز؛ لأنهما أتيا بأقصى ما في وسعهما. (شامی ۲/۱۱۳ بیروت، ۲/۱۲۸ زکریا)

وفي المحيط: الأخرس والأمي لو افتتحا بالنية أجزأهما؛ لأنهما أتيا بأقصى ما في وسعهما، وفي شرح منية المصلي: ولا يجب عليهما تحريك اللسان عندنا وهو الصحيح. (البحر الرائق ۱/۲۹۱ کوئٹہ)

ولا يلزم العاجز عن النطق كأخرس وأمي تحريك لسانه وكذا في القراءة وهو الصحيح. (درمختار مع الشامي ۲/۱۸۱ زکریا، البحر الرائق ۱/۱۹۱ کوئٹہ) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۵/۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر امام سے پہلے مقتدی کی تکبیر ختم ہوگئی؟

سوال (۲۴۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: اگر تکبیر تحریمہ میں امام سے پہلے مقتدی نے اپنی تکبیر ختم کردی، تو مقتدی کی نماز امام کے ساتھ شروع ہوئی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مقتدی نے تکبیرِ تحریمہ اتنی جلدی کہہ لی کہ امام کی ''اللہ اکبر'' کا کوئی جز باقی تھا تو مقتدی کی نماز شروع نہیں ہوئی، از سرِ نو تکبیر کہہ کر نماز میں شامل ہو؛ اس لئے کہ امام کے نماز میں داخل ہونے سے قبل مقتدی کا کوئی عمل معتبر نہیں ہے۔

أخرج عبد الرزاق عن الثوري قال: إذا كبر الرجل قبل الإمام فليعد التكبير، فإن لم يعد حتى يقضي الصلاة فليعد الصلاة. (مصنف ابن عبد الرزاق، الصلاة / باب الرجل يكبر قبل الإمام ٢/ ٧٤ رقم: ٢٥٤٨)

إنما يصير شارعاً بالكل أي بمجموع اللّٰه أكبر لا بقوله اللّٰه فقط، فيقع الكل فرضاً، وإذا كان كذٰلک يكون قد أوقع فرض التكبير قبل الإمام وكل فرض أوقعه قبل الإمام فهو غير معتبر ولا معتد به، فكان كأنه لم يكبر فلا يصح شروعه. (حلبی کبیر ۲٦٠، شامی ۲/ ۱۷۸ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/ ۲/ ۱۴۳٦ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رکوع کی حالت میں تکبیرِ تحریمہ معتبر نہیں

سوال (۲۴۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص ایسے وقت نماز میں شریک ہو جب کہ امام رکوع میں تھا اور اس نے اللہ اکبر کی تکبیرِ تحریمہ جلد بازی میں رکوع کے لئے جھکتے ہوئے کہی، حالتِ قیام میں نہیں، کیا ایسے شخص کی نماز امام کے ساتھ شروع مانی جائے گی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کوئی شخص مسجد میں اس وقت پہنچا جب کہ امام رکوع

میں جا چکا تھا، اب اس شخص نے جلد بازی میں رکوع میں یا رکوع کے قریب پہنچ کر تکبیرِ تحریمہ کہی، تو اس کی نماز شروع نہیں ہوئی؛ اس لئے کہ تکبیرِ تحریمہ بحالتِ قیام کہنی فرض ہے، رکوع کی حالت میں کہی گئی تکبیرِ تحریمہ کا اعتبار نہیں؛ لہٰذا ایسے شخص کو چاہئے کہ از سرِ نو حالتِ قیام میں تکبیر کہے اور اگر رکعت چھوٹ جائے تو بعد میں اس کی قضا کرے۔

قال في البرهان: ولو أدرك الإمام راكعاً فحنى ظهره ثم كبر إن كان إلى القيام أقرب صح الشروع الخ، وإن كان إلى الركوع أقرب لا يصح الشروع.

(طحطاوي على المراقي ۱۱۹)

أو أدرك الإمام راكعاً فقال: اللّٰه قائما وأكبر راكعاً لم يصح في الأصح.

(شامی ۲/ ۱۸۰ زکریا)

وكذا لو أدرك الإمام في الركوع فقال: اللّٰه أكبر إلا أن قوله اللّٰه كان في قيام، وقوله: أكبر وقع في ركوعه لا يكون شارعاً في الصلاة. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ٦٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

آدھی تکبیر قیام میں اور آدھی رکوع کی حالت میں کہی؟

سوال (۲۴۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شخص نے آدھی تکبیر قیام میں اور آدھی رکوع کی حالت میں کہی اور اسی حال میں امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہوا، تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟ آیا اس کی نماز امام کے ساتھ شروع مانی جائے گی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مقتدی اس حال میں جماعت میں پہنچا کہ امام

رکوع میں جا چکا تھا، مقتدی نے جلد بازی میں اس طرح تکبیر کہی کہ لفظ ''اللہ'' تو کھڑے ہونے کی حالت میں ادا کیا اور لفظ ''اکبر'' اس کی زبان سے اس وقت نکلا جب کہ وہ رکوع کی حالت میں پہنچ چکا تھا تو اس مقتدی کی نماز شروع نہیں ہوئی؛ اس لئے کہ پوری تکبیرِ تحریمہ کا کھڑے ہونے کی حالت میں کہنا ضروری ہے۔

أخرج عبد الرزاق عن الثوري قال: إذا كبر الرجل قبل الإمام فليعد التكبير، فإن لم يعد حتى يقضي الصلاة فليعد الصلاة. (المصنف لعبد الرزاق، الصلاة / باب الرجل يكبر قبل الإمام ٧٤/٢ رقم: ٢٥٤٨)

أو أدرك الإمام راكعاً فقال: اللّٰه قائما وأكبر راكعاً لم يصح في الأصح. (درمختار مع الشامي ١٧٨/٢ زكريا)

لو أدرك الإمام راكعاً فقال اللّٰه في حال القيام ولم يفرغ من قوله أكبر إلا وهو في الركوع لا يصح شروعه؛ لأن الشرط وقوع التحريمة في محض القيام. (شامی ١٧٨/٢ زكريا، الفتاویٰ الهندية ٦٩/١، حلبي كبير ٢٦٠)

لو أدرك الإمام في الركوع، وقال: ''اللّٰه أكبر'' إلا أن قوله ''اللّٰه'' كان في قيامه، وقوله: "أكبر'' وقع في الركوع لا يكون شارعاً في الصلاة عندهم. (الفتاویٰ التاتارخانية ٥٣/٢ رقم: ١٧١٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں کتنی مقدار قیام فرض ہے؟

سوال (۲۵۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز میں قیام کتنی دیر فرض ہے؟ بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ تین بار سبحان اللہ کہنے کے بقدر فرض ہے، مگر حضرت مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیر آبادی مدظلہ کہتے ہیں کہ اتنی دیر تک کھڑا رہنا

فرض ہے جس میں فرض کی مقدار قرأت کی جا سکے۔ (مسائل سجدۂ سہو ۲۱)

اور پھر آگے چل کر مفتی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے بعد اتنی دیر تک قیام کرنا واجب ہے کہ جس میں سورۂ فاتحہ اور کوئی دوسری سورت پڑھ جا سکے۔ ذہن بڑی الجھن میں ہے کہ بہشتی زیور میں کچھ اور مسائل سجدۂ سہو میں کچھ اور، پھر مفتی صاحب کی باتوں میں تعارض، کیا کیا جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز میں قیام اتنی دیر فرض ہے جتنی دیر میں فرض قرأت پڑھی جا سکے اور فرض قرأت کی مقدار حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قرانِ کریم کی ایک آیت کے بقدر پڑھنا ہے، اسی کو تین مرتبہ سبحان اللہ پڑھنے سے تعبیر کیا جاتا ہے؛ لہٰذا مندرجہ سوال میں بہشتی زیور کی عبارت اور مفتی صاحب کی تحریر میں مفہوم کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے، یہ بحث فرض کی مقدار کے بارے میں ہے، یعنی اگر عام حالات میں قدرت رکھنے والا شخص اس سے کم قیام کرے تو اس کی نماز درست ہی نہ ہوگی۔

لیکن قیام کا ایک درجہ واجب کا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر واجب کے بقدر قیام نہ کرے تو نماز تو ہو جائے گی مگر ناقص رہے گی، اور اس کی تلافی سجدۂ سہو سے ہوگی، اس کی وضاحت مفتی صاحب نے واجب قیام کی بحث میں کی ہے کہ اتنی دیر قیام واجب ہے جتنی دیر میں واجب قرأت (سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت) پڑھی جا سکے؛ لہٰذا آپ الجھن میں نہ پڑیں، مفتی صاحب نے صحیح مسئلہ لکھا ہے اور آپ کو غلط فہمی غالباً اس لئے ہوئی ہے کہ آپ نے فرض اور واجب کو ایک ہی درجہ میں رکھ دیا ہے، حالاں کہ دونوں کا درجہ افعال نماز میں الگ الگ ہے۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وَقُومُوا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ [البقرة: ٢٣٨]

عن عمران بن حصين رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: كان بي الناصور فسألت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عن الصلاة؟ فقال: صلّ قائماً فإن لم تستطع فقاعداً فإن لم تستطع فعلى جنب. (مسند أحمد ٤/٤٢٦ رقم: ٢٠٠٥٧)

وحينئذٍ فهو بقدر اٰية فرض وبقدر الفاتحة وسورة واجب. (شامی ۱/ ٤٤٤ كراچی، شامي ۲/ ۱۳۱ زكريا)

وقال الطحطاوي: ومفروض القيام وواجبه ومسنونه ومستحبه بقدر القرأة فيه كما في سكب الأنهر، ويقدر ذٰلك في نحو الأمي فلا بد أن يقف قدر ثلاث اٰيات قصار على قولهما أو اٰية طويلة على قول الإمام لتحصيل الغرض.

(طحطاوي على المراقي ۱۲۲ كراچی، حلبي كبير / فصل في النوافل ۳۸۳ لاهور، درمختار / باب صفة الصلاة، بحث القيام ۲/ ۱۳۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۳/ ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رکوع میں شریک ہونے کیلئے تکبیرِ تحریمہ کے بعد قیام فرض نہیں

سوال (۲۵۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مقتدی نے امام کو حالت رکوع میں پایا، کیا مقتدی کو تکبیرِ تحریمہ کہنے کے بعد قیام کرنا چاہئے یا فوراً تکبیر کہنے کے بعد رکوع میں چلا جائے؟ اگر قیام کرنا ہے تو کتنی دیر اور اگر قیام نہ کرے تو بہشتی زیور کی عبارت کے مطابق یعنی تین بار سبحان اللہ کہنے کی مقدار قیام فرض ہے، تو فرض ساقط ہورہا ہے اور بعض حضرات کی عبارت کے مطابق واجب ساقط ہورہا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر امام کو رکوع کی حالت میں پائے تو قیام کی حالت میں تکبیر کہہ کر فوراً رکوع میں چلا جائے تاخیر نہ کرے، اور اس حکم میں اشکال اس لئے نہ ہونا چاہئے کہ قیام کی جو فرض یا واجب کے اعتبار سے تحدید ہے، یہ وہاں ہے جہاں قرأت کا حکم ہو، اور جس جگہ قرأت ساقط ہوجاتی ہے، وہاں سے قیام کی تحدید بھی ساقط ہوجاتی ہے، اور صحت نماز کے لئے نفسِ قیام کا تحقق کافی ہوتا ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں چوں کہ مقتدی سے قرأت کا حکم ساقط ہے؛

لہٰذا اس پر اتنی دیر قیام بھی ضروری نہیں، ہاں یہ ضروری ہے کہ قیام کی حالت میں تکبیر تحریمہ کہے؛ اس لئے کہ تکبیر تحریمہ کی صحت کے لئے قیام شرط ہے۔

قال في الطحطاوي: وعند سقوط القراءة يسقط التحديد كالقيام في الشفع الثاني من الفرض؛ لأنه لا قراءة فيه، فالركن فيه أصل القيام لا امتداده كما في القهستاني. (طحطاوي ۱/۱۲۲، حاشیہ امداد الفتاویٰ ۱/۱۹۲-۱۹۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۲/۳/۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بلا عذر بیٹھ کر نماز فرض جائز نہیں

سوال (۲۵۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بلا عذر بیٹھ کر فرض نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی نے پڑھ لی تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں، فریضہ ذمہ سے ساقط ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص کھڑے ہوکر نماز پڑھنے پر قادر ہو، اس کے لئے فرض یا واجب نماز بیٹھ کر پڑھنی جائز نہیں ہے؛ لہٰذا جو لوگ ٹرین اور ہوائی جہاز کے سفر میں بلا عذر سیٹ پر بیٹھے بیٹھے نماز پڑھ لیتے ہیں، ان کی نماز درست نہیں ہوتی۔

عن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان بي الناصور فسألت النبي صلى الله عليه وسلم عن الصلاة؟ فقال: صلّ قائماً فإن لم تستطع فقاعداً فإن لم تستطع فعلى جنب. (مسند أحمد ٤/٤٢٦ رقم: ٢٠٠٥٧)

ولو صلى الفريضة قاعداً مع القدرة على القيام لا تجوز صلاته. (حلبی کبیر ٢٦١)

من فرائضها: القيام في فرض لقادر عليه (درمختار) فلو عجز حقيقة وهو ظاهر أو حكماً كما لو حصل له به ألم شديد أو خاف زيادة المرض فإنه يسقط.

(درمختار مع الشامي ۲/ ۱۳۲ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۲/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک پیر پر وزن ڈال کر نماز پڑھنا؟

سوال (۲۵۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بغیر کسی عذر شرعی کے دوران نماز ایک پیر پر وزن ڈال کر کھڑا ہونا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قیام کی حالت میں بلا عذر صرف ایک پیر پر وزن ڈال کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

ویکرہ علی إحدی الرجلین إلا لعذرٍ. (طحطاوي علی المراقي الفلاح ۱۲۲ کراچی)

ویکرہ القیام علی إحدی القدمین في الصلاۃ بلا عذر. (شامی ۲/ ۱۳۱ زکریا، الجوهرة النيرة ۱/ ۶۹، الفتاویٰ الهندیة ۱/ ۶۹، الفتاویٰ التاتارخانیة ۲/ ۲۰۸ رقم: ۲۱۷۸ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۲/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کُبڑے شخص کا قیام ورکوع؟

سوال (۲۵۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جس شخص کی کمر بڑھاپے یا مرض کی وجہ سے رکوع تک جھک گئی ہو اور اس کے کھڑا ہونا مشکل ہو تو ایسا شخص نماز میں قیام کس طرح کرے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص کی کمر بڑھاپے یا مرض کی وجہ سے رکوع تک جھک گئی ہو اس کے لئے اپنی حالت پر قائم رہنا ہی قیام کے حکم میں ہے، بس ایسا شخص جب رکوع کا

ارادہ کرے تو اپنے سر کو نیچے جھکالے اس کا رکوع صحیح ہوجائے گا۔

والأحدب إذا بلغت حدوبته إلى الركوع يشير برأسه للركوع لأنه عاجز عما هو أعلى ولا تجزيه حدوبته عن الركوع لأنه كالقائم. (طحطاوي على مراقي الفلاح ۱۲۵ کراچی، الفتاویٰ الهندية ۱/ ۷۰، حلبي كبير ۲۸۰) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر سہارے سے کھڑے ہونے پر قادر ہو تو کیا کرے؟

سوال (۲۵۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جو شخص براہ راست کھڑے ہونے پر قادر نہ ہو؛ البتہ کسی چیز مثلاً دیوار وغیرہ پر ٹیک لگا کر کھڑا ہوسکتا ہو، تو کیا ایسا مجبور شخص بیٹھ کر فرض نماز پڑھ سکتا ہے یا اسے بھی کھڑے ہو کر سہارے سے نماز پڑھنا ضروری ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر چھتری یا دیوار وغیرہ پر ٹیک لگا کر کھڑا ہوسکتا ہو، تو ایسے شخص پر بھی کھڑے ہو کر ہی فرض نماز پڑھنا لازم ہوگا، بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی۔

أخرج ابن أبي شيبة عن الحسن أنه كان يكره أن يعتمد الرجل على الحائط في صلاة المكتوبة إلا من علة، ولم ير به في التطوع بأساً. (مصنف ابن أبي شيبة / باب في الرجل يعتمد على الحائط وهو يصلي ۳/ ۵۵۱ رقم: ۴۹۰۷)

ولو قدر على القيام متكئاً الصحيح أنه يصلي قائما متكئاً ولا يجزيه غير ذٰلک وکذٰلک لو قدر على أن يعتمد على عصا أو على خام له فإنه يقوم و يتكئ كذا في التبيين. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۳۶، حلبي كبير ۲۶۱-۲۶۲)

وإن قدر على بعض القيام ولو متكئاً على عصا أو حائط قام لزوماً بقدر

ما يقدر ولو قدر آية أو تكبيرة على المذهب؛ لأن البعض معتبر بالكل (درمختار) أي أن حكم البعض كحكم الكل بمعنى أن من قدر على كل القيام يلزمه فلذا من قدر على بعضه. (درمختار مع الشامي ٢/٥٦٧ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فرض رکوع کی حد؟

سوال (۲۵۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رکوع میں کتنی مقدار جھکنا فرض ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کامل رکوع یہ ہے کہ آدمی اتنا جھکے کہ اس کا سر آدھے بدن کی سیدھ میں آجائے، اب اگر کوئی شخص رکوع میں اس سے کم جھکا تو دیکھا جائے گا کہ وہ جھکنے میں قیام سے زیادہ قریب ہے یا کامل رکوع کی حالت سے زیادہ قریب ہے، اگر رکوع کی حالت کے قریب ہوگا تو اس کا رکوع درست ہوجائے گا، اور اگر قیام کی حالت کے قریب ہوگا تو رکوع معتبر نہ ہوگا۔

أخرج ابن أبي شيبة عن ابنة لسعد أنها كانت تفرط في الركوع تطأطوًا منكرًا، فقال لها سعد: إنما يكفيك إذا وضعت يديك على ركبتيك. (المصنف لابن أبي شيبة، الصلاة / باب في أدنى ما يجزئ أن يكون من الركوع والسجود ٢/٤٥٢ رقم: ٢٥٩٢)

عن ابن مسعود رضي الله عنه قال: إذا أمكن الرجل يديه من ركبتيه، والأرض من جبهته فقد أجزأه. (المصنف لابن أبي شيبة، الصلاة / باب في أدنى ما يجزئ أن يكون من الركوع والسجود ٢/٤٥٣ رقم: ٢٥٩٣)

وإن طأطأ رأسه قليلاً ولم يعتدل إن كان إلى الركوع أقرب جاز، وإن كان إلى القيام أقرب لايجوز. (حلبی کبیر ٢٨٠)

ومنها الركوع بحيث لو مد يديه نال ركبتيه، وفي شرح المنية: هو طأطأة الرأس أي خفضه لكن مع انحناء الظهر؛ لأنه هو المفهوم من موضوع اللغة، وأما كماله: فبإنحناء الصلب حتى يستوي الرأس بالعجز وهو حد الاعتدال فيه. (درمختار مع الشامي ۲/ ۱۳٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۲/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مقتدی کا امام سے پہلے رکوع میں چلے جانا؟

سوال (۲۵۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر مقتدی امام سے پہلے رکوع میں چلا جائے اور امام کے قومہ کرنے سے پہلے وہ قومہ میں آجائے تو ایسے شخص کی نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور اس کا یہ رکوع شرعاً درست ہوا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مقتدی امام سے پہلے ہی رکوع میں چلا گیا پھر امام کے رکوع میں جانے سے پہلے ہی رکوع کر کے قیام کی حالت میں آگیا تو اس کا یہ رکوع شرعاً معتبر نہیں ہوا، اسے دوبارہ امام کے ساتھ یا اس کے بعد رکوع کرنا پڑے گا ورنہ نماز درست نہ ہوگی۔ ہاں اگر پہلے رکوع کیا تھا؛ لیکن ابھی وہ رکوع ہی میں تھا کہ امام بھی رکوع میں چلا گیا، تو اس صورت میں مقتدی کا رکوع معتبر ہو جائے گا؛ کیوں کہ اس کا رکوع امام کے ساتھ ہو گیا ہے۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه قال: صلّٰى بنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ذات يوم، فلما قضى الصلاة أقبل علينا بوجهه، فقال: يا أيها الناس إني أمامكم فلا تسبقوني بالركوع ولا بالسجود ولا بالقيام ولا بالانصراف، فإني أراكم أمامي ومن خلفي......الخ. (صحيح مسلم، الصلاة / باب تحريم سبق الإمام بركوع أو سجود أو نحوهما ۱/ ۱۸۰ رقم: ٤٢٦ بيت الأفكار)

وإذا ركع المقتدي قبل ركوع الإمام فرفع رأسه قبل أن يركع الإمام لم يجز ذٰلک الركوع ولم يحسب له الخ. وإن أدركه الإمام أي ركع المقتدي قبل الإمام فأدركه الإمام وهو في الركوع بعد أجزأه. (حلبي كبير ۲۸۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیٹھ کر نماز پڑھنے والا شخص رکوع کس طرح کرے؟

سوال (۲۵۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بیٹھ کر نماز پڑھنے والا شخص رکوع کس طرح کرے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیٹھ کر نماز پڑھنے والا شخص اگر پیٹھ اور سر قدرے جھکا دے تو اس کا رکوع ادا ہوجائے گا؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ اتنا جھکے کہ اس کا سر گھٹنوں کے سامنے آجائے؛ تاہم اس میں سرین کا اٹھانا ضروری نہیں۔

روي عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من لم يقدر على السجود فليجعل سجوده ركوعاً، وركوعه إيماءً، والركوع أخفض من الإيماء. (بدائع الصنائع ۲۸٤/۱-۲۸۵ زكريا)

وفي حاشية الفتال عن البرجندي: ولو كان يصلي قاعداً ينبغي أن يحاذي جبهته قدام ركبتيه ليحصل الركوع. قلت: ولعله محمولٌ على تمام الركوع وإلَّا فقد علمت حصوله بأصل طأطأة الرأس أي مع إنحناء الظهر تأمل. (شامی ۱۳٤/۲ زكريا، بدائع الصنائع ۲۸٤/۱، خانية ۱۷۱/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سورت ملائے بغیر رکوع کے لئے ہاتھ چھوڑنا

سوال (۲۵۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے فرض کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد بجائے سورت ملانے کے رکوع میں جانے کے لئے ہاتھ چھوڑ دئے، مگر جھکنے سے پہلے یاد آ گیا، پھر ہاتھ باندھ کر سورت پڑھ کر رکوع کیا، کیا ان ہاتھوں کو چھوڑنے سے سجدۂ سہو تو لازم نہیں آیا؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سورت ملائے بغیر رکوع میں جانے کی نیت سے محض ہاتھ چھوڑ دینے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۷/۴۰۵ ڈابھیل)

ولا یجب السجود إلا بترک واجب. (الفتاویٰ الهندية / الباب الثاني عشر في سجود السهو ۱/۱۲٦، حلبي كبير / فصل في سجود السهو ٤٥٥، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح / باب سجود السهو ٤٦١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۶/۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر سورت ملائے بغیر بھول سے رکوع میں چلا جائے تو کیا کرے؟

سوال (۲۶۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۰۲ء میں صفحہ ۵۷/ پر ''کتاب المسائل'' کے تحت سجدۂ سہو سے متعلق مسائل کے ضمن میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ: ''اگر کوئی شخص سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد سورت ملائے بغیر رکوع میں چلا گیا، پھر رکوع میں یا رکوع سے اٹھ کر اس بھول کا احساس ہوا، تو اس پر لازم ہے کہ پہلے سورت ملائے، پھر دوبارہ رکوع کرے اور اخیر میں سجدۂ سہو کرے''۔

اس کے برخلاف اور کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ اگر بھول سے واجب چھوٹ جائے تو اخیر میں سجدۂ سہو کرلے، اب جو بھی فعل کرے گا قصداً کرے گا، جب کہ حضرت تھانویؒ نے بہشتی زیور

حصہ دوم میں مسئلہ ۱۷/سجدہ کے بیان میں اس طرح لکھا ہے: ''تین رکعت یا چار رکعت والی نماز میں بیچ میں بیٹھنا بھول گئی اور دو رکعت پڑھ کر تیسری رکعت کے لئے کھڑی ہوگئی تو اگر نیچے کا آدھا دھڑ ابھی سیدھا نہ ہوا ہو تو بیٹھ جائے اور التحیات پڑھ لے، تب کھڑی ہو، اور ایسی حالت میں سجدۂ سہو کرنا واجب نہیں، اور اگر نیچے کا دھڑ سیدھا ہوگیا تو نہ بیٹھے؛ بلکہ کھڑی ہوکر چاروں رکعات پڑھ لے فقط اخیر میں بیٹھے، اور اس صورت میں سجدۂ سہو واجب ہے، اور اگر سیدھی کھڑی ہوجانے کے بعد پھر لوٹ آئے گی اور بیٹھ کر التحیات پڑھے گی تو گنہگار ہوگی اور سجدۂ سہو کرنا اب بھی واجب ہوگا''۔

برائے مہربانی تشریح کریں اور سمجھا دیں کہ درست کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۰۲ء میں شائع شدہ مذکورہ مسئلہ اپنی جگہ صحیح ہے، اس کا دیگر کتابوں سے کوئی تعارض نہیں، بات اصل میں یہ ہے کہ افعالِ نماز میں حتی الامکان ترتیب کا باقی رکھنا واجب ہے؛ لہٰذا اگر کسی سے نماز کا کوئی واجب چھوٹ جائے اور پھر ایسے وقت یاد آجائے جب اسے ترتیب وار پڑھنے کا موقع محل موجود ہو اور اس ترتیب پر عمل کرنے میں کوئی خلافِ اصول بات بھی لازم نہ آرہی ہو، تو اس واجب کو فوری طور پر ادا کرکے بالترتیب سب افعال دوبارہ ادا کرلئے جائیں گے؛ تاکہ کوتاہی کی حتی الامکان تلافی صحیح طرح ہوسکے۔

اب ہمارے زیر بحث مسئلہ میں غور فرمائیے کہ یہاں نمازی سورت ملانا بھول گیا پھر اسے رکوع میں یا رکوع سے اٹھ کر یاد آیا کہ اس نے سورت نہیں پڑھی، تو ابھی سجدہ کرنے سے پہلے تک اس کے لئے اپنی ترتیب کو صحیح کرنے کا موقع موجود ہے، اور یہ خلافِ اصول بھی نہیں ہے؛ اس لئے کہ جب وہ قرأت کی طرف لوٹے گا تو یہ قرأت اور قیام مجموعی طور پر فرض میں شمار ہوگی نہ کہ واجب میں، اور اس فرض کی ادائیگی سے اس کا پہلے ادا شدہ رکوع کالعدم ہوجائے گا، اس لئے اسے دوبارہ رکوع کرنا ہوگا اور پھر اخیر میں تاخیر واجب اور تکرار فرض کی وجہ سے اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ اور آپ نے بہشتی زیور کے جس مسئلہ کا ذکر کیا ہے وہ اس کے خلاف نہیں ہے؛ کیوں کہ جب نمازی قعدۂ اولیٰ

چھوڑ کر کھڑا ہو گیا تو قعدہ کی ادائیگی کا محل فوت ہو گیا، اب اگر وہ لوٹ کر قعدہ کرے گا تو فرض سے واجب کی طرف لوٹنے کی خرابی لازم آئے گی، اس لئے اس کے لئے یہی حکم ہے کہ وہ نہ لوٹے؛ بلکہ اخیر میں سجدۂ سہو کرے، اور اگر لوٹ گیا تو نماز گو کہ صحیح ہو جائے گی؛ لیکن خلاف ورزی کا گناہ ہو گا۔

اور یہ اصول درست ہے کہ ترک واجب یا تاخیر واجب سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے؛ لیکن اس میں کچھ تفصیلات اور جزئیات بھی ہیں، جن کا اندازہ درج بالا تفصیل سے لگایا جاسکتا ہے۔ اس سلسلہ کی فقہی عبارتیں ذیل میں درج ہیں:

ولو ترک السورة فتذكرها في الركوع أو بعد الرفع منه قبل السجود يعود ويقرأ السورة ويعيد الركوع وعليه السهو؛ لأنه بقراءة السورة وقعت فرضاً فيرتفض الركوع حتى لو لم يعده فسدت صلاته ...... بخلاف ما لو تذكر القنوت في الركوع فإنه لا يعود ولا يقنت فيه لفوات محله. (طحطاوي على المراقي ٢٥٠)

وفي البدائع: فإذا تذكر في محلها كان عليه مراعاة الترتيب. (بدائع الصنائع ٤١٤/١)

وقال الشامي: حتى لو تذكر السورة راكعاً فعاد وقرأها لزم إعادة الركوع؛ لان السورة التحقت بما قبلها وصارت القراءة حكمها فرضاً، فيلزم تاخير الركوع عنها، ويظهر من هٰذا أن هٰذا الترتيب واجب قبل وجود القراءة فرض بعدها. نظيره قراءة السورة فإنها قبل قراءتها تسمى واجباً وبعدها تسمى فرضاً وحينئذٍ فيكون الأصل في هٰذا الترتيب الوجوب. (شامی ١٣٥/٢ بيروت)

وفي الدر المختار: ولو ذكرها في ركوعه قرأها وأعاد الركوع، قال الشامي: لأن ما يقع من القراءة في الصلاة يكون فرضاً فيرتفض الركوع ويلزمه إعادته؛ لأن الترتيب بين القراءة والركوع فرض كما مر بيانه في الواجبات حتى لو لم يعده تفسد صلاته ...... والفرق بين القراءة وبين القنوت حيث لا يعود لأجله لو تذكره في ركوعه، ولو عاد لا يرتفض هو ما ذكرنا من القراءة تقع

فرضاً، أما القنوت إذا أعيد يقع واجباً وبيان ذٰلک أن القراءة والرکوع فرض وواجب وسنة إلا أنه مهما أطال يقع فرضاً. (شامی، مطلب مهم فيها لو تذكر في ركوعه ۲/ ۲۲٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/ ۱۱/ ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سورت ملائے بغیر رکوع سجدہ کر کے سجدۂ سہو کے ساتھ نماز پوری کرنا؟

سوال (۲٦۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ندائے شاہی فروری ۲۰۰۳ء کے ۵٦/ پر کتاب المسائل کے تحت ترجیح الصواب کے عنوان سے آپ نے وسیم احمد کانکی نارہ کے سوال وجواب کولکھا ہے، جوندائے شاہی اکتوبر ۲۰۰۲ء میں کتاب المسائل کے تحت اس مسئلہ سے متعلق تھا کہ اگر کوئی شخص سورت ملانا بھول گیا اور رکوع میں احساس ہوا کہ اس نے سورت چھوڑ دی تو اس پر لازم ہے کہ کھڑا ہوجائے اور سورت ملائے پھر رکوع کرے اور اخیر میں سجدۂ سہو کرے گا۔ ندائے شاہی فروری ۲۰۰۳ء کے شمارہ میں آپ نے اس کو درست کہا، نیز فقہی عبارت کے ذریعہ مدلل فرمایا؛ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ترکِ سورت کا خیال رکوع میں آنے کے بعد نہ قیام کرے نہ سورت ملائے؛ بلکہ سجدہ کرلے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے تو کیا وہ گنہگار ہوگا؟ اور نماز ہوگئی یا نہیں؟ آپ نے لازم کا لفظ استعمال کیا ہے، جب کہ فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۴/ ۳۹۷- ۳۹۸- ۳۹۹ میں لکھا ہے کہ صورتِ مذکورہ میں رکوع قومہ کے بعد سجدہ کرے گا اور آخر میں سجدۂ سہو کرلیا تو نماز ہوگئی۔ (محشی مفتی ظفیر الدین صاحبؒ) آپ جس صورت کو لازم کہہ رہے ہیں اس کو وہ بہتر فرمارہے ہیں، حقیقت کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زیر بحث مسئلہ میں بدائع کی عبارت فإذا تذكر في

محلها كان عليه مراعاة الترتيب. (بدائع الصنائع ١/٤١٤) سے لزوم کے معنی ثابت ہوتے ہیں؛ اس لئے کہ علیہ کا لفظ لزوم کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

اب رہ گئی یہ بات کہ اگر وہ سورت کی طرف نہ لوٹے؛ بلکہ بقیہ اعمال پورے کرکے اخیر میں سجدۂ سہو کرلے تو بھی اس کی نماز درست ہوجاتی ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر نماز میں سجدۂ سہو کے کئی اسباب جمع ہوجائیں پھر بھی ایک ہی مرتبہ سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے؛ لہٰذا جو شخص صحیح مسئلہ معلوم ہونے کے باوجود اس کے خلاف کرے گا تو وہ کوتاہی کرنے والا ہوگا اور جو ناواقفیت کی وجہ سے اس کا مرتکب ہوجائے تو اس پر کوئی وبال نہیں ہے۔

ولو سها في صلاته مراراً يكفيه سجدتان. (الفتاویٰ الهندية ١/١٣٠) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۸/۱/۱۴۲۴ھ

سجدہ کی تعریف؟

سوال (۲۶۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سجدہ کی تعریف کیا ہے؟ اور کن اعضاء کے زمین پر ٹیکنے سے سجدہ کا تحقق ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: درج ذیل سات اعضاء کو زمین یا اس کے حکم کی چیز پر ٹیک دینا شرعاً سجدہ کہلاتا ہے، وہ اعضاء یہ ہیں: (۱) پیشانی اور ناک (۲-۳) دونوں قدم (۴-۵) دونوں ہاتھ (۶-۷) دونوں گھٹنے۔ (ان میں سے پیشانی یا ناک رکھنا بالاتفاق فرض ہے، دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے رکھنا سنت ہے، اور قدم کے بارے میں فرضیت اور وجوب کا اختلاف ہے)

عن العباس بن عبد المطلب أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إذا سجد العبد سجد معه سبعة أطراف: وجهه وكفاه وركبتاه وقدماه.

(صحيح مسلم، الصلاة / باب أعضاء السجود والنهي عن كف الشعر رقم: ٤٩١، سنن الترمذي، الصلاة / باب ما جاء في السجود على سبعة أعضاء ١/٦٢ رقم: ٢٧١)

فهو بوضع الجبهة والأنف والقدمين واليدين والركبتين لما في الصحيحين من قوله عليه الصلاة والسلام أمرت أن أسجد على سبعة أعظمٍ: على الجبهة واليدين والركبتين وأطراف القدمين والأنف داخل في الجبهة؛ لأن عظمهما واحد، وهٰذه الصفة المذكورة هي الكمال. وإن وضع جبهته دون أنفه جاز سجوده بالإجماع، ولكن إن كان ذٰلک من غير عذر الخ يكره. (حلبي كبير ٢٨٢-٢٨٣، طحطاوي ٢٢٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

صرف پیشانی یا ناک پر سجدہ کرنا؟

سوال (۲۶۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص سجدہ میں پیشانی اور ناک دونوں پر سجدہ کرنے کے بجائے صرف پیشانی یا صرف ناک پر سجدہ کرے تو ایسے شخص کا سجدہ درست ہوگا یا نہیں؟ اور اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کوئی شخص پیشانی پر سجدہ کرے اور ناک زمین پر نہ رکھے تو بھی اس کا سجدہ ادا ہو جائے گا؛ لیکن بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے۔ اور اگر کوئی شخص سجدہ میں محض ناک زمین پر رکھے اور پیشانی نہ رکھے تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس کا سجدہ بکراہت ادا ہو جائے گا، بشرطیکہ ناک کی ہڈی زمین پر ٹکی ہو؛ البتہ اگر صرف ناک کا نرم حصہ زمین سے ملایا تو سجدہ معتبر نہ ہوگا، اور صاحبینؒ کے نزدیک اگر بلا عذر صرف ناک پر اکتفاء کیا تو سجدہ ادا نہ ہوگا، اسی پر فتویٰ ہے۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: أمرت أن أسجد على سبعة أعظم، على الجبهة وأشار بيده على أنفه واليدين والركبتين وأطراف القدمين. (صحيح البخاري / باب السجود على الأنف ١١٢ رقم: ٨١٢،

صحيح مسلم / باب أعضاء السجود والنهي عن كفى الشعر ۱۹۳ رقم: ٤٩٠، سنن الترمذي / باب ما جاء في السجود على الجبهة والأنف ٦١ رقم: ٢٧٠)

وإن وضع جبهته دون أنفه جاز سجوده بالإجماع. (حلبي كبير ٢٨٢، بدائع الصنائع ٢٨٣/٢)

وإن وضع أنفه دون جبهته فكذٰلك يجوز سجوده ولكن يكره إن كان بغير عذرٍ. (حلبي كبير ٢٨٣)

إنما يجوز الاقتصار على الأنف إذا سجد على ما صلب منه، وأما إذا سجد على ما لان منه وهو الأرنبة فلا يجوز. (الفتاویٰ الهندية ٧٠/١)

وقالا لا يجوز الاختصار على الأنف من غير عذر، وهو مذهب أئمة الثلاثة، ورواية عن الإمام، وعليه الفتویٰ. (مجمع الأنهر ٩٨/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر صرف رخسار یا ٹھوڑی زمین پر رکھی تو سجدہ صحیح نہ ہوگا

سوال (۲۶۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص سجدہ میں پیشانی اور ناک ٹیکنے کے بجائے رخسار یا ٹھوڑی زمین پر رکھے اور اسی پر سجدہ کرلے، تو اس کا سجدہ صحیح ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کسی شخص نے سجدہ میں پیشانی یا ناک زمین پر ٹیکنے کے بجائے اپنا رخسار زمین پر رکھ دیا یا ٹھوڑی کو ٹیک دیا تو سجدہ درست نہیں ہوا، خواہ یہ عمل عذر کی وجہ سے ہی کیوں نہ ہو۔

عن العباس بن عبد المطلب أنه سمع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: إذا سجد العبد سجد معه سبعة أطراف: وجهه وكفاه وركبتاه وقدماه.

(صحيح مسلم، الصلاة / باب أعضاء السجود والنهي عن كف الشعر رقم: ٤٩١، سنن الترمذي، الصلاة / باب ما جاء في السجود على سبعة أعضاء ١/٦٢ رقم: ٢٧١)

ولو وضع خده في السجود أو ذقنه وهو ملتقى اللحيين من الحنك لا يجوز سجوده بالإجماع الخ، ولو كان ذٰلک من عذر مانع. (حلبي كبير ٢٨٣، الجوهرة النيرة ١/٧٤)

وفي البحر: حقيقة السجود: وضع بعض الوجه على الأرض مما لا سخرية فيه، فدخل الأنف وخرج الخد والذقن. (شامي ٢/٣٥١-٣٣٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہتھیلی پر پیشانی رکھ کر سجدہ کرنا

سوال (۲۶۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہتھیلی پر پیشانی رکھ کر سجدہ کرنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سجدہ میں پیشانی زمین پر رکھنے کے بجائے زمین پر رکھی ہوئی اپنی ہتھیلی پر ٹیک لی، تو بھی سجدہ درست ہے۔

عن العباس بن عبد المطلب أنه سمع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: إذا سجد العبد سجد معه سبعة أطراف: وجهه وكفاه وركبتاه وقدماه.

(صحيح مسلم، الصلاة / باب أعضاء السجود والنهي عن كف الشعر رقم: ٤٩١، سنن الترمذي، الصلاة / باب ما جاء في السجود على سبعة أعضاء ١/٦٢ رقم: ٢٧١)

ولو وضع كفه بالأرض وسجد عليها يجوز على الصحيح. (حلبي كبير ٢٨٥)

ولو سجد على كمه فيصح اتفاقاً، وكذا حكم كل متصل ولو بعضه

ككفه في الأصح. (درمختار مع الشامي ۲/ ۲۰۷ زكريا)

ولـو سـجد على كفه و هي على الأرض جاز على الأصح، كذا في تبيين. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۷۰) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بھیڑ کے وقت اپنی ران پر سجدہ کرنا؟

سـوال (۲۶۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بسا اوقات مسجد حرام کے اندر مطاف میں اور مسجد نبوی میں خاص طور پر ریاض الجنہ میں اتنی بھیڑ ہوتی ہے کہ نمازی کے لئے پیشانی زمین پر رکھنا ناممکن ہوجاتا ہے، تو کیا ایسی صورتِ حال میں آدمی اپنی ران پر سر رکھ کر سجدہ کرسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجـواب وبالله التوفيق: اگر مجمع بہت زیادہ ہو اور زمین پر سجدہ کرنے کی قطعاً گنجائش نہ ہو، جیسا کہ ریاض الجنۃ (مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) یا مسجدِ حرام میں کبھی کبھی یہ صورت پیش آجاتی ہے، تو نمازی خود اپنی ران پر سر رکھ کر سجدہ کرسکتا ہے؛ البتہ بلا عذر ایسا کرنے سے سجدہ ادا نہ ہوگا۔

ولو سجد بسبب الازدحام على فخذهٖ جاز. (حلبی کبیر ۲۸۵)

ولـو سـجـد على فخذه إن كان بغير عذر فالمختار أنه لا يجوز، وإن كان بـعذر فالمختار أنه يجوز، هٰكذا ذكر صدر الشهيد. (الـفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ۱۷۷ رقم: ۲۰۶۲ زكريا، الفتاویٰ الهندية ۱/ ۷۰)

وكـذا حـكم كل متصل ولو بعضه ككفه فى الأصح و فخذه لو بعذر. (در مختار مع الشامي زكريا ۲/ ۲۰۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نمازی کا دوسرے نمازی کی پیٹھ پر سجدہ کرنا؟

سوال (۲۶۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر جماعت میں زبردست مجمع ہوا ورزمین پر سجدہ کرنے کی گنجائش نہ ہوتو سجدہ کہاں کرے؟ کیا ایسی صورت میں دوسرے نمازی کی پیٹھ پر سجدہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر جماعت میں زبردست مجمع ہو، جیسا کہ حج کے موقع پر حرمین شریفین زادهما اللّٰه شرفاً وعظمةً میں ہوتا ہے، اورزمین پر سجدہ کرنے کی گنجائش نہ ہوتو پچھلے صف والے نمازیوں کے لئے اپنے سے آگے جماعت میں شریک نمازیوں کی پیٹھ پر سجدہ کرنا جائز ہے۔

أخرج ابن أبي شيبة عن سعيد بن ذي لعوة قال: قال عمر رضي اللّٰه عنه: إذا لم يقدر أحدكم على السجود يوم الجمعة فليسجد على ظهر أخيه. (المصنف لإبن أبي شيبة ٤٩٢/٢ رقم: ٢٧٣٥ المجلس العلمي)

وإن سجد على ظهر رجلٍ وهو أي والحال أن ذٰلک الرجل المسجود على ظهره في الصلاة يجوز سجوده. (حلبي كبير ٢٨٦)

ولو سجد على ظهر رجل إن كان للضرورة بأن لم يسجد موضعا من الأرض يسجد عليه و المسجود على ظهره في الصلاة جاز. (الفتاویٰ الهندية ٧٠/١، البحر الرائق ٣١٩/١)

وإن سجد للزحام على ظهر مصل صلاته التي هو فيها جاز للضرورة. (درمختار مع الشامي ٢٠٩/٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کھڑے ہونے کی جگہ سے اونچی جگہ سجدہ کرنا؟

سوال (۲۶۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر سجدہ میں سر رکھنے کی جگہ نمازی کے قدم رکھنے اور کھڑے ہونے کی جگہ سے اونچی ہو تو اس اونچی جگہ پر سجدہ کرنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سجدہ میں سر رکھنے کی جگہ قدم رکھنے کی جگہ سے اونچی ہو تو دیکھا جائے گا کہ اونچائی اگر بارہ انگل سے کم ہے تو سجدہ درست ہو جائے گا، اور اگر اس سے زیادہ اونچائی ہے تو سجدہ درست نہ ہوگا۔

ولو كان موضع سجوده أرفع من موضع القدمين بمقدار لبنتين منصوبتين جاز سجوده، وإن أكثر لا. (درمختار مع الشامي ۲/ ۲۱۰ زكريا)

فمقدار ارتفاع اللبنتين المنصوبتين نصف ذراع طول اثنتي عشر إصبعاً. (حلبي كبير ۲۸٦)

إذا كان موضع السجود أرفع من موضع القدمين بقدر لبنة أو لبنتين منصوبتين جاز، وإن زاد لم يجز. (الفتاوىٰ الهندية ۱/ ۷۰)

وفي منية المصلي: ولو أن موضع السجود أرفع من موضع القدمين مقدار لبنتين منصوبتين جاز، وإن كان أكثر لا يجوز. (البحر الرائق ۱/ ۳۲۰) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۲/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجد کے گدوں اور فوم پر سجدہ کرنا؟

سوال (۲۶۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں مساجد میں روئی کے گدے آدھی صف پر بچھائے جانے کا معمول ہے، لیکن

جدید انتظامیہ نے جدت کرکے پوری صف کا گدا بنایا ہے، بعض نمازی کہتے ہیں کہ پوری صف پر روئی کا گدا بچھانا جائز نہیں، اس پر نماز نہیں ہوتی۔ واضح ہو کہ آدھا گدا گھٹنوں تک سجدہ کی حالت میں آتا ہے اور پورا گدا سجدہ کی جگہ پیشانی تک آتا ہے، تو سوال یہ ہے کہ آدھا صحیح ہے یا پورا صحیح ہے، یا دونوں طرح درست ہے؟

اسی طرح اب مساجد میں کارپیٹ کے نیچے فوم بچھانے لگے ہیں، تو بعض فوم تو ہلکے والے ہوتے ہیں، جب کہ بعض فوم اتنے موٹے ہوتے ہیں کہ ان پر پیشانی ٹک نہیں پاتی، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد میں بچھائے جانے والے گدے اور فوم اگر اتنے ہلکے ہوں کہ سجدہ کرتے وقت پیشانی زمین پر ٹک جاتی ہے، تو ایسے گدوں پر نماز پڑھنا فی نفسہٖ جائز اور درست ہے، خواہ پوری صف کے ہوں یا آدھی صف کے؛ لیکن اگر گدے اور فوم اتنے دبیز ہوں کہ پیشانی ان پر نہ ٹکے، تو ان پر سجدہ درست نہ ہوگا۔

ومن هنا يعلم الجواز على الطراحة القطن، فإن وجد الحجم جاز وإلا فلا. (شامي / باب صفة الصلاة ٢٠٦/٢ زكريا، ٥٠١/١ كراچی، فتح القدير ٣٠٤/١، الطحطاوي ١٢٦ كراچي، ٨٤-٨٥ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۴/۶/۲۷ھ

ہر رکعت میں دونوں سجدے فرض ہیں، اور اُنہیں پے در پے کرنا واجب ہے

سوال (۲۷۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز میں دونوں سجدے فرض ہیں یا دونوں واجب ہیں یا ایک فرض اور ایک واجب، نیز اگر

کسی آدمی نے دوسرا سجدہ یا پہلا سجدہ ترک کردیا تو کیا سجدۂ سہو سے اس کی نماز درست ہوجائے گی یا نماز کا اعادہ کرنا پڑے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہر رکعت میں دونوں سجدے فرض ہیں؛ لیکن انہیں پے در پے ادا کرنا واجب ہے؛ لہٰذا اگر کسی شخص سے سہواً کسی رکعت میں ایک سجدہ رہ گیا تو سلام پھیرنے سے پہلے پہلے اگر یاد آنے پر اسے ادا کرلیا اور پھر سجدۂ سہو کرلیا تو نماز درست ہوجائے گی، ورنہ نہیں۔

قال تعالیٰ: ﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ﴾ [الحج: ۷۷]

إن المتروك ثلاثة أنواع: فرض وسنة وواجب، ففي الأول إن أمكنه التدارك بالقضاء يقضي، وإلا فسدت صلاته. (الفتاوىٰ الهندية ١٢٦/١، كذا في الفتاوىٰ التاتارخانية ٣٨٧/٢ رقم: ٢٧٥١ زكريا)

ومنها رعاية الترتيب في فعل مكرر فلو ترك سجدة من ركعة فتذكرها في آخر الصلوة سجدها وسجد للسهو لترك الترتيب فيه، وليس عليه إعادة ماقبلها. (الفتاوىٰ الهندية ١٢٧/١)

السجود الثاني فرض كالأول بإجماع الأمة. (الفتاوىٰ الهندية ٧٠/١، طحطاوي على مراقي الفلاح ١٨٥ مصرى، السعاية شرح شرح الوقاية ١١٤/٢ لاهور)

قلت: قد تدل على فرضية السجدتين في الصلاة الأحاديث التي وردت فيها الطمانينة والأدعية بينهما وقصة تعليم الصلاة للأعرابي، وصفة صلاة النبي صلى الله عليه وسلم حيث وردت في كل منها سجدتان. (أنظر: صحيح البخاري رقم: ٨٢٨- ٨٥٧، صحيح مسلم رقم: ٣٩٧، سنن أبي داؤد رقم: ٨٥٧- ٩٦٦، سنن النسائي رقم: ١٠٣٥، سنن الترمذي رقم: ٢٨٢- ٣٠٣- ٣٠٥، سنن ابن ماجة رقم: ٨٩١- ٨٩٨- ١٠٦٠- ١٠٦١)

قال العلامة التهانوي بعد نقل هٰذه الأحاديث في إعلاء السنن: قلت: دلالته

علـى مسـائل الباب ما سوى الذكر بين السجدتين ظاهرة، لما فيه من صيغة الأمر المقتضية للوجوب. (إعـلاء السنن، الصلاة / باب وجوب الرفع من السجدة والجلسة بين السجدتين واستحباب الذكر بينهما وافتراض السجدة الثانية ٤/٣ ٤ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مائک خراب ہوجانے کی وجہ سے بعض مقتدیوں کا پہلی رکعت کا ایک سجدہ چھوٹ گیا؟

سوال (۲۷۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام صاحب عید الاضحیٰ کی نماز پڑھارہے تھے، پہلی رکعت کے سجدہ میں تھے کہ اسی دوران مائک خراب ہوگیا، جس کی بناء پر امام صاحب اور کچھ مقتدی کھڑے ہوگئے، امام صاحب نے دوسری رکعت کی قرأت شروع کردی، تو اکثر لوگ دوسرے سجدہ کی تکبیر کا انتظار کرکے ایک ہی سجدہ پر اکتفا کرکے کھڑے ہوگئے، اور پھر بقیہ نماز ادا کی، تو گویا کہ پہلی رکعت میں زیادہ زیادہ تر لوگوں کا ایک ہی سجدہ ہوپایا تھا، جس کی وجہ سے لوگوں کو تشویش ہوئی اور شوروغل ہوا، تو امام صاحب نے فرمایا کہ جم غفیر کی وجہ سے نماز ہوگئی، کسی کو لوٹانے کی ضرورت نہیں، تو کیا جن لوگوں کا ایک سجدہ ہوا ہے ان لوگوں کی نماز ہوگئی یا نہیں، لوٹانا تو ضروری نہ ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جن نمازیوں کا سجدہ چھوٹ گیا ان کی نمازیں فاسد ہوگئیں، اور اب چوں کہ وقت نکل چکا ہے؛ لہٰذا قضا کی بھی کوئی صورت نہیں ہے، اور امام صاحب کا یہ کہنا کہ جم غفیر کی وجہ سے سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں، اس وقت صحیح ہوتا جب کہ کوئی واجب چھوٹ جاتا اور یہاں واجب نہیں؛ بلکہ فرض چھوٹ گیا؛ لہٰذا اس کی تلافی سجدۂ سہو سے نہیں ہوسکتی، غالباً واجب والے مسئلہ سے امام صاحب کو اشتباہ ہوگیا۔

السجود الثاني فرض كالأول بإجماع الأمة. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۷۰)

أو دخل معه فأفسدها فلا قضاء عليه. (البحر الرائق ۲/۱٦۳)

الأصل في هذا أن المتروك ثلاثة أنواع: فرض وسنة وواجب، ففي الأول إن أمكنه التارك بالقضاء يقضي وإلا فسدت صلاته. (الفتاویٰ الهندية ۱/۱۲٦ باب سجود السهو، الفتاویٰ التاتارخانية ۲/۳۸۷ رقم: ۲۷۵۱ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۸/۱/۱۴۲۴ھ

قیام، رکوع اور سجدہ میں ترتیب لازم ہے

سوال (۲۷۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا ارکانِ نماز، قیام، رکوع اور سجدہ کو ترتیب کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے؟ اگر خلاف ترتیب مثلاً رکوع کو سجدہ پر مقدم کردیا تو نماز کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز میں قیام، رکوع اور سجدہ میں ترتیب فرض ہے؛ لہٰذا اگر رکوع کرکے پھر قیام کرلیا یا رکوع سے قبل سجدہ کرلیا، تو از سرِ نو رکوع اور سجدہ کرنا پڑے گا ورنہ نماز درست نہ ہوگی۔

وترتيب القيام على الركوع والركوع على السجود والقعود الأخير على ما قبله. (درمختار) أي تقديمه على الركوع حتى لو ركع ثم قام لم يعتبر ذٰلك الركوع، فإن ركع ثانياً صحت صلاته لوجود الترتيب المفروض. (شامي ۲/۱۳۸ زکریا، الفتاویٰ الهندية ۱/۷۰، شرح وقاية ۱/۱٤۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۲/۱۴۳٦ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قعدۂ اخیرہ میں فرض کی مقدار؟

سوال (۲۷۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: قعدۂ اخیرہ میں فرض کی مقدار کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قعدۂ اخیرہ میں کم از کم اتنی دیر بیٹھنا فرض ہے جس میں پوری التحیات جلدی سے جلدی پڑھی جاسکتی ہو۔

أخرج أبوداؤد عن القسم بن مخيمرة قال: أخذ علقمة بيديّ، فحدثني أن عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه أخذ بيده وأن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أخذ بيد عبد اللّٰه، فعلمه التشهد في الصلاة، فذكر مثل دعا حديث الأعمش، إذا قلت هذا أو قضيت هذا، فقد قضيت صلاتک إن شئت أن تقوم فقم، وإن شئت أن تقعد فاقعد. (سنن أبي داؤد، الصلاة / باب التشهد ۱۳۹/۱ رقم: ۹۷۰ دار الفكر بيروت)

وقدر الفرض في القعدة هو القعود مقدار أدنىٰ قراءة التشهد وهو أسرع ما يكون مع تصحيح الألفاظ. (حلبي كبير ۲۹۰)

والقعود الأخير قدر التشهد وهي فرض بإجماع الأمة، قال الشيخ قاسم فى شرح الدر: قد وردت أدلة كثيرة بلغت مبلغ التواتر على أن القعدة الأخيرة فرض. (الفتاوىٰ الهندية ۷۰/۱، الفتاوىٰ التاتارخانية ۱۲۸/۲ رقم: ۱۹۳۹ زكريا)

ومنها: القعود الأخير مقدار التشهد كذا في التبيين. (البحر الرائق ۲۹٤/۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سونے کی حالت میں ارکانِ نماز ادا کرنا؟

سوال (۲۷۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص دورانِ نماز سو گیا اور ایک دو رکن اس کا سونے کی حالت میں ادا ہوا، بایں طور کہ ایسے بالکل شعور نہ رہا، مثلاً سوتے ہوئے سجدہ، یا رکوع یا قرأت کی اور ان ارکان کی ادائیگی کے وقت اسے بالکل تیقظ اور بیداری نہ رہی ہو، تو ایسے شخص کی نماز کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سونے کی حالت میں ارکانِ نماز کی ادائیگی معتبر نہیں ہے؛ لہٰذا اگر پوری طرح سوتے ہوئے قرأت کی، یا بالکل گہری نیند میں رکوع، سجدہ اور قعدۂ اخیرہ کیا تو اس کا کچھ اعتبار نہیں، از سرنو ان ارکان کو جاگ کر ادا کرے اور اخیر میں سجدۂ سہو بھی کرے۔

فإن أتى بها أو بأحدها بأن قام أو قرأ أو ركع أو سجد أو قعد الأخير نائماً لا يعتد بما أتى به بل يعيده ولو القراءة أو القعدة على الأصح وإن لم يعده تفسد لصدوره لا عن اختيار فكان وجوده كعدمه به والناس عنه غافلون. (درمختار مع الشامي ۲/ ۱٤۵-۱٤٦ زكريا، البحر الرائق / باب صفة الصلاة ۱/ ۲۹۵ کوئٹہ) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۲۱/۲/۱٤۳٦ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رکوع یا سجدہ کی حالت میں سوجانا؟

سوال (۲۷۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص رکوع یا سجدہ کی حالت میں سوجائے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر رکوع یا سجدہ میں جاتے وقت بیدار تھا پھر سوگیا اور بعد میں بیدار ہوکر سر اٹھایا نماز درست ہوگئی؛ اس لئے کہ اصل فرض کی ادائیگی اپنے اختیار سے رکوع سجدہ میں جانے اور اٹھنے سے ہوچکی ہے۔

ولو ركع أو سجد فنام فيه أجزأه لحصول الرفع منه والوضع بالاختيار.

(درمختار مع الشامي ۲/ ۱٤٦ زكريا)

ولو سجد وهو نائم أعاد السجدة، ولو نام في ركوعه وسجوده لا يعيد شيئاً، كذا في محيط السرخسي. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۰۷، البحر الرائق / باب صفة الصلاة

۱/۱۹۵ کوئٹہ، الفتاویٰ التاتارخانیة ۲/۲۴۲ رقم: ۲۳۰۲ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قعدہ اخیرہ میں حدث لاحق ہو گیا؟

سوال (۲۷۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اس شخص کی نماز کا کیا حکم ہے جس کو قعدۂ اخیرہ میں التحیات پڑھنے کے بعد بلا ارادہ حدث لاحق ہو گیا، آیا اس کی نماز تام ہوئی یا نہیں؛ اس لئے کہ نماز کو بالقصد ختم کرنا ضروری ہے، وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز سے اپنے ارادہ سے نکلنا بھی فرض ہے؛ لہٰذا اگر قعدۂ اخیرہ میں التحیات پڑھنے کے بعد بلا ارادہ کوئی حدث لاحق ہو گیا، تو اس کی نماز تام نہیں ہوئی، اس پر لازم ہے کہ دوبارہ وضو کر کے نماز پوری کرے۔

إذا سبقه الحدث بعد ما قعد قدر التشهد في القعدة الأخيرة، فإن صلاته تامةً فرضاً عندهما، وعند أبي حنيفةؒ لم تتم صلاته فرضاً فيتوضأ ويخرج منها بفعل مناف لها. (البحر الرائق ۵ ۲۹ کراچی)

وإن سبقه الحدث من غير عمده في هذه الحالة فكذلك تمت صلاته عندهما، وقال أبو حنيفة: يتوضأ ويخرج عن الصلاة، بفعله قصداً لكونه فرضا قد بقي عليه من فرائضهما، حتى لو لم يتوضأ ولم يخرج بصنعه؛ بل عمل عملاً ينافي الصلاة من غير متعلقات الوضوء تبطل صلاته لفعله فرضا من فرائضهما، وهو الخروج منها بغير طهارة. (حلبي كبير ۲۹۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرأت کے مسائل

قرأت کی اصطلاحی تعریف

سوال (۲۷۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قرأت کی شرعی حیثیت کیا ہے اور قرأت کسے کہتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقہاء سے شرعی قرأت کے مفہوم کے متعلق دو اقوال منقول ہیں:

(۱) ایک یہ کہ زبان سے صحیح حروف کی ادائیگی اس طرح ہو کہ آدمی خود اپنے پڑھے ہوئے کو سن سکے (یہ علامہ ہندوانیؒ وعلامہ فضلیؒ کا قول ہے)

(۲) دوسری رائے یہ ہے کہ قرأت کے لئے صرف زبان سے تصحیح حروف کافی ہے خود سننا لازم نہیں (یہ علامہ کرخیؒ کا قول ہے)

اور اگرچہ دونوں اقوال کی تصحیح کی گئی ہے؛ لیکن زیادہ تر فقہاء کا رجحان پہلے قول کی طرف ہے۔

القراء ة وهو تصحيح الحروف بلسانه بحيث يسمع نفسه. فإن صحّح الحروف من غير أن يسمع نفسه لا يكون ذٰلک قراء ة في اختيار الهندواني والفضلي الخ، وقيل: إذا صحّح الحروف يجوز وإن لم يسمع نفسه وهو اختيار الكرخي. (حلبي كبير ٢٧٥، الفتاویٰ الهندية، الباب الرابع / الفصل الأول في الفرائض ٦٩/١، مجمع الأنهر، الصلاة / فصل فی القراء ة ١٥٧/١ دار الكتب العلمية بيروت)

وذكر أن كلاًّ من قولي الهندواني والكرخي مصححان، وأن ما قاله الهندواني أصح وأرجح لاعتماد أكثر علماء نا عليه. (شامی ۲/ ۲۵۳ زکریا)

وقال في البدائع: وقول الكرخي أصح. (طحطاوي ۲۲۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۲/ ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زبان سے تلفظ کے بغیر دل میں قرأت کرنا؟

سوال (۲۷۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اور قرأت زبان سے ادا نہیں کرتا ہے؛ بلکہ دل ہی دل میں پڑھتا ہے، کیا ایسے شخص کی نماز ہوگی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نماز میں قرأت کا تلفظ زبان سے کرنا ضروری ہے، دل دل میں پڑھنے سے فرض قرأت ادا نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ ۳۱۹)

تصحح الحروف أمر لازم لابد منه، ولا تصير قراءة إلا بعد تصحيح الحروف، قال شمس الأئمة الحلواني رحمه الله: الأصح أنه لا يجزيه ما لم يسمع نفسه ويسمع من هو بقربه. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ۵٦ رقم: ۷۲۳ زكريا، شامی، فصل في القراءة ۲/ ۲۵۲ زكريا، حلبي كبير، فرائض الصلاة / الثالث: القراءة ۲۷۵ لاهور)

أكثر المشائخ على أن الصحيح أن الجهر حقيقته أن يسمع غيره، والمخافتة أن يسمع نفسه، وقال الهندواني: لاتجزيه ما لم تسمع أذناه ومن يقربه فالسماع شرعاً فيما يتعلق بالنطق باللسان كالشربة والقراءة السرية والتشهد. (مراقي الفلاح على الطحطاوي / باب شروط الصلاة وأركانها ۱۷٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۲/ ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جو شخص قرآن پڑھا ہوا نہ ہو وہ نماز کیسے پڑھے؟

سوال (۲۷۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جو شخص قرآن پڑھا ہوا نہ ہو اور ما یجوز بہ الصلوٰۃ مقدار قرأت بھی اسے یاد نہ ہو، تو ایسا شخص نماز کیسے پڑھے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص قرآن پڑھا ہوا نہ ہو اس پر قرآن سیکھنا اور سورۂ فاتحہ اور دیگر سورتیں یاد کرنا لازم ہے ورنہ وہ کوتاہی پر گنہگار ہوگا، اور جب تک نہ سیکھ سکے تو نماز اس طرح پڑھے کہ نیت باندھ کر نماز کا تصور کرکے کھڑا رہے اور قرأت کرنے کے بقدر کھڑے رہنے کے بعد رکوع سجدہ وغیرہ کرے۔

أما الأمي والأخرس لو افتتحا بالنية جاز؛ لأنهما أتيا بأقصى ما في وسعهما. (شامی، صفة الصلاة / مطلب: قد يطلق الفرض على ما يقابل الركن ۱۲۸/۲ زكريا، البحر الرائق / باب صفة الصلاة ۱۹٤/۱-۱۹۵ كوئٹہ)

ولا يلزم العاجز عن النطق كأخرس وأمي تحريك لسانه، وكذا في حق القراءة، هو الصحيح لتعذر الواجب وهو التحريك بلفظ التكبير والقراءة.

(درمختار مع الشامي / باب صفة الصلاة، مطلب في حديث الأذان جزم ۱۸۱/۲ زكريا)

وزاد في البحر: وفي شرح منية المصلي: ولا يجب عليهما تحريك اللسان عندنا وهو الصحيح. (البحر الرائق ۲۹۱/۲ كوئٹہ) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۲/۱۲/۱ھ

گونگا شخص نماز کیسے پڑھے؟

سوال (۲۸۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: گونگا شخص نماز کیسے پڑھے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گونگا شخص خاموش رہ کر پوری نماز ادا کرے گا اور اس کی نماز اسی طرح درست ہوجائے گی۔

إن العاجز عن النطق لا یلزمہ تحریک لسانہ للتکبیر أو القراءۃ في الصحیح. (شامی ۹۱/۲ زکریا، البحر الرائق ۲۹۱/۲ کوئٹہ) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۲/۲۱ ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں قرأت سبعہ وعشرہ تلاوت کرنا؟

سوال (۲۸۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام کے لئے مروجہ قرأت کے علاوہ نماز کے اندر قرأت سبعہ، اور عشرہ وغیرہ پڑھنا کیا حکم رکھتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مقتدی حضرات علماء اور طلبہ پر مشتمل ہوں جو قرأت کے فرق سے واقف ہیں، تو ایسی صورت میں امام کے لئے قرأت سبعہ وعشرہ کے موافق قرأت کرنے کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ یہ قرأتیں بھی متواتر ہیں؛ لیکن جہاں عام نمازیوں کا مجمع ہو جو قرأت کے فرق سے واقف نہیں، تو ایسی مسجد میں امامت کرتے ہوئے قرأت حفص کے علاوہ دوسری کوئی قرأت کرنا قطعاً مناسب نہ ہوگا؛ کیوں کہ اس کی وجہ سے مقتدی عوام سخت فتنہ میں مبتلا ہوجائیں گے؛ لہٰذا ایسی عام مساجد میں قرأتِ سبعہ کے موافق قرأت نہیں کرنی چاہئے۔

ویجوز بالروایات السبع؛ بل یجوز بالعشر أیضاً کما نص علیہ أھل الوصول (لکن الأولیٰ أن لا یقرأ بالعربیۃ) أي بالروایات الغریبۃ والأمالات.

(عنـد العوام صيانة لدينهم) لأن بعض السفهاء يقولون ما لا يعلمون، فيقعون في الإثم والشقاء. (درمختار مع الشامي ۲/ ۲٦۲ زكريا)

وقراء ة القرآن بالقراء ة السبع والروايات كلها جائزة ولكني أرى الصواب أن لا يقرأ بالقراء ة العجيبة بالأمالات وبالروايات الغريبة ...... ولا ينبغي للأئمة أن يحملوا العوام إلى ما فيه نقصان دينهم ودنياهم وحرمان ثوابهم في عقابهم. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۲/ ۷۲ رقم: ۱۷۸۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۲/۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز کی کن کن رکعات میں قرأت فرض ہے؟

سوال (۲۸۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز کی کن رکعات میں قرأت فرض ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تمام سنن ونوافل اور وتر کی ہر رکعت میں قرأت فرض ہے، جب کہ دو رکعت سے زائد والی فرض نمازوں میں لاعلی التعیین صرف دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے۔ (اور ہر فرض میں ابتدائی دو رکعتوں میں قرأت کی تعیین واجب ہے)

وهي فرضٌ عمليٌ في جميع ركعات النفل والوتر وفي ركعتين من الفرض. (شامی، مبحث القراءة ۲/ ۱۳۳ زكريا)

وتعيين القراء ة في الأوليين من الفرض على المذهب. (درمختار مع الشامي ۲/ ۱۵۱ زكريا، طحطاوي على المراقي ۲٦٦)

في الفرائض محل القراء ة الركعتان، حتى يفترض القراء ة في الركعتين، إن كانت الصلاة من ذوات المثنىٰ يقرأ فيهما جميعاً، وإن كانت من ذوات

الأربع يقرأ في الركعتين الأوليين بفاتحة الكتاب وسورة، وفي الأخريين بفاتحة الكتاب. (المصنف لابن أبي شيبة ۲٦١/٣ رقم: ٣٧٤١)

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں کتنی مقدار قرأت فرض ہے؟

سوال (۲۸۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز میں کتنی مقدار قرأت فرض ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک رکعت میں کم ازکم ایک آیتِ قرآن کریم پڑھنا فرض ہے۔ (اور کم ازکم تین چھوٹی سے چھوٹی آیتوں یا اس کے بقدر کا سورۂ فاتحہ کے ساتھ ملاکر پڑھنا واجب ہے)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: لا تجزئ المكتوبة إلا بفاتحة الكتاب وثلاث آيات فصاعداً. (كنز العمال ١٨٠/٧ رقم: ١٩٦٨٦ دار الكتب العلمية بيروت)

فالفرض قراءةُ آيةٍ واحدةٍ فی کل رکعةٍ فرضت فیها القرأة. (حلبی کبیر ٢٧٨)

ومنها القراءة لقادر عليها. (شامی ١٣٣/٢ زكريا)

ولها واجبات: وهي قراءة فاتحة الكتاب وضم سورة كالكوثر أو ما قام مقامها، وهو ثلاث آيات قصار نحو ﴿ثُمَّ نَظَرَ. ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ. ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ﴾ وكذا لو كانت الآية أو الأيتان تعول ثلاثا قصاراً. (درمختار مع الشامي / باب صفة الصلاة، مطلب واجبات الصلاة ١٤٦/٢-١٤٩ زكريا)

فرض القراءة عند أبي حنيفة يتأدى بآية واحدة وإن كانت قصيرة، وفي الخلاصة: وهو الأصح. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٥٨/٢ رقم: ١٧٣٠ زكريا، فتح القدير ٣٣١/١)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۲/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں تلاوت کے کتنے درجے ہیں؟

سوال (۲۸۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تلاوتِ قرآن کی کتنی وجوہ اور کتنے مراتب ہیں؟ اور نماز میں وجوہِ قرأت میں سے کس کے مطابق قرأت کرنا چاہئے؟ کیا فرائض سنن ونوافل اور تراویح سب میں ایک طرح ہی قرأت مسنون ہے یا سنن ونوافل میں حدراً بھی جلدی جلدی پڑھنے کی گنجائش ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اہل تجوید کے نزدیک قرآنِ کریم کی تلاوت کے چار مراتب ہیں:

(۱) ترتیل:- یعنی مخارج وصفات کی رعایت رکھتے ہوئے خوش الحانی کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا، اس طرح کی تلاوت فرض نماز میں ہونی چاہئے۔

(۲) تحقیق:- یعنی ترتیل سے بھی زیادہ اطمینان سے پڑھنا جیسا کہ جلسوں میں تلاوت ہوتی ہے۔

(۳) حدر:- یعنی قواعد تجوید کی رعایت رکھتے ہوئے قدرے رواں پڑھنا جیسا کہ تراویح میں پڑھا جاتا ہے۔

(۴) تدویر:- یعنی ترتیل وحدر کے درمیانی انداز میں تلاوت کرنا۔

ان میں سب سے افضل مرتبہ ترتیل کا ہے، چنانچہ قرآن پاک میں فرمایا گیا: ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا﴾ اس لئے افضل یہ ہے کہ فرض اور واجب نمازوں میں ترتیل کا لحاظ رکھا جائے، اور دیگر سنن ونوافل میں اگر حدراً یا تدویراً تلاوت کی جائے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: تسہیل جمال القرآن ۵-۶)

ثم القراءة على ثلاثة أوجه في الفرائض: على التؤدة والترسل والتدبر حرفاً حرفاً. وفي التراويح يقرأ بقراءة الأئمة بين التؤدة والسرعة، وفي النوافل بالليل له أن يسرع بعد أن يقرأ كما يفهم وذٰلک مباح. (الفتاویٰ التاتارخانية ٢/٦٧ رقم: ١٧٦٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۱/۱۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرأت کے درجات، اور مایجوز بہ الصلوٰۃ کی مقدار؟

سوال (۲۸۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مایجوز بہ الصلوٰۃ قرأت کی مقدار کو فقہاء کرام نے ایک بڑی آیت یا چھوٹی تین آیتوں کو مقرر کیا ہے، شامی نے چھوٹی تین آیتوں کا معیار ﴿ثُمَّ نَظَرَ. ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ. ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ﴾ کو قرار دیا ہے، اور محشی ہدایہ نے ﴿قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ، ثُمَّ نَظَرَ، ثُمَّ عَبَسَ﴾ کو قرار دیا ہے، محشی منیۃ المصلی نے بھی چھوٹی آیت کا معیار ﴿ثُمَّ نَظَرَ﴾ ہی کو قرار دیا ہے، محشی ہدایہ کی عبارت یہ ہے کہ: الواجب مع الفاتحة هو قدر ثلاث اٰيات قصار كما هو المذكور في الكتب المعتبرة والاٰيات القصار مثل ﴿قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ. ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ﴾ وعند تفاوت الاٰيات المعتبرة كثرة الكلمات وعدد الحروف ذكره في الخانية. (هداية ١٠٤ حاشيه ٥) دیگر کتب میں بھی یہی معیار مقرر کیا گیا۔ فتاویٰ رضویہ نے مذکورہ آیتوں کے ساتھ ساتھ دوسری آیتوں کو بھی معیار بنایا، وہ ﴿الرَّحْمٰنُ، عَلَّمَ الْقُرْآنَ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ﴾ ہے، یہ دوسرا معیار پہلے معیار سے حروف میں کم ہے، اب دریافت یہ ہے کہ یہ مذکورہ معیار چھوٹی تین آیتوں کا قرار دینا صحیح ہے یا نہیں، اگر یہ صحیح نہیں ہے تو صحیح معیار مقرر فرما کر مشکور فرمائیں، اگر کوئی شخص سورۂ فاتحہ کے بعد ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ جو مذکورہ بالا معیار کے مطابق ہیں، ان کے بقدر بڑی سورت سے پڑھ کر نماز مکمل کرے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرأت کے درجات مختلف ہیں: فرض، واجب، سنت، مکروہ، تو فرض یعنی ما یجوز به الصلاة قرأت جو سقوط ذمہ کے لئے کافی ہو جاتی ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صرف ایک آیت ہے، جو کم از کم دو کلمہ جیسے ﴿ثُمَّ نَظَرَ﴾ یا دو سے زائد کلمات جیسے ﴿فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ﴾ پر مشتمل ہو، چناں چہ اگر کوئی شخص محض ﴿ثُمَّ نَظَرَ﴾ یا ﴿فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ﴾ کی تلاوت کرے، تو اس سے فرضیت ساقط ہو جائے گی؛ البتہ کوئی ایک آیت ایسی پڑھے جو صرف ایک کلمہ مثلاً: ﴿مُدْهَامَّتَانِ﴾ یا صرف ایک حرف مثلاً: نٓ صٓ پر مشتمل ہو تو صحیح قول کے مطابق فرضیت ساقط نہیں ہوگی، یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے، جیسا کہ عبارت ذیل سے واضح ہو جاتا ہے۔

القراء ة فرض وواجب وسنة ومكروه، فالفرض عنده في رواية اٰية. وفي رواية ما يطلق عليه اسم القراٰن. (فتح القدير ۳۳۲/۱)

وفرضها عند أبي حنيفةؒ يتأدىٰ باٰية واحدة وإن كانت قصيرة، كذا في المحيط. وفي الخلاصة: وهو الأصح كذا في التاترخانية. (الفتاوىٰ الهندية ۶۹/۱ كراچی، الفتاوىٰ التاتارخانية ۵۸/۲ رقم: ۱۷۳۰ زكريا)

ثم عنده لو قرأ اٰية هي كلمات أو كلمتان نحو ﴿فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ﴾ أو ﴿ثُمَّ نَظَرَ﴾ جازت بلاخلاف بين المشائخ أما لو كانت كلمه اسماً أو حرفاً نحو ﴿مُدْهَامَّتَانِ، صٓ قٓ نٓ﴾ فإن هٰذه اٰيات – إلى قوله – والأصح أنه لا يجوز. (فتح القدير ۳۳۲/۱، الفتاوىٰ الهندية ۶۹/۱ كراچی)

لیکن نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا اور اس کے ساتھ کم از کم تین چھوٹی آیتیں یا اس کے برابر ایک آیت پڑھنا بالاتفاق واجب ہے؛ لہٰذا صورتِ مذکورہ میں صرف ایک آیت یعنی ﴿ثُمَّ نَظَرَ﴾ وغیرہ پر اکتفا کرنے والا ترک واجب کی وجہ سے گنہ گار ہوگا، جیسا کہ عالمگیری کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔

والمكتفي بها مسيء. (الفتاویٰ الهندية ۶۹/۱)

اورصاحبین رحمہما اللہ کےنزدیک ما تجوز بہ الصلاۃ کی مقدار جوسقوط فرضیت کے لئے کافی ہوتی ہے، وہ کم ازکم تین چھوٹی آیتیں ہیں جن کی مقدار تیس حروف ہیں، یا اس کے برابر ایک بڑی آیت ہے، بغیر اس کے فرض قرأت ادا نہیں ہوگی اور اس سے کم کوئی پڑھ لے تو اس کی نماز ذمہ سے ساقط نہیں ہوگی۔

قالا: ثلاث اٰيات قصار أو اٰية طويلة. (هدايه ۱۱۸/۱)

البتہ ان دونوں روایتوں میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول ہی کتب معتبرہ سے راجح معلوم ہوتا ہے، چناں چہ عبارات ملاحظہ ہوں:

قال ابن الهمام: ثم عنده لو قرأ اٰية هي كلمات أو كلمتان نحو: ﴿فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ﴾ أو ﴿ثُمَّ نَظَرَ﴾ جازت الصلاة بلا خلاف بين المشائخ. (فتح القدير ۳۳۲/۱، الفتاویٰ الهندية ۶۹/۱)

وفي الدر المختار: وفرض القراءة اٰية على المذهب وتحته في الذي هو ظاهر الرواية عن الإمام – إلى قوله – وجزم القدوري بأنه الصحيح من مذهب الإمام، ورجحه الزيلعي بأنه أقرب إلى القواعد الشرعية. (درمختار مع الشامي ۵۳۷/۱ کرچی)

وفي الخلاصة: وهو الأصح، كذا في التاتارخانية. (الفتاویٰ الهندية ۶۹/۱، الفتاویٰ التاتارخانية ۱۵۸/۲ رقم: ۱۷۳۰ زکریا)

نیز اصول افتاء کی رو سے بھی عبادات میں حضرت امام اعظم کا قول راجح ہوتا ہے، ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ **ما تجوز به الصلاة** کے لئے ایک آیت جو دو کلمہ یا زائد پر مشتمل ہو کافی ہے، اس سے فرضیت ساقط ہو جائے گی؛ البتہ تین چھوٹی آیات جس کی مقدار ۳۰؍حروف ہیں، یا ایک بڑی آیت جو تیس حروف یا اس سے زائد پر مشتمل ہو، پڑھنا واجب ہے، جس کا معیار فقہاء نے ﴿ثُمَّ نَظَرَ. ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ. ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ﴾ کو ٹھہرایا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۵۸/۲)

لہٰذا ’’فتاویٰ رضویہ‘‘ میں جو مذکورہ آیتوں کے ساتھ ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ، خَلَقَ

الْاِنْسَانَ﴾ کومعیار قرار دیا ہے، تیس حروف سے کم ہونے کی وجہ سے قرأت واجبہ کے معیار کو بالاتفاق اور قرأت مفروضہ کے معیار کو صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک نہیں پہنچ سکتی۔

وفي الدر المختار: أقصر سورة كالكوثر أو ما قام مقامها وهو ثلاث اٰيات قصار نحو: ﴿ثُمَّ نَظَرَ. ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ. ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ﴾ وفي الشامية: وهي ثلاثون حرفاً، فلو قرأ اٰية طويلة قدر ثلاثين حرفاً يكون بقدر ثلاث اٰياتٍ. (شامی ۱/ ٤٥٨ کراچی)

چناں چہ اگر کوئی شخص سورۂ فاتحہ کی ایک آیت یا دو آیت پڑھنے کے بعد ایک بڑی سورت پڑھ کر نماز مکمل کرلے تو اکثر سورۂ فاتحہ (جس کا پڑھنا واجب ہے) ترک کرنے کی وجہ سے اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا، تاہم اگر سجدۂ سہو نہیں کیا تو بالاتفاق فرضیت ساقط ہو جائے گی، اور نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

وتجب قراءة فاتحة الكتاب فيسجد للسهو بترك أكثرها لا أقلها لكن في المجتبىٰ يسجد بترك اٰية منها. (درمختار مع الشامي ٢/ ٦٤ کراچی، شامی ٢/ ١٤٩ زکریا)

وذكر هشام عن محمد: إذا سها عن الأكثر من فاتحة الكتاب فعليه السهو، يعني إذا قرأ الأقل ونسي الأكثر، وإذا قرأ الأكثر ونسي فلا سهو عليه. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٢/ ٣٩٢ رقم: ٢٧٦٣ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲/۷/۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

"ما يجوز به الصلوٰة" قرأت کی واجبی مقدار کیا ہے؟

سوال (۲۸٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے وتر کی پہلی رکعت میں ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ، وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ. فَبِاَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿يَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأنٍ. فَبِاَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ اور تیسری

رکعت میں ﴿سَنَفْرُغُ لَکُمْ اَیُّھَا الثَّقَلَانِ. فَبِاَیِّ اٰلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ﴾ پڑھی، کیا ما یجوز به الصلاۃ قرأت ادا ہوئی یا نہیں؟ بالخصوص تیسری رکعت میں مدلل با حوالہ جواب عنایت فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: راجح اور محتاط قول کے مطابق ہر رکعت میں کم از کم ۳۰؍ حروف پر مشتمل آیت یا آیات متوالیہ پڑھنی ضروری ہیں، اور مسئولہ صورت میں تینوں رکعتوں میں اس مقدار کے مطابق قرأت پائی گئی ہے؛ لہٰذا نماز میں کوئی خرابی نہیں آئی۔

وضم آية سورة أو ما قام مقامها وهو ثلاث اٰيات قصار نحو: ﴿ثُمَّ نَظَرَ. ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ. ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَکْبَرَ﴾ وكذا لو كانت الاٰيت أو الاٰيتان تعدل ثلاثاً قصاراً. (درمختار) أي مثل ثم نظر ...... وهي ثلاثون حرفاً. (شامی ۲/۱۴۹ زکریا)

فرض القراء ة عند أبي حنيفة رحمه اللّٰه يتأدى بآية واحدة وإن كانت قصيرة وهو الأصح، وروى الحسن عن أبي حنيفة: أدنى ما يجوز من القراء ة في الصلاة في كل ركعة ثلاث اٰيات تكون تلك الأيات الثلاث مثل أقصر سورة من القراٰن، وإن قرأ باٰيتين طويلتين أو باٰية طويلة تكون تلك الأيات مثل أقصر سورة في القراٰن يجزيه ذٰلك. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/۵۹ رقم: ۱۷۳۵ زکریا، الفتاویٰ الهندية / الفصل الثاني في واجبات الصلاة ۱/۷۱، البحر الرائق / باب صفة الصلاة ۱/۵۱۶ رشيدية، مراقي الفلاح مع الطحطاوي / فصل في بيان واجب الصلاة ۲۰۰، هداية / باب النوافل ۱/۱۴۷ ياسر نديم، مجمع الأنهر، الصلاة / باب صفة الصلاة ۱/۱۳۰ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۱۱/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں قرأت کی مستحب مقدار؟

سوال (۲۸۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: نماز میں کتنی مقدار کی قرأت پڑھنا مستحب ہے

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس سلسلہ میں نمازی کی تین حالتوں کے اعتبار سے حکم الگ الگ ہے:

(۱) اگر نمازی سفر میں ہو اور سفر جاری ہو تو سورۂ فاتحہ کے بعد حسبِ سہولت جو سورت پڑھنا چاہے پڑھے، خواہ وہ چھوٹی سے چھوٹی کیوں نہ ہو اور خواہ وہ کوئی سی نماز کیوں نہ ہو؟

(۲) اگر نمازی مسافر ہو؛ لیکن کسی جگہ اطمینان کے ساتھ ٹھہرا ہو، تو نماز فجر وظہر میں اوساطِ مفصل میں سے لمبی سورتیں، نماز عصر وعشاء میں اوساطِ مفصل کی چھوٹی سورتیں اور نماز مغرب میں قصارِ مفصل کی چھوٹی سے چھوٹی سورتیں پڑھنا مستحب ہے۔

(۳) اور اگر نمازی مقیم ہو اور وقت میں بھی گنجائش ہو، تو اس کے لئے افضل یہ ہے کہ نماز فجر وظہر میں طوالِ مفصل، نماز عصر وعشاء میں اوساطِ مفصل اور نماز مغرب میں قصارِ مفصل پڑھے۔

اور طوالِ مفصل سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک کی سورتوں کو کہا جاتا ہے، جب کہ سورۂ طارق سے سورۂ لم یکن تک اوساطِ مفصل، اور سورۂ زلزال سے آخر قرآن تک کی سورتیں قصارِ مفصل کہلاتی ہیں۔

عن عقبة بن عامر رضي اللّٰه عنه أنه سأل النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عن المعوذتين، قال عقبة: فأمنا بهما رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في صلاة الفجر. (سنن النسائي، الصلاة / باب القراءة في الصبح بالمعوذتين ۱۱۰/۱ رقم: ۹۴۸ دار الفكر بيروت)

عن أبي برزة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يقرأ في صلاة الغداة بالستين إلى المائة. (سنن النسائي، الصلاة / باب القراءة في الصبح بالستين إلى المائة ۱۱۰/۱ رقم: ۹۴۴ دار الفكر بيروت)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم

يقرأ في المغرب بقصار المفصل. (شرح معاني الآثار ٢٧٨/١ رقم: ١٢٤٣ بيروت)

والمستحب على ثلاثة أوجهٍ، أحدها أن يقرأ في السفر حالة الضرورة الخ. بفاتحة الكتاب وأي سورة شاء أو مقدار أقصر سورة من أي محل تيسر الخ. والوجه الثاني أن يكون في السفر حالة الا ختيار الخ. يقرأ في صلاة الفجر مع الفاتحة سورة البروج الخ. ويقرأ في الظهر كذلک ويقرأ في العصر والعشاء دون ذلک، وفي المغرب يقرأ بالقصار جداً الخ. والوجه الثالث أن يكون في الحضر الخ. (حلبي كبير ٣١٠، الفتاویٰ التاتارخانية ٦١/٢ رقم: ١٧٤٧، ٦٢/٢ رقم: ١٧٥٠ زكريا)

ويسن في الفجر والظهر ومنها الخ. لم يكن أوساطه في العصر والعشاء وباقيه قصاره في المغرب أي في كل ركعة سورة مما ذُكِرَ، ذكره الحلبي. (درمختار ٢٦١/٢ زكريا) *فقط واللہ تعالیٰ اعلم*

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۱۱/۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں قرأت مسنونہ کی اہمیت؟

سوال (۲۸۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز میں قرأت مسنونہ کی اہمیت کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نماز میں قرأتِ مسنونہ کا اہتمام مستحب ہے۔

ويستحب في الحضر أن يقرأ في الفجر طوال المفصل وفي الظهر كذٰلک. (منية المصلي ٩٧)

والمستحب قراءة المفصل تيسراً للأمر. (فتاویٰ قاضي خان ٦١/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۲/۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بلا عذر نماز میں قرأتِ مسنونہ کو ترک کرنا؟

سوال (۲۸۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بلا عذر قرأت مسنونہ ترک کرنا اور اس ترک پر کثرت سے عمل کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عام حالات میں بلا عذر اس کا ترک مناسب نہیں ہے، بالخصوص اس کے ترک پر کثرت سے عمل کرنا اور اس کی عادت بنا کر بالقصد کراہتِ تنزیہی کا مرتکب ہونا قابل اصلاح ہے، ایسے امام کو نرمی سے سمجھا دیا جائے۔ (احسن الفتاویٰ ۳؍۷۳)

تارة يقتصر على أدنى ما ورد كأقصر سورة من طوال المفصل في الفجر، أو أقصر سورة من قصاره عند ضيق وقت أو نحوه من الأعذار؛ لأنه عليه السلام قرأ في الفجر بالمعوذتين لما سمع بكاء صبي خشية أن يشق على أمه، فليس المراد إلغاء الوارد ولو بعذر. (ردالمحتار لابن عابدين الشامي، فصل في القراءة / مطلب أن تكون سنة عين وسنة كفاية ۲/ ۲٦۲ زكريا)

وفي الضرورة بقدر الحال أي سواء كان في الحضر أو السفر. (ردالمحتار لابن عابدين الشامي، فصل في القراءة / مطلب أن تكون سنة عين وسنة كفاية ۲/ ۲٥۹ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴؍۲؍۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرأتِ مسنونہ کو چھوڑ کر امام کا کہنا کہ ترکِ سنت گناہ نہیں

سوال (۲۹۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی امام قرأتِ مسنونہ کو چھوڑتا ہو پھر متوجہ کرنے پر امام کا یہ کہنا ہو کہ ترکِ سنت گناہ نہیں ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سنتِ مؤکدہ کا ترک تو بلاعذر موجبِ گناہ ہے؛ لیکن قرأتِ مسنونہ جو مستحب کے درجہ میں ہے، اس کے ترک میں اتنی کراہت نہیں ہے، پھر بھی امام صاحب کو خواہ مخواہ ترک پر اصرار نہیں کرنا چاہئے، اور لوگوں کو مقدار مسنونہ کا عادی بنانا چاہئے۔

أقول: قد مثلوا لسنة الزوائد أيضاً بتطويله عليه الصلاة والسلام القراءة ......، ولا شك في كون عبادة، وحينئذ فمعنى كون سنة الزوائد عادة أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم واظب عليها حتى صارت عادة له ولم يتركها إلا أحياناً؛ لأن السنة هي الطريقة المسلوكة في الدين، فهي في نفسها عبادة وسميت عادة، ولما لم تكن من مكملات الدين وشعائره سميت سنة الزوائد، بخلاف سنة الهدي وهي السنن المؤكدة القريبة من الواجب التي يضلل تاركها؛ لأن تركها استخفاف بالدين. (شامي، الطهارة / مطلب في السنة وتعريفها ۲۱۹/۱ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۲/۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں جہری اور سری قرأت کی حکمت؟

سوال (۲۹۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فجر کی نماز میں قرأت آواز سے پڑھی جاتی ہے، مغرب میں دو رکعت میں آواز سے اور ایک رکعت خاموشی سے، عشاء میں دو رکعت آواز سے دو رکعت خاموشی سے، ظہر اور عصر میں بالکل خاموشی کے ساتھ، ایسا کیوں ہوتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احکام کی اصل علتوں اور حکمتوں کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، ہم تو اس کے بندے ہیں جیسا حکم ملا اس کے پابند ہیں، باقی بظاہر آپ کے سوال کا جواب یہ ہے

کہ قرآن کا استماع تدبر کا مقتضی ہے، جو سکون کو چاہتا ہے، اس بنا پر سکون کے اوقات فجر، مغرب اور عشاء میں جہر کا حکم دیا گیا ہے، اور ظہر و عصر چوں کہ مشغولیت کے اوقات ہیں، ان میں تدبر کا مقصود حاصل ہونا دشوار ہے، اس لئے ان نمازوں میں سر کا حکم دیا گیا۔ (مستفاد: المصالح العقلیۃ ۹۱)

وأوجبت أيضا أنه لا يحل أن يتوقف في امتثال أحكام الشرع إذا صحت بها الرواية على معرفة تلك المصالح لعدم استقلال عقول كثير من الناس في معرفة كثير من المصالح ولكون النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أوثق عندنا من عقولنا. (حجة اللّٰه البالغة، مقدمة شيخ محدث الدهلوي ١/ ٤٣ حجاز ديوبند)

اور فرض نمازوں کی صرف ابتدائی دو رکعتوں میں سر و جہر کا مدار قرأت کے حکم پر ہے، یعنی چوں کہ قرأتِ قرآن کی فرضیت اور وجوب کا تعلق صرف ابتدائی دو رکعتوں سے ہے، اس لئے بقیہ رکعتوں میں جب قرأت ہی فرض نہیں تو سر و جہر کا بھی سوال نہیں، ہاں نفلی نماز ہو تو اس میں ہر شفعہ مستقل نماز کے حکم میں ہے، اور اس کی ہر رکعت میں قرأت فرض ہے۔ (مستفاد: شامی ۲/ ۱۵۳ زکریا)

عن الزهري قال: سن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن يجهر بالقراءة في الفجر في الركعتين، وفي الأوليين من المغرب والعشاء، ويسر فيما عدا ذٰلك. (أخرجه أبوداؤد في مراسيله، دراية ١ ٩١، إعلاء السنن، أبواب القراءة / باب وجوب الجهر في الجهرية والسر في السرية ٤/ ٥ رقم: ٩٧١ دار الكتب العلمية بيروت)

والأصل في الجهر والإسرار أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يجهر بالقراءة في الصلاة كلها في الابتداء، وكان المشركون يؤذونه ويقولون لاتباعهم إذا سمعتموه يقرأ فارفعوا أصواتكم بالأشعار. (طحطاوي ٢٥٣، بدائع الصنائع ١/ ٣٩٥ زكريا)

ويجهر الإمام بالقراءة في الفجر وأولىٰ المغرب والعشاء والجمعة والعيدين للتوارث من زمن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إلىٰ هٰذا الآن، والجهر واجب ويخفىٰ الإمام في الظهر والعصر للتوارث المذكور. (رسائل

الأركان ١٠٠، ط: العلوي لكهنؤ، بحواله: فتاوىٰ محموديه ٤٥٢/١٠ ميرٹھ، طحطاوي على مراقي الفلاح / فصل في بيان واجبات الصلاة ٢٠٥، بدائع الصنائع، الصلاة / فصل في بيان واجبات الصلاة الأصلية ٣٩٥/١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۱۰/۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دن کی نماز میں سری قرأت اور رات کی نماز میں جہری قرأت کی وجہ؟

سوال (۲۹۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دن کی نماز میں قرأت سراً کیوں ہے وجہ کیا ہے؟ جب کہ رات کی نماز میں جہراً ہے، آخر فرق کیوں ہے، جب کہ دونوں نماز ہی ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں بہت سے احکام ایسے ہیں جن کی عقلی وجہ سمجھ میں نہیں آسکتی، اور نہ اس کو جاننے کی ضرورت ہے، مثلاً نماز کی رکعتوں کی الگ الگ تعداد کہ کوئی یہ نہیں بتا سکتا کہ فجر میں دو رکعت اور ظہر میں چار رکعت ہی کیوں متعین کی گئی، اسی طرح کے احکامات میں یہ بھی ہے کہ دن کی عام نمازوں میں آہستہ قرأت اور رات کی نمازوں میں جہری قرأت کی جائے۔ جب اس بارے میں پیغمبر علیہ السلام نے ہمیں کوئی وجہ نہیں بتائی، تو ہم اپنے طور پر کوئی حتمی علت متعین نہیں کر سکتے؛ البتہ بہت سے علماء نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ دور نبوت میں دن میں جہری قرأت کی وجہ سے مشرکین کی طرف سے ایذاء رسانی کا اندیشہ زیادہ تھا، اس لئے سری قرأت کا حکم دیا گیا، اور رات میں یہ اندیشہ زیادہ نہیں تھا، اس لئے جہر کا حکم دیا گیا ہے۔

ويجهر الإمام بالقراءة في الفجر، وفي المغرب، والعشاء، والجمعة، والعيدين للتوارث من زمن رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى هٰذا الآن، والجهر واجب، ويخفى الإمام في الظهر والعصر للتوارث المذكور. (أركان الإسلام ١٠٠ بحواله: فتاوىٰ محموديه ٩٦/٧، شامي ٢٥١/٢ زكريا، مجمع الأنهر ١٠٣/١)

والأصل في الجهر والإسرار أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يجهر بالقراء ة في الصلوات كلها في الابتداء وكان المشركون يؤذونه ويقولون لأتباعهم إذا سمعتموه يقرأ فارفعوا أصواتكم بالأشعار وإلا أجيز، وقابلوه بكلام اللغو حتى تغلبوه، فيسكت ويسبون من أنزل القراٰن، ومن أنزل عليه فانزل اللّٰه تعالىٰ: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلاتِكَ وَلاَ تُخَافِتْ بِهَا﴾ أي لا تجهر بصلاتك كلها ولا تخافت بها كلها ﴿وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلاً﴾ بأن تجهر بصلاة الليل وتخافت بصلاة النهار فكان بعد ذٰلك يخافت في صلاة الظهر والعصر. ويجهر في المغرب والعشاء والفجر. (طحطاوي على مراقي الفلاح ۲۰۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۷/ ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ظہر اور عصر میں جہری قرأت نہ ہونے کی وجہ

سوال (۲۹۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ظہر وعصر میں جہری قرأت نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کونسی نماز میں جہری قرأت کی جائے اور کن نمازوں میں سری قرأت کی جائے؟ اس میں عقل سے کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا؛ بلکہ اس بارے میں ہم حکم شرعی کے پابند ہیں، چوں کہ پیغمبر علیہ السلام نے ظہر اور عصر میں جہری قرأت نہیں فرمائی ہے، اس لئے ہم بھی اسی کے مکلّف ہیں؛ البتہ روایات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکہ معظّمہ میں دن کے اوقات میں جہری قرأت کرنے پر مشرکین شور وشر مچاتے تھے، اس لئے جہری قرأت کے بجائے سری قرأت کا حکم دیا گیا۔

كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يجهر بالقراء ة في الصلوات كلها

في الابتداء، إلا أن الكفار لما لغوا عند القراء ة وغلطوه في الظهر والعصر ترك الـجهـر فيهـمـا بهذا العذر، إن زال بكثرة المسلمين بقيت المخافته كالرمل في الطواف، وأما في المغرب والعشاء والفجر، فالكفار كانوا متفرقين ونياما. (عناية مع الفتح ۱/ ۳۳۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۶/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سر کی ادنیٰ مقدار کیا ہے؟

سوال (۲۹۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بکر نماز کی حالت میں قرآنِ پاک بہت آہستہ آہستہ پڑھتا ہے، یعنی بذاتِ خود اپنے کانوں کو بھی آواز نہیں آتی، صرف ہونٹ حرکت کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، اس حالت میں نماز ہوگی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں امام کرخیؒ کے قول کے مطابق اس کی نماز صحیح ہوگئی؛ لیکن زیادہ تر مشائخ احناف نے اس بارے میں علامہ ہندوانی کے قول کو ترجیح دی ہے، جن کا کہنا یہ ہے کہ صحت نماز کے لئے محض تصحیح حروف کافی نہیں؛ بلکہ اتنی آواز سے پڑھنا ضروری ہے کہ کم از کم خود سن سکے؛ لہٰذا آئندہ اسی قول پر عمل کرے؛ تاکہ بلا اختلاف اس کی نمازیں صحیح ہوں۔

وأخرج ابن أبي شيبة عن عبيدة وعن ليث عن ابن سابط قالا: أدنیٰ ما يقرأ القرآن أن تسمع أذنيک. (المصنف لابن أبي شيبة ۳/ ۲٤۷ رقم: ۳٦٥۸)

وأدنیٰ المخافتة إستماع نفسه ومن يقربه. (شامی ۱/ ۵۳۵ کراچی، شامی ۲/ ۲۵۲ زکریا)

وذكر أن كلا من قولي الهندواني والكرخي: مصححان، وإن ما قاله الهندواني أصح وأرجح لاعتماد أكثر علمائنا عليه. (شامی ۱/ ۵۳٤ کراچی، شامی ۲/ ۲۵۳ زکریا)

إعلم أنهم اختلفوا في حد وجود القراءة على ثلاثة أقوال فشرط الهندواني والفضلي لوجودها خروج صوت يصل إلى إذنه ...... ولم يشترط الكرخي وأبو بكر البلخي السماع واكتفيا بتصحيح الحروف، واختار شيخ الإسلام وقاضي خان وصاحب المحيط والحلواني قول الهندواني كذا في معراج الدراسة. (شامي ۲/۲۵۲ زكريا، مجمع الأنهر ۱/۱۵۷ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۴/۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرأت میں سر کا درجہ کتنا ہے؟

سوال (۲۹۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز میں قرآن کس انداز پر سری نماز میں پڑھنا چاہئے، ہونٹوں کو حرکت ہو کہ نہ ہو، بغیر ہونٹوں کی حرکت کے کیا پڑھنا تصور کیا جائے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سری نماز میں کم از کم اس طرح قرأت کرنا احوط ہے کہ خود سن سکے؛ البتہ اگر اس طرح قرأت کی کہ حروف صحیح مخرج سے ادا ہوگئے گو کہ آواز کچھ بھی نہ نکلی ہو تو بھی امام کرخی کے قول کے مطابق نماز صحیح ہو جاتی ہے، اور ہونٹوں کو حرکت تو بہر حال ہوگی، اس کے بغیر حروف صحیح نکل ہی نہیں سکتے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۲۳۵)

وأخرج ابن أبي شيبة عن عبيدة وعن ليث عن ابن سابط قالا: أدنىٰ ما يقرأ القرآن أن تسمع أذنيك. (المصنف لابن أبي شيبة ۲/۲٤۷/۳ رقم: ۳٦٥۸)

وأدنىٰ المخافتة إستماع نفسه ومن يقربه. (شامی ۱/۵۳۵ کراچی، شامی ۲/۲۵۲ زكريا)

أكثر المشائخ على أن الصحيح أن الجهر حقيقته أن يسمع غيره،

والمخافتة أن يسمع نفسه، وقال الهندواني: لاتجزيه ما لم تسمع أذناه ومن يقربه فالسماع شرعاً فيما يتعلق بالنطق باللسان كالشربة والقراءة السرية والتشهد. (مراقي الفلاح على الطحطاوي / باب شروط الصلاة وأركانها ١٧٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۲/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چار رکعت والی نماز میں دو میں سورت ملانے اور دو میں نہ ملانے کی وجہ کیا ہے؟

سوال (۲۹۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: چار رکعت والی نماز میں دو میں سورت ملانے کا حکم ہے، اور دو میں نہیں ہے، اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی ہے، اس لئے مدلل ومفصل تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بخاری ومسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل نماز دو ہی رکعت فرض کی گئی تھی، بعد میں اس میں اضافہ کیا گیا، اس لئے قرأت کی فرضیت کا تعلق صرف دو ہی رکعتوں سے ہے، اور مابقیہ دو رکعتوں میں قرأت فرض نہیں ہے، اور ان میں سورۂ فاتحہ پڑھنا بھی ضروری نہیں، اگر خاموش کھڑا رہے یا کوئی ذکر واذکار پڑھ لے، پھر بھی نماز درست ہوجاتی ہے۔

وأما بيان محل القراءة المفروضة فمحلها الركعتان الأوليان عينا في الصلاة الرباعية هو الصحيح من مذهبنا. (بدائع الصنائع ۱/۲۹۵، الفتاویٰ التاتارخانية ۲/۵۷ رقم: ۱۷۲۶ زكريا)

وعلي وابن مسعود كان يقولان: المصلي بالخيار في الأخريين إن شاء قرأ وإن شاء سكت وإن شاء سبّح، وسأل رجل عن عائشة رضي الله عنه عن قراءة

الـفاتحة في الأخريين فقالت: ''لكن على وجه الثناء'' ولم يرو عن غيرهم خلاف ذٰلک فيـكـون ذٰلک إجـمـاعاً ولأن القراءة في الأخريين ذكر يخافت بها على كـل حـالٍ فـلا تـكـون فرضا كثناء الافتتاح – إلى قوله – قالت عائشة رضي اللّٰه عـنهـا: الصلاة في الأصل ركعتان، زيدت في الحضر وأقرت في السفر. (وحديث عائشة أخرجه الإمام البخاري في صحيحه ۱/۵۱ رقم: ۳۵۰، مسلم في صحيحه ۱/۲۴۱ رقم: ۶۸۵)

عـن عبد اللّٰه بن أبي قتادة عن أبيه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يقرأ فـي الـركعتين الأوليين بفاتحة الكتاب وسورة، وفي الأخريين بفاتحة الكتاب. (مصنف ابن أبي شيبة، الصلاة / باب من كان يقرأ في الأوليين بفاتحة الكتاب وسورة ۳/۲۶۱ رقم: ۳۷۶۲)

والـزيـادة على الشيء لا يقتضي أن يكون مثله ولهٰذا اختلف الشفعان في وصف الـقـرأن مـن حيـث الجهر والإخفاء وفي قدرها وهو قراءة الصلاة. (بدائع الصنائع ۱/۲۹۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۷/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس شخص کو کوئی سورت یاد نہ ہو وہ نماز کس طرح پڑھے؟

سوال (۲۹۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک انسان ہے اس کو سورتیں یاد نہیں ہیں، کافی محنت کرنے کے بعد بھی سورت اسے یاد نہیں ہوتی ہے، اور وہ کوشش میں لگا ہوا ہے؛ لیکن وہ نماز پڑھتا ہے، اس میں امام کے پیچھے صرف کھڑا رہتا ہے رکوع اور سجدے پورے کرلیتا ہے؛ لیکن جب اکیلے پڑھے گا، تو اس کی کیا صورت ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ شخص کو چاہئے کہ وہ کم از کم سورۂ فاتحہ اور کوئی

چھوٹی سے چھوٹی سورت یاد کرنے کی لگاتار کوشش کرتا رہے، اور جس قدر بھی یاد ہوا تنا نماز میں پڑھتا رہے، تو اس کی نماز اسی طرح درست ہوجائے گی؛ لیکن اگر یاد کرنے کی کوشش چھوڑ دی تو بقدر فرض قرأت نہ ہونے کی شکل میں نماز فاسد ہوجائے گی، اس لئے اس کے اوپر کوشش کرتے رہنا لازم ہے۔

عن عبد اللّٰه بن أبي أوفى رضي اللّٰه عنه قال: جاء رجل إلى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: إني لا أستطيع أن آخذ من القرآن شيئاً فعلمني ما يجزئني منه، فقال: قل: سبحان اللّٰه والحمد للّٰه ولا إله إلا اللّٰه واللّٰه أكبر ولا حول ولا قوة إلا باللّٰه العلي العظيم ......الخ. (سنن أبي داؤد ۱/۱۲۰ رقم: ۸۳۲، مسند أحمد ۳۵۳/٤)

فائدة: إنما يجوز الاكتفاء بالتسبيح والتمجيد وغيرهما لمن لم يحفظ الفاتحة أو آية واحدة ...... حتى يتعلما ويحفظا آية، وتعلم الآية الواحدة وحفظها فرض عين متعين على كل مكلف، وحفظ فاتحة الكتاب وسورة أو ما يقوم مقامها من ثلاث آيات قصار واجب على كل مسلم، صرح به في الدر ورد المحتار ٥٦١/١. (إعلاء السنن ۲۲۹/۲)

ولا تصح صلاته إذا أمكنه الاقتداء بمن يحسنه، أو ترك جهده أو وجد قدر الفرض مما لا لثغ فيه، وفي الشامي: وعلى ما إذا ترك جهده لما علمت من أنه مادام في التصحيح ولم يقدر عليه فصلاته جائزة، وإن ترك جهده فصلاته فاسدة. (درمختار مع الشامي ۳۲۸/۲ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۱۱/۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فرض کی آخری دو رکعتوں میں اگر سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو کیا حکم ہے؟

سوال (۲۹۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فرض کے اخیر میں رکعات جس میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے جو کہ سنت ہے، اگر کوئی سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اور صرف کچھ دیر کھڑا رہ کر رکوع میں چلا جائے تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس صورت میں اس شخص کی نماز درست ہوجائے گی۔

وعلي وابن مسعود كان يقولان: المصلي بالخيار في الأخريين إن شاء قرأ وإن شاء سكت وإن شاء سبّح، وسأل رجل عن عائشة رضي اللّٰه عنه عن قراءة الفاتحة في الأخريين فقالت: ''لكن على وجه الثناء" ولم يرو عن غيرهم خلاف ذٰلک فيكون ذٰلک إجماعاً ولأن القراءة في الأخريين ذكر يخافت بها على كل حالٍ فلا تكون فرضا كثناء الافتتاح. (بدائع الصنائع / الكلام في القراءة ۱/ ۲۹۵ زكريا)

وهو مخير بين قراءة الفاتحة ...... وتسبيح ثلاثاً وسكوت قدرها. (درمختار مع الشامي ۲/ ۲۸ زكريا، البحر الرائق / باب إذا أراد الدخول في الصلاة كبر ۱/ ۳۲۶ كوئٹه)

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۸/۱/ ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ظہر اور عصر کی تیسری چوتھی رکعت پر ضم سورت کا حکم

سوال (۲۹۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ظہر وعصر کی تیسری چوتھی رکعت میں ضم سورت ہوجائے تو سجدۂ سہو لازم ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فرض کی تیسری یا چوتھی رکعت میں یا دونوں رکعتوں میں سورت ملالی، تو سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔

وضم أقصر سورة في الأوليين من الفرض، وهل يكره في الأخريين، المختار لا (درمختار) قوله المختار: لا، قال في المنية: وشرحها فإن ضم السورة إلى الفاتحة ساهيًا يجب عليه سجدتا السهو في قول أبي يوسف لتأخير الركوع عن محله، وفي أظهر الروايات: لا يجب؛ لأن القراءة فيهما مشروعة من غير تقدير والإقتصار على الفاتحة مسنون، لا واجب. (شامي ۲/ ۱۵ زكريا)

حتـى لـو قرأها في الأخريين ساهياً لم يلزمه السجود، وفي الذخيرة: وهو المختار، وفي المحيط: وهو الأصح، وإن كان الأولىٰ الاكتفاء بها لحديث أبي قتادة. (البحر الرائق ۱/۶ ۳۲ کوئٹه)

وحديث أبي قتادة أخرجه ابن أبي شيبة في مصنفه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كـان يقـرأ في الركعتين الأوليين بفاتحة الكتاب وسورة، وفي الأخريين بفاتحة الكتاب. (المصنف لابن أبي شيبة ۱/۳ ۲٦ ۲ رقم: ۳۷٤۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۴؍۷؍۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں کوئی سورت شروع کرکے پھر دوسری سورت پڑھنا؟

سوال (۳۰۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز فجر ادا کرتے ہوئے امام صاحب نے پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ قرأت کرتے ہوئے لفظ ﴿حِمَارًا﴾ بالکل چھوڑ کر آگے پڑھتے ہوئے پہلا رکوع ختم کیا، پھر دوسری رکعت میں سورۂ حشر کا آخری رکوع شروع کیا ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ﴾ تک پڑھ کر چھوڑ دیا، پھر سورۂ جمعہ کے دوسرے رکوع پر واپس آ کر سورۂ جمعہ کا آخری رکوع پڑھ کر نماز کو مکمل کیا، آپ سے گذارش ہے کہ نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو اس حالت میں نماز دوہرانی چاہئے یا سجدۂ سہو کرنا لازم تھا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں چوں کہ معنی میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی، اس لئے نماز صحیح ہوگئی، اعادہ یا سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں، دوسری رکعت میں محض ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ﴾ پڑھنے کی وجہ سے ترتیب قرأت کی خلاف ورزی نہیں ہوئی، اس لئے اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

قـال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: قد سمعتک وأنت تقرأ من هٰذه السورة

ومن هٰذه السورة، قال: كلام طيب يجمع اللّٰه بعضه إلى بعض، فقال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: كلكم قد أصاب. (رواه أبوداؤد بسنده عن أبي هريرة مرفوعاً في حديث طويل، تفريع أبواب قيام الليل / باب في رفع الصوت بالقراءة في صلاة الليل رقم: ١٣٣٠)

والأفضل أن يقرأ في كل ركعة فاتحة الكتاب وسورة كاملة في المكتوبة (عمدة القاري ١/٣ ١٠، إعلاء السنن ٤/ ١٢٤ بيروت)

وإن ترك كلمة من آية ولم يتغير المعنى كما لو قرأ: ﴿وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾ وترك ذا لا تفسد صلوته؛ لأنه يفهم به بدون الترك. (خانية على الفتاوىٰ الهندية ١/ ١٥٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۳/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دورانِ نماز ایک سورت شروع کرکے بھول جانے پر دوسری شروع کرنا؟

سوال (۳۰۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام صاحب نے فجر کی نماز میں ﴿یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ شروع کی، مگر آگے کچھ یاد نہ آیا، پھر اس سورت کو چھوڑ کر سورۂ قیامہ پڑھی، کیا نماز درست ہوگئی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: بلا عذر کے ایک سورت شروع کرنے کے بعد دوسری سورت کی طرف منتقل ہونا مکروہ ہے؛ لیکن اگر عذر کی وجہ سے ایسا کیا تو مکروہ نہ ہوگا؛ لہٰذا شروع کرنے کے بعد آگے یاد نہ آنے کی وجہ سے سورۂ قیامہ پڑھ کر نماز مکمل کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

(مستفاد احسن الفتاویٰ ۳/۸۴)

عن سعيد بن المسيب أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم مر ببلال رضي

اللّٰه عنه وهو يقرأ من هٰذه السورة ومن هٰذه السورة، فقال: يا بلال! مررت بک وأنت تقرأ من هٰذه السورة ومن هٰذه السورة، فقال: اخلطت الطيب بالطيب، فقال: اقرأ السورة على وجهها، أو قال: على نحوها. (أخرجه أبو عبيد وهو مرسل صحيح، كذا في الاتقان ١٤/١، بحواله: إعلاء السنن ١٢٩/٤ دار الكتب العلمية بيروت)

ولا تصح صلا ته إذا أمكنه الاقتداء بمن يحسنه، أو ترک جهده أو وجد قدر الفرض مما لالثغ فيه، وفي الشامي: وعلى ما إذا ترک جهده لما علمت من أنه مادام في التصحيح ولم يقدر عليه فصلا ته جائزة، وإن ترک جهده فصلا ته فاسدة. (درمختار مع الشامي ٣٢٨/٢ زكريا)

فإنه صلى اللّٰه عليه وسلم نهى بلالاً عن الانتقال من سورة إلى سورة، وقال له: إذا ابتدأت بسورة فأتمها على نحوها حين سمعه ينتقل من سورة إلى سورة في التهجد. (شامى ٢٦٩/٢ زكريا)

لو انتقل في الركعة الواحدة من آية إلى آية يكره وإن كان بينهما آيات بلا ضرورة. (شامى، فصل في القراءة / مطلب الاستماع للقران فرض كفاية ٢٦٩/٢ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ٧٨/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۸/۳/۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا نماز میں واجب قرأت کی ادائیگی کے لئے ایک ہی جگہ سے پڑھنا ضروری ہے؟

سوال (۳۰۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز میں جو سورت کا ملانا واجب ہے، تین چھوٹی آیت یا ایک بڑی آیت، کیا ایک ہی جگہ سے پڑھنا واجب ہے یا اگر متفرق جگہوں سے اتنا پڑھ دیا جو ۳/ آیت کے بقدر ہو گیا اور معانی

مفہوم میں بھی تغیر نہیں ہوا، تو کیا نماز درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقہی جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ضم سورت کے واجب کی ادائیگی کے لئے ایک ہی جگہ سے تین آیات کے بقدر پڑھنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ اگر متفرق طور پر اتنی مقدار پڑھ لی جائے تو واجب اداء ہو جائے گا؛ لیکن نظم قرآن کی رعایت نہ رکھنے کی وجہ سے کراہت ضرور ہوگی، اور اگر اس طرح آیتوں کو ملایا کہ معنی بالکل غلط ہو گئے، تو ایسی صورت میں نماز ہی فاسد ہو جائے گی۔

عن ابن عوف قال: سألت ابن سيرين عن الرجل يقرأ من السورة آيتين ثم يدعها ويأخذ في غيرها، قال: ليتق أحدكم أن يأثم إثما كبيراً من حيث لا يشعر. أخرجه أبوعبيد، كذا في الإتقان (١١٥/١) قلت: سند صحيح، وابن عوف تصحيف، وإنما هو ابن عون بالنون من ثقات أصحاب ابن سيرين، كذا في مقدمة الصحيح لمسلم ٤/١. (إعلاء السنن ١٣٠/٤ دار الكتب العلمية بيروت)

المتبادر من قوله: "ثلاثا قصاراً" الإكتفاء بقدر الثلاث من الآية أو الآيتين وإن لم تكن الثلاث على ترتيب النظم القرآني، واشتراط ذلک لا تدل عليه عبارة الحلبي إذ قوله "تعدل ثلاث آيات قصاراً" شامل لما إذا كانت على الوجه المشروع بأن تكون متوالية أولا، وإثباته لابد له من دليل فعند عدم وجوده يعمل بإطلاق عبارة الحلبي. (تقريرات رافعي ٥٧/١، ملحقا بشامي زكريا ٢)

لو انتقل في الركعة الواحدة من آية إلى آية أخرى يكره. (شامي ٢٦٩/٢ زكريا)

قال العلامة العثماني التهانوي: والحاصل أن الانتقال من آية من سورة إلى أية من سورة أخرى، أو من هذه السورة في ركعة واحدة مكروه فرضا كان أو نفلا. (إعلاء السنن ١٣٠/٤ دار الكتب العلمية بيروت، الفتاوىٰ التاتارخانية ٦٧/٢، رقم: ١٧٦٤)

وإن ذكر آية مكان آية ...... وإن لم يقف وقرأ موصولاً إن لم يتغير الأولى بالثانية ...... لا تفسد صلاته، وإن تغير المعني تفسد صلاته. (خانية على هامش الفتاویٰ الهندية ۱/۱۵۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۲/۶/۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دورانِ نماز قرأت میں کوئی آیت چھوٹ گئی؟

سوال (۳۰۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام صاحب نے مغرب کی نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا، وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا﴾ الخ پڑھا، ایک دن ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا﴾ پڑھ کر ایک آیت چھوٹ گئی، پھر ﴿وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا﴾ الخ پڑھا، کیا دونوں صورت میں نماز ہوگئی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر غلطی سے نماز میں کسی سورت کی ایک آیت چھوٹ جائے، یا آیت کا بعض حصہ چھوٹ جائے، اور فی الجملہ تین آیتوں کے بعد قرأت پائی جائے، تو اس کی وجہ سے نماز پر کوئی فرق نہیں پڑے گا، اور نماز درست ہوجائے گی؛ لہٰذا سوال نامہ میں ذکرکردہ دونوں صورتوں میں نماز درست ہوگئی، اعادہ کی ضرورت نہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۳/۴۴۵)

قال النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم: قد سمعتک وأنت تقرأ من هٰذه السورة ومن هٰذه السورة، قال: كلام طيب يجمع اللّٰه بعضه إلى بعض، فقال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: كلكم قد أصاب. (رواه أبوداؤد بسنده عن أبي هريرة مرفوعاً في حديث طويل، تفريع أبواب قيام الليل / باب في رفع الصوت بالقراءة في صلاة الليل رقم: ۱۳۳۰)

لو انتقل في الركعة الواحدة من آية إلى آية يكره وإن كان بينهما آيات بلا ضرورة، فإن سها ثم تذكر يعود مراعاة لترتيب الآيات. (شامي ۲/۲۶۹ زكريا)

وإذا جمع بين آيتين بينهما آيات أو آية واحدة في ركعة واحدة أو في ركعتين فهو على ما ذكرنا في السور أي مكروه. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۷۸، إعلاء السنن ۴/ ۱۲۲ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۸/۳/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

آیت میں ایک کلمہ چھوڑ دیا؟

سوال (۳۰۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز فجر میں قرأت کے اندر ﴿**لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطَانٍ**﴾ میں امام صاحب نے ''**إلَّا**'' چھوڑ دیا، تو نماز ہوئی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں نماز درست ہوگئی۔

وإن ترك كلمة من آية فإن لم يتغير المعنى ...... لا تفسد. (شامی ۲/ ۳۹۶ زکریا)

ولو زاد كلمة أو نقص كلمة أو نقص حرفا لم تفسد ما لم يتغير المعنى.

(درمختار مع الشامي / باب زلة القاري ۲/ ۳۹۵ زكريا، الفتاویٰ الهندية / الفصل الخامس في زلة القاري ۱/ ۸۰، خلاصة الفتاویٰ / النوع الثاني عشر في زلة القاري ۱/ ۱۱۷، أمجد أكيڈمي لاهور) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۶/۳/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

امام نے ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ چھوڑ دیا؟

سوال (۳۰۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام نے سورۂ فاتحہ میں ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کو چھوڑ کر آگے پڑھ دیا، کسی مقتدی نے لقمہ بھی نہیں دیا، بعد میں مقتدی نے بتایا، اب اس نماز کو دوبارہ پڑھنا ہے یا نہیں؟ اگر پڑھنا ہے تو وقت گذرنے کے بعد اس کی ادائیگی واجب ہے یا مستحب، نیز با جماعت یا منفرد؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سورۂ فاتحہ سے اگر ایک حرف بھی سہواً چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو واجب ہے، اور بغیر سجدۂ سہو کئے نماز پوری کرلے تو اس کا اعادہ وقت اور بعد الوقت دونوں صورتوں میں واجب ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں بعد الوقت اس کا ادا کرنا واجب ہے، اور اس کے لئے جماعت کا اہتمام ضروری نہیں ہے؛ بلکہ لوگوں کو مطلع کردیا جائے؛ تاکہ اپنی اپنی نماز کا اعادہ کرلیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۱/۱۶۲، احسن الفتاویٰ ۴/۳۲)

فيسجد للسهو بترك أكثرها لا أقلها؛ لكن في المجتبىٰ يسجد بترك اٰية منها وهو أولىٰ (درمختار) وفي الشامية: وفيه نظر؛ لأن الظاهر أن ما في المجتبىٰ مبني على قول الإمام بأنها بتمامها واجبة وذكر الاٰية تمثيل لا تقييد؛ إذ بترك شيء منها اٰية أو أقل وهو حرفاً لا يكون اٰتياً بكلها الذي هو الواجب.

(شامي ۲/۱٤۹ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ۱/۵۵)

وترجيح القول بالوجوب في الوقت وبعده. (شامي ۲/۱٤۸ زكريا، البحر الرائق ۲/۹٤ كوئٹه، طحطاوي على مراقي الفلاح ۲۵۰) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۷/۶/۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں درمیان سورت یا آخر سورت سے قرأت کرنا؟

سوال (۳۰۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز جہری ہو یا سری، درمیان سورت سے پڑھنا یا آخری سورت سے پڑھنا کیسا ہے؟ یا کوئی ایسا مسئلہ ہے کہ نماز میں جو قرأت کی جائے تو سورت کے شروع سے ہی پڑھی جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز میں درمیان سورت سے یا اخیر سورت سے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ تاہم بہتر یہ ہے کہ ہر رکعت میں پوری سورت پڑھی جائے۔

وأخرج الطبراني عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: ما من سورة في المفصل صغيرة ولا كبيرة إلا قد سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرؤها في الصلاة كلها. (المعجم الكبير للإمام الطبراني ۲۸۰/۱۲ رقم: ۱۳۳۵۹)

ولو قرأ في ركعة من وسط سورة أو من اٰخر سورة، وقرأ في الركعة الأخرىٰ من وسط سورة أخرى، أو من اٰخر سورة أخرىٰ لا ينبغي له أن يفعل ذٰلک على ما هو ظاهر الرواية، ولكن لو فعل ذٰلک لا بأس به، والأفضل أن يقرأ في كل ركعة الفاتحة وسورة كاملة في المكتوبة. (الفتاویٰ الهندية ۷۸/۱، الفتاویٰ التاتارخانية ۶۶/۲ رقم: ۱۷۵۹ زكريا، شامي / فصل في القراءة ۵۴۱/۱ كراچی، ۲۶۱/۲ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۴/۴/۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں صرف دو آیت کی تلاوت کرنا؟

سوال (۳۰۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک آدمی نے نماز پڑھائی، دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد صرف دو آیتیں پڑھیں: ﴿إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَنَهَرٍ. فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُقْتَدِرٍ﴾ [القمر:] اتنی قرأت سے واجب ادا ہوگیا یا نماز واجب الاعادہ ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقہاء نے لکھا ہے کہ قرأتِ واجبہ کی کم سے کم مقدار ۳۰؍ حروف پر مشتمل ایک آیت یا چند آیتوں کا پڑھنا ہے، اور إن المتقين ...... میں ۳۹؍ حروف ہیں؛ لہٰذا محض اتنی مقدار ایک رکعت میں پڑھنے سے بھی نماز درست ہوگئی، اور واجب قرأت کی ادائیگی ہوگئی۔

قال الشامي: لو قرأ اٰية تعدل أقصر سورة جاز، وفي بعض العبارات تعدل

ثلاثاً قصاراً أي كقوله تعالىٰ: ﴿ثُمَّ نَظَرَ. ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ. ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ﴾ [المدثر:] وقدرها من حيث الكلمات عشر ومن حيث الحروف ثلاثون ...... فعلى ما قلناه لو اقتصر على هٰذا القدر في كل ركعة كفى عن الواجب ولم أر من تعرض لشيءٍ من ذٰلك فليتأمل. (شامی ۲/ ۲۵۷ زکریا)

فرض القراءة عند أبي حنيفة رحمه اللّٰه يتأدى بآية واحدة وإن كانت قصيرة وهو الأصح، وروى الحسن عن أبي حنيفة: أدنى ما يجوز من القراءة في الصلاة في كل ركعة ثلاث اٰيات تكون تلك الاٰيات الثلاث مثل أقصر سورة من القراٰن، وإن قرأ باٰيتين طويلتين أو باٰية طويلة تكون تلك الاٰيات مثل أقصر سورة في القراٰن يجزيه ذٰلك. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۲/ ۵۹ رقم: ۱۷۳۵ زكريا، الفتاوىٰ الهندية / الفصل الثاني في واجبات الصلاة ۱/ ۷۱، البحر الرائق / باب صفة الصلاة ۱/ ۵۱٦ رشيدية، مراقي الفلاح مع الطحطاوي / فصل في بيان واجب الصلاة ۲۰۰، هداية / باب النوافل ۱/ ۱٤۷ ياسر نديم، مجمع الأنهر، الصلاة / باب صفة الصلاة ۱/ ۱۳۰ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/ ۱۱/ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فرض نماز میں آیت کو دُہرانا؟

سوال (۳۰۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شخص نے نماز میں قرأت کرتے ہوئے ایک آیت کو دومرتبہ یا تین مرتبہ پڑھ دیا، تو کیا اس کی نماز ہوجائے گی؟ فرض اور نفل نماز ہر ایک کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فرض نماز میں بلاضرورت قصداً ایک ہی آیت کو دہرانا مکروہ ہے، نفل نماز میں مکروہ نہیں؛ لیکن اگر دہرالیا تو اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آئے گی، نماز

ہوجائے گی۔ (فتاویٰ دارالعلوم ۳۳۸/۲)

عن جسرة بنت دجاجة قالت: سمعت أبا ذر رضي الله عنه يقول: قام النبي صلى الله عليه وسلم حتى أصبح بآية، والآية: إن تعذبهم فإنهم عبادك وان تغفر لهم فإنك أنت العزيز الحكيم. (سنن النسائي ۶۱/۱ رقم: ۱۰۰۶)

إذا كرر آية واحدة مراراً إن كان في التطوع الذي يصليه وحده فذلك غير مكروه، وإن كان في الفريضة فهو مكروه، وهذا في حالة الاختيار، وأما في حالة العذر والنسيان فلا بأس به. (غنية المستملي / ۴۶۲، كذا في الفتاوىٰ الهندية ۱۰۷/۱)

ولا يكره تكرار السورة في ركعة أو في ركعتين في النفل؛ لأن باب التطوع أوسع، وقد ورد أنه عليه السلام قام إلى الصباح بأية واحدة يكررها في تهجده فدل على جواز التكرار في التطوع كذا في شرح المنية. (مراقي الفلاح / فصل في المكروهات ۱۰۷ ط: مكة المكرمة، إمداد الفتاوىٰ مع الحاشية ۳۸۱/۱، فتاوىٰ دار العلوم زكريا جنوبی افريقه ۲۲۷/۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۴/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جہری نماز میں سورۂ فاتحہ کی دو آیت آہستہ پڑھنا؟

سوال (۳۰۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی امام نے جہری نماز میں دوسری رکعت کے اندر سورۂ فاتحہ کی دو آیت آہستہ آواز سے قرأت کی، پھر یاد آنے یا لقمہ دینے پر سورۂ فاتحہ از سرنو جہراً پڑھنی شروع کر دی، تو کیا اس حالت میں سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ نیز اگر اس حالت میں سجدۂ سہو نہیں کیا تو کیا نماز کا اعادہ واجب ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: یہاں دو باتیں قابل غور ہیں، پہلی بات یہ ہے کہ جہری کی

جگہ سرا اور سر کی جگہ جہر کرنا، تو اس میں اصول یہ ہے کہ اگر تین چھوٹی آیتوں کے بقدر (جن کے کم سے کم حروف ۳۰ ؍ ہیں) جہر کی جگہ سرا اور سر کی جگہ جہر کرے، تو اس بنیاد پر سجدۂ سہو واجب ہوگا، اور اگر اس سے کم الفاظ میں مخالفت ہوئی تو سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا، اس اعتبار سے سورۂ فاتحہ کی دو ابتدائی آیتوں کے حروف ۳۲ بنتے ہیں؛ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہاں اس نے ازسر نو آیات پڑھ کر تکرار فاتحہ کا ارتکاب کیا ہے، تو اس سلسلہ میں ایک اصول یہ ہے کہ اگر سورۂ فاتحہ کا اکثر حصہ مکرر پڑھا، تو سجدۂ سہو جب ہوگا ورنہ نہیں، اور یہ مقدار سورۂ فاتحہ کی دو ابتدائی آیتوں میں پوری نہیں ہوتی؛ اس لئے یہ وجہ موجبِ سجدۂ سہو نہیں ہے۔

أخرج ابن أبي شيبة عن إبراهيم قال: إذا جهر فيما يخافت فيه، أو خافت فيما يجهر فيه، فعليه سجدتا السهو. (المصنف لابن أبي شيبة ٢٤٥/٣ رقم: ٣٦٤٩)

والجهر فيما يخافت فيه للإمام وعكسه لكل مصل في الأصح، والأصح تقديره بقدر ما تجوز به الصلاة في الفصلين، قال ابن عابدين تحت قوله ''الأصح'' صححه في الهداية والفتح والتبيين والمنية؛ لأن اليسير من الجهر والإخفاء لا يمكن الاحتراز عنه. (شامي، الصلاة / باب سجود السهو ٥٤٥/٢ زكريا)

لو كرر الفاتحة أو بعضها في أحد الأوليين قبل السورة سجد للسهو. (طحطاوي ٢٥٠)

وكذا لو قرأ أكثرها ثم أعادها كما في الظهيرية. (شامي ١٥٢/٢ زكريا)

وعن أبي يوسف إذا جهر فيما يخافت يجب وإن كان حرفاً، وإن خافت فيما يجهر لا يجب. (الفتاویٰ التاتارخانية، الصلاة / سجود السهو ٣٩٥/٢ رقم: ٢٧٧٦ زكريا)

والصحيح ظاهر الرواية وهو التقدير بما تجوز به الصلاة من غير تفرقة؛ لأن القليل من الجهر في موضع المخافتة عفو أيضا. (كبيري ٤٥٧، البحر الرائق ٩٦/٢، الفتاویٰ الهندية ١٢٨/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۲۱/۸/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فرض جہری نماز میں امام کو لقمہ دینا؟

سوال (۳۱۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا فرض جہری نماز کی قرأت میں لقمہ دے اور لے سکتے ہیں، اور اس سے سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لقمہ دینا فرض نماز میں بھی درست ہے، اور اس کی وجہ سے سجدۂ سہو وغیرہ بھی لازم نہیں ہوتا؛ لیکن امام کو چاہئے کہ وہ جہاں تک ممکن ہو لقمہ کی نوبت نہ آنے دے۔

بخلاف فتحه على إمامه فإنه لايفسد مطلقاً لفاتح، و آخذ بكل حال، وفي الشامية: قوله بكل حال: سواء قرأ الإمام قدر ما تجوز به الصلاة أم لا، انتقل إلى آية آخرى أم لا، تكرر الفتح أم لا، هو الأصح. (الدر المختار على هامش رد المحتار / باب مايفسد الصلاة ۲/۳۸۱ زكريا، الفتاوىٰ التاتارخانية ۲/۲۲۵ رقم: ۲۲۳٦ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۴/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سری نمازوں میں جہری قرأت کرنا؟

سوال (۳۱۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جن چھوٹی آیتوں کو چھوٹی تین آیتوں کا معیار بنایا جائے اگر ان کے بقدر سری نمازوں میں جہراً قرأت کرلے، تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ مثلاً: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ کو سری نماز میں جہراً پڑھ دیا، تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ جب کہ یہ دونوں آیتیں مذکورہ بالا معیار سے من حیث الحروف بڑی ہیں؟ صاحبِ احسن الفتاویٰ نے وجوبِ سجدۂ سہو کا حکم

دیا، کیا یہ صحیح ہے؟ اور اگر صحیح نہیں ہے تو کیوں؟ وجوبِ سجدۂ سہو کے بعد سجدہ نہ کرنے سے نماز واجب الاعادہ وقت کے اندر ہے مطلقاً؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سری نمازوں میں اگر ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ کو جہراً پڑھ دیا، تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بالاتفاق سجدۂ سہو واجب ہوگا، امام ابوحنیفہؒ کے یہاں ایک آیت کے سری نماز میں جہری کرنے کی وجہ سے، اور صاحبین کے یہاں تیس حروف جو معیار تین آیتوں کا ہے جہر کرنے کی وجہ سے؛ لہٰذا احسن الفتاویٰ کا سجدۂ سہو کا حکم لگانا درست ہے اور سجدۂ سہو نہ کرنے کی وجہ سے اعادۂ صلوٰۃ وقت کے اندر واجب ہے، خروجِ وقت کے بعد واجب نہیں رہتا؛ بلکہ مستحب ہوجاتا ہے۔

البتہ حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے کراہتِ تحریمی سے اعادۂ صلوٰۃ کے سلسلہ میں لمبی بحث فرماکر آخری فیصلہ یہ فرمایا کہ بہرصورت نماز واجب الاعادہ ہے، خواہ اندرونِ وقت ہو یا بیرونِ وقت، اور مقید بالوقت پر کوئی دلیل نہیں؛ لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ مطلقاً اعادۂ صلوٰۃ کے مسئلہ پر عمل کیا جائے۔

أخرج ابن أبي شيبة عن إبراهيم قال: إذا جهر فيما يخافت فيه، أو خافت فيما يجهر فيه، فعليه سجدتا السهو. (المصنف لابن أبي شيبة ٣/ ٢٤٥ رقم: ٣٦٤٩)

الأصح في المقدار الجهر الذي يجب به السهو القراءة قدر ما تصح به الصلاة وهو ثلاث اٰيات أو اٰية طويلة بالاتفاق، أو اٰية قصيرة على مذهب أبي حنيفة، واحترز بقوله: والأصح عما ذكره شمس الأئمة السرخسي أنه يجب سجدتا السهو وإن كان ذٰلك كلمة. (البناية شرح الهداية للعلامة العيني ٢/ ٦١٤ نعيمية ديوبند)

وفي البدائع: إن فرض القراءة عند أبي حنيفة يتأدى باٰية واحدة وإن كانت قصيرة، فإذا غير صفة القراءة في هٰذا القدر تعلق به السهو وعندهما لا

يتأدى فرض القراء ة بآية طويلة أو ثلاث آيات قصار فما لم يتمكن التغير في هٰذا القدر لا يجب السهو. (بدائع الصنائع ١٦٢/١)

وفي الشامية: أما كونها واجبة في الوقت مندوبة بعده أي بناءً على أن الإعادة لا تختص بالوقت. وظاهر ما قدمناه عن شرح التحرير ترجيحه، وقد علمت أيضاً ترجيح القول بالوجوب، فيكون المرجح وجوب الإعادة في الوقت وبعده، ويشير إليه ما قدمناه عن الميزان من قوله يجب عليه الإعادة وهو إتيان مثل الأول. ذاتا مع صفة الكمال: أي كمال ما نقصه منها، وذٰلك يعم وجوب الإتيان بها كاملة في الوقت وبعده كما مر. (شامي ٦٤/٢ كراچی، شامي ٢٢/٢ ٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۷/۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تین آیتوں پر بھولنے کی وجہ سے رکوع کرنے والا؟

سوال (۳۱۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے جہری نماز پڑھائی بایں طور کہ اولیین میں سے کسی ایک رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ لہب پڑھنا شروع کیا اور ﴿سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ﴾ تک پڑھنے کے بعد بھول گیا، چناں چہ فوراً رکوع کر کے بقیہ نماز کی تکمیل کی، بعد نماز نمازیوں کے درمیان اختلاف ہو گیا، ان میں بعض کا کہنا تھا کہ نماز ہوگئی اور بعض اس پر مصر تھے کہ نماز نہیں ہوئی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ میں نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ اگر صحیح ہوئی تو بلا کراہت یا کراہت کے ساتھ؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں نماز صحیح ہوگئی اور کوئی کراہت بھی نہیں آئی؛ اس لئے کہ تین آیتیں پڑھ لی گئی ہیں۔

والثاني ضم سورة قصيرة أو ثلاث اٰيات قصار. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي ١٣٥)

وضـم آية سـورة أو ما قام مقامها وهو ثلاث اٰيات قصار نحو: ﴿ثُمَّ نَظَرَ. ثُـمَّ عَبَـسَ وَبَسَرَ. ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ﴾ وكذا لو كانت الاٰيت أو الاٰيتان تعدل ثلاثاً قـصـاراً. (درمـختار) أي مثل ثم نظر ...... وهي ثلاثون حرفاً. (شـامی ۱٤٩/٢ زكريا، الـفتـاویٰ التـاتـارخانية ٥٩/٢ رقم: ١٧٣٥ زكريا، الفتاویٰ الهندية ٧١/١، مجمع الأنهر ١٣٠/١ بيروت، البحر الرائق ٥١٦/١ رشيدية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۴/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دوآیت پڑھ کر رکوع کرنے سے نماز کا حکم؟

سوال (۳۱۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی شخص نے نماز پڑھنا شروع کیا اور سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد سورت پڑھنی شروع کی؛ لیکن ابھی تین چھوٹی آیت کے بقدر پڑھ نہیں پایا تھا کہ بھول گیا، یعنی ایک دو چھوٹی آیت پڑھ کر بھول گیا، اس کے بعد رکوع سجدہ کر کے نماز پوری کی۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ایسی صورت میں نماز ہوئی یا نہیں؟ سجدۂ سہو کرنا پڑے گا یا بغیر سجدۂ سہو نماز ہو جائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر وہ دو آیتیں اتنی ہیں کہ وہ تین چھوٹی آیتوں کے برابر ہوسکتی ہیں تو نماز صحیح ہو جائے گی، سجدۂ سہو کی ضرورت نہ ہوگی، اور اگر اتنی چھوٹی دو آیتیں پڑھیں جو تین چھوٹی آیتوں کے بقدر قرار نہیں دی جاسکتیں، تو نماز کی صحت کے لئے سجدۂ سہو کرنا ہوگا، ورنہ وقت کے اندر اندر نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

ولو كانت الاٰية أو الاٰيتان تعدل ثلاث اٰيات قصاراً انتفت كراهة التحريم ذكره الحلبي. (درمختار ٤٩٢/١ کراچی، شامی ١٩٤/٢ زكريا)

وإن قـرأ بـآيتيـن طـويـلتيـن أو بـآية طويلة تكون تلك الآيات مثل أقصر

سورة فـي الـقـرآن يجزيه أيضاً، وإن لم تكن الآيتان أو الآية مثل أقصر سورة من القرآن لا يجزيه. (الـفـتـاویٰ التاتارخانية ٢ / ٥٩ رقم: ١٧٣٥ زكريا، الفتاویٰ الهندية ١ / ٧١، مجمع الأنهر ١ / ١٣٠ بيروت، البحر الرائق ١ / ٥١٦ رشيدية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۸/۴/۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز کی قرأت میں چھوٹی سورت کا فصل کرنا؟

سوال (۳۱۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مغرب کی نماز میں امام نے پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ قریش پڑھی، دوسری میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ کوثر پڑھی، تو کیا نماز دوبارہ لوٹائی جائے گی یا صرف نماز مکروہ ہوئی، اور لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز صحیح ہوگئی، لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے؛ البتہ آئندہ ایسا نہ کیا جائے، ایسا کرنا مکروہ ہے۔

ويكره الفصل بسورة قصيرة. (شامي ٢ / ٦٩ زكريا، درمختار ١ / ٥٤٦ كراچی)

لو قرأ في كل ركعة سورة وترك بين السورتين سورة يكره لما قلنا إلا أن يكون تلك السورة أطول من التي قرأها في الركعة الأولى بحيث يلزم منه إطالة الركعة الثانية إطالة كثيرة فحينئذٍ لا يكره. (حلبي كبير ٤٩٤، الفتاویٰ الهندية ١ / ٧٩) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۵/۱۰/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کا کھڑے ہو کر قرأت کرنا؟

سوال (۳۱۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: زید بیٹھ کر رکوع وسجدہ سے نماز ادا کرنے پر قادر نہیں ہے؛ اس لئے وہ کرسی پر بیٹھ کر اشارہ سے رکوع وسجدہ کی ادائیگی کرتا ہے؛ لیکن قرأت کھڑے ہوکر انجام دیتا ہے، تو کیا اس کا ایسا کرنا درست ہے؟ اور کرسی پر نماز ادا کرنے کی صورت میں اس کا قدم دیگر نمازیوں کے برابر میں نہیں رہتا، جب کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ کے رسول نمازیوں کی صفوں کو درست فرماتے تھے، اور اس کی تاکید بھی فرماتے تھے، تو کیا حدیث کی خلاف ورزی تو لازم نہیں آتی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص باقاعدہ سجدہ کرنے پر قادر نہ ہو اس سے نماز میں قیام کا فریضہ ساقط ہے، ایسے شخص کے لئے اگرچہ کھڑے ہوکر نماز پڑھنا جائز ہے؛ لیکن افضل یہی ہے کہ بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے، اور جماعت سے نماز پڑھتے وقت بہر حال صفوں کی درستگی کا اہتمام رکھنا چاہئے۔

أخرج الطبراني عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه عليه وسلم: **من استطاع منكم أن يسجد فليسجد، ومن لم يستطع فلا يرفع إلى جبهته شيئا ليسجد عليه، ولكن ركوعه وسجوده يؤمي برأسه.** (المعجم الأوسط للطبراني ٢٠٧/٥ رقم: ٧٠٨٩، السنن الكبرىٰ للبيهقي ٢٣٦/٣ رقم: ٣٧٧١)

وكذا لو عجز عن الركوع والسجود وقدر على القيام، فالمستحب أن يصلي قاعداً بإيماء، وإن صلى قائما بإيماء جاز عندنا، هكذا في فتاوى قاضيخان. (الفتاوىٰ الهندية ١٣٦/١)

فإن كان يقدر على القيام ولا يقدر على السجود أو إيماء وهو قاعد ...... وذكر الشيخ الصفار أنه بالخيار، إن شاء صلى قائما بإيماء، وإن شاء صلى قاعداً بإيماء، وهو الأفضل عندنا، وفي الخانية: فالمستحب أن يصلي قاعدا بإيماء.

(الفتاوىٰ التاتارخانية ٦٧٠/٢ رقم: ٣٥٤١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱/۴/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فاتحہ خلف الامام کے بارے میں حنفیہ کا موقف اور اسکے دلائل

سوال (۳۱۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جہری اور سری نمازوں میں امام کے پیچھے مقتدی کے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں حنفیہ کا موقف کیا ہے؟ اور وہ کن دلائل سے اس مسئلہ پر استدلال کرتے ہیں؟ اس کی تفصیل بیان فرمائیں؛ اس لئے کہ ہمارے یہاں کچھ غیر مقلد لوگوں نے یہ بحث چھیڑ رکھی ہے کہ جب تک مقتدی سورۂ فاتحہ نہ پڑھے، اس کی نماز ہی پوری نہ ہوگی؛ لہٰذا وضاحت فرمائیں کہ مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی ممانعت کن دلائل سے ثابت ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''قرأت فاتحہ خلف الامام'' کا مسئلہ سلفِ صالحین اور ائمہ متبوعین کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے، اور اس بارے میں مختلف اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول (جو اُن کے علماء متأخرین کے نزدیک مفتی بہ اور معمول بہ ہے) یہ ہے کہ جہری اور سری سب نمازوں میں مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔

قال النووي في شرح المهذب: وأما المأموم فالمذهب الصحيح وجوبها – الفاتحة – عليه في كل ركعة في الصلاة السرية والجهرية، وقال الشافعي في القديم: لا تجب عليه في الجهر. وحكى الرافعي: أنها لا تجب عليه وجهاً في السرية، وهو شاذٌ ضعيفٌ. وقال في الجديد: بعد ما دخل مصر بوجوبها في السرية والجهرية جميعًا. (شرح المهذب ۲۲۳/۳ بيروت)

وفي رواية المزني عن الشافعي رضي اللّٰه عنه أنه يقرأ في الجهرية والسرية. (روح المعاني ۱۲۱/۶ زكريا)

(۲) حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ ہے کہ جہری نمازوں میں تو مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا لازم نہیں؛ لیکن سری نمازوں میں پڑھ سکتا ہے۔

قال أبو عمرو في الاستذكار: والقراءة عند مالك وأصحابه خلف الإمام فيما لا يجهر فيه الإمام بالقراءة مستحبةٌ مندوب إليها ...... وقال أيضًا: وأما المأموم فيقرأ في الصلاة السرية الفاتحة والسورة، ولا يقرأ شيئًا عند المالكية والحنابلة في الجهرية. (الاستذكار لابن عبد البرّ ٤/ ٢٢٢)

وجملة ذلك أم المأموم إذا كان يسمع قراءة الإمام لم تجب عليه القراءة، ولا تستحب عند إمامنا ...... وأحد قولي الشافعي. (المغني لابن قدامة ١/ ٣٩٤)

وذهب قوم إلى أن المأموم يقرأ إذا أسر القوم القراءة، ولا يقرأ إذا جهر، وهو قول عروة بن الزبير والقاسم بن محمد والزهري ومالك وابن المبارك وأحمد وإسحٰق. (روح المعاني ٦/ ١٢١)

(۳) حنفیہ اور بہت سے علماء کے نزدیک مقتدی کے لئے جہری یا سری کسی بھی نماز میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا درست نہیں ہے۔

قال أبو حنيفة وأبو يوسف ومحمد وأحمد في رواية وعبد اللّٰه بن وهب لا يقرأ المؤتم شيئًا من القرآن ولا بفاتحة الكتاب في شيء من الصلوات وهو قول ابن المسيب في جماعة من التابعين. (عمدة القاري ٤/ ٤٧، كذا في بذل المجهود ٤/ ٢١٣ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفر فور، أعظم جراه)

دیگر ائمۂ کرام نے اپنے قول کا مدار جن دلائل پر رکھا ہے، ان کو مفصل کتابوں میں دیکھنا چاہئے، ہم اس مختصر تحریر میں صرف احناف کے دلائل اختصار کے ساتھ عرض کرتے ہیں:

آیتِ کریمہ:

دلیـــــل (۱):- حنفیہ کا اس مسئلہ میں بنیادی استدلال سورۂ اعراف کی درج ذیل آیت سے ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ [الاعراف: ٢٠٤]

(اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو؛ تاکہ تم پر رحم کیا جائے)

واضح ہو کہ بہت سی تفسیری روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس آیت کا تعلق نماز ہی سے ہے؛ چناں چہ حضرت مجاہدؒ، حضرت عبد اللہ بن مغفل، حضرت ابوالعالیہ وغیرہ حضرات سے یہ صراحت منقول ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

١:- أخرج الطبري بسنده عن يسير بن جابر قال: صلّى بن مسعود رضي الله عنه فسمع ناسًا يقرأون مع الإمام، فلما انصرف قال: أما آن لكم أن تفقهوا، أما آن لكم أن تعقلوا؟ ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا﴾ كما أمركم الله. (تفسير الطبري ٣٧٨/١١) ورجاله ثقات من رجال الجماعة، فالحديث صحيح بلا غبار. (إعلاء السنن ٥٠/٤)

٢:- أخرج الطبري بسنده عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: …… إن نبي الله صلى الله عليه وسلم قرأ في صلاة مكتوبة وقرأ أصحابه ورائه فخلطوا، قال: فنزل القرآن: ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ فهٰذا في المكتوبة. (تفسير الطبري ١١٢/٩ ورجاله ثقات: إعلاء السنن ٥١/٤)

٣:- أخرج البيهقي عن مجاهد قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ في الصلاة، فسمع قراءة فتى من الأنصار، فنزل: ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ [الاعراف: ٢٠٤] (نصب الراية ٤٣٢/١) قال البيهقي: هٰذا مرسل. (كتاب القراءة ٧٢) قلت: مراسيل مجاهد مقبولة، قال الحافظ ابن حجر: قال علي بن المديني: مرسلات مجاهد أحب إلي من مرسلات عطاء بن كثير. (تهذيب التهذيب ٢٠٢/٧) وقد أخرجه الطبري في تفسيره عن الزهري. (تفسير الطبري ١٢/٩) ورجاله كلهم ثقات. (تهذيب التهذيب لابن حجر ١٢٨/٤ - ٣٥٤/١)

٤ :– أخـرج ابـن مـردوية في تفسيره: عن معاوية بن قرة قال: سألت بعض أشياخنا من أصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال المسروقي: أحسبه قال: ’’عبـد اللّٰــه بـن مـغـفـل‘‘ قـلـت لــه: كل من سمع القرآن وجب عليـه الاستماع والإنـصـات؟ قـال: إنـما نزلت هٰذه الآية: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ [الاعراف: ٢٠٤] في القراءة خلف الإمام، إذا قرأ القراٰن فاستمع له وانصت. (تفسير بن مردوية ١/٢٣٢، كذا في فتح القدير ٢٨٢/٢) **قلت:** رجاله كلهم ثقاتٌ، ما خـلا أبـي الـمـقدام فهو ضعيف، والضعيف إذا تعددت طرقه أو وجدت له شواهد يرتقي إلى الحسن، فلا بأس بهٖ في المتابعات. (إعلاء السنن ٥١/٤ دار الكتب العلمية بيروت)

٥ :– أخـرج البيهـقـي بسـنـده عـن أبي العالية قال: كان النبي صلی اللّٰہ علیه وسـلـم إذا صـلـى قرأ فقرأ أصحابه، فنزلت: ﴿فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا﴾ فسكت القوم وقـرأ الـنبي صلی اللّٰہ علیه وسلم. (كتـاب القراءة للبيهقي ٧٢) **قـلت:** هو حجة عندنا ولم يتـكـلم البيهقي على أحد من رواة مع كونه لا يترك حديثًا يخالف مذهبه عن الكلام في هٰذا الكتاب، وهٰذا يدل على أنهم ثقات بأثرهم. (إعلاء السنن ٥٢/٤ دار الكتب العلمية بيروت)

٦ :– قال الإمام أبوعمر ابن عبد البرّ في التمهيد: وأجمع العلماء أن مراد اللّٰـه عـزوجـلّ فـي قـولـه: ﴿وَإِذَا قُـرِئَ الْـقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا﴾ يعني في الصلاة. (التمهيد لابن عبد البرّ ١٧/٢٢)

٧ :– قـال الإمـام أحـمـد بـن حنبل: فالناس على أن هٰذا في الصلاة، وعن سعيد بن المسيب والحسن وإبراهيم ومحمد بن كعب والزهري أنها نزلت في شأن الصلاة. وقال زيد بن أسلم وأبو العالية: كانوا يقرأون خلف الإمام، فنزلت: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا﴾ وقال أحمد في رواية أبي داؤد: أجمع الناس على أن هٰذه الآية في الصلاة. (المغني لابن قدامة ٢٢٩/١)

٨:– قال الإمام أبو عبد اللّٰه القرطبي: قال النقاش: أجمع أهل التفسير أن هٰذا الاستماع في الصلاة المكتوبة ......الخ. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي ٧/٣٥٣)

٩:– قال صاحب لباب النقول في أسباب النزول: ظاهر ذٰلک الرواية أن الآية مدنية. (تفسير المظهري ٣/ ٤٨٠)

وجہِ استدلال:

مذکورہ آیت سے جہری اور سری دونوں نمازوں میں مقتدی کے لئے خاموش رہنے کا حکم مستفاد ہوتا ہے، جہری نماز میں تو دلالت بالکل واضح ہے، اور سری نماز میں دلالت اس طرح ہے کہ اگرچہ آواز نہ آرہی ہو؛ لیکن یہ تو یقین ہے کہ امام قرأت کررہا ہے، اس لئے سری نمازوں میں استماع تو نہیں پایا جائے گا؛ لیکن انصات (خاموش رہنے) کا حکم برقرار رہے گا۔ چناں چہ علامہ ابوبکر جصاص رازیؒ اس آیت کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں:

كما دلت الآية على النهي عن القراء ة خلف الإمام فيما يجهر به، فهي دلالة على النهي فيما يخفى؛ لأنه أوجب الاستماع والإنصات عند القراء ة، ولم يشترط في حال الجهر من الإخفاء، فإذا جهر فعلينا الاستماع والإنصات، وإذا أخفى فعلينا الإنصات بحكم اللفظ لعلمنا به قارئاً للقرآن. (أحكام القرآن للجصاص ٤/ ٢١٦)

اور مفسر قرآن علامہ محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں:

والآية دليل لأبي حنيفة رضي اللّٰه عنه في أن المأموم لا يقرأ في سرية ولا جهريّة؛ لأنها تقتضي وجوب الاستماع عند قراء ة القراٰن في الصلاة وغيرها، وقد قامت الدليل في غيرها على جواز الاستماع وتركه، فبقي فيها على حاله في الإنصات للجهر، وكذا في الإخفاء لعلمنا بأنه يقرأُ. (روح المعاني ٢١٨٦ زكريا)

اَحادیثِ شریفہ:

حنفیہ نے آیتِ مذکورہ سے جو مطلب سمجھا ہے اس کی تائید متعدد احادیثِ شریفہ سے بھی

ہوتی ہے، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

دلیل (۲):- نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ: ’’جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو‘‘۔

اس مضمون کی حدیثیں حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

○ عن أبي موسىٰ الأشعري (في حديث طويل) أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم خطبنا، فبين لنا سنّتنا، وعلمنا صلا تنا، فقال: إذا صليتم فأقيموا صفوفكم، ثم ليؤمكم أحدكم، فإذا كبر فكبروا. وفي رواية: وإذا قرأ فأنصتوا.

(صحيح مسلم ۱۷٤/۱ رقم: ۳۰۳-٤۰٤، ومثله في المسند للإمام أحمد ابن حنبل ٤۱۵/٤، والصحيح لابن عوانة، كذا في تعليق التعليق الآثار السنن ۵/۱)

○ عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إنما جعل الإمام ليؤتم به، فإذا كبر فكبروا، واذا قرأ فانصتوا. (صحيح مسلم رقم ٤۱٤، سنن النسائى ۱:۱٤٦ رقم: ۹۲۱-۹۲۲، سنن أبي داؤد رقم: ٦۰۳، السنن الكبرى للنسائي ۳۲۰/۱ رقم: ۹۹٤، طحاوي شريف ۱۲۸/۱ رقم: ۱۲۵۷، سنن ابن ماجة ٦۱ رقم: ۸٤٦)

○ عن أنس بن مالك رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إذا قرأ القرآن فأنصتوا. (كتاب القراءة للبيهقي ۱۱۳)

دلیل (۳):- نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ: ’’جس کا کوئی امام ہو تو امام کی قرأت مقتدی کے لئے بھی قرأت کے درجہ میں ہے‘‘۔ یعنی امام کا قرأت کرنا مقتدی کی قرأت کی طرف سے بھی کافی ہے۔

اس مضمون کی روایات حضرت جابر، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت انس بن مالک، حضرت نواس بن سمعان، حضرت علی اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

○ عن جابر رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: كل من كان له إمام فقراء ته له قراء ة. **(إسناده صحيح)** (مصنف ابن أبي شيبة ٣/ ٢٨٢ رقم: ٣٨٢٣، كذا في كتاب القراء ة للبيهقي ١٣٨)

○ وقد أخرج مثل هٰذا الحديث الإمام البيهقي في كتاب القراء ة عن أبي هريرة وابن عمر وأنس بن مالك ونواس ابن سمعان رضي اللّٰه عنهم. (كتاب القراء ة للبيهقي ١٥٣-١٥٦-١٧٠-١٧٦)

○ عن علي رضي اللّٰه عنه سأل رجل النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أقرأ خلف الإمام أم أنصت؟ قال: لا، بل أنصت، فإنه يكفيك. (كتاب القراءة للبيهقي ١٦٣)

عن أبي الدرداء رضي اللّٰه عنه أن رجلاً قال: يا رسول اللّٰه! في كلِّ الصلاة قراٰن؟ قال: نعم، فقال رجل من الأنصار: وجبت قال: وقال أبو الدرداء: أرى أن الإمام إذا أمّ القوم فقد كفاهم. (طحاوي شريف ١/ ١٢٧، جديد ٢٨٠، رقم: ١٢٥٤، كذا في السنن الكبرى للنسائي ١/ ٣٢٠ رقم: ٩٩٠)

دلیــــل (۴):- متعدد روایات سے ثابت ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعض مقتدیوں کے قرأت کرنے پرنا گواری کا اظہار فرمایا اور مقتدی کو قرأت کرنے سے منع بھی فرمایا۔ اور یہ واقعات جہری اور سری دونوں طرح کی نمازوں میں پیش آئے ،اس لئے اس معاملہ میں جہری اور سری دونوں طرح کی نمازوں کا حکم یکساں ہے۔

اس مضمون کی روایات حضرت عمران بن حصین، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن بحینہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم وغیرہ سے مروی ہیں۔ چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

○ عن عمران بن حصين رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم صلى الظهر، فجعل رجل يقرأ خلفه بـ ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى﴾ فلما

انصرف قال: أيكم قرأ؟ أو أيكم القاري؟ قال رجل: أنا، فقال: قد ظننت أن بعضكم خالجنيها. (صحيح مسلم ۱۷۲/۱، رقم: ۳۹۸، السنن الكبرى للنسائي ۳۱۸/۱، رقم: ۹۸۹، مصنف ابن أبي شيبة ۳۷٦/۱، جديد ۲۷۳/۳، رقم: ۳۷۹۸)

○ عن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: كنا نقرأ خلف النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، فقال: خلطتم عليّ القرآن. (طحاوي شريف ۱۲۸/۱ رقم: ۱۲۵۸، مصنف ابن أبي شيبة ۲۷٦/۱ جديد ۲۷٤/۳، رقم: ۳۷۹۹)

○ عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم انصرف من صلاة جهر فيها بالقراءة، فقال: هل قرأ معي منكم أحد آنفًا؟ فقال رجل: نعم! أنا يا رسول اللّٰه! قال: فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إني أقول ما لي أنازع القرآن، فانتهى الناس عن القراءة فيما جهر فيه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بالقراءة حين سمعوا ذٰلک من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم. (رواه مالك في الموطأ / باب ما جاء في ترك القراءة خلف الإمام فيما يجهر فيه ٤٤، سنن النسائي، كتاب الافتتاح رقم: ۱۱)

○ وقد أخرج هٰذا الحديث الإمام البيهقي في كتاب القراءة بسنده عن جابر بن عبد اللّٰه وعمر بن الخطاب رضي اللّٰه تعالىٰ عنهما نحوه. (كتاب القراءة للبيهقي ۱۱٤-۱۲۵)

○ عن عبد اللّٰه بن بحينة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: هل قرأ أحد منكم آنفًا، قالوا نعم! قال: إني أقول مالي أنازع القرآن، فانتهى الناس عن القراءة معه حين قال ذٰلک. (مسند أحمد ۳٤۵/۵)

○ عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه قال: صلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، ثم أقبل بوجهه، فقال: أتقرؤون والإمام يقرأ؟ فسكتوا فسألهم ثلاثاً، فقالوا: إنّا لنفعل، قال: فلا تفعلوا. (طحاوي شريف ۱۲۸/۱، جديد ۲۸۲/۱، رقم: ۱۲٦۸)

○ عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: ما كان من صلاة يجهر فيها الإمام بالقراءة فليس لأحد أن يقرأ معه. (كتاب القراءة للبيهقي ۹۹)

دلیل (۵):- بعض صحیح روایات میں ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ: ''جس شخص نے کوئی رکعت اس طرح پڑھی کہ اس میں سورۂ فاتحہ کی قرأت نہ کی ہو تو گویا اس نے نماز ہی نہ پڑھی، الا یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو''۔ یعنی اگر امام کے پیچھے ہو تو سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

اس مضمون کی ایک روایت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، جسے امام ترمذی علیہ الرحمہ نے ''حسن صحیح'' کہا ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی روایت منقول ہے۔

○ عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه تعالىٰ عنه عن النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: من صلى ركعة فلم يقرأ فيها بأم القرآن فلم يصل، إلا وراء الإمام. قال: هذا حديث حسنٌ صحيح. (سنن الترمذي ۷۱/۱ رقم: ۳۱۳، طحاوي ۱۲۸/۱، جديد ۲۸۲/۱، رقم: ۱۲٦٥)

○ عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: كل صلاة لا يقرأ فيها بأم الكتاب فهي خداج إلا صلاة خلف الإمام. (كتاب القراءة للبيهقي ۱۷۱)

آثارِ صحابہؓ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بھی بہت سے حضرات سے قرأت خلف الامام کی ممانعت منقول ہے۔ چند آثار صحابہ ملاحظہ فرمائیں:

دلیل (٦):- حضرت موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وسلم

اور خلفاء ثلاثہ سیدنا حضرت ابوبکر، سیدنا حضرت عمر اور سیدنا حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہم، یہ سب امام کے پیچھے قرأت سے منع فرماتے تھے۔

عن موسیٰ بن عقبة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وأبابكر وعمر وعثمان كانوا ينهون عن القراءة خلف الإمام. (المصنف لعبد الرزاق ۱۳۹/۲ رقم: ۲۸۱۰)

دلیل (۷):- امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے قاسم بن محمد فرماتے ہیں کہ آپ فرماتے تھے کہ: ''امام کے پیچھے جہری یا سری کسی بھی نماز میں قرأت نہ کی جائے''۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے''۔

اور ایک روایت میں ہے کہ: '' کاش اس شخص کے منہ میں پتھر ہوں جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہو''۔ یعنی امام کے پیچھے قرأت کرنا بہت معیوب بات ہے۔

عن القاسم بن محمد قال: قال عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه: لا يقرأ خلف الإمام جَهرَ أو لم يجهر. (كتاب القراءة للبيهقي ۱۸٤)

عن نافع وأنس بن سيرين قال: قال عمر ابن الخطاب تكفيك قراءة الإمام. (المصنف لابن أبي شيبة ۳۷٦/۱)

عن محمد بن عجلان أن عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه قال: ليت في فمِ الذي يقرأ خلف الإمام حجراً. (موطا إمام محمد ۱۰۲)

دلیل (۸):- امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ: ''جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرے وہ فطرت کے خلاف کرنے والا ہے''۔

عن عبد الرحمن بن أبي ليلىٰ قال: قال علي بن أبي طالب رضي اللّٰه عنه من قرأ خلف الإمام فقد أخطأ الفطرة. (سنن الدار قطني ۳۳۲/۱، المصنف لابن أبي شيبة ۳۷٦/۱)

دلیل (۹):- حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جہری یا سری کسی بھی نماز میں شروع کی یا اخیر کی کسی بھی رکعت میں امام کے پیچھے قرأت نہیں فرماتے تھے''۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کے پاس آکر سوال کیا کہ کیا میں امام کے پیچھے قرأت کروں؟ تو آپ نے فرمایا کہ: ''قرآن پڑھے جانے کے وقت خاموش رہو؛ کیوں کہ نماز میں مشغولیت ہے، اور تمہارے لئے امام کی قرأت کافی ہے''۔

عن علقمة بن قيس أن عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه كان لا يقرأ خلف الإمام فيما يجهر فيه و فيما يخافت في الأولیين ولا في الأخريين. (الموطأ لإمام محمد ٩٦)

عن أبي وائل قال: جاء رجل إلى عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه فقال يا أبا عبد الرحمٰن! أقرأ خلف الإمام؟ قال: أنصت للقرآن، فإن في الصلاة شغلاً وسيكفيک ذٰلک الإمام. (المصنف لعبد الرزاق ١٣٨/٢، المصنف ابن أبي شيبة ٣٧٦/١، كتاب القراءة للبيهقي ١٤٦)

دلیل (۱۰):- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب یہ سوال کیا جاتا کہ کیا مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت کرنی چاہئے، تو آپ جواب دیتے تھے کہ: ''اگر تم میں سے کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کے لئے امام کی قرأت کافی ہے، اور اگر اکیلے نماز پڑھے تو خود قرأت کیا کرے''۔

اور حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔

اور قاسم بن محمد کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سری یا جہری کسی بھی نماز میں امام کے پیچھے قرأت نہیں فرماتے تھے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع فرماتے تھے۔

عن نافع أن عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنهما كان إذا سئل هل يقرأ أحدٌ خلف الإمام؟ يقول: إذا صلّٰى أحدكم خلف الإمام فحسبهُ قراء ة الإمام، وإذا صلى وحده فليقرأ، قال: وكان عبد اللّٰه بن عمر لا يقرأ خلف الإمام. (المؤطّا لإمام مالك ۲۹، طحاوي شريف ۲۸٤/۱، جديد رقم: ۱۲۸۳)

عن نافع أن عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنه قال: من صلى خلف الإمام كفته قراء ته. (الموطأ لإمام محمد ۹٤)

عن القاسم بن محمد قال: كان ابن عمر رضي اللّٰه عنه لا يقرأ خلف الإمام، جهر أو لم يجهر. (كتاب القراءة للبيهقي ۱۸٤)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنه كان ينهى عن القراء ة خلف الإمام. (المصنف لعبد الرزاق ۱٤٠/۲)

دليـــل (۱۱):- حضرت عطاء بن یسارؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قرأت کرنے کے بارے میں سوال کیا، تو آپ نے فرمایا کہ: ''امام کے ساتھ کوئی قرأت نہیں کی جائے گی''۔ اسی طرح کی روایات حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہیں۔

عن عطاء بن يسار أنه أخبره أنه سأل زيد بن ثابت عن القراء ة مع الإمام، فقال: لا قراء ة مع الإمام في شيء. (صحيح مسلم ۲۱۵/۱، سنن النسائي ۱۱۱/۱)

عن عبيد اللّٰه بن مِقسَم أنه سأل عبد اللّٰه بن عمر وزيد بن ثابت وجابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنهم فقالوا: لا تقرأوا خلف الإمام في شيء من الصلوات.

(طحاوي ۱۵٠/۱)

عن عبيد اللّٰه بن مقسم قال: سألت جابر بن عبد اللّٰه أتقرأ خلف الإمام في الظهر والعصر شيئًا، فقال: لا. (المصنف لعبد الرزاق ۱٤۱/۲)

دلیـــل (۱۲):- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: ”میرا جی چاہتا ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرے، اس کے منہ میں انگارا ڈال دیا جائے“۔

إن سعداً رضي اللّٰه عنه قال: وددت أن الذي يقرأ خلف الإمام في فيه جمرة. (موطا إمام محمد ١٠١)

دلیل (۱۳):- حبر الامہ مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بتایا گیا کہ کچھ مقتدی ظہر اور عصر میں قرأت کرتے ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ: ”اگر میرا اُن پر بس چلتا تو میں ان کی زبانیں کھینچ لیتا؛ اس لئے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرأت فرمائی، تو آپ کی قرأت ہمارے لئے قرأت تھی، اور آپ کا خاموش رہنا ہمارے لئے خاموش رہنا تھا“۔

اسی طرح آپ سے فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع فرمایا۔

عن عكرمة عن ابن عباس أنه قيل له أن ناسا يقرأون في الظهر والعصر، فقال: لو كان لي عليهم سبيل لقلعت ألسنتهم، إن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قرأ، فكانت قراء ته لنا قراء ة، وسكوته لنا سكوتاً. (طحاوي شريف ١٤١/١)

عن أبي حمزة قال: قلت لابن عباس: أقرأ والإمام بين يدي، فقال: لا.

(طحاوي شريف ١٥١/١)

مذکورہ بالا دلائل کی بنیاد پر حضراتِ حنفیہ نے جہری اور سری نمازوں میں مقتدی کے لئے قرأت کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے؛ کیوں کہ قرأت کی ممانعت کے عموم میں سورۂ فاتحہ بھی شامل ہے؛ اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ سورۂ فاتحہ اور دیگر قرآن کا حکم اس معاملہ میں الگ الگ ہے، جیسا کہ بعض ائمہ کا خیال ہے۔ اور جہری اور سری کا بھی فرق نہیں کیا جاسکتا؛ کیوں کہ درج بالا دلائل سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ سری نمازوں میں بھی مقتدی کی قرأت پر نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ نے ناگواری ظاہر فرمائی ہے۔

فقہی عبارات:

یہی وہ بنیادیں ہیں جن کی وجہ سے فقہاء احناف نے مقتدی کی قرأت کو مطلقاً ممنوع کہا ہے۔ چند فقہی عبارتیں درج ذیل ہیں:

۱:- **قال محمد: لا قراءة خلف الإمام فيما جهر فيه، ولا فيما لم يجهر بذٰلك جاءت عامة الآثار، وقول أبي حنيفة رحمه اللّٰه.** (الموطأ لإمام محمد ۹۸-۹۹)

عن إبراهيم قال: ما قرأ علقمة بن قيس قط فيما يجهر فيه ولا فيما لا يجهر فيه ولا في الركعتين الأخريين أمَّ القراٰن ولا غيرها خلف الإمام، قال محمد: وبه نأخذ، لا نرى القراءة خلف الإمام في شيء من الصلاة يجهر فيه أو لا يُجهر فيه. (الكتاب الآثار للإمام محمد ۱٦۳-۱٦٤ المجلس العلمي ڈابھیل)

۲:- **ولا يقرأ المؤتم خلف الإمام ...... وعليه إجماع الصحابة، ويستمع وينصت.** (هداية ۱/۱۲۱-۱۲۲ بلال ديوبند، كذا في فتح القدير ۱/۳۵۰)

۳:- **والمؤتم لا يقرأ مطلقًا، فإن قرأ كره تحريمًا؛ بل يستمع إذا جهر، وينصت إذا أسرّ، لقول أبي هريرة: كنا نقرأ خلف فنزل: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا﴾** (الدر المختار ۲/۲٦٦ زكريا، كذا في البحر الرائق ۱/۵۹۹ رشيدية، تبيين الحقائق ۳۳۷ دار الكتب العلمية بيروت، بدائع الصنائع ۱/۵۱۸ بيروت)

٤:- **ولا يقرأ المؤتم خلف الإمام في السرية والجهرية؛ بل يستمع وينصت ...... ولنا قوله تعالىٰ: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا﴾ وقوله عليه السلام: "من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة، وعليه إجماع الصحابة رضي اللّٰه عنهم.** (مجمع الأنهر ۱/۱۰٦ دار إحياء التراث العربي بيروت)

علامہ ابن تیمیہؒ کا ایک فتویٰ:

غیر مقلدین حضرات چوں کہ علامہ ابن تیمیہؒ کے فتویٰ کو بہت اہمیت دیتے ہیں، اس لئے

ان کا ایک فتویٰ ذیل میں درج ہے، جس میں جہری نمازوں میں مقتدی کے لئے فاتحہ وغیرہ نہ پڑھنے کے موقف کی تائید کی گئی ہے، اور اسے جمہور سلف وخلف کا قول بتایا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں، موصوف فرماتے ہیں:

"ليس له أن يقرأ حال جهر الإمام إذا كان يسمع لا بالفاتحة ولا غيرها، وهٰذا قول الجمهور من السلف والخلف...... وقول الجمهور هو الصحيح، فإن سبحانه وتعالىٰ قال: ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا﴾". (فتاویٰ ابن تيمية ٢٢/٢٩٤)

(مقتدی کے لئے امام کے جہر کرنے کی حالت میں جب کہ وہ امام کی آواز سن رہا ہو، سورۂ فاتحہ یا کسی اور جگہ سے قرأت کرنے کا حکم نہیں ہے، یہی سلف اور خلف جمہور کا قول ہے ......اور جمہور کا قول ہی صحیح ہے؛ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: "جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو"۔)

حدیثِ عبادہ کا محمل:

عام طور پر فاتحہ خلف الامام کی تائید میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث **"لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب"**. (صحیح مسلم ١/١٦٩ وغیرہ) (بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز معتبر نہیں ہے) پیش کی جاتی ہے، اور یہ باور کرایا جاتا ہے کہ حنفیہ اس حدیث پر عمل نہیں کرتے، حالاں کہ یہ بات خلافِ واقعہ ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یہ حدیث گوکہ صحیح ہے؛ لیکن اس کا تعلق مقتدی سے نہیں؛ بلکہ امام اور اکیلے نماز پڑھنے والے سے ہے، اور اس تخصیص کی مضبوط دلیلیں وہ روایات ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں؛ لہٰذا یہ کہنا کہ حنفیہ اس حدیث کے تارک ہیں، الزامِ محض ہے، جو کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔

اور حدیثِ عبادہ کی جو توجیہ حنفیہ نے فرمائی ہے، تقریباً اِسی طرح کی بات حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور حضرت سفیان ابن عیینہؒ سے بھی منقول ہے۔ چناں چہ حضرت امام ترمذیؒ، امام احمدؒ کا موقف نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وأما أحمد بن حنبلؒ فقال: معنى قول النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: ''لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب'' إن هٰذا إذا كان وحده، واحتج بحديث جابر بن عبد اللّٰهؓ حيث قال: من صلى ركعة لم يقرأ فيها بأم القرآن فلم يصل إلا أن يكون وراء الإمام، قال أحمد: فهٰذا رجل من أصحاب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم تأول قول النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: ''لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب'' إن هٰذا إذا كان وحده. (سنن الترمذي ۷۱/۱)

اورحضرت امام ابوداؤدؒ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے: **قال سفیان: لمن یصلي وحدہ.** (سنن أبي داؤد ۱۱۹/۱)

لہٰذا معلوم ہوا کہ حنفیہ نے **''لا صلاة إلا بفاتحة الكتاب''** جیسی حدیثوں کو جو امام یا منفرد کے لئے خاص کیا ہے، یہ صرف حنفیہ ہی کا موقف نہیں؛ بلکہ بعض دیگر معتبر ائمہ سے بھی یہی توجیہ منقول ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟

سوال (۳۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب جو معمولی پڑھے لکھے ہیں؛ لیکن کچھ دنوں سے ان کا اٹھنا بیٹھنا بعض غیرمقلدین کے ساتھ ہوگیا ہے، جس کی بنا پر وہ یہ کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا ہر مقتدی کے لئے لازم ہے، اور امام کو سورۂ فاتحہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنی چاہئے؛ تاکہ درمیانی وقفہ میں مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھ لے، ان کا کہنا یہ ہے کہ جن روایتوں میں امام کے قرأت کرتے وقت مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم ہے، اس سے سورۂ فاتحہ نہ پڑھنا مراد نہیں ہے؛ بلکہ سورۂ فاتحہ کے بعد والی قرأت سے ممانعت مقصود ہے، اور وہ بھی صرف جہری نمازوں میں، سری نماز میں سورۂ فاتحہ کے

ساتھ دیگر قرأت پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت مفتی صاحب سے درخواست ہے کہ مذکورہ صاحب کا یہ دعویٰ صحیح ہے یا نہیں؟ اس کی وضاحت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صحیح حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جب امام قرأت کرے تو مقتدی خاموش رہیں، اور قرأت کے عموم میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا بھی شامل ہے؛ لہٰذا راجح قول کے مطابق امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا ممنوع قرار دیا جائے گا، اور جن روایات میں اس طرح کے الفاظ آئے ہیں کہ بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز ہی صحیح نہیں ہوتی، ان سے مراد امام اور منفرد کی نماز ہے، مقتدی کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔ اور جہری اور سری سب نمازوں میں مقتدی کے لئے خاموش رہنے کا حکم ہے؛ لہٰذا یہ تفریق کرنا کہ ممانعت صرف جہری نمازوں کے ساتھ خاص ہے، یا یہ کہنا کہ ممانعت کا تعلق سورۂ فاتحہ کے علاوہ دیگر قرأت سے ہے، یہ دونوں باتیں دلیل کے اعتبار سے مرجوح ہیں۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إنما جعل الإمام ليؤتم به، فإذا كبر فكبروا، وإذا قرأ فانصتوا. (صحيح مسلم رقم ٤١٤، سنن النسائي ١٤٦:١ رقم: ٩٢١-٩٢٢، سنن أبي داؤد رقم: ٦٠٣، السنن الكبرى للنسائي ٣٢٠/١ رقم: ٩٩٤، طحاوي شريف ١٢٨/١ رقم: ١٢٥٧، سنن ابن ماجة ٦١ رقم: ٨٤٦)

وأما أحمد بن حنبلؒ فقال: معنى قول النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: "لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب" إن هٰذا إذا كان وحده، واحتج بحديث جابر بن عبد اللّٰهؓ حيث قال: من صلى ركعة لم يقرأ فيها بأم القرآن فلم يصل إلا أن يكون وراء الإمام، قال أحمد: فهٰذا رجل من أصحاب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم تأول قول النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: "لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب" إن هٰذا إذا كان وحده. (سنن الترمذي ٧١/١)

قال سفيان: لمن يصلي وحده. (سنن أبي داؤد ١١٩/١)

كما دلت الآية على النهي عن القراءة خلف الإمام فيما يجهر به، فهي دلالة على النهي فيما يخفى؛ لأنه أوجب الاستماع والإنصات عند القراءة، ولم يشترط في حال الجهر من الإخفاء، فإذا جهر فعلينا الاستماع والإنصات، وإذا أخفى فعلينا الإنصات بحكم اللفظ لعلمنا به قارئاً للقرآن. (أحكام القرآن للجصاص ٢١٦/٤)

قال في الخزائن: وفي الكافي: منع المؤتم من القراءة ماثور عن ثمانين نفرًا من كبار الصحابة، منهم المرتضىٰ والعبادلة، وقد دوّن أهل الحديث أساميهم. (شامي ٢٦٦/٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۳/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر حنفی مقتدی امام کے پیچھے قرأت کرلے تو کیا حکم ہے؟

سوال (۳۱۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حنفیہ کے نزدیک امام کے پیچھے قرأت کرنا جائز نہیں ہے؛ لیکن اگر کوئی حنفی مقتدی امام کے پیچھے قرأت کرلے تو اس کی نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حنفیہ کے نزدیک مقتدی کے لئے امام کے پیچھے قرأت کرنا اگرچہ ممنوع ہے؛ لیکن اگر وہ قرأت کرلے تو اس سے اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی، اور سہواً قرأت کی صورت میں اس پر سجدۂ سہو بھی واجب نہیں ہوتا؛ اس لئے کہ اصول یہ ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی اگر کسی سہو کا ارتکاب کرے، تو اس کی وجہ سے اس پر سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا؛ لیکن اگر عمداً قرأت کرے گا تو بعض فقہاء نے اعادۂ صلوٰۃ کا حکم دیا ہے؛ اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ قرأت نہ کرے۔

قوله: (وإنصات المقتدي) فلو قرأ خلف إمامه كُره تحريماً ولا تفسد في

الأصح، كما سيأتي قبيل باب الإمامة، ولا يلزمه سجود سهوٍ لو قرأه سهواً؛ لأنه لا سهو على المقتدي. وهل يلزم المتعمّد الإعادة جزم ح، وتبعه ط بوجوبها. (شامي ١٦٥/٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۳/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

امام کا فاتحہ اور سورت کے درمیان دیر تک سکوت کرنا؟

سوال (۳۱۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید مسلکاً شافعی ہے اور ایک مسجد کا امام ہے، جہری نمازوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت شروع کرنے سے پہلے اتنی مقدار میں سکوت کرتا ہے کہ جتنے وقفہ میں تعجیل کرنے کے ساتھ سورۂ فاتحہ پڑھی جا سکے۔ وضاحت کی جاتی ہے کہ مقتدی حضرات سب ہی حنفی المسلک ہیں، دریں صورت امام موصوف کا درمیان فاتحہ وسورت کے یہ وقفہ کرنا کیسا ہے؟ اور امام صاحب کے ایسا کرنے سے مقتدی حضرات کی نماز میں تو کوئی فرق نہیں پڑتا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شافعی مسلک میں فاتحہ اور سورت کے درمیان وقفہ کا حکم جن دلائل پر مبنی ہے، وہ ضعیف اور غیر معتبر ہیں؛ کیوں کہ احادیثِ صحیحہ میں امام کے قرأت کرنے پر مقتدی کو مطلقاً خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے، جب کہ امام کے سکتات میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کی صراحت جن روایات میں ہے، اُن میں ایک راوی (محمد بن عبداللہ بن عبید بن عمیر لیثی) انتہائی ضعیف اور کمزور ہے، اس لئے وہ استدلال کے قابل نہیں۔ روایات ملاحظہ فرمائیں:

روى الحاكم بطريق محمد بن عبد اللّٰه بن عبيد بن عمير الليثي عن عطاء عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من صلى صلاة مكتوبة مع الإمام فليقرأ فاتحة الكتاب في سكتاته، ومن انتهى إلى أم الكتاب فقد أجزأه. (المستدرك للحاكم ٣٥٤/١ رقم: ٨٦٨)

وروى الدار قطني أيضًا بطريق محمد بن عبد اللّٰه بن عبيد بن عمير عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من صلى صلاة مكتوبة أو تطوعًا فليقرأ فيها بأم الكتاب وسورة معها، فإن انتهى إلى أم الكتاب فقد أجزأ، ومن صلى صلاة مع الإمام يجهر بفاتحة الكتاب في بعض سكتاته، فمن لم يفعل فصلاته خداج غير تمام. (سنن الدار قطني ٣١٩/١ رقم: ١٢١٠ - ٢١٥/١ رقم: ١١٩٦)

محمد بن عبد اللّٰه بن عبيد بن عمير الليثي ضعفه يحيىٰ بن معين، وقال البخاري: منكر الحديث، وقال النسائي: متروك، وقال أبو داؤد: ليس بثقة. (لسان الميزان ٣١٦/٥)

لیکن چوں کہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے، اس لئے سکتۂ طویلہ کرنے والے مذکورہ شافعی امام کے پیچھے اگر حنفی مقتدی نماز پڑھیں گے تو ان کی نماز فاسد نہ ہوگی؛ البتہ اگر کوئی حنفی امام سورۂ فاتحہ اور ضم سورت کے درمیان بلا عذر ایک رکن کے بقدر فصل کرے گا تو اس کی نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

وأما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي فيجوز ما لم يعلم منه ما يفسد الصلاة على اعتقاد المقتدي، عليه الإجماع. إنما اختلف في الكراهة الخ. لا فيما هو سنة عنده مكروه عندنا، كرفع اليدين في الانتقالات وجهر البسملة وإخفائها، فهٰذا وأمثاله لا يمكن فيه الخروج عن عهدة الخلاف، فكلهم يتبع مذهبه ولا يمنع مشربه. وفي حاشية الأشباه للخير الرملي: الذي يميل إليه خاطري القول بعدم الكراهة إذا لم يتحقق منه مفسد. (شامي ٣٠٢/٢-٣٠٣ زكريا)

ومن الواجب تقديم الفاتحة على السورة وأن لا يؤخر السورة عنها بمقدار ركن. (مراقي الفلاح ٢٥٠، شامي ٥٤٢/٢ زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۳/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

منفرد کا رات کی نماز میں زور سے تکبیر اور قرأت کرنا؟

سوال (۳۲۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید سنن ونوافل، وتر کی نمازوں میں تکبیریں ہر نماز میں زور سے کہتا ہے، تو کیا یہ درست ہے؟ اسی طرح منفرد کو فرض نماز کی تکبیریں اور قرأت زور سے کرنا چاہئے یا آہستہ، شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جہری نمازوں کے وقت میں منفرد کو اختیار دیا گیا ہے کہ چاہے جہر کرے یا آہستہ پڑھے، وتر اور رات کے نوافل کا بھی یہی حکم ہے؛ البتہ دن کی نوافل میں جہر نہیں ہے۔

كمتنفل بالنهار فإنه يسر ويخير المنفرد في الجهر وهو أفضل ويكتفي بأدناه. (درمختار ۲/ ۲۵۱ زکریا)

ويجب الإسرار في نفل النهار للمواظبة على ذلك. (مراقي الفلاح على الطحطاوي ۲۰۵، البحر الرائق ۱/ ۳۳۵) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۴/۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پہلی رکعت میں سورۂ فیل اور دوسری میں سورۂ فلق پڑھنا؟

سوال (۳۲۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مغرب کی پہلی رکعت میں سورۂ فیل پڑھی، اور دوسری رکعت میں سورۂ فلق پڑھ دی، تو اس طرح سے پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مغرب کی پہلی رکعت میں سورۂ فیل پڑھنا اور دوسری رکعت میں سورۂ فلق پڑھنا درست ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

(يكره الفصل بسورة قصيرة) أما بسورة طويلة بحيث يلزم منه إطالة الركعة الثانية إطالة كثيرة فلا يكره، شرح المنية، كما إذا كانت سورتان قصيرتان. (شامی ۲/ ۲۶۹ زکریا)

وإن كان في الركعتين، فإن كان بينهما سورة لا يكره، وإن كانت سورة واحدة، قال بعضهم: يكره وقال بعضهم: إن كانت السورة طويلة لا يكره.

(الفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ٦٨ رقم: ١٧٦٤ زكريا، كذا في مراقي الفلاح ٥٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۱/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طوالِ مفصل میں سورت کا فصل کر کے پڑھنا؟

سوال (۳۲۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: طوالِ مفصلات کے اندر کسی ایک سورت کا فصل نماز میں درست ہے یا نہیں؟ مثلاً پہلی رکعت میں سورۂ نباء پڑھنے کے بعد دوسری رکعت میں سورۂ نازعات کو چھوڑ کر سورۂ عبس پڑھنے میں کوئی کراہت ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طوالِ مفصل کی سورتوں میں سے دو رکعتوں کے درمیان کسی ایک لمبی سورت کے فصل ہو جانے سے نماز بلا کراہت درست ہو جاتی ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں پہلی رکعت میں سورۂ نباء پڑھنے کے بعد دوسری رکعت میں سورۂ عبس کے پڑھنے سے نماز میں کوئی کراہت نہیں ہوتی۔

(يكره الفصل بسورة قصيرة) أما بسورة طويلة بحيث يلزم منه إطالة الركعة الثانية إطالة كثيرة فلا يكره، شرح المنية، كما إذا كانت سورتان قصيرتان. (شامی ۲/ ۲۶۹ زکریا، مراقي الفلاح مع الطحطاوي ٥٣)

وأما في ركعتين إن كان بينهما سور لا يكره وإن كان بينهما سورة

واحدة، قال: بعضهم يكره، وقال بعضهم: إن كانت السورة طويلة لا يكره.

(الفتاویٰ الهندية ۷۸/۱، الفتاویٰ التاتارخانية ۶۸/۲ رقم: ۱۷٦٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۴/۱۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسافر کا مقیم امام کو نماز میں لقمہ دینا؟

سوال (۳۲۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص سفر میں جائے اور کسی مسجد میں کوئی نماز مثلاً فجر کی نماز پڑھے اور امام کوئی سورت مثلاً سورۂ یٰس پڑھے اور وہ مسافر اس کو لقمہ دے دے اور ایک جگہ نہیں؛ بلکہ کئی جگہ لقمہ دیا، تو حضرت سے درخواست ہے کہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں بتلائیں کہ وہ لقمہ دے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر ہاں تو کیوں، اگر نہیں تو کیوں نہیں؟ کیا لقمہ دینے یا نہ دینے پر اس کے مسافر ہونے کو بھی دخل ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر امام سے قرأت میں غلطی ہوجائے اور اس کو لقمہ دینا ناگزیر ہو، تو نماز میں شریک مقتدیوں میں سے کوئی بھی غلطی بتا سکتا ہے، خواہ مسافر ہو یا مقیم، اس سے مقتدی یا امام کی نماز میں کوئی خرابی نہیں آئے گی۔

بخلاف فتحه على إمامه فإنه لا يفسد مطلقاً لفاتح و آخذ بكل حال. (شامي ۳۸۱/۲ زكريا، الفتاویٰ التاتارخانية ۲۲۵/۲ رقم: ۲۲۳٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۲/٦/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فجر کی پہلی رکعت میں ﴿اَقِمِ الصَّلَاةَ﴾ کا رکوع اور دوسری میں ''سورۂ شمس'' پڑھنا

سوال (۳۲۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فجر کی نماز میں کسی حافظ نے پہلی رکعت میں پندرہویں پارہ میں سے ایک رکوع ﴿اَقِمِ الصَّلَاةَ﴾

سے قرأت کی، اور دوسری رکعت میں تیسویں پارہ میں سے ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا﴾ پوری سورت قرأت کی، نماز ہوئی یا نہیں؟ کیا نماز فاسد ہوگئی یا مکروہ؟ امام صاحب نے نماز کو دوبارہ پڑھوائی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں فجر کی نماز بلا کراہت ادا ہوگئی، دوبارہ لوٹانی نہیں چاہئے تھی؛ البتہ جب دوبارہ لوٹائی گئی تو یہ لوٹائی گئی نماز نفل ہوجائے گی۔

(يكره الفصل بسورة قصيرة) أما بسورة طويلة بحيث يلزم منه إطالة الركعة الثانية إطالة كثيرة فلا يكره، شرح المنية، كما إذا كانت سورتان قصيرتان. (شامي ۲/۲۶۹ زكريا، مراقي الفلاح مع الطحطاوي ۵۳)

وأما في ركعتين إن كان بينهما سور لا يكره وإن كان بينهما سورة واحدة، قال: بعضهم يكره، وقال بعضهم: إن كانت السورة طويلة لا يكره.

(الفتاوىٰ الهندية ۱/۷۸، الفتاوىٰ التاتارخانية ۲/۶۸ رقم: ۱۷۶۴ زكريا)

وبالأول يخرج عن العهدة. (البحر الرائق ۲/۱۳۹ زكريا)

فإن أعادها كانت نفلاً. (البحر الرائق ۲/۱۵۷ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۲/۳/۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پہلی رکعت میں ﴿اِذَا جَآءَ﴾ اور دوسری میں ﴿تَبَّتْ يَدَآ﴾ پڑھنا؟

سوال (۳۲۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جو سورت یا رکوع پہلی رکعت میں پڑھی جائے اگر دوسری رکعت کی سورت اس سے کچھ بڑی ہوجائے، مثلاً پہلی رکعت میں ﴿اِذَا جَآءَ﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ﴾ پڑھی تو کیا اس سے نماز کی افضیلت اور ثواب میں کچھ فرق بھی آئے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چھوٹی سورتوں میں اگر پہلی رکعت میں پڑھی جانے والی سورت کے مقابلہ میں دوسری رکعت کی صورت تین آیتیں یا اس سے زیادہ بڑی ہے، تو ایسی صورت میں اس طرح پڑھنا مکروہ ہوگا اور اگر دو ایک آیتوں کا فرق ہوتو کراہت نہ ہوگی۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ پہلی رکعت میں ﴿اِذَا جَآءَ﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿تَبَّتْ یَدَآ﴾ پڑھنے میں کراہت نہیں ہے؛ کیوں کہ دونوں سورتوں میں تین آیتوں سے کم کا تفاوت ہے۔

وإنما یکره التفاوت بثلاث اٰیات فإن کان اٰیة أو اٰیتین لا یکره. (البحر الرائق ۱/۳٤۱، شامی ۱/۵٤۲ کراچی، ۲/۲٦۳ زکریا، امداد الفتاویٰ ۱/۲٦۰، طحطاوي ۱۹۳) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۱۲/۱٤۱٤ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شبِ جمعہ کو نمازِ مغرب میں سورہ الکافرون اور سورہ اخلاص پڑھنا؟

سوال (۳۲٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) کیا شب جمعہ نماز مغرب میں سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو اس کا حوالہ تحریر فرمادیں؟

نیز اس کو مستحب سمجھتے ہوئے گاہ گاہ ناغہ کے ساتھ پابندی کرنا جس طرح روز جمعہ نماز فجر اور نماز جمعہ میں منقول سورتوں کا پابندی کرنا فقہاء نے لکھا ہے، تو کیا اسی طرح شبِ جمعہ کی سورتیں بھی فقہاء نے لکھی ہیں، حوالہ کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شبِ جمعہ کو نمازِ مغرب میں سورۂ ''کافرون'' اور سورۂ ''اخلاص'' پڑھنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، لہٰذا کبھی کبھی ناغہ کے ساتھ ان سورتوں کا شبِ جمعہ کی نماز مغرب میں پڑھنا مستحب ہوگا۔

عن جابر بن سمرة قال: کان النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم یقرأ في صلاة

المغرب ليلة الجمعة ﴿قُلْ يٰٓأَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ و ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ (مشكوة المصابيح مع شرحه مرقاة المفاتيح ۲/ ۹۹، السنن الكبرىٰ للبيهقي ۲/ ۳۹۱ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۵/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فرض نماز میں رکوع کا جز پڑھنے سے نماز کا حکم؟

سوال (۳۲۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فرض نماز باجماعت میں امام صاحب عموماً رکوع کا جز پڑھتے ہیں، کچھ حضرات جز پڑھنے پر اعتراض کرتے ہیں، شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح نماز گوکہ صحیح ہو جاتی ہے؛ لیکن مستحب یہ ہے کہ مفصلات میں سے کوئی سورت مکمل پڑھی جائے، اس کے خلاف معمول بنالینا مناسب نہیں ہے۔

أخرج الطبراني في المعجم الكبير عن ابن عمر عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: ما من سورة في المفصل صغيرة ولا كبيرة إلا قد سمعت من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقرؤها في الصلاة كلها. (المعجم الكبير للطبراني ۱۲/ ۲۸۰ رقم: ۱۳۳۵۹، الفتاوىٰ التاتارخانية ۲/ ٦٦ رقم: ۱۷۵۹ زكريا)

صرحوا بأن الأفضل في كل ركعة الفاتحة وسورة تامة، وعن عمر أنه كتب إلى أبي موسىٰ الأشعري أن اقرأ في الفجر والظهر بطوال المفصل، وفي العصر والعشاء بأوساط المفصل، وفي المغرب بقصار المفصل، قال في الكافي: وهو مروي عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لأن المقادير لا تعرف إلا سماعاً. (شامي ۱/ ۵۴۰ كراچی، شامي ۲/ ۲٦۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱٦/۸/۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرأت میں غلطی

قرأت میں فحش غلطی

سوال (۳۲۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نماز پڑھتا ہے، اور قرآنِ کریم پڑھتے ہوئے ایسی فحش غلطی کرتا ہے کہ جس سے معنی بالکل بدل جاتے ہیں، مثلاً ''ض'' کی جگہ ''ظ''، ''ط'' کی جگہ ''ت'' اور ''ح'' کی جگہ ''ہ'' پڑھتا ہے، تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نماز کے دوران اگر قرآنِ کریم پڑھتے ہوئے ایسی فحش غلطی ہوجائے جس سے معنی بالکل بدل جائیں اور تاویل کی کوئی صورت نہ رہے، تو اس فحش غلطی سے نماز فاسد ہوجائے گی، اگر قریب المخارج حروف میں اَدل بدل ہو جائے، مثلا: ''ظا'' اور ''ضاد'' ''طا'' اور ''تا''، یا ''ہا'' اور ''حا'' وغیرہ، تو متأخرین کے نزدیک مطلقاً نماز فاسد نہ ہوگی، الا یہ کہ کوئی شخص قصداً غلط پڑھے، تو پھر یقیناً فساد کا حکم لگایا جائے گا۔

قال في الخانية والخلاصة: الأصل فيما إذا ذكر حرفاً مكان حرف وغير المعنى، إن أمكن الفصل بينهما بلا مشقة تفسد، وإلاَّ يمكن إلا بمشقةٍ، كالظاء مع الضاد المعجمتين، والصاد مع السين المهملتين، والطاء مع التاء. قال أكثرهم: لا تفسد. وفي خزانة الأكمل، قال القاضي أبو عاصم: إن تعمد ذٰلك تفسد. (شامي ۲/ ۳۹٦ زكريا، طحطاوي ۱۸٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱/ ۷/ ۱۴۲۹ھ

نماز میں غلط قرأت کرنا؟

سوال (۳۲۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص جمعہ کی نماز پڑھارہا ہے، اور اس نے ایک رکعت میں بڑی ایک آیت پڑھی؛ لیکن اس آیت کو غلط پڑھا، سلام پھیرنے کے بعد لوگوں میں اختلاف ہوگیا، کچھ کہہ رہے تھے کہ نماز ہوگئی؛ کیوں کہ اکثر حصہ صحیح پڑھا گیا ہے، کچھ کہہ رہے تھے کہ نماز نہیں ہوئی، غرض یہ ہے کہ اختلاف شدید کی وجہ سے نماز کو دوہرایا گیا، اس مسئلہ کی وضاحت فرمادیجئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کے اندر ہر رکعت میں چاہے جتنا بھی قرآن پڑھے اس کو صحیح پڑھنا ضروری ہے، اگر کوئی ایسی غلطی ہوجائے جو مفسد صلوٰۃ ہو، تو اگر اسی رکعت میں اس کا تدارک کرلیا یعنی لوٹا کر صحیح پڑھ لیا، تو نماز ہوجائے گی۔

وفي المضمرات: قرأ في الصلاة بخطاء فاحش ثم أعاد وقرأ صحيحاً فصلاته جائزة. (طحطاوي على الدر ۱/۲۶۷، الفتاویٰ الهندية ۱/۸۲، أحسن الفتاویٰ ۳/۴۵، فتاویٰ دارالعلوم ۱/۸۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۸/۷/۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دورانِ نماز ش، ص، ض، ث، ط، کی ادائیگی میں غلطی کرنا؟

سوال (۳۳۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز کے اندر قراءت کرتے ہوئے امام نے ش کی جگہ س اور ح کی جگہ ہ، ص کی جگہ س، ث، ط کی جگہ ت ض کی جگہ ظ یا ض کی جگہ دال پر کرکے پڑھی یا ان کے علاوہ ان جیسی غلطیوں سے فساد صلوٰۃ کا حکم لگے گا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص اپنی دانست میں مثلاً: ث کی قرأت کرتا ہے اور ث کو صحیح مخرج سے نکالنے کی کوشش کرتا ہے، مگر سننے والوں کو ث کے بجائے س سنائی دیتی ہے اور اس طرح ح اور ھ اور س اور ث کا معاملہ ہے، تو ان حروف کے آپس میں تشابہ کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی۔

قال في الخانية والخلاصة: الأصل فيما إذا ذكر حرفا مكان حرف وغير المعنى إن أمكن الفصل بينهما بلا مشقة تفسد، وإلا يمكن إلا بمشقة، كالظاء مع الضاد المعجمتين، والصاد مع السين المهملتين، والطاء مع التاء، قال أكثرهم: لا تفسد. وفي خزانة الأكمل، قال القاضي أبو عاصم: إن تعمد ذٰلك تفسد، وإن جرى على لسانه أو لا يعرف التمييز لا تفسد هو المختار، وفي التاتارخانية: الخطاء إذا دخل في الحروف لا تفسد؛ لأن فيه بلویٰ عامة الناس؛ لأنهم لا يقيمون الحروف إلا بمشقة، قلت: فينبغي علىٰ هٰذا عدم الفساد في إبدال الثاء سينًا والقاف همزة – إلى قوله – فاعمل بما تختار، والاحتياط أولىٰ.

(شامي ۲/۳۹٦ زكريا، الفتاوىٰ التاتارخانية ۲/۸٤ رقم: ۱۸۱۷ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفر لہ ۱۲/۱/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں ﴿اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ کے بجائے ﴿اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ پڑھنا؟

سوال (۳۳۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام صاحب نے ﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً، قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ کے بجائے ﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ

جَاعِلٌ فِیْ الْاَرْضِ خَلِیْفَةً، قَالُوْا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ پڑھا۔تو کیا نماز فاسد ہوجائے گی یا نہیں؟ برائے کرم زلۃ القاری کے مختصر ضوابط بھی تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ﴿اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ کے بجائے ﴿اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی؛ کیوں کہ یہ خود اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے۔اس میں ''من اللّٰه'' کا اضافہ اگرچہ زائد ہے؛ لیکن اس سے معنی میں ایسی تبدیلی نہیں ہوئی جو موجبِ فساد ہو اور زلۃ القاری کے ضوابط فقہی کتابوں میں ملاحظہ کئے جائیں۔ان سب کا حاصل یہ ہے کہ آیت میں غلطی کی وجہ سے اگر اس طرح معنی بدل جائیں کہ تاویل کی کوئی گنجائش نہ رہے، تو نماز فاسد ہوتی ہے ورنہ نہیں۔

لو زاد کلمة أو نقص حرفا أو قدمه أو بدله بآخر …… **لم تفسد ما لم یتغیر المعنی.** (شامي ٦٣٢/١ کراچی)

وإن زاد کلمة في آیة إن کانت في القرآن ولا یتغیر المعنی …… **لا تفسد صلاته في قولهم.** (بزازیة علی هامش الفتاویٰ الهندیة ١٥٤/١، حلبي کبیر ٤٩٢، الفتاویٰ الهندیة ٩٧/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری ۱۸/۳/۱۴۳۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں ﴿اَرَادَ شُکُوْرًا﴾ کے بجائے ﴿عِبَادَ شُکُوْرًا﴾ پڑھنا

سوال (۳۳۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام جمعہ کی نماز پڑھا رہا ہے اور میں نے پہلی رکعت میں ﴿تَبٰرَکَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ

خِلْفَةً لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا﴾ پڑھا؛ لیکن ﴿اَرَادَ شُكُوْرًا﴾ اراد کے بجائے ”عباد“ پڑھ دیا تو نماز جمعہ ہوئی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اراد کے جگہ عباد پڑھنے سے مذکورہ آیت کے معنی میں تغیر فاحش نہیں ہوا؛ اس لئے نماز درست ہوگی۔

ومنها ذكر كلمة مكان كلمة على وجه البدل إن كانت الكلمة التي قرأها مكان كلمة يقرب معناها، وهي في القرآن لا تفسد صلاته. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۸۰، حلبي كبير ٤٨٨، رد المحتار / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب: مسائل زلة القاري ۲/۱ ٦٣ كراچی)

إن كانت الكلمة التي قرأها مكان كلمة يقرب معناها وهي في القرآن لا تفسد صلاته. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۸۰)

أن لا تخرج الكلمة بحرف البدل من ألفاظ القرآن ومعناه: أن هذه الكلمة مع حرف البدل توجد في القرآن ...... ففي هذا الوجه لا تفسد صلاته. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ۸۲ رقم: ۱۸۰۹ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴/ ۲/ ۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

”الٓمٓ“ کی جگہ ”حٰمٓ“ پڑھنے سے نماز کا حکم

سوال (۳۳۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام صاحب نے فجر کی دوسری رکعت میں سورۂ ﴿الٓمٓ. تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ کی تلاوت کی، جس میں الٓمٓ کی جگہ حٰمٓ پڑھ کر چلا گیا، تو اس صورت میں نماز ہوگی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس صورت میں نماز فاسد نہیں ہوئی۔

إن كـانـت الكلمة التي قرأها مكان كلمة يقرب معناها وهي في القراٰن لا تفسد صلاته. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۸۰)

أن لا تـخـرج الـكـلـمة بـحـرف البـدل من ألفاظ القرآن ومعناه: أن هذه الـكـلـمة مع حرف البدل توجد في القرآن ...... ففي هذا الوجه لا تفسد صلاته.

(الفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ۸۲ رقم: ۱۸۰۹ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۴/۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں ﴿لاَ یَعْصُوْنَ اللّٰهَ﴾ کولوٹاتے وقت ﴿یَعْصُوْنَ اللّٰهَ﴾ پڑھنا؟

سوال (۳۳۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام صاحب نے فجر کی نماز میں سورۂ تحریم پڑھتے ہوئے ﴿لاَ یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ﴾ پر وقف کیا، پھر پیچھے سے لوٹا کر پڑھا، تو ﴿لاَ یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ﴾ سے پڑھا ''لا'' دوبارہ میں چھوڑ دیا، امام صاحب صرف حافظ ہیں مثبت منفی کو نہیں جانتے، کیا اس حالت میں نماز پر تو کوئی اثر نہیں پڑا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مسئولہ صورت میں امام صاحب نے آیت دھرانے میں غلطی کی ہے، انہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا؛ لیکن نماز بہر حال درست ہوگئی؛ اس لئے کہ عام لوگوں کو معنی کا استحضار نہیں رہتا۔

أو بـوقف وابتـداء لم تفسد وإن غير المعنى به يفتى، وفي الشامي: الابتداء إن كـان لا يـغير المعنى تغيراً فاحشاً لا تفسد، وإن غير المعنى نحو ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰـهَ﴾ ثـم ابتـدأ ''بإلا هو'' لايفسد عندعامة المشايخ؛ لأن العوام لا يميزون، ولو

وقف علی "وقالت الیهود" ثم ابتدأ بما بعده أي عزیر ابن اللّٰہ لاتفسد بالإجماع، وفي شرح المنیة: والصحیح عدم الفساد في ذلک کله. (شامي ۲/۳۹۵ زکریا، الفتاویٰ التاتارخانیة ۲/۱۰۴ رقم: ۱۸۶۷ زکریا، المحیط البرهاني ۲/۷۴ ڈابھیل) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۲/۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں تین آیت کے بعد ﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا امْرَأَةَ فِرْعَوْنَ﴾ کے بجائے ﴿کَفَرُوْا امْرَأَةَ فِرْعَوْنَ﴾ پڑھ دیا

سوال (۳۳۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام صاحب نے تین آیتیں صحیح پڑھنے کے بعد آیت: ﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا امْرَأَةَ فِرْعَوْنَ﴾ میں ﴿امْرَأَةَ فِرْعَوْنَ﴾ کی جگہ ﴿کَفَرُوْا امْرَأَةَ فِرْعَوْنَ﴾ پڑھا تو کیا نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو اعادہ واجب ہوگیا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ﴿الَّذِیْنَ آمَنُوْا امْرَأَةَ﴾ کی جگہ ﴿کَفَرُوْا امْرَأَةَ﴾ پڑھنے سے معنی بالکل بدل گئے ہیں؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں نماز فاسد ہوگئی، اس کا اعادہ لازم ہے اور قرأت میں فحش غلطی کی وجہ سے جو نماز فاسد ہوتی ہے، اس میں تین آیتیں پڑھنے یا نہ پڑھنے سے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا، یعنی اگر صحیح طور پر تین آیتیں پڑھنے کے بعد فحش غلطی ہوجائے، تو بھی نماز میں فساد کا حکم ہوگا۔

فإن کان یغیر المعنی تفسد صلاته بلا خوف نحو إن قرأ: "والذین آمنوا وکفروا باللّٰہ ورسوله أولئک هم الصدیقون". (الفتاویٰ التاتارخانیة ۲/۱۰۲ رقم: ۱۸۶۲ زکریا)

أما إذا غیر المعنی بأن قرأ: "إن الذین آمنوا وعملوا الصالحات أولئک هم شر البریة" – إلی قوله – "خالدین فیها اولئک هم خیر البریة" تفسد عند

عامة علماء نا وهو الصحيح. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۸۱)

وإن تغير المعنى بأن قرأ: ﴿ان الابرار لفی جحيم و إن الفجار لفی نعيم﴾. أو قرأ: ''إن الذين آمنوا و عملوا الصالحات أولئک هم شر البرية''، أو قرأ: ''وجوه يومئذ عليها غبره، أولئک هم المؤمنون حقا'' تفسد صلاته؛ لأنه أخبر بخلاف ما أخبر اللّٰه تعالیٰ به، وقال بعضهم: لا تفسد صلاته لعموم البلویٰ، والأول أصح. (فتاویٰ قاضي خان على الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۵۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۵/۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدُ، نِ اللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ پڑھنا؟

سوال (۳۳۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تراویح میں قرآن سناتے میں حافظ نے ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ. اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ کے بجائے ﴿نِ اللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ بغیر سانس توڑے پڑھ دیا، برائے کرم واضح فرمائیں کہ کیا ﴿نِ اللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ نہیں پڑھ سکتے؟ اور کیا یہ غلط ہے،؟ اور کیا اس طرح پڑھنے سے معنی بدل جاتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ازروئے قواعد تجوید آیتوں کو ملا کر پڑھتے وقت ﴿اَحَدُ، نِ اللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ پڑھنا درست ہے، اس سے معنی نہیں بدلتے؛ تاہم بہتر یہ ہے کہ ہر آیت پر وقف کر کے ﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ ہی پڑھا جائے؛ تاکہ مقتدی شش و پنج میں مبتلا نہ ہوں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۳/۱۰/۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

﴿اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ﴾ پر سانس توڑنے سے نماز کا حکم

سوال (۳۳۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: سورۂ غاشیہ کے اندر آیت ہے: ﴿اِلَّا مَنْ تَوَلّٰی وَ کَفَرَ﴾ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ اگر کسی امام نے نماز میں مذکورہ سورت پڑھی اور ''کفر'' پر سانس توڑ دیا، تو کیا نماز فاسد ہوجائے گی؟ جوکہ معنی کی خرابی پائی جارہی ہے، اور کیا نماز کا اعادہ بھی ضروری ہوگا یا نہیں؟ جواب مرحمت فرما کر شکریہ کا موقع دیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں ﴿وَکَفَرَ﴾ پر آیت کرنے سے معنی میں کوئی خرابی نہیں آتی؛ لیکن چوں کہ اس آیت پر ''لا'' کا نشان لگا ہوا ہے، اس لئے رموز اوقاف کی رعایت کرتے ہوئے یہاں سانس نہ توڑے تو بہتر ہے۔ (مستفاد ترجمہ شیخ الہند بحث رموز واوقاف)

الأصل أن حفظ الوقوف و معرفة ذٰلک من باب الفضيلة ولا يتعلق به قطع الصلاة أينما وقف لا تفسد صلاته، وهذا مذهب الفقهاء، فأما مذهب القراء فهم يزعمون أن عدد من الوقف في القرآن بمواضع معينة، لو وقف غيرها يقطع الصلاة، وسمعت أنهم يكفرون به صاحبها، ولكن الكفر إنما يكون بالقصد وسوء الاعتقاد، فالذي يقف للتنفس والضرورة لا يكون للكفر فيه مدخل، ولا يقطع الصلاة. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ۱۰۵ رقم: ۱۸۸۹ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۷/۶/۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں ﴿فَاَکْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ﴾ کے بجائے ﴿فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ﴾ پڑھ دیا؟

سوال (۳۳۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے سورۂ فجر کی تلاوت کی، اور ﴿فَاَمَّا اِذَا مَا ابْتَلاهُ رَبُّهٗ فَاَکْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَیَقُوْلُ رَبِّیْ اَکْرَمَنْ﴾ کے بجائے ﴿فَاَمَّا اِذَا مَا ابْتَلاهُ رَبُّهٗ فَقَدَرَ عَلَيْهِ فَاَکْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَیَقُوْلُ رَبِّیْ اَکْرَمَنْ﴾ پڑھ دیا، تو اس کی نماز میں خرابی آتی ہے یا نہیں، جب کہ امام کو نماز کے

اندر ہی غلطی کا احساس ہوگیا، مگر اس کے باوجود سجدۂ سہو نہیں کیا، تو ایسی نماز کا کیا حکم ہے؟ مکروہ یا فاسد، کراہتِ تحریمی یا تنزیہی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں ’’**فقدر علیه نعمه**‘‘ پڑھنے سے معنی میں ایسا تغیر نہیں ہوا ہے جو فسادِ صلوٰۃ کا موجب ہو؛ لہٰذا نماز فی الجملہ کراہت کے ساتھ درست ہوگئی، وہ واجب الاعادہ نہیں ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۱/۲۴۳، عزیز الفتاویٰ ۲۳۷)

إن قدم كلمة على كلمة أو أخر إن لم يتغير المعنى لا تفسد. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۸۰)

ذكر كلمة مكان كلمة على وجه البدل إن كانت الكلمة التي قرأها مكان كلمة يقرب معناها وهي في القرآن لا تفسد صلاته. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۸۰، شامي ۱/ ٦۳۳ کراچی، حلبي كبير ٤۸۸)

الفصل السابع: من زلة القاري في الخطأ في التقديم والتأخير، وإنه على وجوه، أحدها: أن يقدم جملة على جملة ويفهم بالتقديم ما يفهم بالتاخير، نحو أن يقرأ: ﴿يَوْمَ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ وَتَبْيَضُّ وُجُوْهٌ﴾ ونحو ذٰلک، لا تفسد صلاته. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ۱۰۳ رقم: ۱۸٦٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۸/۴/۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں ﴿فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ کے بعد ﴿فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ﴾ پڑھنا؟

سوال (۳۳۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام صاحب نے مغرب کی نماز میں ﴿فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ کے بعد ﴿فَاُمُّهٗ

﴿هَاوِيَةٌ﴾ پڑھا، جب کہ اس کے بعد ﴿فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ﴾ ہے، تو ایسی صورت میں نماز کا کیا حکم ہے؟ نماز فاسد ہوئی یا درست؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام صاحب کے نماز میں ﴿فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ کے بعد ﴿فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ﴾ کے بجائے ﴿فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ﴾ پڑھنے سے نماز فاسد ہوگئی ہے؛ اس لئے کہ قرأت کے معنی میں تغیر فاحش ہوا ہے، جس کی وجہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

وإن كان اختلافا فتباعدا نحو أن يختم أية الرحمة بآية العذاب أو آية العذاب بآية الرحمة فعلى قول أبي حنيفةؒ ومحمدؒ تفسد صلاته ...... وفي الخانية: والصحيح هو الفساد. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ۹۶ رقم: ۱۸۴۳ زكريا)

أما إذا غير المعنى بأن قرأ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ﴾ إلى قوله: ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ﴾ تفسد عند عامة علماءنا وهو الصحيح. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۸۱)

وإن تغير المعنى بأن قرأ: ''اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ. وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ''، أو قرأ: ''إن الذين آمنوا و عملوا الصالحات أولئک هم شر البرية''، أو قرأ: ''وجوه يومئذ عليها غبره، أولئک هم المؤمنون حقا'' تفسد صلاته؛ لأنه أخبر بخلاف ما أخبر اللّٰه تعالىٰ به، وقال بعضهم: لا تفسد صلاته لعموم البلوىٰ، والأول أصح. (فتاویٰ قاضي خان على الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۵۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۸/ ۷/ ۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

﴿مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ کے بجائے ''ما تعبد'' پڑھنا؟

سوال (۳۴۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام نے نماز پڑھائی، سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ کافرون میں ﴿لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ کے

بجائے ”لا اعبد ما تعبد“ پڑھا، تین مرتبہ اعادہ کیا، ہر مرتبہ ”ما تعبد“ پڑھا، تو نماز درست ہوئی یا نہیں؟ یا اعادہ کرنا ہوگا، کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب کہ امام صاحب نے ”ماتعبدون“ کی جگہ ”ما تعبد“ پڑھ دیا، تو اس صورت میں نماز درست ہوجائے گی؛ کیوں کہ معنی میں کوئی فحش غلطی نہیں ہوئی۔

إن كان لما ذكر من الشطر وجه صحيح في اللغة، ولا يكون لغوا، ولا يتغير به المعنى، ينبغي أن لا يوجب فساد الصلوة. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/۱۱۳ رقم: ۱۸۸۹ زکریا)

ذكر كلمة مكان كلمة على وجه البدل إن كانت الكلمة التي قرأها مكان كلمة يقرب معناها وهي في القرآن لا تفسد صلاته. (الفتاویٰ الهندية ۱/۸۰، شامي ۱/۶۳۳ کراچی، حلبي كبير ۴۸۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۳/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دورانِ قرأت ”ازواجا“ کی جگہ ”اجواجا“ اور ”سرابا“ کی جگہ ”ثرابا“ پڑھ دیا؟

سوال (۳۴۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر امام صاحب سے فجر کی فرض نماز یا دیگر جہری قرأت میں تبدیلی حروف ہوجائے، جس سے معنی میں بگاڑ پیدا ہوجائے، مثال کے طور پر ﴿وَخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا﴾ کی جگہ ﴿وَخَلَقْنٰكُمْ اَجْوَاجًا﴾ دوسری آیت: ﴿وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا﴾ کی جگہ ﴿وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ ثَرَابًا﴾ پڑھے، تو نماز درست ہے یا فاسد ہوجاتی ہے، یہاں کے ایک مفتی صاحب یہ کہہ کر نماز پڑھا رہے ہیں کہ، اگر امام صاحب کے اعتماد میں حرف ”زا“ ہے ”جیم“ نہیں

ہے تو درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اگر امام اپنی دانست میں ''اَزْوَاجًا'' ہی پڑھتا ہے، مگر سننے والوں کو بجائے زاء کے جیم کا پڑھنا محسوس ہوتا ہے، اسی طرح ''سَرَابًا'' میں ثاء کا پڑھنا محسوس ہوتا ہے، تو نماز فی نفسہٖ درست ہے؛ البتہ امام کو اپنی اصلاح کی کوشش کرتے رہنا چاہئے۔

قال القاضي أبو عاصم: إن تعمد ذلک تفسد، وإن جرى على لسانه أو لا يعرف التمييز، لا تفسد، وهو المختار، وفي البزازية: وهو أعدل الأقاويل وهو المختار. (شامی ۲/۳۹٦ زکریا)

ذكر كلمة مكان كلمة على وجه البدل إن كانت الكلمة التي قرأها مكان كلمة يقرب معناها وهي في القرآن لا تفسد صلاته. (الفتاویٰ الهندية ۱/۸۰، حلبي كبير ٤۸۸ لاهور)

وإن ذكر حرفاً مكان حرف وغير المعنى، فإن أمكن الفصل بين الحرفين من غير مشقة كالطاء مع الصاد تفسد صلاته عند الكل، وإن كان لا يمكن الفصل بين الحرفين إلا بمشقة كالظاء مع الضاد والصاد مع السين والطاء مع التاء، اختلف المشائخ فيه، قال أكرهم: لا تفسد صلاته. (فتاویٰ قاضي خان / فصل في القراءة ۱/۱٤۱-۱٤۳، الفتاویٰ التاتارخانية ۲/۸۲ رقم: ۱۸۱۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۱۱/۲٦ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خارجِ نماز قرأت میں لحن کرنے والے کی اِمامت؟

سوال (۳۴۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: بعض حضرات خارجِ نماز قرآنِ کریم پڑھنے میں لحن کرتے ہیں، حروف کو مخارج سے ادا نہیں کرتے، اور الفاظِ قرآنی کو تجوید کے خلاف پڑھتے ہیں، تو ایسی تلاوت کا کیا حکم ہے؟ کیا اس پر ثواب ملے گا یا گناہ؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خارج نماز بھی عمداً قرآنِ کریم غلط پڑھنا موجبِ گناہ ہے، ایسے شخص کو اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے۔ (عالمگیری ۸۲/۱)

عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: قال لنا عليه السلام: يؤم القوم أقرأهم لكتاب اللّٰه وأقدمهم قراءة. (صحيح مسلم ۲۳۶/۱ رقم: ۶۷۳، سنن الترمذي ۵۵/۱)

منها القراءة بإلحان إن غير المعنى وإلا لا، وفي الشامية: إلا في حرف مد ولين إن فحش فإنه يفسد. (الدر المختار مع الشامي / باب ما يفسد الصلاة ۳۹۳/۲ زكريا)

الأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلاة ثم الأحسن تلاوة، وتجويداً للقراءة ثم الأورع ثم الأسن ثم الأحسن خلقاً ثم الأحسن وجهاً ثم الأشرف نسباً. (تنوير الأبصار مع الشامي ۲۹۴/۲-۲۹۵ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۱۰/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز کے واجبات

واجب کا حکم اور اس کی شرعی حیثیت

سوال (۳۴۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اصطلاحِ شرع میں واجب کی کیا حیثیت ہے؟ اور شریعت میں اس پر عمل کرنے کا کیا حکم ہے؟ نیز فقہاء احناف کے نزدیک واجب کا اطلاق کس قسم کے احکام پر ہوتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقہاء احناف کے نزدیک ''واجب'' ایک خاص اصطلاح ہے جس کا اطلاق ایسے احکام پر ہوتا ہے جن کا ثبوت فرض کے مقابلے میں ایک گونہ کم تر دلائل سے ہو؛ لیکن عمل کے اعتبار سے واجب اور فرض میں زیادہ فرق نہیں ہے، جس طرح فرض پر عمل لازم ہے اسی طرح واجب پر بھی عمل کرنا ضروری ہے، اور فرض وواجب ہر ایک کا تارک گنہگار ہے، اسی لئے واجب کو ''فرضِ عملی'' بھی کہا جاتا ہے؛ تاہم ان دونوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ نظریاتی اعتبار سے فرض کا انکار کرنے والا کافر قرار پاتا ہے، جب کہ واجب کے منکر کو کافر نہیں کہتے۔ اور نماز وغیرہ اعمال میں ترکِ فرض کی تلافی کسی طرح نہیں ہوسکتی؛ لیکن ترکِ واجب کی تلافی نماز میں سجدۂ سہو سے، اور حج میں دَم سے ممکن ہے۔ (اس کے بالمقابل کسی بات کے ممنوع ہونے کا ثبوت اگر قطعی دلائل سے ہو تو اُسے حرام کہتے ہیں اور اگر قطعیت میں کچھ شبہ ہو تو اس کو مکروہِ تحریمی کہتے ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے کتبِ فقہ واصول کا مطالعہ کیا جائے)

ثم إن المجتهد قد يقوي عنده الدليل الظني حتى يصير قريباً عنده من القطعي فما ثبت به يسميه فرضاً عملياً؛ لأنه يُعامل معاملةَ الفرضِ في وجوب

العمل فيسمى واجباً نظراً إلى ظنية دليله. (شامي ۲۰۷/۱ زكريا)

وفي الشرع: إسم لما لزمنا بدليل فيه شبهة الخ، وحكم الواجب استحقاق العقاب بتركه عمداً وعدم إكفار جاحده والثواب بفعله ولزوم سجود السهو بنقص الصلاة بتركه سهواً، وإعادتها بتركه عمداً، وسقوط الفرض ناقصاً إن لم يسجد ولم يُعِد. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي ۱۳٤، شامي ۱٤٦/۲ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

واجب اور شرط میں کیا فرق ہے؟

سوال (۳۴۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: واجب اور شرط میں کیا فرق ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرط کا اطلاق ایسے عمل پر کیا جاتا ہے جو کسی شئ کے داخلی ارکان میں شامل نہ ہو، مگر اس شئ کی صحت وانعقاد کا مدار اس عمل پر ہو۔

الشرط: ما يتوقف عليه وجود الشيء ويكون خارجا عن ماهيته ولا يكون مؤثراً في وجوده. (قواعد الفقه ۳۳٦، كتاب التعريفات للمرجان ۱٤۳، قاموس الفقه ۱۸٤/٤)

وشرعاً ما يتوقف عليه الشيء ولا يدخل فيه. (درمختار ٤۰۲/۱)

اور واجب شئ کے اندرونی اعمال ہی کا ایک جزء ہوتا ہے، اس کے نہ پائے جانے سے شئ ختم نہیں ہوتی، مگر ناقص ہوجاتی ہے اور کبھی واجب مستقل عمل ہوجاتا ہے جیسے وتر، اسے فقہاء فرض عملی سے تعبیر کرتے ہیں۔

الواجب: هو في عرف الفقهاء عبارة عما ثبت وجوب بدليل فيه ظني الثبوت، وحكمه: أنه يثاب بفعله ويستحق بتركه عقوبة لولا العذر حتى يضلل جاحده ولا يكفر به. (قواعد الفقه: ٥۳۹، كتاب التعريفات للمرجان ۲۷۷، قاموس الفقه ۲٥٦/٥)

ولها واجبات لا تفسد بتركها وتعاد وجوباً في العمد والسهو إن لم يسجد له. (درمختار) **وتحته في الشامي: وتقسيم الواجب إلى قسمين: أحدهما وهو المراد هٰهنا.** (شامی ۱/۴۵۶ کراچی، شامی ۲/۱۴۶ زکریا)

أما الواجبات الأصلية في الصلاة فستة...... حتى لو تركهما أو أحدهما فإن كان عامداً كان مسيئا، وإن كان ساهيا يلزمه سجود السهو. (بدائع الصنائع ۱/۳۹۴ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳/۱۲/۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز کے واجبات کتنے ہیں؟

سوال (۳۴۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: واجبات نماز کے سلسلہ میں کہ وہ مختلف کتابوں میں مختلف حوالوں سے کہیں چودہ کہیں اٹھارہ کہیں تیرہ کہیں نونظر سے گذرے، نیز اٹھارہ کا حوالہ نورالایضاح سے ہے، اور چودہ کا رد المختار سے ہے، یہ بھی دیکھنے کا موقع ہوا کہ مکاتب دینیہ میں نونہالوں کو اسی طرز سے مختلف فیہا واجبات نماز سکھائے جاتے ہیں، جب کہ جہاں ۱۸/ واجبات مذکور ہیں ان میں چودہ سے بعضے نہیں ہیں، اور جہاں ۱۴ ہیں ان میں وہ کئی واجبات متروک ہیں، جن کا ذکر اٹھارہ میں ہے؛ لہٰذا تعلیمی ڈائری مدرسہ اشاعت العلوم گوونڈی ممبئی میں بحوالہ ''ایک منٹ کا مدرسہ'' مذکورہ واجبات نماز نیز نصاب دینیات بحوالہ ردالمختار واجبات نماز کے زیراکس عریضہ ہٰذا کے ساتھ منسلک کئے جارہے ہیں، چوں کہ واجبات نماز کا مسئلہ نہایت اہم ہے، اس لئے گذارش ہے کہ غور وخوض کے بعد متفقہ ومتعینہ واجبات نماز کی تعداد سے روشناس فرمائیں؟ تاکہ مکاتب دینیہ کے کم عمر بچوں کو یاد کرانے میں سہولت ہو، نیز اوروں کو بھی ایک تعداد معین کے معلوم ہونے سے حفظ وعمل میں آسانی ہو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کے اصل واجبات کل چھ ہیں: (۱) سورۂ فاتحہ اور ضم سورت (۲) جہری نمازوں میں جہر اور سری نمازوں میں سر (۳) تعدیل ارکان (۴) قعدۂ اولیٰ (۵) تشہد (۶) ترتیب افعال۔ اس کے بعد ان واجبات اور فرائض سے متعلق کچھ امور واجب ہیں، ان سب کو ملانے سے واجبات کی تعداد اس سے کہیں زیادہ پہنچ جاتی ہے، مثال کے طور پر سجدہ فرض ہے، لیکن اس میں پیشانی کے ساتھ ناک رکھنا واجب ہے، تو یہ واجب اصالۃً نہیں ہے؛ بلکہ سجدہ کے تابع ہو کر واجب ہے، اسی طرح تشہد واجب ہے اور تشہد کے ساتھ یہ بھی واجب ہے کہ نہ تو اس میں کمی کرے اور نہ زیادتی کرے، اس طرح سورۂ فاتحہ واجب ہے، اور اس کا ضم سورت سے پہلے پڑھنا الگ سے واجب ہے وغیرہ، اس بنیاد پر فقہاء کے کلام میں واجبات کی تعداد بیان کرنے میں اختلاف ہوگیا ہے، اس لئے جس کتاب میں زیادہ واجبات بیان کئے گئے ہیں، بچوں کو انہیں یاد کرانا زیادہ بہتر ہے۔

أما الواجبات الأصلية في الصلوة فستة: منها قراءة الفاتحة والسورة، ومنها الجهر بالقراءة فيما يجهر والمخافتة فيما يخافت، ومنها الطمانينة والقرار في الركوع والسجود، ومنها القعدة الأولى، ومنها التشهد، ومنها مراعاة الترتيب فيما شرع مكررا من الأفعال في الصلاة. (بدائع الصنائع ۱/۳۹۴-۴۰۰)

والتتبع ينفي الحصر فتبصر، وفي الشامي: وبيان ذلك أن التشهد في نفسه واجب، ويجب له القعدة، وأن يترك نقصا منه وزيادة فيه أو عليه. (شامی ۲/۱۶۹ زکریا)

ولها واجبات وهي قراءة الفاتحة، وضم سورة، وتقديم الفاتحة على كل السورة. (شامی ۲/۱۵۱ زکریا)

ثم إن اقتصر على الجبهة فوضع حزأ منها وإن قل فرض، ووضع أكثرها

واجب. (شامی ۱/ ۱۳۵ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۴/۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

واجباتِ نماز

سوال (۳۴۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز میں کتنی چیزیں واجب ہیں فقہ وفتاویٰ کی کتابوں کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ واجباتِ نماز کی تعداد بے شمار ہے، جس کا احاطہ مشکل ہے، تو پھر ایک عام انسان اپنی نماز کو فرائض اور واجبات کی تکمیل کرتے ہوئے کیسے پوری کرے گا؟ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ واجباتِ نماز کو تلخیص کے ساتھ ترتیب وار ذکر فرمادیں، نیز جن واجبات پر عمل کرنا نماز کے صحیح ہونے کے لئے لازم اور ضروری ہے، خاص طور سے ان کی نشان دہی فرمادیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صاحبِ بدائع ملک العلماء علامہ کاسانیؒ (المتوفی: ۵۸۷ھ) کے بقول نماز کے اصل واجبات کل ۶/ ہیں: (۱) سورۂ فاتحہ اور ضم سورت (۲) جہری نمازوں میں جہر اور سری نمازوں میں سر (۳) تعدیلِ ارکان (۴) قعدۂ اولیٰ (۵) تشہد (۶) ترتیبِ افعال۔

أما الواجبات الأصلية في الصلاة، فستة: منها: قراء ة الفاتحة والسورة في صلاة ذات ركعتين، وفي الأوليين من ذوات الأربع والثلاث حتى لو تركهما أو أحدهما، فإن كان عامدا كان مسيأ، وإن كان ساهيا يلزمه سجود السهو، ومنها: الجهر بالقراء ة فيما يجهر وهو الفجر، والمغرب، والعشاء في الأوليين، والمخافتة فيما يخافت وهو الظهر والعصر، ومنها: الطمأنينة والقرار في الركوع والسجود، ومنها: القعدة الأولى للفصل بين الشفعين، ومنها: التشهد

في القعدة الأخيرة، ومنها: مراعاة الترتيب فيما شرع مكررا من الأفعال في الصلاة. (بدائع الصنائع ۳۹۴/۱-۴۰۰، کراچی ۱۶۰/۱-۱۶۳ زکریا)

تاہم متعلقات اور جزئی صورتوں کے اعتبار سے یہ تعداد اس سے کہیں زیادہ ہوسکتی ہے، اس لئے دیگر تفصیلات سے صرف نظر کرتے ہوئے درج ذیل ۲۱/ واجبات زیادہ قابلِ لحاظ اور اہم معلوم ہوتے ہیں، جن کو ترتیب وار یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) نماز شروع کرتے وقت خاص ''اللہ اکبر'' کے لفظ سے تکبیرِ تحریمہ کہنا، اللہ اکبر کے علاوہ کسی اور ذکر (مثلاً: اللہ اعظم) سے نماز شروع کرنا مکروہِ تحریمی ہے۔

عن علي رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: مفتاح الصلوٰة الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم. (سنن أبي داؤد، الصلاة / باب في تحريم الصلاة و تحليلها ۹۱/۱ رقم: ۶۱۸ دار الفكر بيروت، سنن الترمذي، الطهارة / باب ما جاء مفتاح الصلاة الطهور ۶/۱ رقم: ۳)

ويجب تعيين لفظ التكبير لافتتاح كل صلاة للمواظبة عليه. (طحطاوي ۱۳۷ کراچی، شامي ۱۷۸/۲ زکریا، مجمع الأنهر ۸۹/۱)

(۲) امام اور اکیلے نماز پڑھنے والے کے لئے فرض کی دو رکعتوں اور وتر اور سنن ونوافل کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا۔

عن جابر رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءةٌ. (رواه الإمام أحمد في مسنده، نصب الراية ۱۲/۲)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: وإذا قرأ فانصتوا. (صحيح مسلم / باب التشهد في الصلاة ۱۷۴/۱)

عن عبادة بن الصامت رضي اللّٰه عنه يبلغ به النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: لاصلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب. (صحيح مسلم ۱۶۹/۱ رقم: ۳۹۴، صحيح البخاري رقم: ۷۵۶، سنن الترمذي ۷۰/۱)

عـن عبد اللّٰہ بن أبي قتادة عن أبيه أن النبي صلى اللّٰہ عليه وسلم كان يقرأ فـي الـركـعتين الأولـيين بفاتحة الكتاب وسورة، وفي الأخريين بفاتحة الكتاب.

(مصنف بن أبي شيبة، الصلاة / باب من كان يقرأ في الأوليين بفاتحة الكتاب وسورة ٣/٢٦١ رقم: ٣٧٦٢)

(۳) امام اورمنفرد کے لئے سورۂ فاتحہ کے ساتھ فرض کی دو رکعتوں میں اور باقی سب نمازوں کی ہر رکعت میں سورت ملانا یعنی قرآنِ کریم کی کم از کم تین آیتوں یا ایک لمبی آیت کے بقدر قرأت کرنا۔

عـن عبد اللّٰہ بن أبي قتادة عن أبيه أن النبي صلى اللّٰہ عليه وسلم كان يقرأ فـي الـركـعتين الأولـيين بفاتحة الكتاب وسورة، وفي الأخريين بفاتحة الكتاب.

(مصنف بن أبي شيبة، الصلاة / باب من كان يقرأ في الأوليين بفاتحة الكتاب وسورة ٣/٢٦١ رقم: ٣٧٦٢)

وضم آية سورة أو ما قام مقامها وهو ثلاث اٰيات قصار نحو: ﴿ثُمَّ نَظَرَ. ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ. ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ﴾ وكذا لو كانت الاٰيت أو الاٰيتان تعدل ثلاثاً قصاراً. (درمختار) أي مثل ثم نظر ...... وهي ثلاثون حرفاً. (شامي ٢/١٤٩ زكريا)

مـحـل الـقـراء ة في التطوع الركعات حتى يفترض القراء ة في الركعات كلها، وفي الفرائض محل القراء ة الركعتان، حتى يفترض القراء ة في الركعتين، إن كـانت الصلاة من ذوات المثنى يقرأ فيهما جميعاً، وإن كانت من ذوات الأربع يـقرأ في الركعتين الأوليين، وفي الآخرين بالخيار إن شاء قرأ، وإن شاء سبح وإن شاء سكت. (الفتاوىٰ التاتارخانية، الصلاة / باب القراءة ٢/٥٦-٥٧ رقم: ١٧٢٤ زكريا)

ومـنها ضم السورة أو ما يقوم مقامها من الاٰيات التي تعدل سورةً إليها أي إلى الفاتحة. (حلبي كبير ٢٩٦)

(۴) فرض کی ابتدائی دو رکعتوں کو قرأت کے لئے متعین کرنا۔

عـن عبد اللّٰہ بن أبي قتادة عن أبيه أن النبي صلى اللّٰہ عليه وسلم كان يقرأ

بـأم الـكتـاب و سـورة معها في الركعتين الأوليين من صلوٰة الظهر وصلوٰة العصر ويسـمعنا الآية أحياناً و كان يطيل في الركعة الأولىٰ. (صحيح البخاري، الأذان / باب إذا سمع الإمام ١٠٧/١ رقم: ٧٧٠)

ويـجـب تـعـييـن الـقراء ة في الأوليين من الفرض لمواظبة النبي ﷺ على القراء ة فيهما. (مراقي الفلاح ١٣٥، الفتاوىٰ الهندية ٧١/١، شامي ١٥١/٢ زكريا)

(٥)سورۂ فاتحہ کا قرأت سے پہلے پڑھنا۔

ويـجـب تقديم الفاتحة على السورة. (الفتاوىٰ الهندية ١/ ٧١، حلبي كبير ٢٩٦، شامي ٢/ ١٥١ زكريا، طحطاوي ١٣٥)

(٦)فرض کی ابتدائی دورکعتوں میں سے ہررکعت میں سورۂ فاتحہ بلافصل صرف ایک بار پڑھنا۔

ومـنهـا الاقتصار فيهما أي في الركعتين الأوليين على مرةٍ واحدةٍ في كل واحدة فـإنـه واجـب، حتى لو كررها في كل ركعةٍ كره إن عمداً ووجب سجود السهو لو سهواً. (حلبي كبير ٢٩٥)

أمـا لـو قرأها قبل السورة مرةً وبـعـدهـا مـرةً فلا يجب كما في الخانية، واختـاره فـي الـمـحيط والظهيرية والخلاصة. (شـامـي ١٣٥/٢ بيـروت، ١٥٢/٢ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ١/ ٧١، طحطاوي ١٣٥)

(٧) جہری نمازوں جیسے فجر، جمعہ، عیدین، مغرب اور عشاء کی اول دو رکعتوں اور وتر وتراویح کی سب رکعتوں میں امام کے لئے بلند آواز سے قرأت کرنا۔

عـن أبـي أيوب الأنصاري رضي اللّٰه عنه قال: قيل: يا رسول اللّٰه! إن هٰهنا قـومـاً يـجهـرون بـالـقراء ة في صلاة النهار، فقال لهم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أفلا ترمونهم بالبعر. (المعجم الكبير ١٣١/٤ رقم: ٣٨٩٦)

ومـن أي الـواجبـات الجهر بالقراء ة فيما يُجهر فيه بها كالفجر والجمعة

والعيدين وأولي المغرب والعشاء وكالتراويح والوتر فإن الجهر بالجميع في ذٰلک واجبٌ على الإمام. (حلبي كبير ٢٩٦، الفتاوىٰ التاترخانية ١٣٢/٢ رقم: ١٩٥٤ زكريا، طحطاوي ١٣٧)

(۸) سری نمازوں جیسے ظہر اور عصر کی سب رکعتیں، مغرب کی تیسری رکعت اور عشاء کی آخری دو رکعتیں اور دن کے اوقات میں (جماعت کے بغیر) پڑھی جانے والی سنن ونوافل میں آہستہ قرأت کرنا۔

ويسر في غيرها الخ. كمتنفّل بالنهار فإنه يسر. (الدرالمختار مع الشامي ٢٢٢/٢ بيروت، ٢٥١/٢ زكريا، الفتاوىٰ التاتارخانية ٦٠/٢-٦١ رقم: ١٧٤٣ زكريا)

والإسرار يجب على الإمام والمنفرد فيما يسر فيه وهو صلاة الظهر والعصر والثالثة من المغرب والأخريان من العشاء. (شامي ١٦٣/٢ زكريا، حلبي كبير ٢٩٦)

(۹) نماز کے افعال (قیام، رکوع، سجدہ، قعدۂ اخیرہ، قومہ اور جلسہ کی ادائیگی) میں اطمینان اور تعدیل کرنا، جس کی حد یہ ہے کہ ہر رکن میں اعضاء وجوارح ساکن ہوکر اپنی اپنی جگہ برقرار ہوجائیں اور یہ کیفیت کم از کم ایک مرتبہ "**سبحان ربي العظيم**" کہنے تک باقی رہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه في رجل صلى سرعة، فسلّم على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إرجع فصلّ فإنک لم تصل، فقال في الثالثة: فأعلمني، قال: إذا قمت إلى الصلاة فأسبغ الوضوء، ثم استقبل القبلة، فكبر، واقرأ بما تيسر معک من القرآن، ثم اركع حتى تطمئن راكعاً، ثم ارفع رأسک حتى تعتدل قائماً، ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً، الخ.

(صحيح البخاري، كتاب الإيمان والنذور / باب إذا حنث ناسياً في الأيمان ٩٨٦/٢ رقم: ٦٤١١)

ويجب الاطمئنان وهو التعديل في الأركان بتسكين الجوارح في الركوع والسجود حتى تطمئن مفاصله في الصحيح. (مراقي الفلاح)

وفي الطحطاوي: ويستقر كل عضو في محله بقدر تسبيحة كما في القهستاني، هٰذا قول أبي حنيفةؒ ومحمدؒ على تخريج الكرخي. (الطحطاوي على المراقي ١٣٥، شامي ١٥٧/٢ زكريا، الفتاوىٰ التاتارخانية ١٣١/٢ رقم: ١٩٤٧ زكريا)

(۱۰) رکوع سے اٹھ کر سیدھے کھڑا ہونا جسے قومہ کہتے ہیں۔

عن أبي مسعود الأنصاري رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا تجزئ صلاة لا يقيم الرجل فيها يعني صلبه في الركوع وفي السجود. (سنن الترمذي، الصلاة / باب ما جاء فيمن لا يقيم صلبه في الركوع والسجود ٦١/١ رقم: ٢٦٤)

وينبغي أن تكون القومة والجلسة واجبتين للمواظبة. (حلبي كبير ٢٩٤، شامي ١٥٨/٢ زكريا، مجمع الأنهر ٩٠/١)

(۱۱) سجدہ میں پیشانی کے ساتھ ناک کا زمین پر ٹیکنا۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: أمرت أن أسجد على سبعة أعظم: على الجبهة وأشار بيده على أنفه واليدين والركبتين وأطراف القدمين ولا نكفت الثياب والشعر. (صحيح البخاري، الأذان / باب السجود على الأنف ١١٢/١ رقم: ٨٠٤)

ويجب ضم الأنف أي ما صلب منه للجبهة في السجود للمواظبة عليه، ولا تجوز الصلاة بالاقتصار على الأنف في السجود على الصحيح. (مراقي الفلاح ١٣٥، شامي ٢٠٤/٢ زكريا، الجوهرة النيرة ٧٥/١)

(۱۲) ہر رکعت میں دونوں سجدوں کا بلافصل ادا کرنا یعنی دونوں سجدوں کے درمیان نماز کا کوئی اور رکن ادا نہ کیا جائے ورنہ سجدۂ سہو واجب ہوجائے گا۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه في رجل صلى سرعة، فسلّم على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إرجع فصلّ فإنك

لم تصل، فقال في الثالثة: فأعلمني، قال: إذا قمت إلى الصلاة فأسبغ الوضوء، ثم استقبل القبلة، فكبر، واقرأ بما تيسر معک من القرآن، ثم ارکع حتی تطمئن راکعاً، ثم ارفع رأسک حتی تعتدل قائماً، ثم اسجد حتی تطمئن ساجداً، الخ.

(صحيح البخاري، كتاب الإيمان والنذور / باب إذا حنث ناسياً في الأيمان ٩٨٦/٢ رقم: ٦٤١١)

ويجب مراعاة الترتيب فيما بين السجدتين وهو الاتيان بالسجدة الثانية في كل ركعة من الفرض وغيره قبل الإنتقال لغيرها أي لغير السجدة من باقي أفعال الصلاة للمواظبة. (مراقي الفلاح ١٣٥، شامي ١٥٣/٢ زكريا)

(۱۳) دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا (جلسہ کرنا) واجب ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه في رجل صلى سرعة، فسلّم على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إرجع فصلّ فإنک لم تصل، فقال في الثالثة: فأعلمني، قال: إذا قمت إلى الصلاة فأسبغ الوضوء، ثم استقبل القبلة، فكبر، واقرأ بما تيسر معک من القرآن، ثم ارکع حتی تطمئن راکعاً، ثم ارفع رأسک حتی تعتدل قائماً، ثم اسجد حتی تطمئن ساجداً، الخ.

(صحيح البخاري، كتاب الإيمان والنذور / باب إذا حنث ناسياً في الأيمان ٩٨٦/٢ رقم: ٦٤١١)

وينبغي أن تكون القومة والجلسة واجبتين للمواظبة. (حلبي كبير ٢٩٤، شامي ١٥٨/٢ زكريا)

(۱۴) تین یا چار رکعت والی فرض یا نفل نمازوں میں دو رکعت کی ادائیگی کے بعد کم از کم اتنی دیر بیٹھنا جس میں التحیات پڑھی جاسکتی ہو۔

عن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: كنا لا ندري ما نقول في كل ركعتين، غير أن نسبح ونكبر ونحمد ربنا وأن محمداً صلى اللّٰه عليه وسلم علّم فواتح الخير وخواتيمه، فقال: إذا قعدتم في كل ركعتين فقولوا: التحيات للّٰه

والصلوات والطيبات، السلام عليک أيها النبي ورحمة اللّٰه وبركاته، السلام علينا وعلى عباد اللّٰه الصالحين، أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وأشهد أن محمداً عبده ورسوله، وليتخير أحدكم من الدعاء أعجبه إليه، فليدع اللّٰه عزوجل. (سنن النسائي، كتاب التطبيق / باب كيف التشهد الأول ١/١٣٠ رقم: ١١٥٩ دار الفكر بيروت)

ويجب القعود الأول مقدار قراءة التشهد بأسرع ما يكون بلا فرق في ذٰلک بين الفرائض والواجبات والنوافل استحساناً عندهما وهو ظاهر الرواية والأصح، وقال محمدؒ وزفرؒ والشافعيؒ هو فرض في النوافل وهو القياس.

(طحطاوي ١٣٦، شامي ١٥٨/٢ زكريا، بدائع الصنائع ٣٩٩/١)

(۱۵) قعدہ اولیٰ اور قعدہ اخیرہ دونوں میں تشہد یعنی التحیات پڑھنا۔

عن عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه قال: لا تجوز صلاة إلا بتشهد.

(مصنف ابن عبد الرزاق، الصلاة / باب من نسي التشهد ٢٠٦/٢ رقم: ٣٠٨٠)

ويجب قراءة التشهد أي في الأول وفي الجلوس الأخير أيضا للمواظبة.

(مراقي الفلاح ١٣٦، شامي ١٥٩/٢ زكريا)

(۱۶) دو سے زائد رکعت والی فرض نمازوں میں قعدۂ اولیٰ میں تشہد پڑھتے ہی تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہونا واجب ہے، اگر بھول سے دیر کردی اور درود شریف پڑھنا شروع کردیا تو سجدۂ سہو واجب ہوجائے گا۔

عن الشعبي قال: من زاد في الركعتين الأوليين على التشهد فعليه سجدتا السهو. (المصنف لابن أبي شيبة ٤٧/٣ رقم: ٣٠٣٩)

ويجب القيام إلى الركعة الثالثة من غير تراخ بعد قراءة التشهد حتى لو زاد عليه بمقدار أداء ركن ساهيا يسجد للسهو لتأخير واجب القيام للثالثة.

(مراقي الفلاح ١٣٦)

(۱۷) نماز کے سب افعال کی بغیر کسی فصل کے بالترتیب ادائیگی کرنا؛ لہٰذا اگر مثلاً پہلی رکعت میں دوسرے سجدہ سے اٹھتے ہوئے سیدھے کھڑے ہونے کے بجائے کوئی شخص قعدہ میں بیٹھ گیا یا لگا تار دومرتبہ رکوع یا تین مرتبہ سجدے کر لئے تو ترتیب میں خلل پڑنے کی بنا پر سجدۂ سہو لازم ہوجائے گا۔

ومنها الانتقال من الفرض الذی هو فیه إلی الفرض الذی بعده فإن ذٰلک واجب حتی لو أحلّ به کما إذا رکع رکوعین یجب علیه سجود السهو الخ، أو قعد عن النهوض إلی الثانیة أو الرابعة ثم قام. (حلبي کبیر ۲۹۷)

(۱۸) لفظ "السلام" دومرتبہ کہہ کر نماز کی تکمیل کرنا، عام فقہاء کے نزدیک امام کے پہلی مرتبہ السلام کہتے ہی اس کی اقتداء کا حق ختم ہوجاتا ہے؛ لہٰذا اگر کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت پہنچا کہ امام پہلی مرتبہ "السلام" کہہ چکا تھا تو اب اس کی اقتداء درست نہ ہوگی، گوکہ اس نے ابھی "علیکم" نہ کہا ہو۔

ولفظ السلام مرتین فالثاني واجبٌ علی الأصح، برهان، دون علیکم وتنقضي قدوة بالأول قبل علیکم علی المشهور عندنا وعلیه الشافعیة خلافا للتکملة. (درمختار مع الشامي ۲/ ۱۶۲ زکریا)

قال في التجنیسن: الإمام إذا فرغ من صلاته فلما قال السلام جاء رجل واقتدی به قبل أن یقول علیکم لا یصیر داخلاً في صلاته. (شامي ۲/ ۱۶۲ زکریا)

(۱۹) وتر کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت پڑھنا۔

عن أبي بن کعب رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یوتر فیقنت قبل الرکوع. (سنن ابن ماجة، ما جاء في الوتر / باب ما جاء في القنوت قبل الرکوع وبعده ۱/ ۸۳ رقم: ۱۱۸۲ دار الفکر بیروت، صحیح البخاري ۲/ ۵۸۶ رقم: ۱۹۴۱)

ثم وجوب القنوت مبني علی قول الإمام. (شامي ۲/ ۱۶۳ زکریا، مراقي الفلاح ۹۳ بیروت)

(۲۰) عیدین کی نمازوں میں چھ زائد تکبیریں کہنا، تین پہلی رکعت میں اور تین دوسری رکعت میں اور ان میں سے ہر ایک تکبیر مستقل واجب ہے۔

عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه أنه قال في التكبير في العيدين تسع تكبيرات في الركعة الأولىٰ خمس تكبيرات قبل القراءة، وفي الركعة الثانية يبدأ بالقراءة ثم يكبر أربعاً مع تكبيرة الركوع. (سنن الترمذي، العيدين / باب ما جاء في التكبير في العيدين ١/ ١٢٠ تحت رقم: ٥٣٤)

ويجب تكبيرات العيدين وكل تكبيرة منها واجبةٌ. (مراقي الفلاح ٩٣ بيروت، مراقي ١٣٧ كراچي، شامى ٢/ ١٦٣ زكريا)

(۲۱) عیدین کی دوسری رکعت میں رکوع کی تکبیر کہنا دیگر نمازوں میں یہ تکبیر صرف سنت ہے۔

ويجب تكبيرة الركوع في الثانية أي الركعة الثانية من العيدين تبعاً لتكبيرات الزوائد فيها لإتصالها. (مراقي الفلاح ٩٣ بيروت، مراقي ١٣٧ كراچي)

لكن تكبير ركوع الركعة الثانية التحق فيهما بالزوائد لاتصاله بها حتى يجب سجود السهو بتركه ساهيا وإن كان سنة في غيرها. (حلبي كبير ٢٩٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سجدۂ سہو کے مسائل

ایک جانب سلام پھیر کر سجدۂ سہو کا ثبوت

سوال (۳۴۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: صرف ایک طرف سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرنا سنت سے ثابت ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصل مسئلہ یہ ہے کہ سجدۂ سہو کے متعلق دو طرح کی روایات آتی ہیں، بعض میں یہ صراحت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام سے پہلے سجدۂ سہو کیا اور بعض روایتوں میں سلام کے بعد سجدۂ سہو کا ذکر ہے، اِن دونوں روایتوں میں تطبیق دیتے ہوئے حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ ایک سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کریں اور پھر تشہد پڑھ کر دونوں طرف سلام پھیریں، نماز اور سجدۂ سہو کا درمیانی سلام چوں کہ صرف فصل کے لئے ہے، اس لئے اس کی ضرورت ایک سلام سے پوری ہو جاتی ہے، دونوں طرف پھیرنے کی ضرورت نہیں رہتی، جب کہ آخری سلام؛ سلامِ تحیت وانصراف ہے، اس میں دونوں طرف سلام پھیرا جائے گا، اس لئے صرف ایک طرف سلام پھیرنے کا مسلک اگرچہ صراحۃً حدیث سے ثابت نہیں؛ لیکن دونوں روایتوں کو ملانے سے یہی مستفاد ہوتا ہے اور محدثین کا مذہب بھی یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو متعارض روایتوں میں تطبیق کی کوشش کرنی چاہئے۔

قال ابن الهمام على أن فيما قاله الحنفية جمعاً بين روايات فعله صلى الله عليه وسلم؛ لأنهم قالوا: إنه يسلم بعد التشهد عن يمينه فيسجد سجدتي السهو

فيتشهد ويصلي ثم يسلم، وهٰكذا ورد في بعض الروايات المفصلة في فعله صلى اللّٰه عليه وسلم فهٰذا أوجه ما يجمع به اختلاف الحديث، فالروايات التي ورد فيها سجوده صلى اللّٰه عليه وسلم قبل السلام، فالمراد فيها من السلام سلام الانصراف عن الصلاة وهو التسليم الثاني في قولنا، وما ورد فيه السجود وبعد السلام فالمراد فيه سلام الفصل بين الصلاة والسجدتين وأيضاً فيه العمل بكل نوع من روايات القول والفعل. وقد قال الزرقاني بحثاً: أن مذهب المحدثين والأصوليين والفقهاء وأنه متى أمكن الجمع بين الحديثين وجب **الجمع**. (أوجز المسالك ٢٩٩/١ يحيوي سهارنپور قديم، وكذا في إعلاء السنن ١٤٥/٧، والعرف الشذي على سنن الترمذي ٩٠/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۴/۶/۲۹ھ

دوواجب کے چھوٹنے پر ایک سجدۂ سہو کافی ہے؟

سوال (۳۴۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دوواجب کے چھوٹنے پر ایک سجدۂ سہو کافی ہوجائے گا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: دوواجب چھوٹنے پر ایک ہی سجدۂ سہو کافی ہے۔

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: **سجدتا السهو تجزيان من كل زيادة ونقصان**. (السنن الكبرىٰ للإمام البيهقي ٣٠٤/٣ رقم: ٣٩٦٧)

ولو سها في صلاته مراراً يكفيه سجدتان. (الفتاوىٰ الهندية ١٣٠/١)

يجب بعد سلام واحد عن يمينه فقط سجدتان، وإن تكرر بالآن تكراره

غير مشروع، حتى لو ترك جميع واجبات الصلاة سهواً لا يلزمه إلا **سجدتان**. (درمختار الشامي ٢/٤٧٤ بيروت، كذا في التبين الحقائق ١/٤٧٠ بيروت، البحر الرائق ٢/١٧٤ رشيديه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۴/۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں سجدہ سہو کے لئے سلام کب پھیرے؟

سوال (۳۴۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جب نماز میں خواہ فرض ہو یا نفل، تو عام طور پر ہم اس طریقے کو اختیار کرتے ہیں کہ قعدہ میں التحیات پڑھ کر سلام پھیرتے ہیں، پھر سہو کے دو سجدوں کے بعد تشہد درود ودعا کے بعد سلام پھیرتے ہیں اور اسی کو عمدۃ الفقہ جلد ۲/۲۲۲ میں صحیح مختار بتایا ہے؛ لیکن تحفۃ الالمعی ۲/۲۱۹ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قعدۂ اخیرہ میں سب کچھ پڑھ لے یعنی تشہد بھی، درود بھی اور دعا بھی، پھر سلام پھیرے، پھر دو سجدے کرے، پھر صرف تشہد پڑھ کر سلام پھیرے۔

مزید یہ لکھا ہے کہ جماعت کی نماز میں عارضی مصلحت سے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ صرف تشہد پڑھ کر سلام پھیر دیا جائے، پھر سجدے کئے جائیں اور دُرود ودعا ہوں، قعدہ میں تشہد کے بعد پڑھے جائیں؛ تاکہ مسبوق جان لے کہ ایمرجنسی سلام ہے، مگر اب طریقہ یہ چل پڑا ہے کہ نماز میں صرف تشہد پڑھ کر سلام پھیر دیتے ہیں؛ بلکہ بعض کتابوں میں یہی مسئلہ لکھ دیا ہے۔ ان دونوں طریقوں میں کون سا معمول بہ ومفتی بہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صحیح صورت مسئلہ یہ ہے کہ حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قعدۂ اخیرہ میں سجدۂ سہو کے سلام سے پہلے ہی درود شریف اور دعائیں پڑھی جائیں گی، اور سجدۂ سہو کے بعد جو تشہد پڑھا جاتا ہے اس میں درود شریف اور دعائیں

نہیں پڑھی جائیں گی؛ بلکہ تشہد کے فوراً بعد سلام پھیر دیا جائے گا۔ اس کے برخلاف حضرت امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ سجدۂ سہو کے سلام سے پہلے درود شریف اور دعائیں نہیں پڑھی جائیں گی؛ بلکہ سہو کے بعد والے تشہد میں انھیں پڑھا جائے گا اور ان دونوں اقوال میں سے متاخرین بالخصوص امام کرخیؒ نے امام محمدؒ کے قول کو ترجیح دی ہے، اور آج کل اسی قول پر فتوی ہے۔ اور حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب دامت برکاتہم نے عارضی مصلحت کہہ کر اسی مصلحت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اور اس مسئلہ میں ایک تیسری رائے بھی ہے کہ دونوں قعدوں میں درود پڑھا جائے، اسی کو بعض فقہاء نے احوط قرار دیا ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۳۲۸/۱، فتاویٰ محمودیہ ۴۳۸/۷ ڈابھیل، ۵۳۱/۱۱ میرٹھ)

عبارات ملاحظہ فرمائیں:

ومن عليه السهو يصلي على النبي عليه الصلاة و السلام في القعدة الأولى في قول أبي حنيفة و أبي يوسفؒ و في قول محمد في القعدة الثانية، و الأحوط أن يصلي في قعدتين. (قاضي خان على هامش الهندية ۱۲۱/۱)

ويأتي بالصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم و الدعاء في القعود الأخيرة في المختار، و قيل فيهما احتياطا. (الدر مع الدر ۵۴۲/۲ زكريا)

ويأتي بالصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم و الدعاء في قعدة السهو و هو الصحيح. (هداية ۳۳/۱ المكتبة البشرى كراچى)

ثم اختلفو في الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم والدعوات أنها في قعدة الصلاة أم في قعدة سجدتي السهو، ذكر الكرخي في مختصره أنها في قعدة سجدتي السهو، وفي الحجة و هو الصحيح. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳۸۶/۲ رقم: ۲۷۴۹ زكريا)

و كيفيته أن يكبر بعد سلامه الأول يخر ساجدا أو يسبح في سجوده ثم يفعل ثانيا كذلک ثم يتشهد ثانيا ثم يسلم، كذا في المحيط. ويأتي بالصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم و الدعاء في قعدة السهو و هو الصحيح. (الفتاویٰ الهندية ۱۲۵/۱)

اختلفو في الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم وفي الدعوات أنها في قعدة الصلاة أم في سجدتي السهو ذكر أبو جعفر الاستروشي أن ذلك قبل سلام السهو، وذكر الكرخي في مختصره أنها في قعدتي سجدة السهو؛ لأنها هي القعدة الأخيرة، واختار فخر الإسلام ما اختاره المصنف. (البناية ٢/ ٧٧٩، وهكذا في العناية مع الفتح ١/ ٥١٨ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۳؍صفر ۱۴۳۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

”سبحانک اللّٰھم“ کی جگہ دعاء قنوت پڑھ دیا؟

سوال (۳۵۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عمر نے نماز کی نیت باندھی، ”سبحانک اللّٰھم“ کی جگہ دعاء قنوت پڑھ دیا تو سجدۂ سہو واجب ہوا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قنوت کو ثنا کی جگہ پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔

کذا تستفاد من عبارة الطحطاوي: لكن قراء ة التشهد في قيام الأولى قبل الفاتحة …… لا سهو عليه. (طحطاوي ٢٥١)

ولو قرأ التشهد قائماً أو راكعاً أو ساجداً لا سهو عليه لأن التشهد ثناء، والقيام موضع الثناء والقراء ة. (كذا في الفتاویٰ التاتارخانية ٢/ ٣٩٧ رقم: ٢٧٨٤ زكريا)

وذكر الناطفي في الأجناس عن محمد: لو تشهد في قيامه قبل قراء ة الفاتحة فلا سهو عليه وبعدها يلزم. (حلبي كبير ٤٦٠، الفتاویٰ الهندية ١/ ١٢٧، البحر الرائق ٢/ ١٧٢، تبيين الحقائق ١/ ٤٧٤ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۱؍۴؍۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فاتحہ کے بعد سورت ملانے میں تاخیر کرنا؟

سوال (۳۵۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی امام نماز پڑھا رہا ہو جو کہ اصل امام کی اجازت سے نماز پڑھا رہا ہو، تو اس نے سورۂ فاتحہ کے بعد چند منٹ ٹھہر کر کوئی سورت پڑھی، تو سورت کے پڑھنے میں دیر ہونے کی وجہ سے نماز میں کوئی خرابی آ جاتی ہے، اگر آئی ہے تو اس کا خلاصہ کریں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حالتِ نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد دوسری سورۃ ملانے میں بلا کسی شرعی عذر کے ایک رکن یعنی تین تسبیح ادا کرنے کے بقدر تاخیر کر دینے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔

أو فـرغ من الفاتحة وتفكر أي سورة يقرأ وطال تفكره يجب عليه سجود السهو. (كبيري ٤٣٧)

ويسـجـد لـلسهو لتاخير الواجب عن محله. (حاشية الطحطاوي على المراقي الفلاح ٤٦٠)

اور سجدۂ سہو نہ کرنے کی صورت میں چوں کہ وقت کے اندر نماز نہیں لوٹائی گئی؛ اس لئے اب لوٹانا واجب نہیں؛ البتہ توبہ واستغفار کے ذریعہ اس کی تلافی کی جائے۔

كل صلاة أديـت مـع كراهة التحريم تعاد أي وجوباً في الوقت وأما بعده فندبا. (شامي ٢/ ١٢٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۴/۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

محض جھک کر سجدہ کرنے سے رکوعِ ثانی کا حکم لگانا؟

سوال (۳۵۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: سجدہ میں جاتے ہوئے سر اور سینہ پہلے جھک جائے تو کتب فتاوی میں اسے دوسرا رکوع شمار کیا ہے، تو سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں نماز درست ہے یا نہیں؟ نیز اس کی بھی وضاحت فرمادیں کہ تکرارِ فرض مفسد صلوٰۃ ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شامی کی بعض عبارات سے دوسرے رکوع ہونے کا اشتباہ معلوم ہوتا ہے، اور اسی بنا پر اس مسئلہ میں عوام وخواص کے حکم میں فرق کرنے کوشش کی گئی ہے؛ لیکن یہ مسئلہ ہمارے نزدیک محل نظر ہے، اس لئے کہ محض جھک کر سجدہ کرنے میں نئے رکوع کا تحقق نہیں ہوتا، بلکہ یہ جھکنا سجدہ ہی کے لئے ہوتا ہے، اسے نیا رکوع سمجھنا بے دلیل ہے۔

اور رہ گیا تکرار فرض کا مسئلہ تو اگر واقعتاً فرض کا تکرار ہو، تو سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، اگر سجدۂ سہو نہ کیا تو نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

ومنها (أي سنن الصلاة) أن يضع ركبتيه على الأرض ثم يديه، وهذا عندنا وهذا إذا كان الرجل حافيا يمكنه ذٰلک، فإن كان ذا خف لايمكنه وضع الركبتين قبل اليدين؛ فإنه يضع يديه أولاً، ويقدم اليمنى على اليسرى، ولنا أيضاً ما ثبت عن وائل بن حجر رضي اللّٰه عنه قال: رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا سجد ويضع ركبتيه قبل يديه. (سنن الترمذي رقم: ٢٢٨، بدائع الصنائع للكاساني ٤٩١/١ زكريا)

أو كرر ركنا أو قدم الركن أو أخره، ففي هذه الفصول كلها يجب سجود السهو. (الفتاویٰ الهندية ١٢٦/١، حلبي كبير ٤٥٦، شامي ٥٤٣/٢ زكريا، حاشية الطحطاوي على المراقي الفلاح ٤٦٠، كذا في التاتارخانية ٣٨٨/٢ رقم: ٢٧٥٢ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۷/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دوسری رکعت میں سورت ملانا بھول گیا، پھر قومہ میں یاد آیا؟

سوال (۳۵۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: جب کہ دوسری رکعت میں سورت بھول کررکوع ہی کرلیا اور رکوع کے بعد قومہ میں یاد بھی آ گیا کہ سورۃ پڑھنا رہ گئی ہے؟ مگر یہ سوچ کر کہ سجدۂ سہو سے کام چل جائے گا، سورت کا ملانا واجب ہی ہے آخر میں سجدۂ سہو کرلیا، کیا نماز صحیح ہوگئی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرکوئی شخص سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد سورت ملانا بھول جائے، اور پھر اسے رکوع میں، یا رکوع سے اٹھنے کے بعد سجدہ میں جانے سے پہلے اس بھول کا احساس ہوا، تو اس کے لئے اصل حکم شرعی یہ ہے کہ پہلے سورت پڑھے، پھر دوبارہ رکوع کرے، اوراخیر میں سجدۂ سہو کرلے؛ لیکن اگراس نے واپس آ کرسورت نہیں پڑھی، اوراخیر میں سجدۂ سہو کرلیا تب بھی نماز درست ہوجائے گی؛ لیکن علم کے باوجود حکم شرعی کی رعایت نہ رکھنے کی وجہ سے اسے گناہ ہوگا۔

عن سفيان الثوري قال: إذا لم يقرأ في ركعة حتى يركع، فإنه يرفع رأسه إذا ذكر، ويقرأ ثم يسجد سجدتي السهو فإن سجد مضى. (المصنف لعبد الرزاق ١٢٧/٢ رقم: ٢٧٦٤)

ولو ترك السورة فتذكرها في الركوع، أو بعد الرفع منه قبل السجود؛ فإنه يعود ويقرأ السورة ويعيد الركوع وعليه السهو. (طحطاوي على المراقي ٢٥٠)

وفي الخلاصة: إذا ركع ولم يقرأ السورة رفع رأسه وقرأ السورة وأعاد الركوع وعليه السهو. (الفتاویٰ الهندية ١٢٦/١)

ولو قرأ الفاتحة وحدها، وترك السورة يجب عليه سجود السهو. (الفتاویٰ الهندية ١٢٦/١، كذا في الفتاویٰ التاتارخانية ٤١٥/٢ رقم: ٢٨٣١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۶/۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سری اور جہری نمازوں میں علی العکس کتنی قرأت سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے؟

سوال (۳۵۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سری اور جہری نمازوں میں علی العکس کتنی قرأت سجدۂ سہو کولازم کردیتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تین چھوٹی آیتوں یا ایک لمبی آیت جہری نماز میں سراًیا سری نماز میں جہراًپڑھ لینے سے سجدۂ سہو لازم ہوجاتا ہے۔

عن ابراهيم قال: إذا جهر فيما يخافت فيه أو خافت فيما يجهر فيه فعليه سجدتا السهو. (المصنف لابن أبي شيبة ۲۴۵/۳ رقم: ۳۶۴۹)

ومنها جهر الإمام فيما يجهر فيه والإسرار في محله مطلقاً، واختلف في القدر الموجب للسهو، والأصح أنه قدر ما تجوز به الصلاة في الفصلين. (طحطاوي ۲۵۱، كذا في البحر الرائق ۹۶/۲، شامي ۵۴۵/۲ زكريا، هداية مع الفتح ۵۰۴/۲) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۳/۱۱/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فرض کی پہلی دورکعتوں میں قرأت کرنے کے بعد بھولے سے آخری رکعتوں میں قرأت کرنا؟

سوال (۳۵۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص چار رکعت والی فرض نماز میں پہلی دورکعتوں میں قرأت کرنے کے بعد بھولے سے آخری دونوں رکعتوں یا کسی ایک میں بھی قرأت کرلے تو کیا اس کے اوپر سجدۂ سہو واجب ہوگا؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فرض کی آخری دورکعتوں میں مسنون یہی ہے کہ صرف سورۂ فاتحہ پڑھے؛ لیکن اگر سورۂ فاتحہ کی ساتھ قرأت بھی کرلے، تو اس سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۷/۴۱۲)

ولو قرأ في الأخريين الفاتحة والسورة لا يلزمه السهو وهو الأصح.

(الفتاویٰ الهندية ١٢٦/١، تبين الحقائق ٤٧٤/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سجدہ میں دونوں پاؤں کا زمین سے اٹھ جانا؟

سوال (۳۵۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سجدہ کی حالت میں دونوں پاؤں کے اٹھ جانے سے نماز میں کیا فرق آتا ہے؟ چار رکعت کی نماز میں آٹھ مرتبہ یہ عمل ہوا، عمل کثیر کی وجہ سے نماز باقی رہی یا نہیں، جتنی نمازیں اس طرح پڑھی گئی ہیں، لوٹانا ضروری ہے؟ اتنی دیر تک پاؤں اٹھے رہے کہ ایک مرتبہ سبحان اللہ پڑھا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دونوں پاؤں سجدے میں ایک تسبیح کے بقدر زمین پر رکھے رہنے کے بعد انہیں اٹھالیا گیا تو نماز میں خرابی نہیں آئی، ہاں اگر پورے سجدہ میں ایک لمحہ کے لئے بھی پاؤں یا ان کا کوئی جزو زمین پر نہ رکھے تو ترک واجب کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۳/۳۹۸) اور الگ الگ سجدہ میں یہ عمل کثیر کی تعریف میں نہیں آتا ہے۔

قال الشامي: والحاصل أن المشهور في كتب المذهب اعتماد الفرضية والأرجح من حيث الدليل والقواعد عدم الفرضية، ولذا قال في العناية والدر: أنه الحق، ثم الأوجه حمل عدم الفرضية على الوجوب، والله أعلم. (شامي ٢٠٥/٢ زكريا، ١٨١/٢ بيروت، العناية مع الفتح ٣٠٥/١، فتح القدير ٣٠٥/١)

أما وضع القدمين فقد ذكر القدوري رحمه الله تعالىٰ أنه فريضة في السجود. (هداية مع الفتح ۱/ ۳۰۵، شرح المنية حلبي کبير ۲۸۵) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۲/ ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تیسری رکعت کے لئے سیدھا کھڑا ہونے کے بعد تشہد کی طرف لوٹنا؟

سوال (۳۵۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عشاء کی نماز میں قعدۂ اولیٰ بھول کر کھڑے ہوگئے امام صاحب مقتدیوں کے لقمہ دینے پر امام صاحب تشہد میں لوٹ آئے اور تشہد پڑھ کر باقی نماز حسبِ قاعدہ پوری کی، اور آخر میں سجدہ سہو بھی کیا، سلام پھیرتے ہی ایک صاحب کہنے لگے: کہ نماز نہیں ہوئی؛ کیوں کہ آپ سیدھے کھڑے ہوگئے تھے تو پھر لوٹنا تشہد میں نہیں چاہئے تھا آپ چوں کہ تشہد میں لوٹ گئے، اب آپ کی نماز فاسد ہوگئی، صورت مسئولہ کی وضاحت فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب امام قعدۂ اولیٰ بھول کر سیدھا کھڑا ہوگیا تھا، تو اس کے لئے بہتر یہی تھا کہ واپس قعدہ کی طرف نہ لوٹتا؛ بلکہ اخیر میں صرف سجدۂ سہو کرلیتا؛ لیکن وہ اگر لوٹ گیا اور پھر جب حسبِ قاعدہ نماز پوری کر کے سجدۂ سہو کرلیا، تو بھی اس کی نماز استحسانا درست ہوگی؛ لہٰذا جن صاحب نے سلام پھیرنے کے بعد کہا کہ نماز نہیں ہوئی، ان کی بات راجح قول کے خلاف ہے۔

سها عن القعود الأول من الفرض ولو عمليا ثم تذكره عاد إليه...... مالم يستقم قائما في ظاهر المذهب وهو الصحيح. فتح. وإن استقام قائما، لا يعود لاشتغاله بفرض القيام، وسجد للسهو لترك الواجب، فلو عاد إلى القعود بعد

ذٰلک، تفسد صلاته لرفض الفرض – إلى قوله – وقيل: لا تفسد لكنه يكون مسيئا، ويسجد لتأخير الواجب وهو الأشبه، كما حققه الكمال وهو الحق . بحر

(شامي ٤٧/٢ ٥– ٤٩ ٥ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ١٢٧/١، الفتاوىٰ التاتارخانية ٣٩٩/٢ رقم: ٢٧٨٩ زكريا)

ومن سها وكان إماما أو منفردا عن القعود الأول من الفرض ولو عمليا، وهو الوتر عاد إليه، وفي الهداية: والكنز، إن كان إلى القيام أقرب لا يعود وإلا عاد، فإن عاد وهو إلى القيام أقرب، سجد للسهو لترك الواجب، وإن عاد بعد ما استتم قائما، اختلف التصحيح في فساد صلاته، أرجحها عدم الفساد، قال صاحب البحر: والحق عدم الفساد. (حاشية الطحطاوي على المراقي ٤٦٦-٤٦٧، دارالكتاب ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۶/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تعدادِ رکعات میں شک ہوجانے پر سجدۂ سہو کرنا؟

سوال (۳۵۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شخص کو نماز کی رکعات میں شک ہوجائے تو سجدۂ سہو سے نماز ہوجائے گی یا ازسرنو نماز کا اعادہ کرنا ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ شخص کو نماز میں شک پیدا ہونے کی عادت نہیں ہے، پھر اتفاقی طور سے شک پیدا ہوگیا کہ تین رکعت پڑھی یا چار رکعت، تو اس صورت میں نماز دوبارہ پڑھنی ہوگی، اور اگر شک پیدا ہونے کی عادت ہے، یعنی اکثر وبیشتر اسے نماز میں شک ہوتا رہتا ہے تو نماز فاسد نہیں ہوگی؛ بلکہ جتنی رکعت پر ظنِ غالب ہو اسی کا اعتبار کرتے ہوئے نماز پوری کرے گا۔

من شک في صلاته فلم يدر أثلاثاً صلّٰى أم أربعاً؟ وذٰلک أول ما عرض له استانف. وإن کان يعرض له کثيراً بنى على أکبر رأيه، لقوله عليه السلام: من شک في صلاته فليتحر الصواب. وإن لم يکن له رأي بنى على اليقين لقوله عليه السلام: من شک في صلاته فلم يدر أثلاثاً صلّٰى أم أربعاً بنى على الأقل.

(هداية ١/ ١٦٠، کذا في الفتاوىٰ التاتارخانية ٢/ ٤٢٩ رقم: ٢٨٧٨ زکريا، **والحديث**: أخرجه الإمام الترمذي في سننه ١/ ٩٠ رقم: ٣٩٨، وأبوداؤد ١/ ١٤٦ رقم: ١٠٢٠ دار الفکر بيروت)

وفي الهندية: معنى قوله أول ما عرض له، قال بعضهم: إن السهو ليس بعادة له لا أنه لم يسهه في عمره. (الفتاوىٰ الهندية ١/ ١٣٠، کذا في الدر المختار مع الشامي ٢/ ٥٦٠- ٥٦٢ زکريا، ٢/ ٤٨٩- ٤٩١ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۶/۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دورانِ نماز کسی رکن کی کمی زیادتی میں شک ہوجائے تو کیا کرے؟

سوال (۳۵۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز میں کبھی کبھی فاسد خیالات آتے ہیں، اور گمان ہوتا ہے کہ نماز میں سجدہ میں ایک رہ تو نہیں گیا، یا الحمد کے بعد سورۃ پڑھی یا نہیں؟ تو سجدۂ سہو کر لیتی ہوں، کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں ظنِ غالب پر عمل کیا جائے گا، یعنی اگر غالب گمان ہو کہ دونوں سجدے کئے ہیں، تو سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر کسی جانب غلبہ نہ ہو تو سجدۂ سہو لازم ہوگا۔

(قوله لکن في السراج) استدراک عن ما في الفتح من لزوم السجود في الصورتين، وقوله: مطلقاً أي سواء تفکر قدر رکن أولا، وهٰذا التفصيل هو الظاهر؛ لأنه غلبة الظن بمنزلة التيقن فإذا تحرىٰ غلب على ظنه شيءٌ لزمه الأخذ

بـه ولا يـظهـر وجـه لإيجاب السجود عليه. (شـامـي ٢/٦٣ ٥ زكـريـا، كذا في التاتارخانية ٢/٤٣٢ رقم: ٢٨٨٥ زكريا، فتح القدير ١/٨١ ٥ باب سجود السهو مصري) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۵/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تعدادِ رکعات میں شک ہوجائے تو غالب گمان پر عمل کر کے سجدۂ سہو کرے

سوال (۳۶۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فرض نماز کی تیسری یا چوتھی رکعت میں ہم بھول جائیں کہ ہم نے کونسی رکعت پڑھی ہے تیسری یا چوتھی، اس کے لئے سجدۂ سہو کرلیتے ہیں، تو کیا پھر بھی فرض کو دہرانا ضروری ہوگا؛ کیوں کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ فرض کو دہرانا ضروری ہے سنت کو نہیں، صحیح کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر بار بار بھولنے کی شکل پیش آتی ہے تو غالب ظن اور یقین پر عمل کرتے ہوئے کم سے کم رکعت پر بنا کرنی چاہئے اور اخیر میں سجدۂ سہو کرلینا چاہئے، اور جب سجدۂ سہو کرلیا اب نماز کو دہرانے کی ضرورت نہیں، چاہے نماز فرض ہو یا سنت، اس معاملہ میں سنت اور فرض میں کوئی فرق نہیں ہے؛ البتہ اگر کسی شخص کو پہلی مرتبہ یا کبھی کبھار ایسا شک ہوتا ہے تو اسے چاہئے کہ نیت توڑ کر از سرِ نو نماز پڑھے؛ تاکہ کوئی شک شبہ نہ رہے۔

وإن كثر الشك تحرى وعمل بغالب ظنه، ...... فإن لم يغلب له ظن أخذ بالأقل، لقوله عليه السلام: إذا سها أحدكم في صلاته فلم يدر واحدة صلى أو ثنتين فليبن على واحدة، فإن لم يدر ثنتين صلى أو ثلاثا فليبن على ثنتين فإن لم يدر ثلاثا صلى أو أربعا فليبن على ثلاث، و يسجد سجدتين قبل أن يسلم،...... وقعد و تشهد بعد كل ركعة ظنها آخر صلاته. (حاشية الطحطاوي على المراقي ٤٧٧)

والحديث أخرجه الإمام أبو عيسىٰ الترمذي في سننه. (سنن الترمذي، الصلاة / باب فيمن يشك في الزيادة والنقصان ۱/ ۹۰ رقم: ۳۹٦)

وذكر في الفتاوىٰ الخانية: فقال رجل صلى ولم يدر ثلاثا صلى أم أربعا، قال: إن كان ذٰلك أول ما سهى استقبل. (حلبي كبير ٤٧٠، الفتاوىٰ التاتارخانية ٢/ ٤٢٩ رقم: ٢٨٧٨ زكريا، هداية ٢/ ١٦٠، الفتاوىٰ الهندية ١/ ١٣٠، الدر المختار مع الشامي ٢/ ٥٦٠-٥٦٢ زكريا، ٢/ ٤٨٩-٤٩١ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۴/۳۴ ۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دو رکعت پر بھول سے کھڑا ہوگیا پھر یاد آنے پر بیٹھ گیا؟

سوال (۳۶۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مالابد منہ ۵۴/ پر ایک مسئلہ ہے کہ اگر مصلی بعد دو رکعت بھول کر کھڑا ہوگیا یا یاد آنے پر بیٹھ گیا، تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی؛ لیکن دوسری کتابوں میں لکھا ہے کہ بعض کے نزدیک فاسد ہوجائے گی اور بعض کے نزدیک فاسد نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ نماز ہوجاتی ہے، درست کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس مسئلہ میں دونوں طرح کی روایتیں ہیں، اور دونوں کی تصحیح کی گئی ہے؛ لیکن محققین فقہاء نے عدمِ فساد کی روایت کو ترجیح دی ہے، اور مالا بد منہ کا مسئلہ دوسری روایت پر مبنی ہے۔

فلو أعاد إلى القعود تفسد صلاته لرفض الفرض لما ليس بفرض، وصححه الزيلعي، وقيل: لا تفسد لكنه يكون مسيئاً ويسجد لتاخير الواجب وهو الأشبه كما حققه الكمال وهو الحق. (شامي ٢/ ٥٤٩ زكريا)

وإن عاد الساهي عن القعود الأول إليه بعد ما استتم قائماً، اختلف التصحيح في فساد صلاته، وارجعهما عدم الفساد؛ لأن غاية ما في الرجوع إلى

القعدة زيادة قيام في الصلاة...... وقد بالغ في المنتقى في رد القول بالفساد وجعله غلطاً؛ لأنه تاخير لا رفض. (حاشية الطحطاوي مع المراقي الفلاح ٤٦٧، البحر الرائق ١٧٨/٢، شامي ٨٤/٢ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۴/۲/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سہواً دو یا تین رکعت پر سلام پھیر دینا؟

سوال (۳۶۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں عشاء کی نماز چار رکعت فرض پڑھ رہا تھا، غلطی سے دو رکعت پر سلام پھیر دیا، پھر دوبارہ چار رکعت کی نیت سے نماز شروع کی اور تین رکعت پڑھنے کے بعد سلام پھیر دیا، پھر چار رکعت کی نیت سے تیسری بار نماز شروع کی اور مکمل نماز ادا کی، اگر ایسا اتفاق ہو جائے کہ چار رکعت والی نماز میں دو یا تین رکعت کے بعد سلام پھیر دے تو اسے باقی نماز کس طرح ادا کرنی چاہئے؟ کیا وہ دوبارہ چار رکعت کی نیت سے چار رکعت نماز پڑھے یا دو رکعت ادا کرے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کوئی شخص چار رکعات والی نماز میں دو رکعت پر سلام پھیر دے، یا قعدۂ اولیٰ کرنے کے بعد تیسری رکعت پر بھول سے سلام پھیر دے، تو ان دونوں صورتوں میں اس سلام سے وہ شخص نماز سے خارج نہیں ہوا؛ لہٰذا اسے چاہئے کہ چار رکعت پوری کر کے اخیر میں سجدۂ سہو کر لے۔

عن أبي سفيان مولى ابن أبي أحمد أنه قال: سمعت أبا هريرة رضي الله عنه يقول: صلى لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة العصر، فسلم في ركتين فقام ذو اليدين، فقال: أقصرت الصلاة؟ يا رسول الله أم نسيت؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل ذٰلک لم يكن، فقال: قد كان بعض ذٰلک يا رسول الله، فأقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم على الناس فقال: أصدق

ذو اليدين، فقالوا: نعم! يا رسول اللّٰه! فأتم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ما بقي من الصلاة، ثم سجد سجدتين وهو جالس بعد التسليم. (صحيح مسلم ۱/ ۲۱۳ رقم: ۵۷۳، صحيح البخاري ۱/ ۱۶۳ رقم: ۱۲۲۷)

سلم مصلى الظهر مثلا على رأس الركعتين توهما إتمامها، أتمها أربعا وسجد للسهو؛ لأن السلام ساهيا لا يبطل؛ لأنه دعاء من وجه. (شامي ۲/ ۵۵۹ زكريا، كذا في الفتاوىٰ التاتارخانية ۲/ ۴۱۳ رقم: ۲۸۲۷ زكريا)

حاصل المسئلة: أنه إذا سلم ساهياً على الركعتين مثلاً، وهو في مكانه، ولم يصرف وجهه عن القبلة ولم يأت بمناف عاد إلى الصلاة من غير تحريمة وبنى على ما مضى وأتم ما عليه. (حاشية الطحطاوي على المراقي الفلاح ۴۷۳)

وكذا القعدة في آخر الركعة الأولى أو الثالثة فيجب تركها ويلزم من فعلها أيضا تأخير القيام إلى الثانية أو الرابعة عن محله، وهذا إذا كانت القعدة طويلة. (شامي ۲/ ۱۶۴ زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/ ۶/ ۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

امام نے تین رکعت پر سلام پھیر دیا، پھر کھڑے ہوکر ایک رکعت پوری کی؟

سوال (۳۶۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام نے ۴؍ رکعت والی نماز میں تین رکعت پر سلام پھیر دیا اور بعد میں مقتدیوں کے کہنے سے کہ تین رکعتیں ہوئی ہیں، امام نے خاموشی سے کھڑے ہوکر ایک رکعت اور پوری کرادی اور سجدۂ سہو کرلیا، یہ نماز ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوگئی تو سب کی ہوگئی یا کس کی ہوئی اور کس کی نہیں ہوئی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر امام نے درمیان میں کوئی مانع صلوٰۃ عمل (مثلاً

گفتگو اور قبلہ سے بے رخی) نہیں کی اور اسے خود یاد آ گیا یا کسی ایسے مقتدی کے کہنے سے وہ کھڑا ہوگیا جس نے درمیان نماز ہی میں اللہ اکبر کہہ کر لقمہ دیا ہو، یعنی اس مقتدی کی نماز تکلم سے فاسد نہ ہوئی ہو، تو سجدۂ سہو کے بعد ایسے امام اور غیر متکلم مقتدیوں کی نماز درست ہوجائے گی اور جن مقتدیوں نے اردو میں تکلم کرلیا ہے، ان کی نماز بہرحال فاسد ہوگئی، حتی کہ اگر امام نے بھی محض ان کی گفتگو پر اعتماد کرتے ہوئے اگلی رکعت ملائی ہو، تو امام سمیت سارے مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہوگی۔

ویسجد للسهو ولو مع سلامه ناويًا للقطع؛ لأن فيه تغيير المشروع لغو ما لم يتحول عن القبلة أو يتكلم. (درمختار مع الشامي ٩١/٢ كراچی، ٥٥٨/٢ زكريا)

يفسدها التكلم. (التنوير مع الشامي ٦١٣/١ كراچی)

أو أخذ الإمام بفتح من ليس في صلوته. (شامي ٦٢٢/١ كراچی، شامي ٣٨١/٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۷/۷/۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غفلت کی وجہ سے امام سے قبل سلام پھیر کر بعد میں امام کے ساتھ شریک ہوکر دوبارہ سلام پھیرنا؟

سوال (۳٦۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے امام کے ساتھ قعدۂ اخیرہ تک تمام ارکان ادا کئے؛ لیکن قعدۂ اخیرہ میں کچھ دیر تک شرکت کے بعد غفلت کے عالم میں بیٹھے بیٹھے تکبیرِ تحریمہ پر رکوع یا سجدہ کرلیا، امام کے سلام پھیرنے سے قبل وہ متنبہ ہوگیا اور امام کی اتباع میں سلام پھیرا۔ تو دریافت یہ کرنا ہے کہ صورتِ مسئولہ میں نماز ہوگی یا نہیں؟ اسی طرح ایک شخص نے بھول کر امام سے قبل دونوں طرف سلام پھیر دیا، اس کے بعد یاد آنے پر امام کے ساتھ شریک ہوگیا اور امام کے ساتھ ہی سلام پھیرا، تو اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ دونوں صورتوں میں مقتدی کے اس عمل سے گوکہ نماز میں فساد نہیں آیا؛ اس لئے کہ موجبِ سجدۂ سہو جب مقتدی سے صادر ہو جائے تو مقتدی کی نماز ہو جاتی ہے؛ تاہم بلا عذر ایسا نہیں کرنا چاہئے؛ اس لئے کہ ایسا عمل خشوع وخضوع کے خلاف ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۳۱۰/۱۶، امداد الفتاویٰ ۱/۲-۴، فتاویٰ رحیمیہ ۳۴۳/۴)

لو أتم المؤتم التشهد، بأن أسرع فيه وفرغ منه قبل إتمامه فأتى بما يخرجه من الصلاة كسلام أو كلام أو قيام جاز أي صحت صلاته لحصوله بعد تمام الأركان. (شامي ٢٤٠/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۲/۶/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قعدۂ اولیٰ میں بھول سے ''السلام'' کہہ دیا؟

سوال (۳۶۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: لفظ ''السلام'' دو مرتبہ کہہ کر نماز کی تکمیل کرنا واجب ہے، اور عام فقہاء کے نزدیک ایک ''السلام'' کہتے ہی نماز پوری ہو جائے گی؛ کیوں کہ ان کے نزدیک دوسرا ''السلام'' سنت ہے۔ (نور الایضاح ۷۰، حاشیہ ۳)

تو اب عام فقہاء کی طرف نظر کرتے ہوئے امام صاحب نے اگر چار یا تین رکعت والی نماز میں دو رکعت پر بھولے سے سلام کہہ دیا، تو نماز نہ ہونی چاہئے؛ کیوں کہ اس وقت کوئی مقتدی آ کر دیکھے کہ امام نے ایک طرف ''السلام'' کہہ دیا، تو اس کی اقتداء درست نہیں ہے؛ کیوں کہ نماز کی تکمیل ہو چکی ہے، بعض علماء نے کہتے ہیں کہ سجدۂ سہو سے نماز ہو جائے گی، کیا یہ صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو اقتداء صحیح ہونی چاہئے نہ کہ اعادہ کرنا، جو افضل ہو، وضاحت فرما دیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قعدۂ اخیرہ میں تکمیلِ صلاۃ کی نیت سے ''السلام'' کا

لفظ کہتے ہی نماز پوری ہو جاتی ہے؛ لیکن قعدۂ اولی میں سہواً ''السلام'' کہہ دینے سے نماز کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا؛ البتہ تکرار واجب کی وجہ سے اخیر میں سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، اور اس سہواً سلام کے بعد بھی اس امام کی اقتداء شرعاً درست ہے؛ کیوں کہ ابھی نماز مکمل نہیں ہوئی۔ (فتاویٰ محمودیہ ۷/۴۵۲ ڈابھیل، کتاب المسائل ۱/۳۱۰)

سلم مصلى الظهر مثلاً على رأس الركعتين توهما إتمامها أتمها أربعاً، وسجد للسهو؛ لأن السلام ساهيا لا يبطل؛ لأنه دعا من وجه. (درمختار مع الشامي ۲/۵۵۹ زكريا)

وإن توهم مصلى الظهر أنه أتمها فسلم ثم علم أنه صلى ركعتين أتمها وسجد للسهو ...... لأن سلامه لم يخرجه عن الصلاة. (البحر الرائق ۲/۱۱۱ كراچی)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۴/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دعا قنوت سے قبل ''سبحانک اللّٰھم'' پڑھنا؟

سوال (۳٦٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: وتر میں دعاء قنوت کی جگہ **سبحانک اللّٰھم الخ** پڑھ گئے، پھر جب یاد آیا تو دعاء قنوت پڑھی، تو سجدۂ سہو واجب ہوا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دعائے قنوت سے قبل ثنا پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم نہ ہوگا۔

ومن لم يحسن دعاء القنوت المتقدم، قال الفقيه أبو الليث يقول: اللّٰهم اغفر لي. (مراقي الفلاح) وفي الطحطاوي: قوله: ومن لم يحسن التقييد به ليس بشرط؛ بل يجوز لمن يعرف الدعاء المعروف أن يقتصر على واحد ذكر أفاده صاحب البحر. (طحطاوي على المراقي ۲۱۰)

وليس الدعاء المشهور وذكر في البحر عن الكرخي أن القنوت ليس فيه دعاء مؤقت؛ لأنه روي عن الصحابة أدعية مختلفة، ولأن المؤقت من الدعاء يذهب برقة القلب. (شامي ٦/٢ كراچی، تبيين الحقائق ٤٢٥/١ بيروت، حاشية الطحطاوي ٣/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۴/۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

وتر میں دعائے قنوت چھوٹ گئی؟

سوال (۳۶۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: وتر میں اگر امام دو رکعت پوری پڑھے، تیسری رکعت میں الحمد للہ شریف اور کوئی سورت لگا کر رکوع سجدہ کرے، لقمہ پڑنے پر بھی وہ رکوع سجدہ کر کے سجدۂ سہو کیا تو نماز ہوگئی یا نہیں؟ یا پھر دوبارہ پڑھائی جائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں وتر صحیح ہوگئے، دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، دعائے قنوت پڑھنا واجب ہے، اس کو چھوڑنے کی تلافی سجدۂ سہو سے ہوجاتی ہے۔

ومنها القنوت فإذا تركه يجب عليه السهو. (الفتاویٰ الهندية ١٢٨/١)

أما السهو في القنوت إن ترك القنوت ساهياً ثم تذكر بعد ما سجد لا يعود إلى القيام في هٰذه الصورة ولا يقنت؛ بل يمضي في صلاته ويسجد للسهو في آخره وكذلك إذا تذكر بعد ما قام من الركوع مضى ولا يقنت، وفي الخلاصة: وكان عليه السهو. (الفتاویٰ التاتارخانية ٣٩٨/٢ رقم: ٢٧٨٦ زكريا)

عن الحسن قال: من نسي القنوت في الوتر سجد سجدتي السهو. (السنن الكبرىٰ للإمام البيهقي ٣٠/٣ رقم: ٣٩٨٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۵/۹/۱۴۱۷ھ

فرض نماز میں قعدۂ اولیٰ میں ''اللّٰھم صل علی محمد'' تک پڑھ دیا؟

سوال (۳٦۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے چار رکعت فرض کی نماز شروع کی، پھر دو رکعت پر بیٹھ کر تشہد کے بعد درود شریف محمد تک پڑھ دیا، تو سجدۂ سہو واجب ہوا یا نہیں؟ **اللّٰھم صل علی محمد** کہاں تک پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فرض نماز میں اگر قعدۂ اولیٰ میں "**وعلی آل محمد**" تک درود شریف پڑھ دیا ہے تو سجدۂ سہو واجب ہو جائے گا، اس سے پہلے تک پڑھنے سے واجب نہ ہوگا، اور نفل نماز کے قعدۂ اولیٰ میں درود شریف پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔

عن الشعبي قال: من زاد في الركعتين الأوليين على التشهد فعليه سجدتا السهو. (المصنف لابن أبي شيبة ۴۷/۳ رقم: ۳۰۳۹)

وقدمنا عن القاضي الإمام أنه لايجب ما لم يقل وعلى آل محمد، وفي شرح المنية الصغير: أنه قول الأكثر وهو الأصح. (شامي ۸۱/۲ كراچی، شامی ۵۴۵/۲ زكريا، كذا في التاتارخانية ۴۰۰/۲ رقم: ۲۷۹۳ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۴/۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قعدۂ اخیرہ چھوڑ کر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہونا؟

سوال (۳٦۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: چار رکعت والی فرض نماز میں قعدۂ اخیرہ چھوڑ کر پانچویں رکعت کے لئے کھڑے ہو گئے، پھر

پانچویں رکعت کو چوتھی رکعت سمجھ کر قعدہ کرلیا، اسی دوران یاد آیا کہ یہ میری پانچویں رکعت ہے، اب کیا کرنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں چوں کہ چوتھی رکعت کے ساتھ پانچویں رکعت بھی ملالی ہے، اس لئے اب حکم یہ ہے کہ چھٹی رکعت بھی ملالے اور سجدۂ سہو کرکے سلام پھیردے، یہ پوری نماز نفل ہوجائے گی، فرض دوبارہ پڑھنی ہوگی۔

عن حماد قال: إذا صلی الرجل خمساً ولم یجلس في الرابعة فإنه یزید السادسة ثم یسلم ثم یستأنف صلاته. (مصنف عبد الرزاق / باب الرجل یصلي الظهر أو العصر خسماً ۲/۳۰۳ رقم: ۳٤٦۱)

وإن سهی عن القعدة الأخیرة حتی قام إلی الخامسة – إلی قوله – وإن قید الخامسة بسجدة بطل فرضه – إلی قوله – وتحولت صلاته نفلاً ...... فیضم إلیها رکعة سادسة. (هدایة باب سجود السهو ۱/۱۵۹، درمختار مع الشامي ۲/۵۵۱ زکریا، ۲/۸۵-۸۷ کراچی، البحر الرائق ۲/۱۸۲-۱۸۲، تبیین الحقائق ۱/٤۸۰-٤۸۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۳/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

امام کا قعدۂ اول چھوڑ کر تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوکر بیٹھنا اور مقتدیوں کا کھڑے رہنا؟

سوال (۳۷۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام صاحب عشاء کی نماز میں قعدۂ اولیٰ چھوڑ کر تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوگئے، اور مقتدی بھی کھڑے ہوگئے، پھر امام صاحب خود ہی پیچھے سے لقمہ دینے پر قعدۂ اولیٰ کی طرف لوٹ گئے؛ لیکن مقتدی کھڑے ہی رہے وہ نہیں لوٹے، امام صاحب قعدۂ اولیٰ سے کھڑے ہوئے بقیہ

نماز مکمل کر کے آخر میں سجدۂ سہو کر لیا، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا امام صاحب کا لوٹنا صحیح تھا؟ اور جو مقتدی امام صاحب کے ساتھ کھڑے ہو کر پھر قعدۂ اولیٰ کی طرف نہیں لوٹے بقیہ نماز امام صاحب کے ساتھ مکمل کی، کیا ان مقتدیوں کی نماز صحیح ہوگئی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئولہ صورت میں امام صاحب کو قعدۂ اولیٰ کی طرف لوٹنا نہیں چاہئے تھا؛ بلکہ صرف اخیر میں سجدۂ سہو کر لینا کافی تھا؛ لیکن صحیح قول کے مطابق لوٹنے کے باوجود نماز فاسد نہیں ہوتی اور اخیر میں سجدۂ سہو کر لینے سے غلطی کی تلافی ہوگئی، اور جو مقتدی امام صاحب کے ساتھ قعدۂ اولیٰ کی طرف نہیں لوٹے انہوں نے اچھا کیا ان کی نماز درست ہوگئی اور مقتدیوں کو ایسی غلطی میں امام کی اتباع نہیں کرنی چاہئے۔

فلو عاد إلى القعود بعد ذٰلک تفسد صلاته...... وقيل: لاتفسد لكنه يكون مسيئا، ويسجد لتاخير الواجب، وهو الأشبه كما حققه الكمال، وهو الحق.

(الدرالمختار ۲/ ۵٤۹ زکریا، الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۲۷، الفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ۳۹۹ رقم: ۲۷۸۹ زکریا)

ولو عاد الإمام يعني إلى القعدة الأولى بعد ما قام لايعود معه القوم تحقيقاً للمخالفة. (منحة الخالق على البحر الرائق ۲/ ۱۰۱، حلبی کبیر ٤۵۹) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۲/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تین رکعت پر سلام پھیر کر بات کرنے سے پہلے یاد آیا کہ ایک رکعت باقی ہے؟

سوال (۳۷۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تین رکعت پڑھ کر دونوں طرف سلام پھیر دیا، مگر ابھی بات یا سینہ قبلہ سے نہیں پھرا تھا کہ اس کو یاد آ گیا کہ ایک رکعت باقی ہے، تو ایسی صورت میں اسی نیت پر بنا کرلے یا دوبارہ نماز پڑھنا واجب ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئولہ صورت میں اگر سلام پھیرنے کے بعد اگر کوئی منافی صلوٰۃ عمل نہیں کیا ہے، تو اس پر چوتھی رکعت کی بنا کرے گا اور اخیر میں سجدۂ سہو کرے گا۔

فيسجد للسهو لبقاء حرمة الصلاة ما لم يتحول عن القبلة أو يتكلم لإبطالها التحريمة، وقيل: التحول لا يضره مالم يخرج من المسجد أو يتكلم. (مراقي الفلاح ۲۵۷)

حاصل المسئلة: أنه إذا سلم ساهياً على رأس الركعتين مثلاً وهو في مكانه ولم يصرف وجهه عن القبلة ولم يأت بمناف عاد إلى الصلاة من غير تحريمة وبنى على مضى وأتم ما عليه، وأما إذا انصرف وجهه عن القبلة فإن كان في المسجد ولم يأت بمناف فكذٰلک؛ لأن المسجد كله في حكم مكان واحد. (حاشية الطحطاوي على المراقي الفلاح ۲۵۷، البحر الرائق ۱۹٦/۲ رشيدية، طحطاوي على الدر المختار ۳۱٥/۱، غنية المستملي ٤٦۲ لاهور)

اور اگر رکعت کے رہ جانے کے بعد نماز میں شک ہو رہا ہے تو اس شک کا کوئی اعتبار نہیں ہے، نماز مکمل ہوگئی۔

عن الحسن قال: إذا شكه بعد الانصراف فلا بأس به. (المصنف لعبد الرزاق ۳۱۸/۲ رقم: ۳٥۱۹، الفتاویٰ التاتارخانية ٤۳۱/۲ رقم: ۲۸۸٤ زكريا)

وإذا شك بعد السلام أو قبل السلام لكن بعد ما فرغ من التشهد يحكم بالجواز ولا يعتبر هٰذا الشك. (الفتاویٰ الهندية ۱۳۰/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۸/۴/۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مغرب کی نماز میں قعدہ نہ کرکے بھولے سے تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونا؟

سوال (۳۷۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: مغرب کی نماز میں قعدۂ اولی میں بیٹھنے کے بجائے امام صاحب سیدھے کھڑے ہوگئے مقتدیوں کے لقمہ پر دوبارہ بیٹھے، پھر اخیر میں سجدۂ سہو کیا گیا، نماز ہوگی یا نہیں؟ کچھ لوگوں نے کہا کہ نماز ہوگئی، اور کچھ لوگوں نے کہا کہ نماز نہیں ہوئی، اس کے بعد دوبارہ امام صاحب نے نماز پڑھائی، تو کیا اس صورت میں پہلی والی نماز ہوگئی تھی یا اخیر والی نماز ہوئی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مسئولہ صورت میں امام جب کہ کھڑا ہوگیا تھا، تو اسے قعدۂ اولی کی طرف لوٹ کر نہیں آنا چاہئے تھا؛ لیکن اگر لوٹ آیا اور سجدۂ سہو بھی کرلیا، تو یہ پہلی نماز درست ہوگئی، بعد میں نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں تھی۔

وعن عبد اللّٰه بن بحينة رضي اللّٰه عنه قال: صلى لنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ركعتين ثم قام فلم يجلس، فقام الناس معه، فلما قضى صلاته ونظرنا تسليمه، كبر وسجد سجدتين، وهو جالس قبل التسليم ثم سلّم. (سنن النسائي ۱۳۷/۱ رقم: ۱۲۱۸)

سها عن القعود الأول من الفرض، ثم تذكره عاد إليه مالم يستقم قائما في ظاهر المذهب وهو الأصح. (فتح) وإلا أى وإن استقام قائماً لايعود لاشتغاله بفرض القيام، وسجد للسهو لترك الواجب، فلو عاد إلى القعود بعد ذٰلک تفسد صلاته، وقيل: لاتفسد لكنه يكون مسيئاً، ويسجد لتاخير الواجب وهو الأشبه، كما حققه الكمال وهو الحق. (شامي ۵۴۷/۲-۵۴۹ زکريا، فتاویٰ الفتاوىٰ الهندية ۱۲۷/۱)

وإن عاد الساهي عن القعود الأول إليه بعد ما استتم قائماً، اختلف التصحيح في فساد صلاته، وارجعهما عدم الفساد؛ لأن غاية ما في الرجوع إلى القعدة زيادة قيام في الصلاة...... وقد بالغ في المنتقى في رد القول بالفساد وجعله غلطاً؛ لأنه تاخير لا رفض. (حاشية الطحطاوي مع المراقي الفلاح ۴۶۷، البحر الرائق ۱۷۸/۲، شامي ۸۴/۲ کراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۱/۶/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دورانِ نماز گفتگو کرنے والی حدیث منسوخ ہے

سوال (۳۷۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک حدیث ہے کہ جس کا مفہوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رکعت نماز پڑھائی، پھر سلام پھیر دیا، پھر سلام پھیرنے کے بعد صحابہ نے اس کی اطلاع دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف سجدہ سہو کیا اور نماز نہیں دہرائی، یا اسی طرح دوسری حدیث کا مفہوم ہے کہ آپ نے پانچ رکعت نماز پڑھائی اور گھر تشریف لے آئے، پھر صحابہ نے اطلاع دی تو آپ نے آکر سجدہ سہو کیا اور نماز نہیں دہرائی، تو ایسا کرنا اب بھی صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں صحیح ہے تو اس حدیث کا جواب اگر منسوخ ہے تو ناسخ حدیث مع ترجمہ تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ابتداء اسلام میں نماز کے دوران گفتگو کرنے کی اجازت تھی، جو حدیثیں آپ نے نقل فرمائی ہیں، وہ اسی زمانہ کی ہے، بعد میں جب دوران نماز گفتگو کرنے کا حکم منسوخ ہوگیا تو اب مذکورہ حدیثوں کے مطابق عمل کرنا جائز نہیں رہا، اور اس مسئلہ میں ناسخ حدیث درج ذیل ہے:

عن زید بن أرقم قال: کنا نتکلم في الصلاۃ یکلم الرجل صاحبه، وهو إلی جنبه في الصلاۃ حتی نزلت: ﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِیْنَ﴾ فأمرنا بالسکوت ونهینا عن الکلام. (صحیح مسلم ۱/۲۰٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۲۷/۸/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قعدۂ اولیٰ کئے بغیر کھڑا ہوگیا؟

سوال (۳۷۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قعدۂ اولیٰ کے ترک کے بعد لوٹ کر آنا کیسا ہے؟ آیا سجدہ سہو سے نماز ہوجائے گی یا اعادۂ

صلاۃ ضروری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصل مسئلہ یہی ہے کہ اگر چار یا تین رکعت والی فرض نماز میں قعدۂ اولیٰ بھول کر کھڑا ہو جائے تو قعدہ کی طرف نہ لوٹے؛ بلکہ آخر میں سجدہ سہو کرلے؛ لیکن اگر لاعلمی کی وجہ سے لوٹ آیا اور آخر میں سجدۂ سہو کرلیا تو بھی نماز درست ہو جائے گی، فتویٰ اسی پر ہے۔

سها عن القعود الأول من الفرض، ثم تذكره عاد إليه مالم يستقم قائما في ظاهر المذهب وهو الأصح. (فتح) **وإلا أي وإن استقام قائماً لايعود لاشتغاله بفرض القيام، وسجد للسهو لترك الواجب، فلو عاد إلى القعود بعد ذٰلك تفسد صلاته، وقيل: لاتفسد لكنه يكون مسيئاً، ويسجد لتاخير الواجب وهو الأشبه، كما حققه الكمال وهو الحق.** (شامي ۲/۵۴۷-۵۴۹ زكريا، فتاویٰ الهندية ۱/۱۲۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۱۱/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں فساد واقع ہو جانے پر نماز توڑنا؟

سوال (۳۷۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی وجہ سے نماز میں فساد واقع ہو گیا، تو کیا نماز کو آخر تک مکمل کرے پھر نماز کو لوٹائے یا بیچ ہی میں نماز کو توڑ دے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز میں کس طرح کا فساد مراد ہے؟ اگر ایسا فساد ہے جس سے نماز باطل ہو جاتی ہے، مثلاً وضو ٹوٹ جائے اور بناء کی نیت نہ ہو تو ایسی صورت میں نماز خود بخود ٹوٹ ہی جائے گی، اور بعد میں دوبارہ پڑھنی ہوگی، اور اگر ترک واجب وغیرہ کی وجہ سے فساد

واقع ہوا ہو تو اس کی تلافی سجدۂ سہو سے ہوسکتی ہے؛ لہٰذا بیچ میں نماز توڑنے کی اجازت نہ ہوگی؛ بلکہ اخیر میں سجدۂ سہو کرنا ہوگا۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ﴾ [محمد: ۳۳]

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: سجدتا السهو تجزيان من كل زيادة ونقصان. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ۳/ ۳۰۴ رقم: ۳۹۶۷)

لها واجبات لا تفسد بتركها وتعاد وجوباً في العمد والسهو إن لم يسجد له. (درمختار مع الشامي ۲/ ۱۴۶ زكريا، الفتاوىٰ التاتارخانية ۲/ ۳۸۷ رقم: ۲۷۵۱ زكريا)

كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها. (شامي ۲/ ۱۴۷ زكريا)

لأنه لا صلاح ما فات أي ما ترك من الواجبات في محله. (شامي ۲/ ۵۳۹ زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۳/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دورانِ نماز امام کو حدیث لاحق ہوگیا، جب کہ اس پر سجدۂ سہو واجب تھا؟

سوال (۳۷۶): - کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک امام نماز پڑھا رہا تھا، اس پر کس وجہ سے سجدہ واجب ہوگیا؛ لیکن دورانِ نماز اسے حدث لاحق ہوا اور اس نے اپنا نائب بنادیا، تو اب سوال یہ ہے کہ یہ نائب اپنی نماز کے ختم پر سجدۂ سہو کرے گا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب باللّٰہ التوفیق: مسؤلہ صورت میں امام کی نیابت کرنے والے شخص پر سجدۂ سہو واجب ہے؛ کیوں کہ وہ پوری نماز میں اصل امام کا نائب ہے، اور اس کی نماز مکمل کرنے والا ہے؛ لہٰذا جب امام پر سجدۂ سہو واجب ہوا، تو نائب پر بھی واجب ہوگا؛ البتہ اگر سجدۂ سہو کا وجوب ایسا ظاہر ہوا

کہ نائب پہلے سے علم میں ہو، تب تو مسئلہ بالکل واضح ہے؛ لیکن اگر وجوبِ سجدۂ سہو کا سبب مخفی ہو اور صرف امام کے علم میں ہو، مثلاً اس نے چار رکعت والی نماز فرض نماز کے قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود پڑھ لیا ہو، تو ایسی صورت میں اصل امام کی ذمہ داری ہے کہ وہ نائب کو اشارہ سے سجدۂ سہو کی بات سمجھا دے، زبان سے کچھ نہ کہے اور اشارہ کے لئے فقہاء سے دو باتیں منقول ہیں، اول یہ کہ انگلی سے سینہ کی طرف اشارہ کرے، دوسرے یہ کہ گردن کو دائیں، بائیں گھما کر اشارہ کرے۔ الغرض کوئی بھی ایسا اشارہ ہونا چاہئے کہ جس سے امام کو پتہ چل جائے کہ امام (اول) پر سجدۂ سہو واجب تھا۔

وإذا أحدث الإمام وقد سها فاستخلف رجلا سجد خليفته للسهو بعد السلام لقيامه مقام الأوّل، وإن سها خليفته فيما يتم أيضا كفاه سجدتان لسهوه ولسهو الأوّل، كما لو سها الأول مرتين. (الفتاویٰ التاتارخانية ٢/٤٢٥ زكريا)

من سبقه حدث وكان إماما فإنه يستخلف رجلا مكانه يأخذ بثوب رجل إلى المحراب أو يشير إليه، ولو تكلم بطلت صلاتهم، ولو ترك ركوعاً يشير بوضع يده على ركبتيه ...... وللسهو على صدره، وقيل يحول رأسه يميناً وشمالا، كذا في الظهيرية. (البحر الرائق ١/٣٦٩ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاه: احقر محمد سلمان منصور پوری ۱۵/۲/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسبوق نے بھول کر امام کے ساتھ سلام پھیر دیا؟

سوال (۳۷۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی مسبوق بھول کر امام کے ساتھ سلام پھیر دے پھر اس کے بعد اس کو یاد آیا، تو اس کا کیا حکم ہے؟ سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسبوق شخص نے بھول سے سلام پھیر دیا تو اس کی تین صورتیں ہیں:

(۱) امام سے پہلے سلام پھیرا۔

(۲) امام کے بالکل ساتھ ساتھ سلام پھیرا۔

(۳) امام کے بعد سلام پھیرا (جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے) تو ان میں پہلی اور دوسری صورت میں مسبوق پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہے اور تیسری صورت میں واجب ہے، خواہ ایک طرف سلام پھیرا ہو یا دونوں طرف پھیر دیا ہو۔

عن إبراهيم في الرجل يفوته من الصلاة شيء ثم يسلم ناسياً قال: يقوم، فيبني، ثم يسجد سجدتي السهو. (مصنف عبد الرزاق، الصلاة / باب هل على من خلف الإمام سهو ۳۱٦/۲ رقم: ۳۵۱۱)

ومن أحكامه أنه لو سلّم مع الإمام ساهياً أو قبله لا يلزمه سجود السهو؛ لأنه مقتد وإن سلّم بعده لزمه. (البحر الرائق ٦٦۲/۱، الفتاویٰ التاتارخانية ٤۲٦/۲ رقم: ۲۸٦۳ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۴/۲/۵ھ

مسبوق کا امام کے ساتھ سجدۂ سہو پر سلام پھیرنا؟

سوال (۳۷۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسبوق امام کے ساتھ سجدۂ سہو کے سلام میں یہ معلوم ہوتے ہوئے بھی کہ ابھی اس کی نماز مکمل نہیں ہوئی مطابقت کرے، تو کیا اس کی نماز فاسد ہوجائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسبوق اگر امام کے ساتھ سہواً سجدۂ سہو پر سلام پھیر دے، تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی؛ اس لئے کہ سجدۂ سہو بھی امام کی نماز ہی میں داخل ہے۔

والمسبوق يسجد مع إمامه مطلقاً، سواء كان السهو قبل الاقتداء أو

بعده، ثم يقضي ما فاته. (شامي ٢/٥٤٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۶/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسافر نے چار رکعت پڑھادی اور سجدۂ سہو نہ کیا؟

سوال (۳۷۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید مسافر تھا اور کسی گاؤں میں پڑھانے کی بات چیت ہوچکی تھی جب دوسرے دن اس گاؤں میں پہنچا تو بطور امتحان مسافر ہونے کی حالت میں ظہر وعصر کی نماز بھولے سے بجائے قصر کے پوری چار رکعت پڑھادی اور قعدۂ اولیٰ بھی کیا تھا اور عصر کی تیسری یا چوتھی رکعت میں یاد آ گیا تھا کہ میں مسافر ہوں جب بھی سجدۂ سہو نہیں کیا تو کیا نماز ہوگئی یا نہیں؟ اور اگر یہ اعلان کیا جائے کہ نماز نہیں ہوئی اپنی اپنی نمازیں لوٹالیں تو فتنہ کا اندیشہ ہے تو ایسی حالت میں کیا کیا جائے؟ نیز مقتدی حضرات میں سے کچھ راہ گیر بھی تھے، ان کا پتہ نہین کہاں کے تھے اگر نماز نہیں ہوئی تو ان کا کیا ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید نے بحالتِ مسافرت چار رکعت نماز پڑھادی اور دو رکعت پر قعدہ کرلیا، تو خود زید کا فریضہ تو ادا ہوگیا؛ لیکن چوں کہ اس نے تاخیر سلام کی بنا پر واجب سجدۂ سہو نہیں کیا، اس لئے قولِ راجح کے مطابق اس کی نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

اور اس کے پیچھے پڑھنے والے تمام مقتدیوں کی نماز فرض ادا نہیں ہوئی؛ لہٰذا زید پر ضروری ہے کہ مقتدیوں میں سے جتنے لوگ مل سکیں، فساد نماز کی اطلاع دے، ورنہ وہ گنہگار ہوگا اور جو مقتدی چلے گئے اور ان کو اطلاع دینے کی کوئی صورت نہیں ہے، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرے۔ (فتاویٰ دار العلوم ۴/۶۷)

لو اقتدیٰ مقیمون بمسافر وأتم بلا نية إقامة وتابعوه فسدت صلاتهم لكونه متنفلاً في الأخريين. (شامي ١/٥٨١ كراچی، شامي ٢/٦٢٧ زكريا)

يلزم الإمام إخبار القوم إذا أمهم وهو محدث أو بالقدر الممكن بكتاب

أو رسول على الأصح لو معنيين وإلا لا يلزمه – إلى قوله – لكونه عن خطأٍ معفو عنه. (تنوير على الشامي ۱/ ۵۹۱ كراچی، شامي ۲/ ۳٤۰ زكريا)

فإن صلى أربعاً وقعد في الثانية قدر التشهد أجزأته والأخريان نافلة ويصير مسيئاً لتاخير السلام، وإن لم يقعد في الثانية قدرها بطلت، كذا في الهداية. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۳۹، البحر الرائق ۲/ ۶۰۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۹/ ۱۴۱۵ھ

قعدۂ اولیٰ میں بار بار تشہد پڑھنا؟

سوال (۳۸۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آدمی نے التحیات پڑھنی شروع کی؛ لیکن کچھ سوچنے لگا پھر دوبارہ شروع سے التحیات پڑھنی شروع کی، تھوڑی ہی پڑھی پھر ذہن کہیں چلا گیا، پھر شروع سے پڑھنی شروع کی تو اس شخص پر سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر قعدۂ اولی میں کوئی شخص تشہد کو بار بار شروع سے پڑھتا ہے تو قیام میں تاخیر ہونے کی وجہ سے اس پر سجدۂ سہو لازم ہوگا، اور اگر قعدۂ اخیرہ میں تشہد کو بار بار پڑھتا ہے، تو اس کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم نہ ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۴/ ۶۹)

لو كرر التشهد في القعدة الأولى، فعليه السهو لتاخير القيام –إلى قوله – ولو كرر التشهد في القعدة الأخيرة، فلا سهو عليه. (البحر الرائق ۲/ ۱۷۲– ۱۷۳ زكريا، الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۲۷، كذا في الحاشية الطحطاوية ٤٦١، حلبی كبير ٤٦٠، الفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ٤٠١ رقم: ۲۷۹٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/ ۱/ ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر سجدۂ سہو میں سہو ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال (۳۸۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر سجدۂ سہو میں سہو ہو جائے یعنی یہ یاد نہ رہے کہ میں نے دو سجدے کئے ہیں یا نہیں؟ یا تشہد پڑھی ہے کہ نہیں، تو پھر کیا کرنا ہوگا؟ نماز ہوگی یا نہیں یا دوبارہ سے نماز کا اعادہ کرنا ہوگا یا پھر سے سہو کے اندر ہی سہو کرنا ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سجدۂ سہو میں سہو ہو جائے اور غالب گمان ہو کہ سجدۂ سہو نہیں کیا ہے، تو سجدۂ سہو کر کے سلام پھیر دے، اور اگر کسی ایک جانب گمان غالب نہ ہونے پائے تو بہتر ہے کہ نماز کا اعادہ کر لے۔

عن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: صلی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم – وطرفه – وقال: إذا شک أحدکم في صلاته فلیتحر الصواب فلیتم علیه، ثم لیسلم ثم لیسجد سجدتین. (سنن أبي داؤد، الصلاة / باب إذا صلی خمساً ١٤٦/١ رقم: ١٠٢٠ دار الفکر بیروت)

إذا شک في صلاته عمل بغالب ظنه إن کان له ظن للحرج أي في تکلیفه بالعمل الیقین. (شامي ٥٦١/٢ زکریا)

ولو ظن الإمام السهو فسجد له فتابعه، فبان أن لا سهو، فالأشبه الفساد لاقتدائه في موضع الإنفراد (درمختار) وقیل: لا تفسد وبه یفتی. وفي البحر عن الظهیریة: قال الفقیه أبو اللیث: في زماننا لا تفسد؛ لأن الجهل في القراء غالب.

(درمختار مع الشامي / باب الإمامة قبیل باب الاستخلاف ٣٥٠/٢ زکریا، شامي ٥٩٥/١ کراچی، حلبي کبیر ٤٦٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۵/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سجدۂ سہو کے وجوب کے بغیر سجدۂ سہو کرنے سے نماز کا حکم؟

سوال (۳۸۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سجدۂ سہو کے وجوب کے بغیر اگر سجدۂ سہو کرلیا گیا تو نماز کی صحت پر اس کا کیا اثر ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسی طرح کے سوال کے جواب میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ''نماز ہوجائے گی، اگر دونوں طرف سلام پھیرا ہے تو اعادہ واجب نہیں، اور اگر ایک طرف سلام پھیرا ہے تو چوں کہ ایک واجب یعنی سلام ثانی ترک کردیا، اعادہ واجب ہوگا''۔ (امداد الفتاویٰ ۱؍۵۴۷)

حضرت موصوفؒ نے اس فتویٰ کے متعلق کوئی عربی عبارت نقل نہیں فرمائی؛ لیکن تلاش کے بعد بدائع الصنائع کے ایک اصول سے مذکورہ حکم کی تائید معلوم ہوئی کہ اگر ایک سلام پھیر کر بلا ضرورت سجدۂ سہو کرے تو چوں کہ سجدۂ سہو میں اشتغال صحیح نہیں ہے، اس لئے وہ ایک سلام نمازی کو تحریمہ سے خارج کردے گا، اور جب آدمی تحریمہ ہی سے خارج ہوگیا تو اب سجدۂ سہو سے ترک واجب (سلام ثانی) کی تلافی نہیں ہوسکتی؛ لہٰذا اعادہ واجب ہوگا، اور جب دونوں طرف سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرے گا تو اس وقت اگرچہ سجدۂ سہو کا سابقہ نماز سے تعلق منقطع ہے؛ لیکن چوں کہ کوئی واجب ترک نہیں ہوا؛ اس لئے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

فإن اشتغل بسجدتي السهو وصح اشتغاله بهما تحققت الضرورة إلى بقاء التحريمة فبقيت وإن لم يشتغل لم تحقق الضرورة فيعمل ......السلام في الإخراج عن الصلاة وإبطال التحريمة عمله. (بدائع الصنائع ۱/ ۷٤ ۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۹/۳/۲۶ھ

بیٹھ کرنماز پڑھنے والے کا سجدہ سے اٹھ کر نیت باندھنے کے بجائے رانوں پر ہاتھ رکھنا؟

سوال (۳۸۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید بیٹھ کر ظہر کے چار فرض پڑھ رہا تھا، پہلی ہی رکعت میں بھول سے سجدہ سے اٹھ کر بجائے ہاتھ باندھنے کے دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھ لئے، کچھ دیر بعد یاد آنے پر پھر باندھ لئے، پھر دوسری رکعت میں سجدہ سے اٹھ کر ہاتھ بجائے رانوں پر رکھنے کے اورالتحیات پڑھنے کے باندھ لئے، اورالحمد شروع کردی، پھر یاد آنے پر دونوں ہاتھ رانوں پر رکھ کر التحیات پڑھی، پھر بقیہ ہر رکعت مکمل کر کے چار رکعت پر سلام پھیر دیا، مگر سجدۂ سہو نہیں کیا، کیا ایسی صورت میں نماز درست ہوگئی یا سجدۂ سہو واجب تھا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں زید نے جب کہ پہلی رکعت میں سجدے سے اٹھ کر ہاتھ باندھنے کے بجائے سہواً ہاتھ رانوں پر رکھ کر تین تسبیح کے بقدر وقت گذرنے سے پہلے اس نے ہاتھ باندھ لئے تو اس صورت میں اس پر سجدۂ سہو لازم نہیں ہوا؛ البتہ دوسری رکعت میں سجدہ سے اٹھ کر بجائے ہاتھ رانوں پر رکھ کر التحیات پڑھنے کے ہاتھ باندھ لئے اورالحمد شریف شروع کردی تھی، پھر یاد آنے پر اس نے ہاتھ رانوں پر رکھ کر التحیات پڑھنی شروع کی، تو اس صورت میں اس پر سجدۂ سہو لازم ہوگا اور سجدۂ سہو نہ کرنے کی صورت میں نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

(فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۷؍۴۲۳-۴۶۰)

أما التقديم والتأخير فلأن مراعات الترتيب واجبة عند أصحابنا الثلاثة ووجوبه بشيء واحد وهو ترك الواجب. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۳۸۹/۲ زکریا، الفتاویٰ الهندیة ۱۲۶/۱)

قوله: وجب عليه سجود السهو إذا شغله التفكر عن أداء واجب بقدر

رکن وهو مقدر بثلاث تسبيحات. (طحطاوي على المراقي ٤٧٤ أشرفية)

إذا قرأ الفاتحة مكان التشهد أو قرأ آية من القرآن فعليه السهو، وكذا إذا بدأ في موضع التشهد بالقراءة ثم تشهد فعليه السهو. (الفتاوىٰ التارتارخانية ٣٩٧/٢ رقم: ٢٧٨١ زكريا)

فلو عاد إلى القعود بعد ذٰلك أي بعد ما استقام قائماً تفسد صلاته لرفض الفرض لما ليس بفرض وصححه الزيلعي، وقيل: لا تفسد، لكنه يكون مسيئاً أي يأثم ويسجد لتأخير الواجب وهو الأشبه كما حققه الكمال وهو الحق.

(درمختار مع الشامي ٥٤٩/٢ زكريا)

وفي الشامي: إذا كان الوقت صالحاً أي لأداء تلك الصلاة فيه. ثم رأيته في البدائع: علّل هٰذا بأن السجدة تجبر النقصان المتمكن فجرىٰ مجرى القضا وقد وجبت كاملة فلا تقضىٰ بالناقص. (شامي ٥٤٢/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۱/۱۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دوسری رکعت میں سورت کے بجائے التحیات یا درود شریف پڑھنا

سوال (۳۸۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی شخص نے پہلی رکعت کے سجدے سے اٹھنے کے بعد دوسری رکعت میں سورت سے پہلے التحیات یا درود شریف شروع کردیا، یا نوافل کی دوسری تیسری یا چوتھی رکعت میں ایسا کیا، تو کیا سجدۂ سہو کرنا واجب ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں سجدۂ سہو واجب ہے؛ کیوں کہ یہ سورت پڑھنے کا محل ہے، جس کا پڑھنا واجب ہے، اس وجہ سے تاخیر واجب کی بناء پر سجدۂ سہو لازم

آئےگا۔

وذكر الناطفي في الأجناس عن محمدؒ: لو تشهد في قيامه قبل قراءة الفاتحة فلا سهو وبعدها يلزمه، قال السروجيؒ وهو الأصح؛ لأنه محل قراءة السورة فقد أخر الواجب أيضاً. (غنية المستملي ٤٦٠، الفتاوىٰ الهندية ١٢٧/١، البحر الرائق ١٧٢/٢، تبيين الحقائق ٤٧٤/١ بيروت، الفتاوىٰ التاتارخانية ٣٩٧/٢ رقم: ٢٧٨٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۴/۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قعدۂ اخیرہ میں التحیات اور درود شریف پڑھنے کے بعد دیر تک خاموش رہنا؟

سوال (۳۸۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی نے قعدۂ اخیرہ میں التحیات، درود شریف پڑھنے کے بعد سلام نہیں پھیرا؛ بلکہ کسی سوچ میں دیر تک خاموش رہا، تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا۔ (مسائل سجدہ سہو بحوالہ کبیری ۴۳۷)

کیا مذکورہ مسئلہ صحیح ہے؟ جب کہ اصول یہ ہے کہ قعدۂ اخیرہ میں التحیات کے بعد سہو ہوجائے تو سجدۂ سہو واجب نہیں۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل ۳/۳۶۸)

التحیات کے بعد قعدۂ اخیرہ میں دیر تک خاموش رہا تو اس پر سجدۂ سہو وجب نہیں۔ (مسائل نماز، بحوالہ شامی ۷۰۷، فتاویٰ رحیمیہ ۱۹/۵، عالمگیری ۱/۱۲۸) مذکورہ نمبر ۲/ اور ۳/ میں سے کونسا مسئلہ صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسائل سجدۂ سہو سے جو مسئلہ کبیری کے حوالہ سے ذکر کیا گیا ہے، اس کی عبارت یہ ہے:

وإن سها عن السلام يعني بالسهو عن السلام بأنه أطال القعدة الأخيرة

ساكتاً قدر أداء ركن أو أكثر على ظن أنه خرج من الصلاة ثم علم أنه لم يخرج ولم يسلم فسلم يسجد للسهو لتاخيره الواجب. (كبيري ٤٣٧، مسائل سجدهٔ سهو ٧٢)

اور آپ کے مسائل اور ان کا حل ۲/۳۶۸ میں جو اصول لکھا گیا ہے کہ قعدۂ اخیرہ میں التحیات کے بعد سہو ہو جائے تو سجدۂ سہو واجب نہیں، یہ بغیر کسی حوالہ کے مذکور ہے۔ نیز عربی کتابوں میں بھی ایسا کوئی اصول نظر سے نہیں گذرا۔

اور ''مسائل نماز'' میں جن کتابوں کے حوالہ سے مذکورہ صورت میں سجدۂ سہو کا وجب نہ ہونا لکھا ہے، یہ صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ شامی میں سجدۂ سہو کے وجوب کا اثبات ہے۔

كما قال الشامي: فقيل ما لزم منه تاخير الواجب أو الركن عن محله بأن قطع الاشتغال بالركن أو الواجب قدر أداء ركن وهو الأصح.

وقال أيضاً: ودخل في قوله أو عن أداء واجب ما لو شغله عن السلام لما في الظهيرية: لو شک بعد ما قدر التشهد أصلیؒ ثلاثاً أو أربعاً حتى شغله ذٰلک عن السلام ثم استيقن وأتم صلاته فعليه السهو......، وعلله في البدائع: بأنه أخر الواجب وهو السلام. (بدائع الصنائع ٢/٥٦٢، شامي ٢/٥٦٢ زكريا)

كما قال: وإذا قعد المصلي في صلاته وتشهد ثم شک أنه صلى ثلاثاً أم أربعاً حتى شغله ذٰلک عن التسليم ثم استيقن أنه صلى أربعاً فأتم صلاته فعليه سجود السهو. (الفتاویٰ الهندية ١/١٢٩)

اور فتاویٰ رحیمیہ کا جو حوالہ دیا گیا ہے وہ غلط ہے؛ بلکہ اسی نوعیت کا مسئلہ فتاویٰ رحیمیہ ۵/۱۸ پر موجود ہے، جس میں سجدۂ سہو کے وجوب کی نفی کے بجائے اثبات ہے۔

لہٰذا مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ مسائل سجدۂ سہو کا مسئلہ صحیح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۰/۴/۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قعدۂ اخیرہ میں سلام سے پہلے تین تسبیحات کے بقدر خاموش رہنا؟

سوال (۳۸۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص تشہد، درود شریف اور دعاء کے بعد بقدر تین تسبیحات خاموش رہتا ہے، تو تاخیر واجب سلام کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں، اور اگر سجدۂ سہو واجب ہے تو پھر سلام کے لئے دوبارہ تشہد اور درود شریف وغیرہ پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: بالقصد تین تسبیحات کے بقدر تاخیر سلام کی وجہ سے اس پر سجدۂ سہو واجب ہے، اور سجدۂ سہو کے بعد دوبارہ تشہد اور درود پڑھے۔

وإذا قعد المصلي في صلاته وتشهد ثم شك أنه صلى ثلاثاً أو أربعاً حتى شغله ذٰلك عن التسليم ثم استيقن أنه صلى أربعاً فأتم صلاته فعليه سجدة السهو. (الفتاوىٰ الهندية ۱/ ۱۲٦ – ۱۳۱، كذا في الفتاوىٰ التاتارخانية ۲/ ٤۳۲ رقم: ۲۸۸٦ زكريا)

ويجب أيضاً تشهد وسلام لأن سجود السهو يرفع التشهد ويأتي بالصلاة على النبي صلى اللّٰه عليه وسلم والدعاء في القعود الأخير في المختار. (شامي ۲/ ۷۹ کراچی، ۲/ ٥٤۱ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ۱/ ۱۲٥، تبيين الحقائق ۱/ ٤۷۲ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۱/۴/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قعدۂ اخیرہ میں التحیات پڑھ کر بھول سے اٹھا اور پورا کھڑا ہونے سے پہلے بیٹھ گیا؟

سوال (۳۸۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا کہ قعدۂ اخیرہ میں التحیات پڑھ کر کھڑا ہوگیا، اور ابھی سیدھا ہونے

کے قریب ہی تھا کہ اچانک یاد آیا اور وہ واپس بیٹھ گیا، پھر از سر نو تشہد پڑھا اور سلام پھیر کر سجدۂ سہو کیا، پھر مکمل التحیات ودعا وغیرہ پڑھ کر نماز پوری کی، تو مذکورہ صورت میں نماز ہوئی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو پھر ایسی صورت پیش آنے کی صورت میں نماز کس طرح مکمل کی جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں نماز درست ہوگئی، ایسی شکل پیش آنے کی صورت میں رکوع وسجود سے قبل قعدۂ اخیرہ میں واپس آنے کے بعد پہلے تشہد پڑھے اور پھر سجدۂ سہو کرے، اس کے بعد تشہد ودعا وغیرہ پڑھ کر نماز کو مکمل کرے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۲/۳۸۳)

إن قعد في الرابعة مثلاً قدر التشهد ثم قام أي ولم يسجد عاد وسلم أي عاد للجلوس لما مرَّ أن ما دون الركعة محل للرفع، وفيه إشارة إلى أنه لا يعيد التشهد...... والعود للتسليم جالساً سنةٌ. (درمختار مع الشامي ۲/ ۵۵۳ زکریا، ۲/ ۸۷ کراچی، البحر الرائق ۲/ ۱۸٤، فتح القدير ۱/ ۵۱۱ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۲۲/۲/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چار یا تین رکعت والی نماز میں دو رکعت پر سلام پھیر دینا؟

سوال (۳۸۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شخص نے چار یا تین رکعت والی نماز میں قعدۂ اولیٰ کے بعد سلام پھیر دیا اور قعدۂ اولیٰ کو قعدۂ اخیرہ سمجھا، تو ایسے شخص کی نماز کا کیا حکم ہے؟ اور اگر یہ سمجھ کر قعدۂ اولیٰ میں سلام پھیرا کہ وہ مسافر ہے اور اس کے ذمہ دو ہی رکعت واجب ہیں، حالاں کہ وہ مقیم تھا تو کیا حکم ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کسی شخص نے چار یا تین رکعت والی نماز میں قعدۂ اولیٰ کے بعد یہ سمجھتے ہوئے سلام پھیرا کہ یہی قعدۂ اخیرہ ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی، اور اخیر میں سجدۂ

سہو سے کام بن جائے گا؛ لیکن اگر مذکورہ نمازوں میں قعدہ کے بعد یہ سمجھ کر سلام پھیرا کہ اس پر دو ہی رکعت واجب ہے، حالاں کہ درحقیقت چار واجب تھیں، مثلاً: مقیم شخص اپنے کو مسافر سمجھتے ہوئے دو رکعت پر سلام پھیر دے، یا ظہر کی نماز کو جمعہ کی نماز سمجھتے ہوئے دو رکعت پر سلام پھیرے، تو اس صورت میں سلام پھیرتے ہی نماز فاسد ہو جائے گی۔

إلا السلام ساهياً، للتحليل أي للخروج من الصلاة قبل إتمامها على ظن إكمالها فلا يفسد، بخلاف السلام على إنسان للتحية، أو على ظن أنها ترويحة مثلاً فإنه يفسدها مطلقاً. (درمختار) **قال الشامي: أي بأن كان يصلي العشاء فظن أنها التراويح ومثله ما لو صلى ركعتين من الظهر فسلم على ظن أنه مسافر أو أنها جمعة أو فجر.** (شامي ۲/۳۷۲ زكريا، طحطاوي ۱۷۶، الفتاویٰ التاتارخانية ۲/۴۱۳ رقم: ۲۸۲۷ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چار رکعت والی نماز میں امام نے تیسری پر سلام پھیر دیا؟

سوال (۳۸۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام صاحب نے ظہر کی نماز میں تین رکعت پر ہی قعدۂ اخیرہ کر کے نماز پوری کر دی، بعض لوگ ایسے تھے کہ جن کی ایک رکعت دو رکعت تین رکعتیں ہوئی تھیں، تو پھر امام صاحب نے نماز دوبارہ ادا کرائی، جس میں رکعت چھوڑنے والے بھی تھے اور نئے لوگ بھی تھے، جن کو کوئی رکعت نہیں ملی تھی، تو کس کی نماز ہوئی اور کس کی نہیں ہوئی؟ اور نہ ہونے کا سبب بھی بتائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تین رکعت پر سلام پھیرنے کی وجہ سے امام اور مقتدی سبھی کی نماز فرض باطل ہوگئی اور دوبارہ نماز گویا کہ از سر نو پڑھی گئی ہے؛ لہٰذا دوسری جماعت میں

شریک سبھی لوگوں کی نماز درست اور صحیح ہو جائے گی، خواہ وہ پہلی نماز میں شریک رہے ہوں یا بعد میں آئے ہوں، یا بیچ میں شریک ہوئے ہوں۔

قال الملا علي القاري: لأن صلاة الإمام متضمنة بصلاة المقتدي صحة وفساداً لقوله عليه السلام: الإمام ضامن. (مرقاة المفاتيح)

إن صلاة الإمام متضمنة لصلاة المقتدي فإذا صحت صلاة الإمام صحت صلاة المقتدى إلاَّ لمانع آخر، وإذا فسدت صلاته فسدت صلاة المقتدي؛ لأنه متى فسد الشيء فسد ما في ضمنه. (شامي ۱/۵۹۱ کراچی، شامي ۲/۳٤۰ زکریا) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۴/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چار رکعت پر قعدہ کر کے بھولے سے پانچویں کے ساتھ چھ رکعت پوری کر لی؟

سوال (۳۹۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم نے نماز میں چار فرض رکعت کی نیت باندھی اور چار پوری کر کے پانچویں کے لئے کھڑے ہو گئے، تو چھٹی بھی ملا لی اور نماز پوری کر لی تو چار رکعت فرض ہماری ادا ہوئی یا سب نفل ہو گئی یا فرض دوبارہ پڑھنا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اگر چار رکعت پر قعدہ کر کے مزید دو رکعت ملائی ہے، تو چار رکعت فرض ہو گئی، اور دو رکعت نفل تاہم اس میں سجدۂ سہو ضروری ہے، اگر سجدۂ سہو نہ کیا، تو نماز واجب الاعادہ ہو گی۔

عـن قتادة في رجل صلى الظهر خمساً قال: يزيد إليها ركعة فتكون صلاة الـظهر وركعتين بعدها تطوعاً . (مـصنف عبد الرزاق / باب الرجل يصلي الظهر أو العصر خمساً ٢/٣٠٣ رقم: ٣٤٦٠)

وإن قـعد الأخيرة ثم قام عاد و سلم من غير إعادة التشهد و سجد للسهو.

(نـور الإيـضـاح عـلـى الطحطاوي ٤٦٩ زكريا، مراقي الفلاح ٤٧٠، كذا في الشامي ٢/٨٧، البحر الرائق ٢/١٨٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۴/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ